اسلام اور سیاست

جلد(2)

مصنف

آیۃ اللہ مصباح یزدی

فہرست

چو بیسواں جلسہ
حکومت کی عظیم منصوبہ بندی (1)
1۔ حکومت کی ضرورت
2قوہ مجریہ کے اھداف کے سلسلہ میں مختلف نظریات
3۔ انبیاء (ع) کی حکومت کے اغراض ومقاصد
4۔ لیبرل "Liberal"(آزادی خواہ)نظام میں اجتماعی مشکلات کا اثر
5۔ لیبرل نظام سے لوگوں کی انسیت کی دلیل
6۔ اسلامی حکومت کے ڈھانچہ کے سلسلہ میں ایک طریقہ
1قانون کی شناخت:
2قوانین کو نافذ کرنے کی طاقت:
7۔ عوام الناس میں حکومت کی مقبولیت ضروری ھے۔

پچیسواں جلسہ
حکومت کی عظیم منصوبہ بندی(2)
1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
2۔ حکومت، انسانی معاشرہ کی دائمی اور ھمیشگی ضرورت ھے۔
3۔ حکومت کی ضرورت پر اسلام اور قرآن کا نظریہ
4طاقت و قدرت کی ضرورت
5۔ مدیروں میں تقویٰ اور اخلاقی صلاحیت ھونا ضروری ھے
6۔ فلسفہ سیاست میں حکومت کی مشروعیت
7۔ حکومت کی مشروعیت کے سلسلہ میں اسلامی نظریہ کا لیبرل معاشرہ سے فرق
وضاحت :

چھبّیسواں جلسہ
حکومت کے مخصوص کام اور عوام الناس کے ھاتھ بٹانے پر اسلام کا زور
1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر 2۔ حکو
مت کے عظیم اور مخصوص کام
3۔ حکومت کے دو طرفہ وظائف
4۔ کم در آمد لوگوں کو مدد پہنچانے والی کمیٹیوں کی ضرورت
5۔ عوام الناس کی شرکت پر اسلام کی توجہ 6۔ عوام ا
لناس کی شرکت کو کم کرنے والے اسباب 7۔اسلام میں جامعہ مدنی کی اھمیت
8۔ اسلامی انتخاب کے معیار سے مخالفت کے نئے حیلے
9۔ اسلامی اصول اور اقدار کی حفاظت اور دشمن زمینہ سازی سے مقابلہ کی ضرورت

ستّائیسواں جلسہ
اسلامی حکومت کی خاص پھچان
1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
2۔ نظام اسلامی اور لائیک نظام میں حکو مت کے سلسلہ میں بنیادی فرق

3۔ مغربی کلچر کے عاشق افراد کی طرف سے سیکولر حکومت کی پیش کش
4۔ اسلامی شعار کا حفظ اور رائج کرنا ، حکومت کی ایک ذمہ داری
5۔ حکومت اور اس کے کردار ی پهلو
6۔ ”ٹوٹالیٹر“(1) (Totalitair) اور ”لیبرل“حکومت کا مڈل
7۔ اسلامی نظریہ کے تحت حکومت کیسي هونا چاهئے
8۔ متحد حکومتوں کے نقائص
پهلا اشکال
دوسرا اشکال
تیسرا اشکال

اٹھائیسواں جلسہ
اسلامی حکومت اور جائز آزادی اوراقدار کی رعایت کرنا
1۔ حکومت کی ضرورت پر ایک اشارہ
2۔ انسانی کردار میں اصل اوّلی
3۔ سزا دینے کے سلسلہ میں اسلام کا تربیتی پهلو
4۔ حکومت کے مخصوص ثابت او رمتغیر کام
5۔ قوانین جاری کرنے کے طریقہ کار میں اسلامی اور غیر اسلامی حکومتوں میں فرق

انتیسواں جلسہ
اسلامی حکومت کی ذمہ داری کے بارے میں نظریات
1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
2۔ اسلامی حکومت کے عہدہ داروں کے شرائط
الف۔ قانون کی پهچان
ب۔ اخلاقی صلاحیت
ج۔ مدیریتی مهارت اور تجربہ
3۔ عہدہ داری کے شرائط کا نصاب معین کرنے کی ضرورت
4۔ اخلاقی صفات کے بارے میں ”کانٹ“ کے نظریہ کی ردّ
5۔اقدار اور وظائف کے بارے میں اسلامی درجہ بندی نظریہ
6۔عبادت کے بهی مختلف درجات هیں
7۔ اسلامی حکومت کے درجہ بندی شدہ نمونے
8۔ ولایت فقیہ کی حکومت پر عقلی دلیل

تیسواں جلسہ
اسلامی حکومت سے ولایت مطلقہ فقیہ کی نسبت
1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
2۔ اسلامی حکومت کے وظائف اور اختیارات کا برابر کا توسعہ
3۔ حکومتی اختیارات سے ولایت مطلقہ فقیہ کی نسبت
4۔ مخالفین کی طرف سے ولایت مطلقہ کے بارے میں شک وشبهات
5۔ اسلامی حکومت کا ڈھانچہ
الف۔ اسلامی قوانین کی وسعت اوران کا نسخ نہ هونا
ب۔اسلام کی طرف سے حکومت کے درجہ وار نمونے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

6۔ اسلامی نقطہ نظر سے ”حکومت میں حکومت“ کے نقشہ کی تاریخ
7۔ حضرت امام خمینی (رہ)کی طرف سے ”ولایت مطلقہ فقیہ“ کا نقشہ
8۔ مقبولہ(روایت) عمر بن حنظلہ سے ولایت فقیہ
9۔ اسلام کی نظر میں تفکیک قوا (قدرت کا جدا جدا ہونا) کا جائزہ
10۔ طاقت کے ایک ساتھ ہونے کا سبب
1پارلیمنٹی نظام
2۔ ریاستی نظام

اکتیسواں جلسہ
تفکیک قوا (قدرتوں کی جدائی) کے نظریہ کی تحقیق اور اس پر نقد وتنقید
1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
2۔ تفکیک قوا (قدرتوں کی جدائی) کے نظریہ کی تاریخی حیثیت
3۔ تفکیک قوا نظریہ کے دلائل پر ایک نظر
4۔ تفکیک قوا کو بالکل محدود کرنا نا ممکن
5۔ تینوں طاقتوں پر ایک ناظر اور ھم آھنگ کرنے والی طاقت کی ضرورت
6۔ ولایت فقیہ معاشرہ کے اتحاد کا مرکز

بتّیسواں جلسہ
اسلامی نظام کے اعتقادی عظمت بیان ہونے کی ضرورت
1۔ اسلامی حکومت کی تھیسز "The'sis" کی پہچان کے مختلف طریقے
الف۔ مختصر شناخت:
ب۔ مخصوص اور علمی شناخت:
ج۔ متوسط شناخت:
۔ قانون کی ضرورت اور اس کے خصوصیات پر ایک نظر
3۔ قوانین جاری کرنے والے کے صفات پر دوبارہ ایک نظر
4۔اعتقادی اصول سے اسلامی حکومت کی تھیوری کا تعلق
5۔ حکومت کے طولی(تحت) مراتب کی منطقی اور عقلی دلیل
6۔ اسلامی حکومت کے سلسلہ میں چند سوالات

تینتیسواں جلسہ
اسلام اور حکومت کے مختلف نقشے
1۔ اسلام کی طرف سے حکومتی سلسلہ میں کوئی طریقہ بیان نہیں کیا گیا (ایک اعتراض)
2۔ مذکورہ اعتراض کا جواب، اور حکومت کی شکل کے سلسلہ میں اسلامی نظریہ
3۔ حکومتی ثابت اور مسلم ڈھانچہ پیش کیا جانا ممکن نہیں
4۔ حکومت کا عرفی اور دنیاوی ہونا اور قوانین اسلام کا ھم عصری ہونا (ایک اعتراض)
5۔ مذکورہ اعتراض کا جواب، اور اسلام کے متغیر اور ثابت احکام کی نسبت
6۔ انسانی، تمام مسائل میں احکام الٰھی کی وسعت

چونتیسواں جلسہ
اسلامی احکام کی عظمت اوراس کی دوسرے نظام پر برتری
1۔حکومت اورمتغیر احکام سے اسلامی ثابت احکام کی نسبت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

2۔ احکام اولیہ اور احکام ثانویہ۔ احکام ثانویہ اسلام سے ٹکراتے ھیں (ایک اعتراض)
3۔ ڈیموکریٹک حکومتوں کے نقائص
4۔ قدرتوں میں ھم آھنگ کرنے کے اسباب کا ھونا ضروری ھے
5۔ ولایت فقیہ حکومت کو ھم آھنگ کرنے والی طاقت
6۔ دوسری حکومتوں پر ولایت فقیہ نظام کے امتیازات
الف۔ اندورنی انسجام و یگا نگت
ب۔ روحی اور اندرونی نفاذ کی ضمانت
ج۔ مقام رھبری میں شائستگی اور تقویٰ کے عالی ترین درجات کا ھونا
د۔ انسانی معنوی اور واقعی مصالح کی رعایت

پینتیسواں جلسہ
قوانین اور حکومت سے آزادی کی نسبت
1۔ حاکم کا نصب کرنا آزادی اور ڈیموکریسی سے مطابقت نھیں رکھتا۔ 2۔ تکوینی آزادی اور نظریہ جبر کی تحقیق اور ردّ (ایک اعتراض)
2۔ تکوینی آزادی اور نظریہ جبر کی تحقیق اور ردّ
3۔ معنوی اور اندورنی اقدار کا آزادی سے کوئی ٹکراؤ نھیں
4۔ آزادی اور دینی وظائف کی نسبت
5۔ حدود اور سزاؤں میں آزادی کی نسبت
6۔ حکومت اور قوانین کے زیر سایہ مطلق طور پر آزادی نھیں ھوسکتی
جواب:
7۔ حاکمیت کا خدا سے متصل ھونا

چھتّیسواں جلسہ
اسلامی قوانین قطعی طور پر جاری ھونے چاھئیں
1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
2۔ حکومت کی ضرورت اور انسان کی اجتماعی زندگی کا عکس العمل
3۔ حکومت کی مشروعیت کے منشاء کی طرف ایک اشارہاور ڈیموکریسی پر اشکالات
پھلا اشکال:
دوسرا اشکال:
تیسرا اشکال:
4۔ اسلام میں حکومت کی مشروعیت اور اس کا قانونی ھونا
5۔ انبیاء علیھم السلام اور عوام الناس کی ھدایت کا طریقه
6۔ عوام الناس کی ھدایت میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے کی ضرورت
7۔ الٰھی اقدار کی حفاظت اور مغربی کلچر سے روک تھام ضروری ھے
8۔ قوانین کو جاری کرنے اور دشمن نظام سے بھر پور مقابله
9۔ سازش کرنے والوںاور زر خرید غلاموں کے مقابلہ میں عوام الناس کی ھوشیاری

سیتیسواں جلسہ
تشدد کے سلسلہ میں ایک تحقیق
1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
2۔ دشمنوں کی طرف اسلام کے خلاف پروپیگنڈا اور کارکردگی

3۔ مغربی ممالک میں حقوق بشر کا جھوٹا دعویٰ
4۔ اسلامی نظام پر تشدد طلب ہونے کا الزام اور اس کے خلاف سازشیں
5۔ لوگوں میں انتخابات سے بائیکاٹ کا راستہ ہموار کرنا
6۔ اسلامی مقدسات کی توھین کرنے والوں اور ثقافتی سازشوں سے مقابلہ کی ضرورت
7۔ خداوندعالم کی رحمت اور غضب کے بارے میں اسلامی تصویر کشی
8۔ ھدایت کے موانع کو بر طرف کرنے ،دشمنوں اور منافقین سے مقابلہ کی ضرورت
9۔ اسلامی سزا کے احکام کی مخالفت
10۔ تشدد ، اسلامی سزائی قوانین میں محدود نہیں ھے
11۔ ھر موقع پر علمی شبھات اور اعتراضات کا جواب دیا جائے (اسلامی نظر یہ)
12۔ دشمن کی سازشوں سے مقابلہ کی ضرورت
13۔ دشمنان اسلام سے مقابلہ اور اعلان برائت ضروری ھے (قرآن کریم)

اڑتیسواں جلسہ

اسلامی قوانین کے ساتھ مغربی نظریات کا ٹکراؤ
1۔ تحریک مشروطیت اور مغربی کلچر کا رواج
2۔ اسلام میں مطلوب اور مقصود آزادی کے نقشہ پر بعض مؤلفین کی نا رضا مندی
3۔ مفسد فی الارض کے بارے میں اسلامی حکم
4۔ سخت رویہ نہ اپنانے کا نتیجہ
5۔ تشدد کی بحث کے مقابلہ میں غیر ذمہ دارانہ رویہ
6۔ قرآن مجید میں لفظ " تشدد" کے ھم معنی لفظ کی تحقیق
7۔مغربی اور اسلامی نظر میں تحمل اور ٹولرانس کے معنی

انتالیسواں جلسہ

دینی عقائد و اقدار کے نسبی ھونے کے نظریہ کی تحقیق و بررسی
1۔ دینی مسائل کو مطلق یا نسبی قرار دینا
2۔ معرفت کے نسبی ھونے کے سلسلہ میں تین نظریات
الف: معرفت کے نسبی ھونے پر پھلا نظریہ
ب۔معرفت کے نسبی ھونے پر دوسرا نظریہ
3۔ بعض اقدار کا مطلق اور ثابت ھونا
بعض اقدار کے مطلق ھونے کا معیار
4۔ مغربی تمدن میں تمام دینی عقائد نسبی ھیں
ج۔ معرفت کے نسبی ھونے پر تیسرا نظریہ(معرفت دینی میں نسبیت کا وجود)
5۔ قرائت نسبی اور قرائت مطلق دونوں جدا جدا ھیں

چالیسواں جلسہ

دینی معارف افسانہ ھیں یا حقیقت نما آئینہ
1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
2۔ واقع نما اور غیر واقع نما زبانوں کی اھمیت
3۔ دین کی زبان کو غیر واقع نما قرار دینے کا سبب
4۔مغربی نسبی گرائی نظریہ کی ترویج (وتبلیغ)کرنے والے مغرب پرست روشن خیال
5۔ ھابیل اور قابیل کے واقعہ سے انحرافی نتیجہ

6- دین کی زبان واقع نما نہ ہونا یا دین کی ایک مبہم تصویر
7- قرآن مجید کا شعراء کی زبان سے مقابلہ کرنا؛ بہت سے نتائج ہونے پر دلیل ہے!!
8- ہر منو ٹک فلسفہ میں قرائت کی کثرت اور معرفت کا سیلاب
9- الفاظ کے ذریعہ مختلف حقائق کو سمجھا جاسکتا ہے
10- قرآن کریم سے مطلق اور واقعی معرفت کا حاصل کرنا ممکن ہے
11- قرآن کی زبان کو واقع نما نہ ہونے پر نسبی نظریہ رکھنے والوں کی بے بنیاد دلیل
12- تحریف دین کے سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام کا اظہار افسوس
13- دینی سلسلہ میں ذاتی سلیقہ کو ردّ کیا جائے

اسلام اور سیاست جلد(2)

حضرت آیۃ اللہ مصباح یزدی مد ظلہ العالی

چو بیسواں جلسہ

حکومت کی عظیم منصوبہ بندی (1)

1- حکومت کی ضرورت

ہم نے اسلامی سیاسی فلسفہ کے شروع ہی میں یہ بات عرض کی تھی کہ دوسری حکومتوں کی طرح اسلامی حکومت کے بھی دو بنیادی محور ہوتے ہیں:

1- قانون اور قانونگذاری ۔

2- مدیرت اور قوانین کو نافذ کرنا۔

ہماری گذشتہ بحث پہلے محور پر ہوئی ہے مثلاً قانون کی اہمیت، مطلوبہ قانون کے خصوصیات، اسلام کی نظر میں قانون گذاری، اور اس کے شرائط کے سلسلہ میں بحث ہوئی ، نیز اسی بحث کے ضمن میں مذکورہ سلسلہ میں ہونے والے بعض اعتراضات وشبہات کا بھی جواب دیا گیا۔

لیکن اب ہم دوسرے محور (یعنی مدیریت اور نفوذ قوانین) کے سلسلہ میں بحث کریں گے، اس بحث کے نقشہ کو روشن کرنے کے لئے اس مقدمہ پر توجہ کرنا ضروری ہے کہ کسی مؤسسہ یا سازمان کا ہدف جس قدر واضح اور صاف وشفاف ہوگا اسی مقدار میں اس سازمان کا نقشہ یا اس میں کام کرنے کی شرائط، اسی طرح اس کے منتخب ہونے والے اعضاء کی خصوصیات واضح اور روشن ہوگی اس بنا پر اگر ہم اسلامی حکومت یا حکومت بمعنی خاص یعنی حکومت اسلامی کی مدیریت کے بارے میں بحث کرنا چاہیں اور اس بات کا پتہ لگانا چاہیں کہ اس طاقت کا ڈھانچہ کیسا ہونا چاہئے؟ اس سلسلہ میں کون افراد فعالیت اور کارکردگی کرسکتے ہیناور ان کی خصوصیات اور ان کے اختیارات کیا کیا ہیں؟

تو سب سے پہلے اسلامی حکومت کی تشکیل کے اہداف اور ان میں بھی اسلامی حکومت کی مدیریت کے ہدف اور مقصد سے آگاہ ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر حکومت کی تشکیل کا ہدف معین اور مشخص نہ ہو تو پھر مدیریت کا ڈھانچہ، اس کے ذمہ دارافراد کی خصوصیات اور ان کے اختیارات واضح نہیں ہوپائیں گے لہٰذا مناسب ہے کہ پہلے حکومت (خاص شکل میں یعنی قوہ مجریہ)کی تشکیل کے اغراض و مقاصد کے سلسلہ میں بحث کریں۔

ان لوگوں کے نظریہ کو نظرانداز کرتے ہوئے جو حکومت کو ضروری نہیں مانتے اکثر فلسفہ سیاسی دانشمند افراد حکومت کو ضروری مانتے ہیں یعنی ان کا ماننا یہ ہے کہ معاشرہ میں ایسی انجمن یا مجموعوں کا ہونا ضروری ہے جو احکامات صادر کریں اور دوسرے افراد ان کی اطاعت کریں، یا وہ قوانین جن کو معاشرہ قبول کرتا ہے ان کو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

معاشرہ میں نافذ کریں اور ان قوانین کی مخالفت کرنے والوں کو مخالفت سے روکیں ، یا ان کو مخالفت پر سزا دیں چنانچہ اس بات پر تقریباً سبھی دانشمنداتفاق رکھتے ھیں تجربہ کی بنیاد پر کم و بیش سبھی لوگ اس بات کے قائل ھیں کہ معاشرہ کو حکومت کی ضرورت ھے اسی طرح اسلام بھی اس نظریہ کو قبول کرتا ھے، جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے (نہج البلاغہ میں) فرمایا ھے:یہاں تک کہ اگر معاشرہ میں نیک لوگوں کی حکومت نہ ھو تو ایسے حالات میں ایک فاجر اور برے فرد کی حکومت (حکومت نہ ھونے سے) بہتر ھے

وَإِنَّہ لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ أَميرٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ يَعْمَلُ فِی إِمْرَتِہ الْمُؤْمِنُ وَيَسْتَمْتِعُ فِيْها الْكَافِرُ -(1) “ یعنی لوگوں کے ایک حاکم کی ضرورت ھوتی ھے چاھے وہ نیک ھو یا برا، تاکہ اس کی حکومت میں مومنین اپنا کام کرسکیں اور کافر اپنا فائدہ حاصل کرسکیں

کیونکہ اگر حکومت یا قوانین کو جاری کرنے والا ضامن موجود نہ ھو تو پھر معاشرہ کا نظام درھم وبرھم ھوجائے گا، جس کے نتیجہ میں عام لوگوں کے حقوق پامال اور معاشرہ کے مصالح وفوائد نابود ھوجائیں گے لہٰذا اسلامی نقطہ نظر سے ”بے حکومتی“ قابل قبول نہیں ھے، بلکہ مومنین کے اھم و واجب وظائف میں سے ایک یہ ھے کہ نیک افراد کی حکومت بنائیں تاکہ معاشرہ کے مصالح اور فوائد تامین اور پورے ھوں۔

2۔قوہ مجریہ کے اھداف کے سلسلہ میں مختلف نظریات

اب جب کہ حکومت اور قوہ مجریہ کی ضرورت ثابت ھوگئی تو اب سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ یہ حکومت اور قوہ مجریہ کے اھداف ومقاصد کیا کیا ھیں؟جبکہ اس بات کو تقریباً سبھی جانتے ھیں کہ قوہ مجریہ کا کام قوانین کو نافذ کرنا ھے، پس یہ طے ھوگیا کہ اس کا کام قوانین کو جاری کرناھے، لیکن اب یہ دیکھنا ھوگا کہ وہ قوانین جن کو حکومت نافذ کرنا چاھتی ھے وہ کس طرح کے اور کس ماھیت کے ھونے چاھئیں؟ چنانچہ اس سوال کا جواب ایک دوسرے سوال پر متوقف ھے اور وہ یہ ھے کہ قانون کا ھدف اور مقصد کیا ھے؟ معاشرہ کو قانون کی کیا ضرورت ھے؟ اور وہ قانون لوگوں کے لئے کس چیز کو مد نظر رکھے؟ اس سوال کے جواب میں ھم عرض کرتے ھیں کہ قانون کے اھداف و مقاصدکی دو قسمیں ھوتی ھیں:

پھلی قسم: مادی ااغراض و مقاصد۔

دوسری قسم: معنوی اغراض و مقاصد۔

کلی طور پر سیاسی فلسفہ کے بارے میں بحث کرنے والے دانشوروں نے اس بات کا اعتراف کیا ھے کہ حکومت کو چاھئے کہ وہ لوگوں کے مادی مصالح ومنافع کو تامین کرے، لیکن معنوی مصالح کے بارے میں اختلاف کیا ھے کہ آیا قانون کو لوگوں کے معنوی مصالح کو بھی پورا کرنا ضروری ھے یا نہیں؟ کیا معنوی مصالح کا بھی قانون میں لحاظ کرنا ضروری ھے، اور اس طرح حکومت کو ایسے قوانین کا نافذ کرنا ضروری ھے یا نہیں؟

قدیم زمانہ سے بعض فلسفی مکاتب اس نظریہ کو مورد توجہ قرار دیتے تھے کہ حکومت کو لوگوں کے معنوی مصالح کو بھی تامین کرنا چاھئے،اور وہ قانون جس کی حکومت ذمہ دارھوتی ھے اس قانون کو ایسا ھونا چاھئے جو انسانی فضائل کو مد نظر رکھے غیر دینی فلسفی مکاتبمیں بھی یونانی قدیم فلاسفہ مثل ”افلاطون“ (انسانی) فضیلت پر توجہ دیتے تھے، اور حکومت کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری یہ بھی سمجھتے تھے کہ وہ انسانی فضائل کے رشد و نموکے لئے راستہ ھموار کرے، چنانچہ اسی لئے کھتے تھے : ”حکومت کرنے کا حق صرف انھیں افراد کو ھے جو حکیم (عالم وعاقل) ھوں، جو انسانی فضائل کے اعتبار سے دوسرے لوگوں سے بہتر ھوں، جیسا کہ افلاطون کاکھنا ھے: ”حکیمان باید حاکم بشوند“ (حکماء کو حاکم ھونا چاھئے) لہٰذا غیر مسلمان اور غیر الٰھی فلاسفہ (وہ لوگ جو آسمان ادیان کے کو نہیں مانتے تھے) کے نزدیک بھی انسانی فضائل اور اخلاق کی اھمیت تھی یھاں تک کہ وہ فلاسفہ جو کسی دین اور مذھب کو نہیں مانتے تھے وہ بھی یھی نظریہ رکھتے تھے کہ معاشرہ میں اخلاقی فضائل اورلوگوں کی اخلاقی رشد ونمو ھونا چاھئے۔

جس وقت یورپ میں عیسائیت پھیلی اور ”کنسٹانٹین“ روم کا بادشاہ ایک عیسائی ھوا ، اس نے یو رپ میں عیسائیت کو رائج کیا، عیسائیت یورپین ممالک کے تمدن کا قانونی مذھب بن گئی ،دین اور حکومت ایک ساتھ مل گئے اور حکومت کے اھداف میندینی اغراض و مقاصد کو بھی مد نظر رکھا گیا یعنی جو کچھ عیسائیت نے کھا اس کے قوانین کو جاری بھی کیا گیا۔

لیکن ”رنسانس“ کے بعد مغربی نظریات میں تبدیلی آئی ، جس کی بنا پر انھوں نے اخلاقی مسائل کو حکومت کے دائرہ سے نکال دیا کیونکہ رنسانس اور نوزائی کے بعد یورپ میں تغیر و تبدیلی پیدا ھوئی جس کے نتیجہ میں مغربی جدید

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

تمدن کا آغاز ہوا، جس کی سب سے بڑی خصوصیت دین کا حکومت سے جدا کرنا تھا اس دور میں فلاسفہ نے اس سلسلہ میں گفتگو کی، کتابیں لکھیں جس کی بنا پر مختلف فکری مکاتب وجود میں آئے، اور اخلاقی اور معنوی فضائل کو بالائے طاق رکھ دیا گیا۔
انھیں فلاسفہ میں سے ”ہابز“ نامی فلسفی بھی گذرا ھے جس کا نظریہ یہ تھا کہ حکومت کی ذمہ داری صرف ھرج ومرج (بد امنی) پھیلنے سے روکنا نھیں ھے کیونکہ اس کے نظریہ کے مطابق بعض بھیڑیا صفت لوگ ھوتے ھیں جو ایک دوسرے کی جان پر ٹوٹ پڑتے ھیں اور ایک دوسرے کو نابود کرنا چاھتے ھیں تو ان کے لئے ایک ایسی حکومت کی ضرورت ھوتی ھے جو ان بھیڑیا صفت انسان پر کنٹرول کرے اور ان کی درندگی اور ظلم وستم کو روکے، لہٰذا حکومت کا صرف یھی مقصد ھوتا ھے۔
اس کے بعد ”جان لوک“ (2) نے حکومت کے اھداف کوبیان کرتے ھوئے کھا کہ حکومت کی ذمہ داری لوگوں کی اور ان کی حفاظت کرنا ھے، اس کی نظر میں انسانوں کے پاس صرف ایک حکومت کی کمی ھوتی ھے کہ اگر وہ نہ ھو تو پھر معاشرہ کا نظام وجود میں نھیں آسکتا، افرا تفری پھیل جائے گی، امن وامان ختم ھوجائے گا، انسان کی جان ومال خطرہ میں پڑجائے گی جیسا کہ وہ کھتا ھے : ”ھمیں اپنی ضرورت تحت حکومت چاھتے ھیں، ورنہ تو دوسری چیزوں کا حکومت سے کوئی مطلب وواسطہ نھیں ھے۔“؟
البتہ دین وحکومت اور اجتماعی مسائل کی جدائی کا یہ مطلب نھیں ھے کہ اس نظریہ کے ماننے والے اخلاقی فضائل اور معنوی اقدارکی اھمیت کے قائل نھیں ھیں، بلکہ ان کا کھنا یہ ھے کہ ان چیزوں کا حکومت سے کوئی ربط نھیں ھے بلکہ خود عوام الناس کو ان اخلاقی ومعنوی فضائل کی طرف قدم بڑھانا چاھئے: جو لوگ خدا کو مانتے ھیں ان کو چاھئے کہ خود مسجد یا گرجا گھر میں جائیں یا کسی دوسری جگہ پر جاکر خدا کی عبادت کریں، لیکن اس سلسلہ میں حکومت کی کوئی ذمہ داری نھیں ھے اسی طریقہ سے اخلاقی فضائل جیسے سچ بولنا، نیک کردار، دوسروں کا احترام واکرام کرنا،فقیر وفقراء کی مدد کرنا وغیرہ یہ فضائل قابل قدر ھیں لیکن یہ فردی (ذاتی) مسائل میں شمار ھوتے ھیں اور اس سلسلہ میں خود افراد کو تلاش وکوشش کرنا چاھئے تاکہ اپنے کو ان اخلاقی فضائل سے آراستہ کرلیں، لیکن ان کا حکومت سے کوئی تعلق نھیں ھے۔
پس اجتماعی قوانین ، یعنی وہ قوانین جو حکومت کے ذریعہ جاری ھوتے ھیں ان کا ھدف اور مقصد معاشرہ کے امن وامان کو تامین اور ان کی حفاظت کرنا ھے تاکہ لوگوں کی جان ومال؛ ھر طرح کے خطرہ سے محفوظ رھے پس حکومت کی ذمہ داری لوگوں کی جان ومال کی حفاظت ھے،اور یہ بات کہ حکومت کا مقصد امن وامان قائم کرنے کے علاوہ اور کچھ نھیں ھے مختلف تحریروں میں بیان کیا گیا ھے، جیسا کہ ”لاک“ کی تحریروں میں جان ومال کی حفاظت کے علاوہ فردی آزادی کو بھی امنیت کا ایک حصہ شمار کیا ھے، یعنی اس نے امنیت میں جان ومال اور آزادی کو بھی داخل کیا ھے، لیکن اخلاقی اور معنوی مصالح کے بارے میں صرف اس بات کو قبول کرتا ھے کہ اجتماعی قانون کو اخلاق کے مخالف نھیں ھونا چاھئے، یا خدا پرستی سے نہ ٹکراتا ھو، لیکن اجتماعی اور حکومتی قوانین پر؛ اخلاقی اقدار ، دینی اقدار کو حفظ کرنے اور معنوی رشد کرنے کی راہ ھموار کرنے کی کوئی ذمہ داری نھیں ھوتی، چنانچہ اس کا کھنا ھے کہ یہ تمام چیزیں حکومت سے متعلق نھیں ھیں۔
آج کل دنیا کے تقریباً سبھی فلسفی مکاتب میں اسی ”لاک“ کا نظریہ انجیل کا حکم اور بنیادی قانون ھوتا ھے اس کا اصلی نعرہ یہ ھے کہ حکومت کو امن وامان اور آزادی کو برقرار کرنے کے علاوہ دینی مسائل یا اخلاقی فضائل کے سلسلہ میں کوئی ذمہ داری نھیں ھے۔
قارئین کرام! مغربی نقطہ نظر اور اسلامی نقطہ نظر میں سب سے بڑا نقطہ اختلاف یھی ھے۔

3۔ انبیاء (ع) کی حکومت کے اغراض ومقاصد

انبیاء علیھم السلام اور ھمارے نبی اکرم (ص) کا نظریہ خاص طور پر یہ ھے کہ حکومت کی ذمہ داری ،مادی مصالح اور ضرورتوں کو پورا کرنے کے علاوہ معنوی مصالح کوپورا کرنا بھی ھے یھاں تک کہ معنوی مصالح کا پورا کرنا مادی مصالح پر فوقیت رکھتا ھے اور ان پر مقدم ھے یعنی حکومت کو ایسے قوانین جاری کرنا چاھئے جن کا آخری ھدف معنوی ، روحی، اخلاقی اور انسانی مصالح کو تامین (حفاظت) کرنا ھے وھی مسائل جن کو دین انسان کا آخری ھدف شمار کرتا ھے اور انسانی کمال کو ان سے متعلق گردانتا ھے ، اس دنیا میں انسان کی خلقت اور اس کے لئے انتخاب اور آزادی کی طاقت کا ھونا؛ یہ تمام کی تمام چیزیں اسی وجہ سے ھیں کہ انسان اپنے نھائی اور آخری ھدف کو پھچان لے اور اسی پر قدم بڑھائے ان تمام مسائل کا محور” قربت خدا “ھے جیسا کہ الحمد للہ آج ھمارے اسلامی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

معاشرہ میں سب پر واضح ھے بلکہ ھمیشہ مسلمانوں کے درمیان یہ بات رائج تھی یہاں تک کہ جو لوگ اس کے صحیح معنی بھی نہیں جانتے لیکن پھر بھی اس لفظ سے مانوس ھیں کیونکہ جاھل اور کم پڑھے لکھے افراد بھی جملہ ”قربة الی اللہ“ کو زبان پر جاری کرتے ھیں۔

اب جبکہ یہ بات معلوم ھوگئی کہ انسان کا آخری ھدف خلقت، قربت خدا ھے تو پھر معاشرہ میں ایسے قوانین کا نافذ ھونا ضروری ھے جو اس ھدف تک پھچانے میں مدد کریں اور انسان کی زندگی بھی اسی سمت آگے بڑھے، اور انسان کے دوسرے حیوانی پھلو کے دوسرے مسائل اسی صورت میں مھم ھوسکتے ھیں جب وہ مسائل انسان کو معنویات اور قربت خدا کی طرف رشد وترقی کی منزلوں کو طے کرنے میں مددگار ثابت ھوں۔

اور جب یہ بات ثابت ھوچکی کہ اجتماعی قوانین کو بنانے کا ھدف مادی مصالح کو تامین کرنے کے علاوہ معنوی مصالح کوتامین کرنا بھی ھے تو پھر ظاھراً حکومت کا مقصد بھی مشخص اور معین ھوجاتا ھے اور حکومت کو بھی صرف لوگوں کی جان ومال کی حفاظت ھی کو اپنی ذمہ داری نہیں سمجھنا چاھئے؛ بلکہ ان کے علاوہ معنویات کے رشد کے لئے بھی راہ ھموار کرنا نیز اس راہ میں جو چیز مانع اور ضدیت رکھتی ھوں ان کو راستہ سے ھٹانا بھی حکومت کی ذمہ داری ھوتی ھے، حکومت کو صرف اسی پر اکتفاء نہیں کرنا چاھئے کہ میننے تو تمھاری روٹی کے اسباب فراھم کردئے ھیں اور تمھاری جان کی امنیت برقرار کردی ھے،اور بس البتہ یہ ذمہ داری تو سبھی حکومتوں کی ھوتی ھے اور سبھی اس سلسلہ میں متفق بھی ھیں کہ ھر ایک معاشرہ میں؛ چاھے وہ اسلامی ھو یا غیر اسلامی، لائیک ھو یا غیر لائیک اس میں جو بھی حکومت تشکیل پائے تو اس کے لئے امنیت برقرار کرنا ضروری ھے تاکہ لوگوں کی جان ومال محفوظ رھے، لیکن اسلامی نقطہ نظر سے حکومت اپنی ذمہ دار ی کو صرف اسی چیز میں محدود نہیں کرسکتی بلکہ اس کو اپناسب سے پہلا وظیفہ یہ سمجھنا چاھئے کہ فضائل انسانی ، معنوی والٰھی رشد کے لئے راستہ ھموار کرے، طبیعی طور پر اس مقصد تک پھونچنے کے لئے امن وامان اور لوگوں کی جان ومال کی حفاظت کے سلسلہ میں امنیت برقرار کرنا ضروری ھوتا ھے، البتہ اس امنیت کا برقرار کرنا ایک مقدمہ ھے نہ کہ اصل مقصد نہیں ھے۔

دوسرے الفاظ میں یوں عرض کیا جائے کہ جانی مالی امنیت برقرار کرنا متوسط اھداف میں ھیں نہ نھائی او ر اصلی ھدف، ایک دوسرے طریقہ سے یوں عرض کیا جاسکتا ھے کہ یہ امنیت بلند وعالی ھدف تک پھنچنے کا ایک وسیلہ ھے اور وہ بلند ھدف معنویات کا رشد ھے پس معاشرہ میں وہ قوانین نافذ ھوں جو نہ فقط دین سے ضدیت نہ رکھتے ھوں اور دین کے مخالف نہ ھوں بلکہ ان کو مکمل طریقہ سے دینی اصول ومبانی سے ھم آھنگ اور موافق ھونا چاھئے، اورانسان کے معنوی اور الٰھی رشد میں معاون ومددگار ، ان کا دین کے مخالف نہ ھونا کافی نہیں ھے بلکہ دین کے اھداف میں مددگار ھونا ضروری ھے، یعنی اسلامی حکومت کا کردار نہ صرف یہ کہ ضد دین نہ ھو بلکہ بے دینی اور دینی ضدیت سے مقابلہ کرے اور دینی اھداف ومقاصد کو پایہ تکمیل تک پھنچائے۔

لٰھذا اسلامی نقطہ نظر سےحکومت یا قوہ مجریہ کا ھدف، صرف جان ومال کی حفاظت کرنا نہیں ھے بلکہ اس سے مھم تر معنوی مسائل پرتوجہ دینا نہایت ھی ضروری ھے، یہاں تک کہ ممکن ھے کہ ایک اسلامی معاشرہ میں معنوی ضرورتوں کو پورا کرنے کی وجہ سے وقتی طور پر مادی ضرورتیں تامین نہ ھوں، اور اگر اسلامی احکام جاری ھوں تو پھر آئندہ میں لوگوں کی مادی ضرورتیں دیگر حکومتوں سے بھتر طریقہ پر پوری ھوں گی، لیکن اگر فرض کریں کچھ مدت تک لوگوں کی تمام مادی ضرورتوں کو پورا کرنے سے دین کے ضعیف ھونے کا اندیشہ ھو تو پھر ایسے موقع پر ضروری ھے کہ لوگوں کی ان ضرورتوں کو پورا کیا جائے جن سے دین ضعیف نہ ھو، کیونکہ معنوی مصالح مقدم او راھم ھیں لیکن اس سلسلہ میں مغربی ممالک کا نقطہ نظر ھمارے نظریہ سے الگ ھے کیونکہ وہ لوگ فقط مادی مسائل اور مادی اھداف پر توجہ کرتے ھیں اور ان کی حکومت معنوی مصالح کو تامین کرنے کی ذمہ دار نہیں ھوتی۔

4۔ لیبرل "Liberal"(آزادی خواہ)نظام میں اجتماعی مشکلات کا اثر

کبھی کبھی بعض لوگ تحریری یا شفاھی طور پر یہ اعتراض کرتے ھیں کہ مغربی ممالک میں بھی دینی مسائل پر توجہ دی جاتی ھے کہ وہ لوگ بھی ایثار وفداکاری کرتے ھیں اور اجتماعی مسائل پر توجہ کرتے ھیں، اگر چہ یہ مطلب صحیح ھے اور ھم یہ یقین رکھتے ھیں کہ تمام مغربی لوگ خود پسندنھیں ھیں اور لیبرل نظریہ کے رائج ھونے کا مطلب یہ نہیں ھے کہ تمام مغربی لوگ اس نظریہ سے متأثر ھوں، بلکہ ھماری مراد یہ ھے کہ لیبرل نظریہ اکثر معاشروں پر غالب ھے اور وہ لوگ پیش آنے والے بعض مسائل کی بنا پر ایسے کام کرنے پر مجبور ھوجاتے ھیں کہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اپنے فلسفہ کے خلاف عمل کرتے ھیں یعنی وہ تمام لوگ جو لیبرل نظریہ کو قبول رکھتے ھیں اور خود پسند ہوتے ھیں وہ بھی ضرورتونکے تحت مجبور ہوتے ھیں تاکہ اجتماعی مسائل پر توجہ کریں اور شورش اور بلوے کے ڈر سے کہ کھیں اکثر لوگ قیام نہ کرلیں ، لہٰذا محرومین کے حقوق کی رعایت کرتے ھیں عملی طور پر بہت سی سوسیالیسٹ "Socialiste" ڈیموکریٹک "Democratic" حکومتیں لوگوں سے حاصل کئے گئے ٹیکس وغیرہ کے کافی حصہ اجتماعی خدمات پر خرچ کرتے ھیں، جبکہ ان کا مادی فلسفہ اس چیز کی اجازت نہیں دیتا، لیکن اس کام کو اس وجہ سے کرتے ھیں تاکہ عوام الناس اعتراض نہ کرے، اور امنیت محفوظ رھے اور لوگ قیام وشورش نہ کریں ، ایک دوسرے کی جان کے پیچھے نہ پڑیں ،پس یہ لوگ اپنی مجبوری کی بنا پر اس طرح کی سہولیات فراھم کرتے ھیں۔

لیبرل نظریہ کیا چاھتا ھے؟ اور اس کے طرفدار کیا کرتے ھیں؟ یہ دونوں الگ الگ باتیں ھیں، اتفاقاً یہ اعتراض تو خود ان پر(بھی) ھوا ھے کہ تمھارے لیبرالی نظریہ کے تحت تم کو ان مسائل کی رعایت نہیں کرنا چاھئے، پس تم لوگ ایسے کام کیونکرتے ھو جس سے محروم طبقے کا فائدہ ھوتا ھوجیسے عام لوگوں کے لئے بیمہ اسکیم، یا دوسری سہیولیا ت کا فراھم کرنا اس سوال کا جواب یہ ھے کہ یہ سب چیزیں اس لئے ھیں تاکہ سرمایہ داروں اور مالدار لوگوں کا سرمایہ اور پراپرٹی خطرہ میں نہ پڑجائیں، اور کمیونسٹی اور مارکسسٹی انقلاب رونما نہ ھوجائیں۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ھے کہ مارکسسٹی ممالک میں مارکسسٹی نظریہ آنے سے پھلے یہ نظریہ مغربی ممالک میں رائج ھوچکا تھا اور اپنا اثر دکھا چکا تھا ”مارکس“ نامی دانشمند جرمن کا تھا اور انگلینڈ میں رھتا تھا شروع میں اس کے نظریات اور اس کی کتابیں انگلینڈ میں نشر ھوئیں،چنانچہ انگلینڈ کے سیاست مداروں نے اس کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد مارکس کے بیان شدہ خطرات پر توجہ کی اور پھلے ھی سے ان کی روک تھام کا بندو بست کیا۔

حزب کارگر اور سوسیالسٹی طرز تفکر جو انگلینڈ میں وجود میں آئے اور انھوں نے جو محروم اورکم درآمد لوگوں کے لئے کچھ پر وگرام رکھے ان سب کا مقصد مارکسسٹی طرز تفکر سے روک تھام تھا؛کیونکہ پھلے ھی سے یہ پیشن گوئی کردی گئی تھی کہ سرمایہ داری کی پیشرفت اور ترقی، لوگوں کی اکثریت کو انقلاب اور شورش کرنے پر مجبور کرسکتی ھے لہٰذا انگلینڈ میں مارکسسٹی انقلاب کو روکنے کے لئے فقیر اور غریب لوگوں پر توجہ کی جانے لگی، اور ان کو اطمینان دلایا جانے لگا اگرچہ ان کا یہ رویہ ”کاپیتالسٹی“ طرز تفکر سے سازگار اور ھم آھنگ نہ تھا، لیکن سرمایہ داروں اور مالداروں کے منافع کے حق میںتھا بھرحال لیبرل نظریہ کا ماحصل یہ ھے کہ حکومت کی معنوی امور کے سلسلہ میں کوئی ذمہ داری نہیں ھے۔

ممکن ھے کوئی شخص ھم پر یہ اعتراض کرے کہ مغربی ممالک میں حکومت گرجاگھروں کے لئے ٹیکس لیتی ھے ، تو پھر ان پر دین اور معنویات سے بے توجھی کا الزام کیونکر لگایا جاسکتا ھے ؟!

تو اس اعتراض کا جواب یہ ھے کہ یہ بھی لیبرالیزم کا مقصد نہیں ھے بلکہ یہ کام اس لئے کرتے ھیں تاکہ دیندار لوگوں کا دل جیت لیں، اور حکومت بناتے وقت گرجا گھر کی طاقت سے استفادہ کریں ھماری بحث تو صرف اس میں ھے کہ لیبرل طرز تفکر کا مقصد او رمطلب کیا ھے؟

چنانچہ جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ ان کے نظریہ کے مطابق ؛ دینی مصالح کی تامین اور ترویج کرنا حکومت کی ذمہ داری کے ذمہ نہیں ھے، اور اگروہ حکومتیں بعض مذھبی مصالح پر توجہ کرتی ھیں تو وہ اپنے ذاتی فائدہ کے لئے ھوتا ھے، یہ صرف الکشن میں کامیاب ھونے کے لئے ھوتا ھے اور وہ لوگ دینداروں کے دلوں کو جیتنے کی کوشش کرتے ھیں تاکہ دینداروں کے دلوں کو جیت لیں تاکہ ان کو ووٹ مل جائیں ، کبھی کبھی امریکہ میں ووٹنگ کے وقت یہ دیکھا جاتا ھے کہ بعض ممبران گرجا گھروں میں جاتے ھیں تاکہ ان لوگوں کو اپنے سے مانوس کرلیں، البتہ اس کے یہ معنی ھرگز نہیں ھیں کہ وہ دین کے طرفدار ھوتے ھیں۔

5۔ لیبرل نظام سے لوگوں کی انسیت کی دلیل

اسلامی نقطہ نظر سے معنوی مسائل کا تحفظ ھی ، جو دین کے زیر سایہ امکان پذیر ھوتا ھے وھی اصل اور اولی اھداف میں سے ھیں اور یھی اسلامی اور دنیا میں رائج دوسرے نظریات مینمھم ترین نقطہ اختلاف ھے، اور ھم حکومت کے سلسلہ میں مغربی ممالک کے تابع نہیں ھوسکتے؛ کیونکہ ان کے اور ھمارے درمیان حکومت کے اھدف کے سلسلہ میں بنیادی اختلاف پایا جاتا ھے اور اگر ھم (حکومت کے) ھدف ھی کو بھول جائیں تو حکومت کا ڈھانچہ، شرائط ، ذمہ داریاں اور اختیارات عوض ھوجائیں گے۔

در حقیقت بعض لوگوں کے نظریات میں انحراف اور شک وشکوک کا ایجاد ھونا یھاں تک کہ جو لوگ خود غرضی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کے بھی شکار نہ ھوں ، جیسا کہ بعض انحرافات اور اعتراضات جو کتابوں اور اخباروں میں بیان ھوتے ھیں ان کی اصل وجہ یھی ھے کہ انھوں نے اسلامی نظریہ کے تحت حکومت کے قوانین کے اھداف پر توجہ نھیں کی ھے اور نہ ھی اسلامی نظریہ اور دوسرے نظریات کے اختلاف پر توجہ کی ھے انھوں نے اصلِ اسلام کو تو قبول کرلیا ھے واقعاً ایسے لوگ خدا کو مانتے ھیں ، نماز پڑھتے ھیں، روزہ رکھتے ھیں اور دین کے منکر اور کافر نھیں ھیں؛ لیکن اجتماعی اور سیاسی عملی میدان میں سو فی صد مغربی ممالک کے تابع ھوجاتے ھیں اور پھر ان کو یہ کوئی فکر نھیں ھوتی کہ ان کا یہ طریقہ کار اسلامی نظریہ سے ھم آھنگ بھی ھے یا نھیں؟ اور کھتے ھیں کہ آج کل دنیا میں یھی رویہ رائج ھے لھٰذا ھم بھی اسی رویہ کو اختیار کریں اور اس کی مخالفت (بھی) نھیں کرسکتے آج کی دنیا کا تمدن ، مغربی تمدن ھے، اور لیبرل کلچر حاکم ھے ، لھٰذا ھم اس کی مخالفت نھیں کرسکتے۔!!

لیکن سب سے پھلے ھمیں تھیوری اور نظری لحاظ سے یہ سمجھنا چاھئے کہ اسلام کیا کھتا ھے ، کیا وہ سب کچھ جو مغربی ممالک میں ھوتا ھے، اسلام کی نظر میں آیا وہ قابل قبول ھے یا نھیں ؟ دوسرے یہ کہ ھم مقام عمل میں دیکھیں کہ اسلام کے دستور العمل کو رائج کرسکتے ھیں یا نھیں؟ اور اگر بالفرض مقام عمل میں اسلامی قوانین کو عملی جامہ نھیں پھناسکتے تو کم سے کم ھمیں یہ تو پتہ ھونا چاھئے کہ اسلام ؛ لیبرل نظریہ کو قبول نھیں کرتا، لھٰذا ھماری یہ ذمہ داری بنتی ھے کہ غیر اسلامی طریقہ کار کو اسلام کا نام نہ دیں ھم شاہ کے زمانہ میں بھی بعض اسلامی طریقہ کار پر عمل نھیں کرسکتے تھے لیکن یہ جانتے تھے کہ شاہ کی حکومت اسلامی نھیں ھے، اور اس کے بعض کام دین کے مخالف تھے پس اسلام کے احکام کا جاری نہ ھوسکنا اس بات کا سبب قرار نھیں پاسکتا کہ ھم یہ کھنے لگیں کہ اسلام بدل گیا ھے، ھم آج بھی بعض موارد میں اسلام کے قوانین کو جاری کرنے کی طاقت نھیں رکھتے، لیکن ھمیں یہ کھنے کا حق نھیں ھے کہ یھی اسلام ھے جو ھم کرتے ھیں، اسلام کو تو اسی طرح پھنچانیں جیسا وہ ھے اور اگر کسی مقام پر اسلام پر عمل نھیں کرسکتے تو خداوندعالم سے عذر خواھی کریں کہ ھم سے فلاں مورد میں اسلام کے احکام پر عمل نھیں ھوا، اور اگر خدا نخواستہ ھماری غلطی ھے تو ھمیں ملت اسلامی سے عذر خواھی کرنا چاھئے کہ اسلامی قوانین کے نافذ کرنے میں ھم سے غلطی ھوئی پس ھمیں اسلام میں ردّ وبدل اور تغییر کرنے کا کوئی حق نھیں ھے نیز ھمیں توجہ رکھنا چاھئے کہ اسلام وھی دین ھے جو 1400 سال پھلے پیغمبر اکرم (ص) کے ذریعہ ھم تک پھنچا ھے۔

6۔ اسلامی حکومت کے ڈھانچہ کے سلسلہ میں ایک طریقہ

مذکورہ مطالب کے پیش نظر یہ بات واضح ھوجاتی ھے کہ اسلامی حکومت کا ھدف؛ معاشرہ میں اسلامی اور معنوی اقدار کو رواج دینا ھے اور اسی کے زیر سایہ مادی مصالح کو پورا کرنا ھے، نہ کہ بالعکس(مثلاً معنوی اقدار کے زیر سایہ مادی مصالح کو پورا کرنا)، تو اب ھم کو یہ دیکھنا ضروری کہ اسلامی حکومت کا ڈھانچہ کیسا ھونا چاھئے اور جو افراد حکومت کی باگ ڈور سنبھالیں ان کے شرائط کیا کیا ھیں؟

اس میں کوئی شک نھیں ھے کہ کسی بھی حکومت میں قوہ مجریہ کی اصلی ذمہ داری قوانین کو نافذ کرنا ھے، اس مطلب پر سبھی اتفاق رکھتے ھیں؛ اور اسلامی حکومت یعنی وہ سسٹم جو اسلامی قوانین نافذ کرنے کا ضامن اور اسی قانون کے اھداف کو پورا کرناھے تو اب یہ دیکھنا ھے کہ کوئی بھی حکومت ھو ، چاھے مشرقی اور مارکسسٹی حکومت ھو یا مغربی اور لیبرل حکومت یا دیگر حکومتیں، ان کے ذمہ دار افراد میں کیا کیا خصوصیات ھونا ضروری ھیں؟ اس سوال کے جواب میں عرض ھے کہ کسی بھی حکومت کے ذمہ دار افراد میں کم سے کم دو صفات کا ھونا ضروری ھے:

1۔قانون کی شناخت:

جو شخص نفوذ قوانین کا ضامن ھونا چاھتا ھے اگر اس کو قانون کا صحیح علم نہ ھو تو پھر وہ کس طرح قانون کو جاری کرسکتا ھے؟ قوانین سے آگاہ او رآشنا ھونا حکومتی افراد کی پھلی خصوصیت ھے تاکہ وہ اپنی ذمہ داری کو صحیح طورسے نبھاسکے، کیونکہ حکومت قوانین کو جاری کرنے کی ضامن ھوتی ھے تو اگر اس کو قوانین اور دیگر پھلوؤں کا صحیح علم نہ ھو تو پھر عملی میدان میں غلطی کرسکتی ھے اس سلسلہ میں سب سے بھترین طریقہ کار یھی ھے کہ جو شخص حکومت میں سب سے بڑے درجہ پر فائز ھو وہ قوانین پر سب سے زیادہ علم رکھتا ھو اور ان کو اچھے طریقہ سے جانتا ھو، تاکہ اس کی غلطی کا احتمال سب سے کم ھو۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

2۔قوانین کو نافذ کرنے کی طاقت:
وہ حکومت جو قوانین کو نافذ کرنے کی ذمہ دار ہوتی ھے اس کے پاس اتنی طاقت ہو جس کے ذریعہ مورد نظر قوانین کو نافذ کرسکے، اگر کوئی حکومت ۶۰/ ملین لوگوں پر بلکہ ایک ارب لوگوں پر (مثلاًچین اور ہندوستان) حکومت کرے اور ان پر احکام اور مقررات کو جاری کرنا چاھے تو اس کے لئے کافی مقدار میں قدرت وطاقت کا ہونا ضروری ھے چنانچہ یہ مسئلہ اتنی اھمیت کا حامل ھے کہ آج کی دنیا کے بہت سے فلسفی نظریات میں حکومت کو قدرت کے برابر جانتے ھیں اور اسی ”قدرت وطاقت“ کو فلسفہ سیاست کے مہم ترین مفاھیم میں سے ایک مفہوم سمجھتے ھیں بھرحال اس بات پر توجہ رھے کہ حکومت کو صاحب قدرت وطاقت ہونا ضروری ھے۔
لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ھے کہ ”طاقت و قدرت “ کیا ھے؟تو مختصر طور پر یہ سمجھئے کہ قدیم زمانہ سے انسانی معاشرہ میں تحویل وتحول کے ساتھ ساتھ قدرت وطاقت کے مختلف معنی کئے جاتے رھے ھیں، چنانچہ ابتدائی اور سادہ حکومت (3)
میں عام طور پرحاکم یا قبیلہ کے سردار میں جسمانی قدرت شامل ہوتی تھی، کیونکہ اس زمانہ میں جو شخص حاکم ہوتا تھا اس کی جسمانی قدرت دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ہوا کرتی تھی کیونکہ اگر کوئی شخص ایک ہزار افراد پر مشتمل خاندان ھے اوراس پر حکومت کرتا تھا، اور کوئی شخص حاکم کے قوانین کی مخالف کرتا تھا تو اس کو سزا دینے کے لئے حاکم اپنی جسمانی طاقت سے استفادہ کرتا تھا لہٰذا طے یہ ہوا کہ اس زمانہ مینطاقت سے مراد صرف ظاھری اور جسمانی طاقت مراد ہوتی تھی۔
لیکن جب سے انسانی معاشرہ کے مسائل پیچیدہ تر ہوتے گئے اور معاشرہ نے ترقی کی تو اس وقت ایک شخص کی طاقت نے ایک کمیٹی کی صورت اختیار کرلی ؛ یعنی اگر خود حاکم میں جسمانی طاقت کافی مقدار میں موجود نہ ہو تو اس کے پاس ایسے افراد ہونا چاھئے جو جسمانی اعتبار سے بہت زیادہ طاقتور اور قوی ہوں اس حاکم کے پاس طاقتور لشکر ہونا ضروری تھا ، لیکن اس کے بعد جب علم و دانش نے ترقی کی تو پھر قدرت اپنے ظاھری اور فیزیکی شکل سے نکل کر علمی اور ٹیکنالوجی شکل میں تبدیل ہوگئی یعنی گویا حاکم کے پاس ایسے اسلحے وآلات ہوں جن کے ذریعہ بدنی طاقت کا کام لیا جاسکے۔
اگرچہ ایک موقع پر حاکم کو معاشرہ کا ادارہ کرنے کے لئے اس کی جسمانی طاقت ھی کافی تھی لیکن جیسے جیسے معاشرہ نے علم وفن میں ترقی کی اور بہت سے فوجی اسلحہ بنائے تو پھر حکومت کے لئے بھی ضروری ہوگیا کہ وہ بھی فیزیکی ، صنعتی اور ٹکنالوجی خصوصاً فوجی اسلحہ جات کافی مقدار میں رکھتی ہو، تاکہ خلاف ورزی کا سد باب کیا جا سکے، اور اگر کچھ لوگ شورش اور بغاوت کرنا چاھیں تو آسانی سے ان کا سر کچل دیا جائے، یا اگر کچھ لوگ دوسروں کی جان ومال کے لئے خطرہ بن رھے ہوں تو اپنی طاقت کے ذریعہ ان کو روک سکے۔

7۔ عوام الناس میں حکومت کی مقبولیت ضروری ھے۔
جس طاقت وقدرت کے بارے میں ہم نے آپ کی خدمت میں عرض کیاوہ جسمانی اور فیزیکی طاقت میں منحصر تھی،جو ابتدائی حکومتوں میں ہوتی تھی، اس کے بعد پیشرفتہ حکومتوں میں مورد توجہ ہوتی تھی یہاں تک کہ آج کل اسی معنی میں استعمال ہوتی ھے ، جیسا کہ ہم دیکھتے ھیں کہ حکومتیں اپنی طاقتوں کو بڑھانے میں لگی ہوئی ھیں ، ان کی کوشش یہ ہوتی ھے کہ اپنے اسلحہ خانہ کو جدید اور اھم اسلحوں سے بھرلیں تاکہ موقع پڑنے پر ان سے کام لیا جاسکے لیکن یہ توجہ رھے کہ حکومت کی طاقت اور اس کا اقتدار صرف اسی چیز میں منحصر نہیں ھے؛ بلکہ پیشرفتہ معاشرہ میں حکومت کی طاقت کو معاشرہ میں نفوذ اور لوگوں کی مقبولیت کو پھلا درجہ دیا جاتا ھے کیونکہ حکومت اپنے تمام پروگراموں اور اپنی خواھشات کو قوت بازو کے زور پر معاشرہ میں نافذ نہیں کرسکتی؛ اصل یہ ھے کہ عوام الناس اپنی خوشی اور رغبت کے ساتھ مقررات اور قوانین کو قبول کریں اور قوانین کے سامنے گردن جھکائیں لہٰذا طے یہ ہوا کہ جو شخص بھی قوانین کو نافذ کرنے کا ذمہ دار ٹھھرے یا سب سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو تو عوام الناس میں اس کی مقبولیت ضروری ھے، اور ظاھری طاقت اور قوتِ بازو کی بنا پر کبھی بھی ایک طولانی مدت کے لئے حکومت باقی نہیں رہ سکتی۔
پس طے یہ ہوا کہ قوانین کا جاری ونافذ کرنے والا طاقتور اور معاشرہ میں مقبولیت رکھتا ہو، یھی وجہ ھے کہ مدیریت میں بد نظمی سے روک تھام اور معاشرہ کے فوائد کو نابودی سے بچانے کے لئے حکومت کے ذمہ دار افراد میں خاص صفات کا ہونا ضروری ھے تاکہ حکومت اور قانون کے اھداف ومقاصد کو پورا کرسکیں؛ یعنی حقیقت میں حکومت کے ذمہ دار افراد اور قانون کے نافذ کرنے والے ضامن افراد کے لئے ایک خاص صلاحیت کا ہونا ضروری

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ھے چنانچہ اس بات کو سیاست کے فلسفہ میں مختلف طریقوں سے بیان کیا جاتا ھے جس کو معمولاً اجتماعی مشروعیت اور عام مقبولیت سے تعبیر کیا جاتا ھے یعنی حکومت عقلائی طریقہ کار کو اپنا ئے اور قوانین کو نافذ کرنے میں صحیح طریقہ بروئے کار لائے، اور عوام الناس بھی اس کے لئے قانونی اعتبار کے قائل ھوں قوانین کو نافذ کرنے والے ذمہ دار افراد کے لئے صاحب اقتدار ھونے کے ساتھ ساتھ (تاکہ قوانین کی مخالفت سے روک تھام ھوسکے) عوام الناس بھی ان کے اعتبار کے قائل ھوں اور حکومت کو انھیں کا حق سمجھے۔

قارئین کرام ! خلاصہ یہ ھوا کہ اقتدار کی تین قسمیں ھیں پھلی اور دوسری قسم دوسرے تمام ھی معاشروں میں جانی پھچانی ھیں، اگرچہ ان کو جاری کرنے کے سلسلہ میں مختلف قسم کے نظریات اور طریقہ کار پائے جاتے ھیں، لیکن ھماری نظر میں جس چیز کی زیادہ اھمیت ھے وھی تیسری قسم کا اقتدار(مقبولیت عام) ھے۔

حوالے:

1 نھج البلاغہ خطبہ نمبر 40
(2) اسی شخص نے مغربی لیبرل "Liberal")آزادی خواہ)نظریہ کی بنیاد رکھی جو آج کل کی سیاسی گفتگو اور یونیورسٹی وغیرہ میں بیان ھوتی ھے اور کم وبیش سبھی لوگ اس کو قبول کرتے ھیں
(3)مثلاً ھزاروں سال قبل تقریباً دنیا بھر میں قبائلی حکومتیں ھوا کرتی تھیں

اسلام اور سیاست جلد(2)

پچیسواں جلسہ

حکومت کی عظیم منصوبہ بندی (2)

1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر

ھم نے اس سے قبل بھی یہ بات عرض کی تھی کہ مغربی ممالک کے منحرف اور الحادی نظریات کا ذھن اور اسلامی اعتقادات پر اثر انداز ھونا، اسی طرح مغربی ممالک کے پٹھوؤں ، غلاموں وغیرہ کی اسلامی معاشرہ اور دینی اعتقادات میں شک وتردید ایجاد کرنے کے لئے بھر پور اور حساب شدہ کوششیں کرنا، نیز اسلام کی اصل ثقافت اور کلچر میں سیاسی اور ثقافتی مشکلات کا ایجاد کرنا، یہ تمام چیزیں اس بات کا تقاضا کرتی ھیں کہ اسلام کے مفکرین اور اسلام کے محافظ افراد جو کہ اسلام کی گھری معلومات اور وسیع ثقافت سے واقف بھی ھوں ان کو اپنی ذمہ داری کا احساس ھو اور اس سلسلہ میں اساسی ، بنیادی اور مفید گفتگو کا آغاز کریں منجملہ” اسلامی سیاسی نظریہ“ وغیرہ کو سادہ اور روان الفاظ میں اسلامی معاشرہ کے سامنے پیش کریں، جو علی القاعدہ تخصصی، فنی اور اکیڈمیک طریقہ پر یونیورسٹیونمیں بیان ھوتی ھے۔

اس وقت ھمارے معاشرہ کو اسلام کی ھمیشگی ثقافت ، کلچراور عظیم میراث کا پاس ولحاظ رکھنا ضروری ھے تاکہ دشمنان اسلام کےثقافتی حملوں کا مقابلہ کیا جاسکے، اور ان چیزوں کو اپنی آئندہ نسل میں صحیح وسالم چھوڑ کر جائے، جواسلامی اور انقلابی اھداف کے لئے بھت ھی زیادہ ضرورت مند ھیں لھٰذا اس ھدف تک پھنچنے کے لئے علمی اور باریک مسائل کو آسان زبان میں پیش کرنے کی ضرورت ھے تاکہ اکثر عوام الناس اس کو سمجھ کر ھضم بھی کرسکے، اور ان کو علمی اور مشکل اصطلاحات میں پھنسنے سے نجات بھی مل جائے۔

چنانچہ ھم نے مذکورہ ھدف کے پیش نظر یہ طے کیا کہ اس طرح کے مسائل ”اسلامی سیاسی نظریہ“ کے تحت دو حصوں میں بحث کریں جس کا پھلا حصہ مکمل ھو چکا ھے ، جس میں یہ بیان کیا گیا کہ انسانی معاشرہ کے لئے قانون کی ضرورت ھے اور یہ بھی بیان کیا گیا کہ اسلامی نقطہ نظر سے قانون کا بنانے والا صرف خدا یا وہ افراد جو خداوندعالم کی طرف سے اذن یافتہ اور قانون گذاری کی کافی ووافی صلاحیت رکھتے ھوں چنانچہ اس سلسلہ میں بحث ھوچکی ھے ، ضمناً اس سلسلہ میں ھوئے اعتراضات کے بھی جلسونکے لحاظ سے جوابات دئے گئے۔

اور ھماری بحث کا دوسرا حصہ حکومت بمعنی خاص کے سلسلہ میں ھے ، در حقیقت پھلے حصے میں حکومت بمعنی عام

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(جس میں قوہ مقننہ (پارلیمنٹ) بھی شامل تھی) کے بارے میں گفتگو ہوئی جس کے تحت قانون اور قانون گذاری کے سلسلہ مینبحث ہوئی لیکن اس وقت ہماری بحث حکومت بمعنی خاص؛ یعنی قوہ مجریہ کے بارے میں ھے۔

2۔ حکومت، انسانی معاشرہ کی دائمی اور ھمیشگی ضرورت ھے۔
حکومت کی مختلف شکل وصورت اور ڈھانچوں کو چھوڑتے ہوئے (کیونکہ اس کی بحث اپنی جگہ ہوگی) جیسا کہ ھم نے پھلے جلسہ میں بھی اشارہ کیا ؛ تمام سیاسی صاحب نظر افراد، معاشرہ کے لئے حکومت پر اتفاق رائے رکھتے ہوئے اس کو ضروری مانتے ھیں صرف ”آنارشیسٹ“ "Anarchiste" (مفسدہ جویان) معاشرہ کے لئے حکومت کے قائل نہیں ھیں، یونانی قدیم فلسفہ کے زمانہ میں اس گروہ کے طرفدار پائے جاتے تھے، جن کا عقیدہ یہ تھا کہ اگر عوام الناس قوانین کو پھچانے اور اخلاقی عھد پر عمل کریں تو پھر ان کوحکومت کی کوئی ضرورت نہیں ھے۔
لیکن حقیقت یہ ھے کہ یہ تھیوری کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ عملی نہیں ہوئی جبکہ اس کے مقابلہ میں عملی طور پر تمام معاشروں میں حکومت کی ضرورت کا احساس ھوا ، اور یہ احساس اسی طرح سے آج تک باقی ھے۔
ھم اپنے بھائیوں کے لئے حکومت کی ضرورت کے نظریہ کو مزید روشن کرنے اور ان کو بعض مغالطونکے جال میں پھنسنے سے بچانے کے لئے عرض کرتے ھینکہ مذکورہ نظریہ پر سب کا اتفاق ھے اور انسانی معاشرہ کی واقعیات کی شناخت پر مبنی ھے، اس کی وضاحت یہ ھے کہ اگر کوئی شخص مخلوقات ، روحیات، معاشرہ کے نشیب وفراز اور واقعیت سے آنکھیں بند کرکے ایک بند کمرہ میں اس چیز پر تجزیہ وتحلیل کرے اور انسانوں کو بالکل فرشتوں جیسا تصور کرے جو خیر خواھی اور فضائل کے حصول میں لگے ہوئے ھیں اور پاک وپاکیزہ خصلت وعادت کے مالک ھیں اس کی نظر میں اگر تعلیم کا نظام اور صحیح تربیت عام ھوجائے اور عوام الناس تربیتی لحاظ سے مودب ھوجائیں کہ اپنے اخلاقی خواھشکے تحت قانون کے سلسلے میں عھد کریں اور اس پر عمل کریں اور(کبھی بھی) مخالفت نہ کریں ، اسی طرح اگر صحیح قوانین اور معاشرہ یا شخص کے فوائد ، نیز قانون شکنی کے مفاسد ونقصانات عوام الناس کے لئے بیان ھوجائیں، اور پھر صحیح راستہ کا انتخاب ان کے اوپر چھوڑدیا جائے تو پھر کوئی بھی شخص قانون کی مخالفت نہیں کرے گا بلکہ قوانین کے مطابق عمل کرے گا بالکل اسی شخص کی طرح جس کو یہ معلوم ھو کہ اس کھانے میں زھر ملا ھوا ھے تو وہ اس کھانے کو نہیں کھائے گا، اسی طرح عوام الناس بھی ایسے کام کریں گے جو ان کے مفاد میں ھوں اور وہ کام جو ان کے یا معاشرہ کے لئے نقصان دہ ھوں گے ان کو انجام نہیں دیں گے لہٰذا حکومت اور قوانین کو تحمیل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ھے۔!!
قارئین کرام ! مذکورہ نظریہ ایک خیالی پلاؤ کے علاوہ اور کچھ نہیں ھے کیونکہ جو لوگ انسانی زندگی اور معاشرتی زندگی کی واقعیات سے با خبر ھیں یا وہ افراد جو تاریخ بشریت اور گذشتہ معاشروں کی تاریخ سے مطلع ھیں، ھر گز یہ احتمال نہیں دے سکتے کہ کم سے کم آئندہ نزدیک میں اس طرح کا ماحول پیدا ھوجائے گا کہ لوگوں کے درمیان اخلاقی اقدار کے رائج اورپھیلنے کے بعد تمام لوگ آٹومیٹک طریقہ پر نیک کام کرتے ہوئے نظر آنے لگیں، اور ان کو برے کاموں کی ھوا تک نہ لگے، کوئی بھی جھوٹ نہ بولے، خیانت نہ کرے، لوگوں کے مال اور ناموس (عورتوں) کی طرف بری نظر نہ اٹھائے، لوگوں کے حقوق پر تجاوز اور ظلم نہ کرے اسی طرح بین الاقوامی مسائل کے سلسلہ میں کوئی ملک اپنے پڑوسی ملک پر ظلم نہ کرے!!

3۔ حکومت کی ضرورت پر اسلام اور قرآن کا نظریہ
اسلام نے بھی بغیر حکومت کے معاشرہ کو(کہ اس کی صحیح تربیت ھوجائے نیز مصالح ومفاسد اور قوانین کے آشنائی ھونا کافی ھے) ایک خیال خام اور حقیقت سے دور بیان کیا ھے، اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت سے متعلق آیات میں ، خلقت انسان کو اس طرح بیان کیا ھے کہ انسان کے نقاط ضعف اور اس میں خطا ولغزش کا امکان ظاھر ھوتا ھے:
(وَإِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلاَئِکَةِ إِنِّی جَاعِلٌ فِی الْأَرْضِ خَلِیفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِیها مَنْ یُفْسِدُ فِیها وَیَسْفِکُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ إِنِّی أَعْلَمُ مَا لاَتَعْلَمُونَ)(1)
”اے رسول! اس وقت کو یاد کروجب تمھارے پروردگار نے ملائکہ سے کھا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ھوں اور انھوں نے کھا کہ کیا اسے بنائے گا جو زمین پر فساد برپا کرے اور خونریزی کرے جب کہ ھم تیری تسبیح اور تقدیس کرتے ھیں تو ارشاد ھوا کہ میں وہ جانتا ھوں جو تم نہیں جانتے ھو۔“ جس وقت فرشتوں نے انسان کے بارے میں اجتماعی فساد اور خونریزی کے بارے میں خبر دی تو خداوندعالم نے اس کا انکار نہیں کیا بلکہ ان کے جواب میں انسانی خلقت کی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

حکمت کی طرف اشارہ کیا جس سے فرشتہ باخبر نہیں تھے۔
اسی طرح دوسری آیات میں انسان کی بعض کمزوری کی طرف اشارہ کیا ھے، منجملہ یہ آیات:
1۔ (إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا۔)(2)
''بیشک انسان بڑ ا لالچی پیدا ہواھے جب اسے تکلیف چھو بھی گئی تو گھبراگیا اور جب اسے ذرا فراخی حاصل ہوئی تو بخیل بن بیٹھا''
2۔(اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ)(3(
''بے شک انسان بڑا ظالم اور انکار کرنے والا ھے۔ ''
واقعاً یہ نکتہ قابل توجہ ھے کہ مذکورہ آیت میں خداوندعالم نے انسان کو ''ظلوم'' کے نام سے پھچنوایا ھے جو مبالغہ کا صیغہ ھے اور بہت ظلم کرنے والے کے معنی میں ھے اور انسان کو اس نام سے یاد کرنے کا مطلب یہ ھے کہ اس کے اندر ظلم، سرکشی اور ناشکری اس قدر ھے کہ اس کو فراموش نہیں کیا جاسکتا اور ہمیشہ انسانی معاشرہ ظلم اور ناشکری سے بھرا ہوا ملے گا، تو پھر یہ نظریہ قابل قبول نہیں ھے کہ تعلیم وتربیت اور لوگوں کو وعظ ونصیحت کے ذریعہ ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جاسکتا ھے جس میں تمام افراد کا اچھا اور پسندیدہ کردارھو، اور کوئی ایک انسان بھی قوانین اور اخلاقی اقدار سے سرپیچی نہیں کرے گا، اور اس صورت میں حکومت اور طاقت کی کوئی ضرورت نہیں ھے۔ جیسا کہ قرآن مجید بھی اس نظریہ کا مخالف ھے، جبکہ موجودہ حقائق نے بھی یہ بات واضح کردی کہ انسانی معاشرہ میں مختلف وجوھات کی بنا پر ہمیشہ جرائم اور مخالفت رھی ھے البتہ بعض افراد نے جرائم کے اسباب اور جرائم کی وجوھات کے بارے میں پتہ لگایا ھے اور جھل ونادانی اور وراثتی عوامل وغیرہ کی طرف اشارہ کیا ھے ، لیکن اس وقت ھم اس کو بیان نہیں کرنا چاھتے ، ھم تو یہ بیان کرنا چاھتے ھیں کہ انسانوں کے درمیان قانون کی مخالفت اور جرائم اور گناہ کا ارتکاب ہمیشہ رہا ھے جس کے پیش نظر آسانی کے ساتھ یہ پیشن گوئی بھی کی جاسکتی ھے کہ آئندہ بھی ایسا ھی رھے گا۔
ھمارا عقیدہ یہ ھے کہ خداوندعالم کے لطف وکرم سے ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا جب حضرت امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ھاتھوں ایک اسلامی نمونہ معاشرہ تشکیل پائے گا لیکن پھر بھی اس بات پر توجہ رھے کہ اس زمانہ میں بھی قوانین کی مخالفت اور گناہ انجام دئے جائیں گے، اس کے علاوہ وہ معاشرہ بھی ہمیشہ نہیں رھے گا یھاں تک کہ بعض روایات میں یہ بھی ملتا ھے کہ حضرت ولی عصر امام زمانہ (ع) کی مخالفت میں قیام کیا جائے گا اور آپ (ع) کو شھید کردیا جائے گا۔
پس ھمیں اس چیز کی توقع نہیں رکھنا چاھئے کہ حضرت امام مھدی (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کے زمانہ حکومت میں ایک نمونہ اور مطلوب معاشرہ تشکیل پائے گا جو گناہ اور نافرمانی سے بالکل پاک وپاکیزہ ہوگا البتہ امام علیہ السلام کی حکومت اور طاقت کا استعمال اس طریقہ سے ہوگا کہ اس میں کسی طرح کے ظلم و جور کو بغیر جواب دئے نہیں چھوڑا جائے گا نیز اس زمانہ میں عدالت عام ہوجائے گی، اسی بنا پر معاشرہ میں جرائم وگناہ کم ہوجائیں گے، لیکن بالکل ھی ان کا خاتمہ نہیں ہوگا؛ کیونکہ انسان فرشتوں کی طرح نہیں بن سکتا، اور اس کی فطرت انسانی رھے گی، اس میں گناہ و عصیان اور جرائم کے امکانات پائے جائیں گے۔
لہٰذا طے یہ ہوگیا کہ ان تمام حقائق کے پیش نظر حکومت کا ہونا ضروری ھے لیکن اگر کوئی شخص گھر کے ایک کونے میں بیٹھ کر اپنے محدود ذھن میں اس طرح کے معاشرہ کا تصور کرے کہ اخلاقی اور تربیتی ترقی کے بعد ایک ایسا معاشرہ پیدا ہوجائے جس میں کسی بھی طرح کا کوئی ظلم وفساد نہ ھو تو یہ بات حقیقت جامعہ سے بہت دور ھے واقعاً عوام الناس کے درمیان جائے اور ان کے کاموں کا مشاھدہ کرے کہ کس طریقہ سے نیکیوں اور اچھائیونکے ہوتے ہوئے بھی گناہ وانحراف کا شکار ہوجاتے ھیں کیونکہ جو لوگ اخلاقی مسائل کو اہمیت نہیں دیتے ان کی بات تو الگ ھے جو افراد نیک اور اچھے ہوتے ھیں ان سے بھی کبھی کبھی گناہ اور مخالفت ہوجاتی ھے تو پھر یہ بات ظاھر ھے کہ جرائم اور تخلفات کی روک تھام کے لئے معاشرہ میںمناسب اور شائستہ قوانین (4) کا نفوذ ضروری ھے، کیونکہ جب معاشرہ میں قوانین نافذ ہونے کے لئے بنائے گئے ھیں تو پھر ان کو نافذ کرنے والے ضامن کی ضرورت ھے حکومت کے وجود کے لئے سب سے عمدہ اور بہترین دلیل ؛ معاشرہ میں مختلف طریقوں سے قوانین کو نفوذ کرنے کی ضمانت ھے، اور اسی چیز کو ھم بیان کرنا چاھتے ھیں ، انشاء اللہ ھم اپنی آئندہ بحث میں حکومت یا حکومتی شعبہ جات وغیرہ کی ذمہ داریوں اور اس کے اختیارات کی بحث کریں گے

4طاقت و قدرت کی ضرورت
قارئین کرام ! قانون بغیر متولی کے نہ رھے اور ان کی تعطیل نہ ہوجائے اور جرائم وخلاف کاریوں کی روک تھام کی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

جاسکے ، اسی طرح معاشرہ کے امن وامان کو خطرہ میں ڈالنے کی سازشوں کا سد باب کیا جاسکے اور اسی طرح ملک اور اسلامی معاشرہ پرخارجی دشمنوں کے ھجوم کوروکا جاسکے تو ان تمام چیزوں کے لئے ایک طاقتور حکومت کا ھونا ضروری ھے ، تاکہ قوانین کو جاری کرنے ، دیگر امور کی تشریح، عقائد اوراقدارکی حفاظت کرنے اسی طرح معاشرہ کی اندورنی اور بیرونی امنیت کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری کو نبھا سکے اسی وجہ سے سیاسی فلسفہ میں ”مفہومِ قدرت“ کو ایک بنیادی مفھوم قرار دیا گیا ھے یھاں تک ان لوگوں کے نزدیک بھی جنھوں نے ”سیاست“ کو ”علم قدرت“ سے تعبیر کیا ھے۔ اب جبکہ حکومت اور قوہ مجریہ کا وجود ثابت ھوگیا اور یہ بھی بیان ھوگیا کہ حکومت کا صاحب اقتدار اور صاحب طاقت ھونا ضروری ھے، یہ سوال پیش آتا ھے کہ قدرت کا سرچشمہ کیا ھے؟ اور کس بنیاد پر حکومت کے عھدہ دار قدرت اور اقتدار رکھتے ھوں تاکہ جرائم سے روک تھام اور قوانین کو نافذ کرنے کے ذمہ داری کو پورا کرسکیں؟ چنانچہ فلسفہ سیاست کے بارے میں بھت زیادہ فنّی اور خاص بحثیں ھوئی ھیں لیکن ھم اختصار کو مدنظر رکھتے ھوئے اس کو روان اور سادہ زبان میں عرض کرتے ھیں۔

انسانی معاشرہ میں ھمیشہ سے بعض افراد بعض وجوھات کی بنا پر مثل کم عقلی،(ادواری) جنون، بری تربیت یا اسی طرح کی دوسری چیزوں کی بنا پر جرائم کے مرتکب ھوتے رھے ھیں،مثلاً کسی جگہ آگ لگادےتے ھیں ، چاقو یا روالور کے ذریعہ کسی بے گناہ انسان پر حملہ آور ھوجاتے ھیں اسی طرح دوسرے جرائم کے مرتکب ھوتے ھیں کہ الحمد للہ ھمارے ملک مینجرائم کی تعداد کم ھے لیکن آج کے ترقی یافتہ ممالک (یورپ اور امریکہ وغیرہ) میں جرائم کی تعداد کھیں زیادہ ھے؛ جیسا کہ بعض معتبر اخباروں کے ذریعہ یہ خبر ملی تھی کہ کسی ایک ملک کے پائے تخت میں ھر ایک منٹ میں کئی قتل ھوتے ھیں یا ایک دوسرے ملک کی پائے تخت میں ھر آدھے منٹ میں ایک قتل ھوتا ھے (5)اور یہ رپورٹ ان ملکوں کے سرکاری اخباروں کے ذریعہ نشر ھوتی ھے، در اگر ھمارے 60/ ملین افراد والے ملک مینکبھی کوئی قتل ھوجاتا ھے تو ھمیں تعجب ھوتا ھے کہ کیوں ھمارے اسلامی ملک میں ایک ایسا حادثہ پیش آیا!!

خلاصہ یہ کہ اس طرح کے جرائم اور خلاف ورزیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے حکومت ظاھری اور مادی طاقت رکھتی ھو جس وقت کسی بے گناہ انسان پر ظلم وستم ھو، یا کسی پرشدت سے تجاوز ھوتا ھے یا کسی جگہ پر چوری ھوتی ھے یا ڈاکاپڑتا ھے، تو ایسے مقامات پر حکومت کے بعض افراد (پولیس) اپنی بھر پور طاقت کے ذریعہ ان جرائم کا مقابلہ کریں تاکہ قوانین کے نفاذ کی ضمانت ھوسکے۔

قارئین کرام ! قوانین کو جاری کرنے اور ان کی ضمانت کے امکان کے لئے نیز مجرموں سے مقابلہ کرنے کے لئے پھلی شرط ظاھری ، مادّی اور جسمانی طاقت کا ھونا ضروری ھے اگرچہ ٹکنالوجی کی ترقی کے ساتھ اسلحہ وغیرہ میں بھی ترقی ھوئی ھے جن کی وجہ سے مجرموں کے ھاتھوں میں نئے نئے قسم کے اسلحے ھوتے ھیں، اسی طرح ادھر حکومت نے بھی مجرموں کو سزا دینے کے لئے الکٹرانک مشینیں ایجاد کرلی ھیں، لیکن پھربھی ان قوانین کو جاری کرنے والے کے لئے جسمانی طاقت سے بھرہ مند ھونا ضروری ھے چنانچہ اسی ضرورت کے تحت تمام حکومتوں کے پاس چاھے چھوٹی ھوں یا بڑی، ترقی یافتہ ھوں یا غیر ترقی یافتہ؛ تمام کی تمام ان جرائم اور ظلم وستم سے مقابلہ نیز اندرونی امنیت کی برقراری کے لئے پولیس کا انتظام کرتی ھے اور ان کو اپنے حساب وکتاب سے اسلحہ وغیرہ دیتی ھے اور حکومت جتنی چھوٹی ھوگی اس کے پاس اسلحہ وغیرہ سادہ اور کمتر ھوگا اور اگر حکومت بڑی، ترقی یافتہ اور پیچیدہ تر ھوگی اسی حساب سے اس کی پولیس بھی جدید طریقہ اور ترقی یافتہ اسلحوں سے لیس ھوگی۔

اس بنا پر ھر ملک کی پولیس کا مختلف قسم کے تمام تر اسلحوں سے لیس ھونا ضروری ھے، اور یہ اس بات کی دلیل ھے کہ حکومت بغیر قدرت کے عملی طور پر قوانین کو نافذ نھیں کرسکتی لھٰذا طے یہ ھوا کہ ھر معاشرہ میں قوہ قھریہ (پولیس) کا ھونا ضروری ھے تاکہ جرائم پیشہ لوگ اس سے ڈریں اور جرائم کے قریب نہ جائیں اور اگر جرائم کے مرتکب ھوگئے ھیں تو ان کو سزا مل سکے۔

5۔ مدیروں میں تقویٰ اور اخلاقی صلاحیت ھونا ضروری ھے

قارئین کرام ! اب تک کی باتوں سے یہ اندازہ لگانا آسان ھے کہ قوانین کو نافذ کرنے، امن وامان کو باقی رکھنے،جرائم اور دوسروں کے حقوق پر تجاوز سے روک تھام کے لئے حکومت کے پاس سبھی طرح کی طاقت کا ھونا ضروری ھے لیکن یہ بھی توجہ رکھنا ضروری ھے کہ اس عھدہ کی حفاظت اور قوانین کو نافذ کرنے اور اس کی ضمانت کے لئے صرف جسمانی اور اسلحہ کی طاقت اور مادّی مھارتیں کافی نھیں ھیں بلکہ وہ شخص جو قوانین جاری کرنے کے لئے منتخب ھو اوراس ھدف کی خاطر ضروری امکانات اور اسلحہ جات اس کے اختیار میں دئے جائیں تو اس کو صاحب تقویٰ اور اخلاقی صلاحیت کا مالک ھونا چاھئے، کیونکہ اگر کوئی صاحب تقویٰ نہ ھو تو جو طاقت اس کے اختیار میں دی گئی ھے نہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

صرف یہ کہ فائدہ نہیں دے گی بلکہ اس سے معاشرہ کا نقصان ہوگااور معاشرہ کے لئے بہت سی مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں، کیونکہ وہ اس طاقت اور قدرت سے سوء استفادہ کرے گا اسلامی انقلاب کی کامیابی سے پہلے اور ملت ایران کے شاہ سے مقابلہ کے دوران حضرت امام خمینی (رحمۃاللہ علیہ) نے ایک بیان میں فرمایاجس کا مضمون یہ ہے کہ اسلحہ نیک اور شائستہ افراد کے ہاتھوں میں دیا جائے، تاکہ شاہ سے مقابلہ کے دوران ، ان کا ہدف عوام الناس کے حقوق دلانا اور اسلام کی حاکمیت کو برقرار رکھنا ہو، نہ یہ کہ وہ صرف قدرت پر قبضہ کرنا چاہیں؛ لیکن اگر اسلحہ غیر شائستہ لوگوں کے ہاتھوں میں چلا گیا، تو در حقیقت یہ قدرت ؛ طاقتور شیطان کے ہاتھوں میں چلی گئی ہے کہ جس کا نتیجہ معاشرہ میں فتنہ وفساد اور تباہی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ صرف ظاہری قدرت معاشرہ کے منافع ومصالح کی ضامن نہیں ہوسکتی ، بلکہ جو شخص قوانین کو جاری کرے اور قدرت کو اپنے ہاتھوں میںلے تو اس میں مادّی اور ظاہری مہارت کے علاوہ تقویٰ اور اخلاقی شائستگی کا ہونا ضروری ہے پس اس صورت میں حکومت اپنے تمام تر امکانات اور طاقت وقدرت کے ساتھ ، نیز ان امکانات سے صحیح طریقہ سے استفادہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کے لئے صحیح رجحان کے تحت اپنی پوری طاقت صرف کردے، اور میدان عمل میں ہویٰ وہوس اور ذاتی مفاد کا شکار نہ ہو لیکن اگر کوئی شخص تقویٰ اور اخلاقی صلاحیت سے بہرہ مند نہ ہو ،اور اس کے ہاتہ طاقت اور مادّی امکانات آجائیں تو اس کو غرور ہوجاتا ہے اور ہویٰ وہوس، شیطانی خواہشات اور جاہ طلبی وغیرہ کے لئے اس قدرت کو استعمال کرنے لگتا ہے ، جس کے نتیجہ مینصحیح راستے سے منحرف ہوجاتا ہے اور معاشرہ میں تباہی وبربادی کے علاوہ کچھ اور نہیں کرپاتا اس صورت میں معاشرہ میناس کا نقصان اور ضرر عام تباہ کار سے زیادہ ہوتا ہے؛ جیسا کہ فاسد بادشاہ جس ظلم وبربریت کے مرتکب ہوتے ہیناس کا دوسرے جرائم سے مقائسہ اور مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

البتہ قانون کا جاری کرنے والا ، قانون اور اس کے مختلف پہلؤوں کی بحد کافی شناخت رکھتا ہو؛ کیونکہ حکومت قانون کو جاری کرنے کے لئے ہوتی ہے اور حکومتی افراد جس عہدہ پر بھی ہوں ؛ قانون کے مجری ہونے کے ناطے قانون سے بحد کافی آگاہی رکھتے ہوں ورنہ تو اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے قانون کی خلاف ورزی نہ کرنا چاہے اور قانون پر عمل کرنے کا مصمم ارادہ رکھتا ہو، لیکن چونکہ قانون سے صحیح طریقہ سے آشنا نہیں ہے مقام عمل میں غلطی کا امکان پایا جاتا ہے، اسی طرح قانون کو اس کے مصداق پر تطبیق کرنے پر بھی قادر نہیں ہوسکتا، درحالیکہ ایسا شخص بری نیت بھی نہیں رکھتا اور اخلاقی صلاحیت سے بھی بہرہ مند ہوتا ہے لیکن چونکہ قانون کے بارے میں علم نہیں رکھتا اور قانون سے صحیح نتیجہ بھی نہیں نکال سکتا جس کے نتیجہ میں منحرف ہوجائے گااور غلط راستہ پر چل پڑے گا اور عملی میدان میں معاشرہ کے منافع کو پامال کردے گا۔

بنا برین مجری قانون کو قانون سے آشنا ہونا چاہئے ،وہ قانون جاری کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہو اور تقویٰ و اخلاقی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔البتہ متون دینی میں فقیہ کے لئے یہ تین شرطیں قانون جاری کرنے کی قدرت اور مدیریت بیان کی گئی ہیں ،لیکن ان تینوں کلی شرطوں کے بہت سے اجزاء ہیں کہ ہم اس وقت ان کوبیان نہیں کر رہے ہیں چونکہ ہم کلیات بیان کر رہے ہیں جزئیات نہیں ۔

6۔ فلسفہ سیاست میں حکومت کی مشروعیت

قارئین کرام ! اس سلسلہ میں ایک بحث کا بیان کرنا مقصود ہے جیسا کہ گذشتہ جلسہ میں بھی اس چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ حکومت کی مشروعیت (حق حکومت)اور اس کے قانونی ہونے کا معیار وملاک کیا ہے؟ لہٰذا اس چیز کی تحقیق اورجائزہ لینا ضروری ہے کہ کن معیار کے تحت ایک ملت کی حکومت کو کسی شخص یا کسی پارٹی کے سپرد کی جاسکتی ہے تاکہ وہ قدرت سے استفادہ کرسکے واقعاً یہ بحث فلسفہ سیاست کی ایک اصل اور بنیادی بحث ہے اور اس کو مختلف نظریات کی بنا پر مختلف طریقہ سے مورد بررسی وتحقیق قرار دیا گیا ہے اور اس کو بیان کرنے کے لئے بھی مختلف تعبیریں پیش کی گئی ہیں ان میں سے ایک تعبیر ''قدرت اجتماعی'' کے نام سے موجود ہے جسے عوام الناس تسلیم نہیں کرتی،یعنی حکومتی افراد کے اندر مادّی وجسمانی اور مدیریت کی قدرت کے علاوہ ایک دوسری قدرت بھی ہو جس کو ''قدرت اجتماعی'' کہا جاتا ہے اب سوال یہ ہوتا ہے کہ حکومت قدرت اجتماعی کی مشروعیت اور قانون کو جاری کرنے کا حق کہاں سے حاصل کرتی ہے؟ ایک چہ کروڑافراد کی آبادی میں بہت اہم شخصیات ، ماہر افراد اور شائستہ افراد ہوتے ہیں، ان میں سے کس طرح ایک شخص حکومت کی لگام کو ہاتہ میں لے سکتا ہے؟ کون اس قدرت کو اس کے حوالہ کرتا ہے؟ بنیادی طور پر حکومت اور اس کے ذمہ دار افراد کی مشروعیت(اور جواز حکومت) کہاں سے آتی ہے؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اس سلسلہ میں مختلف صاحب نظروں نے مختلف جوابات دئے ھیں، لیکن آج کی دنیا میں رائج اور متفق علیہ جواب یہ ھے کہ حکومت یا رئیس حکومت کو یہ طاقت عوام الناس دیتی ھے گویا یہ قدرت عوام الناس کے ارادہ ومرضی سے کسی کو دی جاتی ھے، اور اگر کوئی شخص اس قدرت پر کسی دوسرے راستہ سے قابض ھوجاتا ھے وہ قدرت مشروعیت نھیں رکھتی اس قدرت کو کسی شخص کے لئے اپنے آباء واجداد سے ارث میں لینا ممکن نھیں ھے؛ جیسا کھ(انقلاب سے پھلے) شاہ کی حکومت کا یہ نظریہ تھا کہ قدرت اور حکومت میراثی ھے مثلاً جب کوئی سلطان اس دنیا سے جائے تو اس کا بیٹا میراث کے عنوان سے اس پر قابض ھوجائے اور اس میں عوام الناس کا کوئی کردار نہ ھو اگرچہ حکومت کا یہ طریقہ آج بھی بعض ملکوں میں رائج ھے، لیکن آج کی دنیا میں موجود کلچر اس سسٹم کو قبول نھیں کرتااور یہ تھیوری عام لوگوں کی نظر میں قابل قبول نھیں ھے، اور ایسا نھیں ھے کہ اگر کوئی شخص عوام الناس پر حکومت کی بھترین صلاحیت رکھتا ھے تو اس کا بیٹا بھی وھی صلاحیت اور شائستگی رکھتا ھو اس کے علاوہ عوام الناس اس طریقہ کار کو اچھا نھیں سمجھتی، بلکہ اس کے خلاف دیکھنے میں آیا ھے اور بھت سے ایسے مورد دیکھے گئے ھیں جن میں میراثی حاکم سے بھتر اور مناسب افراد موجود ھو جاتے ھیں۔

قارئین کرام !

چونکہ بادشاھت اور سلطنت کا سسٹم آج کے زمانہ میں قابل قبول نھیں ھے اور اس کی مخالفت بھی ھوتی رھی ھے، کیونکہ بعض بادشاھی نظام میں اس طرح کی کوشش کی گئی ھے کہ بادشاھت برائے نام باقی رہ گئی، اور بادشاہ سے قدرت چھن گئی ھے اور جو شخص عوام الناس کا منتخب شدہ ھوتا ھے مثلاً وزیر اعظم ؛ یہ طاقت اس کے حوالہ ھوجاتی ھے در حقیقت ان ممالک میں صرف بادشاھت کا نام باقی ھے جب کہ واقعی قدرت اس سے چھن چکی ھے۔

پس عام عقیدہ اور آج کل کے زمانہ میں رائج ڈیموکریٹک"Democratic" نظام کے تحت جو شخص حکومت کرنے کی صلاحیت اور قوانین کو نافذ کرنے کی طاقت اپنے ھاتہ میں لیتا ھے وہ عوام الناس کا منتخب شدہ ھو ،اور صرف عوام الناس کے ارادہ ومرضی کے ذریعہ حکومت مشروعیت پیدا کرتی ھے البتہ عوام الناس کا طریقہ انتخاب اور ان کے نظریات مختلف ھوتے ھیں ، اور اس سلسلہ میں مختلف نظریات پائے جاتے ھیں، مثلاً بعض ممالک میں صدر حکومت کو عوام الناس اپنی اکثریت سے براہ راست انتخاب کرتی ھے ، جبکہ بعض ملکوں میں حکومت کے رئیس کو پارٹیاں اور پارلیمنٹ کے ممبران انتخاب کرتے ھیں، در حقیقت ممبر آف پارلیمنٹ عوام الناس اور رئیس حکومت کے درمیان واسطہ کے کام کرتے ھیں بھر حال جو شخص براہ راست یا بالواسطہ عوام الناس کی اکثریت سے انتخاب ھوتا ھے اس کو حکومت اور قدرت مل جاتی ھے اور اس کے بعد وہ اجرائے قانون کی سب اھم شخصیت اور معاشرہ کی رھبری اور ھدایت کی باگ ڈور اپنے ھاتھوں میں لے لیتا ھے۔

البتہ عوام الناس کی طرف حاکم کو حکومت دینا ایک ظاھری اور فیزیکی چیزوں میں سے نھیں ھے کہ مثلاً عوام الناس اپنے پاس سے کوئی چیز نکال کر اس حاکم کو دیں یا اس کے جسم میں کوئی خارق العادہ طاقت ایجاد کریں بلکہ یہ حکومت غیر مادّی ھے جو عوام الناس کی موافقت سے حاکم کے لئے وجود میں آتی ھے لہٰذا اسی قرار داد کے تحت یہ عھد کیا جاتا ھے کہ مثلاً دو سال، چار سال، سات سال یھاں تک کہ زندگی بھر کے لئے (ان قوانین کے تحت جو آج کے زمانہ میں مختلف ممالک میں رائج ھیں) ان کا حاکم مقرر ھو ، اور عوام الناس اپنے منتخب شدہ حاکم کے فرمان کے تحت باقی رھیں۔

اس فرضیہ کے مطابق حکومت اور قوانین کا مجری، عوام الناس سے اپنی قدرت حاصل کرتا ھے ،اور اگر عوام الناس کے موافق نہ ھو تو پھر وہ (صحیح) کام نھیں کرسکتا اس نظریہ اور تھیوری کے لئے مختلف دلائل پائے جاتے ھیں جن میں سے بعض فلسفی ھیں ، بعض انسانی معرفت کے پھلو رکھتے ھیں اور بعض صرف اعتباری ھوتے ھیں یا عینی اور خارجی تجربوں کی بنا پر قائم ھوتے ھیں؛ یعنی تجربہ اور مختلف حکومتوں کی شکلوں کے مشاھدہ کے بعد اس قسم کی حکومت کو بھترین اور مفید ترین طریقہ قرار دیا گیا ھے۔

قارئین کرام ! یہ بات قابل توجہ ھے کہ عوام الناس کی طرف منتخب شدہ شخص کو قدرت دینے کے طریقہ کار اور اس کی تحقیق وبررسی کے لئے ایک طولانی گفتگو درکار ھے کہ اگر خداوندعالم نے توفیق دی تو اس سلسلہ میں بعد میں بیان کریں گے (انشاء اللھ) لیکن یھاں پر صرف مختصر طور پر عرض کرتے ھیں کہ مشروع حکومت تشکیل ھونے کے بعد عوام الناس کا حکومت کے قوانین کو قبول کرنا ضروری ھے اور اس کی فرمانبرداری اور اطاعت پر موافقت کریں اس مطلب پر قبل اس کے دوسرے مکاتب اور مذاھب بیان کریں اسلام نے بیان کرتے ھوئے قبول کیا ھے عوام الناس کی شرکت اوران کی طرف سے عھدہ داران کا انتخاب کرنا اور اس موضوع پر عام موافقت ،قدیم زمانہ سے اسلامی معاشرہ میں یہ تھیوری نہ صرف بیان ھوئی ھے بلکہ اس پر عمل بھی ھوا ھے کیونکہ اگر کوئی میراثی یا طاقت کے بل بوتے پر دوسروں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

پر حاکم بن جائے تو نہ صرف یہ کہ عملی میدان میں اس کی شکست ھے بلکہ اسلام کی نظر میں بھی یہ طریقہ کار محکوم(غیر مقبول) ھے لہٰذا دین اور اسلام نے اس پر صحیح کا نشان لگایا ھے کہ تمام لوگوں کی موافقت اور عام مقبولیت ہونے ضروری ھے اس مینکوئی بحث نہیں ھے ، لیکن یھاں پر یہ سوال پیش آتا ھے کہ کیا اسلام کی نظر صرف عوام الناس کا اس حکومت کو مشروعیت دینے میں قبول کرلینا کافی ھے ، اور قانونی نقطہ نظر سے اسلامی حکومت میں جیسا کچھ ھوا ھے یا ھوگا صرف عوام الناس کی موافقت کا نتیجہ ھے؟

بعض اخباروں، کتابوں اور مقالات میں لکھا جاتا ھے کہ آج کی دنیا میں ”مقبولیت“ اور ”مشروعیت“ ایک ساتھ ھوتی ھیں، یعنی کسی حکومت کی مشروعیت کے لئے عوام الناس کی اکثریت کا ووٹ کافی ھے یا دوسرے الفاظ میں یہ کہ مشروعیت ؛ مقبولیت کی وجہ سے حاصل ھوتی ھے جب عوام الناس نے کسی کو قبول کرلیا اور اس کو ووٹ دیدیا تو اب منتخب شدہ شخص کی حکومت مشروع اور قانونی ھوجاتی ھے۔

قارئین کرام ! یہ وھی ڈیموکریٹک"Democratic" نظریہ ھے جو آج کل کی دنیا میں عام مقبولیت رکھتا ھے تو اب یھاں پر ایک سوال پیدا ھوتا ھے کہ اسلام بھی بالکل اسی نظریہ کو قبول کرتا ھے۔؟

7۔ حکومت کی مشروعیت کے سلسلہ میں اسلامی نظریہ کا لیبرل معاشرہ سے فرق

اب جبکہ ھم نے یہ قبول کرلیا ھے کہ اسلامی نقطہ نظر سے حاکم کے لئے ضروری ھے کہ عوام الناس اس کو قبول کرتی ھو اور عوام الناس کی شرکت اور تعاون کے بغیر اسلامی حکومت قوانین کو جاری کرنے پر قادر نھیں ھوسکتی، اور اسلامی احکام کو بھی جاری نھیں کرسکتی، تو سوال یہ ھے کہ اسلامی نظریہ کے مطابق حکومت کے مشروع ھونے میں صرف عوام الناس کا ووٹ کافی ھے، اور قانون کے جاری کرنے والے افراد کی مشروعیت عوام الناس کے ووٹوں کے ذریعہ مشروع ھوجاتی ھے، یا کوئی دوسری چیز بھی اس میں ضمیمہ ھونی چاھئے؟ دوسرے الفاظ میں یوں کھا جائے کہ عوام الناس کا قبول کرنا حکومت کے قانونی اور مشر وع ھونے کے لئے شرط لازم وکافی ھے ،یا اس کے عینی طور پر محقق ھونے کے لئے یہ شرط لازمی ھے۔

جواب میں ھم یہ عرض کرتے ھیں کہ جو کچھ ”ولایت فقیہ “ کے سلسلہ میں بیان ھوا ھے اور اسی وجہ سے یہ حکومت، دوسری مختلف ڈیموکریٹک حکومت سے صاحب امتیاز بناتی ھے وہ یہ ھے کہ کسی حکومت کی مشروعیت اور اس کا قانونی ھونا اسلام کی نظر میں صرف عوام الناس کی رائے نھیں ھے بلکہ عوام الناس کی رائے گویا ایک بدن کی طرح ھے اور اس مشروعیت کی روح ”اذن الٰھی“ ھے ، اور یہ مطلب ایک مسلمان کے عقیدہ میں راسخ ھے۔

وضاحت :

ایک مسلمان شخص عالم ھستی کو خدا کی ملکیت جانتا ھے اور یہ عقیدہ رکھتا ھے کہ تمام افراد؛ خداوندعالم کے بندہ اور غلام ھیں، نیز اس سلسلہ میں افراد کے درمیان کوئی فرق نھیں ھے ، خدا کی بندگی میں سب برابر ھیں؛ جیسا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ھے:

”اَلْمُوٴمِنُوْنَ کَاَسْنَانِ الْمَشْطِ یَتَسَاوُوْنَ فِی الْحُقُوْقِ بَیْنَھُمْ“ (6)

(مومنین آپس میں گنگھے کے دانتوں کی طرح ھیں اور سب کے حقوق مساوی اور برابر ھیں۔)

پس معلوم یہ ھوا کہ سب انسان خدا کے بندے ھیں اور سب برابر ھیں نیز اس سلسلہ میں کوئی صاحب امتیاز نھیں ھے ، اسی طرح سب انسانیت میں مساوی ھیں اور کسی ایک کو دوسرے پر کوئی امتیاز نھیں ھے عورت مرد ، کالے سفید اصل انسانیت میں مساوی ھیں توپھر کس معیار اور کس بنیاد کی بنا پر ایک شخص دوسروں پر حکومت کرنے کا حق رکھتا ھے؟ ھم نے یہ بھی قبول کیا کہ قانون کو جاری کرنے والا ایک عظیم طاقت کامالک ھو جس کو ضرورت کے موقع پر استعمال کیا جاسکے، اور ھم نے یہ عرض کیا کہ حکومت بغیر قوہ قھریہ (پولیس یا فوج) کے بغیر اپنے اھداف تک نھیں پھونچ سکتی اور حکومت کا فلسفہٴ وجودی وھی قوہ قھریہ ھے جو عوام الناس کو قانون کی پیروی کرنے پر مجبور کرتا ھے اب اگر قوہ قھریہ نہ ھو اور حکومت فقط وعظ ونصیحت کے ذریعہ عوام الناس کو قانون پر عمل کرانے پر قادر ھوتی تو پھر قوہ قھریہ کی کوئی ضرورت نہ ھوتی، اور اس کام کے لئے علماء اور اخلاقی معلمین کافی ھوتے پس ثابت یہ ھوا کہ قوہ مجریہ کا فلسفہ وجودی یہ ھے کہ وقت ضرورت اپنی طاقت سے فائدہ اٹھائے اور بڑھتے ھوئے جرائم کی روک تھام کرے مثلاً اگر کوئی شخص لوگوں کے مال وناموس پر دست درازی کرے تو حکومت اس کو پکڑ کر زندان میں ڈال دے یا اس کوکسی دوسرے طریقہ سے سزا دے۔

اس میں کوئی شک نھیں ھے کہ آج کل دنیا بھر میں سزا دینے کے مختلف طریقے پائے جاتے ھیں، اسی طرح اسلام نے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

مجرموں کو سزا دینے کے لئے طریقہ معین کئے ھیں جن میں سے سب سے زیادہ رائج مجرم کوجیل میں ڈال دینا ھے جس سے اس کی آزادی کا ایک حصہ سلب ھوجاتا ھے جس وقت کسی شخص کوئی طاقت ایک بند کمرہ میں مقید کردیتی ھے اور اس پر دروازہ بند کردیا جاتا ھے، اور اس کی معمولی اور ابتدائی آزادی سلب کردی جاتی ھے تو سوال یہ ھوتا ھے کہ کسی مجرم کی آزادی کو سلب کرنے کا کسی کو کیا حق ھے؟ بے شک مجریان قانون کی طرف سے کسی شخص کی آزادی کا سلب کرنا یا مجرموں کے حقوق کو سلب کرنا جائز اور حق ھو، یہ ٹھیک ھے کہ مجرم کو سزا ملنی چاھئے ، لیکن کوئی خاص شخص ھی سزا دینے کا حق رکھتا ھے ، دوسرا نھیں؟ (یہ کھاں سے؟) ایسے افراد کو معین کرنے کے لئے کوئی قاعدہ قانون اور خاص ملاک اور دلیل ھونی چاھئے کیونکہ ان کا کام گویا اس شخص میں مالک جیسا تصرف کرنا ھے،جو شخص کسی مجرم کو جیل میں ڈالتا ھے گویا وہ اس کے وجود میں تصرف کررھا ھے نیز اس سے اختیار اور آزادی کو سلب کررھا ھے، اور اس کو ایک بند کمرے میں مقید کررھا ھے ، اس کو اجازت نھیں دیتا کہ جھاں چاھے چلا جائے، جیسے ایک مالک اپنے غلام کی تنبیہ وتادیب کررھا ھے۔

پس چونکہ مجرموں اور خطاکاروں سے اس طرح کا برتاؤ ان کی آزادی اور حقوق کا سلب کرنا ھے اور انسان میں مالک جیسا تصرف حساب ھوتا ھے اسلامی نقطہ نظر سے حکومت کی مشروعیت کا معیار وملاک اکثریت کی رائے کے علاوہ خداوندعالم کی اجازت ھے، کیونکہ تمام انسان خدا کے بندے ھیں لہٰذا خدا اپنے بندوں پراگرچہ مجرم بندے ھی کیوں نہ ھوں؛ تصرف کا حق عنایت فرمائے؟ ھر ایک شخص (یھاں تک کہ مجرم بھی) آزادی رکھتے ھیں اور یہ آزادی خدا داد نعمت ھے جو اس نے تمام انسانوں کو عطا کی ھے اور کسی کو اس کے بندوں کی آزادی سلب کرے کا حق نھیں ھے کیونکہ وھی انسان کی آزادی یھاں تک کے مجرم انسان کی آزادی کا حق رکھتا ھے جو ان کا مالک ھے اور تمام انسانوں کا مالک خداوندقدوس ھے ۔

اس لحاظ سے اسلامی نقطہ نظر سے ان تمام چیزوں کے علاوہ جو دوسری حکومتوں میں حکومت کی تشکیل کے لئے ضروری سمجھا جاتا ھے ، ایک دوسرا معیار اور ملاک بھی ضروری ھے اور وہ اعتقادات اور معارف اسلامی میں سر چشمہ رکھتا ھے ھمارے عقیدہ کی بنیاد پر خداوندعالم، انسان اور تمام مخلوقات کا ربّ ھے اور ھمارا یہ عقیدہ اس بات کا تقاضا کرتا ھے کہ خدا کی مخلوقات میں ذرا سا بھی دخل وتصرف؛ خدا کی اجازت اور مرضی سے ھونا چاھئے دوسری طرف وہ قوانین جوشھریوں کی رفتار، چال چلن اور کردارکو معین کرتا ھے اور ان کی آزادی کو محدود کرتا ھے، نیز وہ قوانین خود بخود جاری نھیں ھوتے بلکہ ان کو جاری کرنے کے لئے ایک سسٹم کی ضرورت ھے جو ان کو جاری کرسکے،اسی وجہ سے حکومت کے پاس ایک طاقت (پولیس) کی ضرورت ھے، اور اس بات میں کوئی شک نھیں کہ حکومت اور قوہ مجریہ،خدا کی مخلوقات میں تصرف کرنے کے بغیر اور ان کی آزادی کو محدود کئے بغیر آگے نھیں بڑہ سکتی، اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ خدا کی مخلوقات میں تصرف کرنا یھاں تک مجرموں اورغنڈوں سے آزادی کا سلب کرنا، صرف اسی شخص کے لئے جائز ھے جس کو خداوندعالم نے اختیار دیا ھے، اور یہ اختیار صرف خداوندعالم کی طرف سے دوسروں کو عطا ھوتا ھے؛ کیونکہ وھی تمام انسانوں کا مالک اور ربّ ھے، اور حکومت کو اپنی مخلوقات میں تصرف کرنے کی اجازت دے سکتا ھے۔

حکومت کے سلسلہ میں فلسفہ سیاست میں نظریہ ”ولایت فقیھ“ کا دوسرے نظریات پر یہ امتیاز ھے کہ یہ نظریہ توحید اور اسلامی عقیدہ میں سرچشمہ رکھتا ھے اس نظریہ حکومت اور انسانوں میں تصرف کرنے کی نسبت خداوندعالم کی اجازت کی طرف ھوتی ھے اس کے مقابلہ میں دوسرا نظریہ جو کہ قوانین کو جاری کرنے اور انسانوں کی آزادی میں تصرف کرنے میں خدا کی اجازت کو ضروری نھیں سمجھتا، یہ نظریہ ایک قسم کا”ربوبیت میں شرک“ ھے یعنی اگر قوانین کو جاری کرنے والا فرد یہ عقیدہ رکھے کہ وہ خدا کے بندوں میں اس کی اجازت بغیرکے دخل وتصرف کا حق رکھتا ھے، حقیقت میں ایسا عقیدہ رکھنا اس ادّعا کے برابر ھے کہ جس طرح خداوندعالم اپنے بندوں میں تصرف کا حق رکھتا ھے میں بھی اسی طرح مستقل طور پر انسانوں میں دخل وتصرف کا حق رکھتا ھوں، اور یہ ایک قسم کا شرک ھے اگرچہ ایسا شرک نھیں جو مرتد ھونے کا سبب بنتا ھو بلکہ کمتر درجہ کا شرک ھے جو غلط فکر اور کج فکری کی وجہ سے وجود میں آتا ھے، جس کے نتیجہ میں عصیان اور لغزش وجود میں آتے ھیں اور یہ کوئی کم گناہ نھیں ھے کیسے کوئی شخص اپنے کو خدا کا ھم پلہ قرار دیتا ھے اور یہ دعوی کرتا ھے کہ جس طرح خدا اپنے بندوں میں تصرف کا حق رکھتا ھے میں بھی ان کی رائے اور انتخاب پر تکیہ کرتے ھوئے؛ ان پر تصرف کا حق رکھتا ھوں؟!! کیا عوام الناس اپنا اختیار رکھتی ھے جو دوسروں کے حوالہ کرسکتی ھے؟ تمام انسان خدا کے بندے ھیں ان کا اختیار بھی خدا کے ھاتہ میں ھے۔

قارئین کرام ! ھمیں یہ معلوم ھوچکا ھے کہ اگر ھم اسلامی نقطہ نظر سے حکومت کی تحقیق وبررسی کریں تو اس نتیجہ پر پھنچ جاتے ھیں کہ اس نظریہ میں دوسرے ممالک کے حکومتی معیار کے علاوہ ایک دوسری چیز کا بھی لحاظ کرنا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ضروری ھے ، اور وہ ھے خدا کے بندوں میں تصرف کرنے کے لئے خدا کی اجازت لٰھذا اسی نظریہ کی بنیاد پر حکومت کی مشروعیت خداوندعالم کی طرف سے ھے اور عوام الناس کی رائے اور ووٹس نیز عوام الناس میں اس کی مقبولیت؛ حکومت کے تحقق کے لئے ایک شرط ھے۔

حوالے:

(1) سورہ بقرہ آیت 30
(2)سورہ معارج آیات 19 تا 21
)3(سورہ ابراھیم آیت 34
(4) جیسا کہ ھم پھلے قوانین کی ضرورت پر گفتگو کر چکے ھیں
)5(اگرھر آدھے منٹ میں ایک قتل ھوتا ھے تو تقریباً ایک دن میں٢٨٨٠/(60 * 2 = 120 * 24 =2880) قتل ھوتے ھیں (مترجم(
(6) بحار الانوار ج9 ص 49

اسلام اور سیاست جلد(2)

چھبّیسواں جلسہ

حکومت کے مخصوص کام اور عوام الناس کے ھاتھ بٹانے پر اسلام کا زور

1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ ”اسلامی سیاسی نظریہ“ کی گفتگو دو حصوں میں تقسیم ھوتی ھے جس کے پھلے حصے میں قانون اور قانونگذاری کے سلسلہ میںبحث ھوچکی ھے اس کا دوسرا حصہ حکومت اور نظام اسلامی میں قوانین کے نفاذ کی ضمانت سے مر بوط ھے ھم نے گذشتہ گفتگو میں حکومت کی ضرورت کو ثابت کرنے کے سلسلہ میں اسلامی حکومتی سسٹم کو ثابت کیا اور ھم نے حکومت کی ضرورت کے سلسلہ میں ایک دلیل یہ پیش کی کہ چونکہ قوانین کو جاری کرنے کے لئے ایک ضامن کی ضرورت ھوتی ھے، اور یہ بھی عرض کیا کہ اگر قوانین کو جاری کرنے کی کوئی ضمانت نہ ھو تو پھر ان (قوانین) کا ھونا لغو اور بے ھودہ ھوجائے گا، اور چونکہ معاشرہ میں ھمیشہ جرائم اور قانون شکنی ھوتی رھتی ھے (اگر قوانین کی ضمانت اجرائی نہ ھو) تو پھر ان قانون کو بنانے کا مقصد ختم ھوجاتا ھے چنانچہ یہ ایک ایسی بات ھے جس پر ھمیشہ تمام ھی ملتوں نے تجربہ کیا ھے اور اسلامی منابع و کتب کے لحاظ سے بھی اس میں کوئی شک وتردید نھیں ھے۔

2۔ حکومت کے عظیم اور مخصوص کام
قارئین کرام ! جیسا کہ ھم بعد میں ذکر کریں گے کہ حکومت کی ضرورت کے لئے ؛ قوانین کی ضمانت اجرائی کے علاوہ بھی دیگر دلائل موجود ھیں کہ ان تمام دلائل کے پیش نظر حکومت کے وظائف کے مجموعہ کو بیان ، اور ان کی منطقی توجیہ کرنا اسی طرح حکومت کے اختیارات کو بیان کرنا ممکن ھے کیونکہ اگر صرف حکومت کا کام قوانین کو جاری کرنے کی ضمانت ھوتی تو پھر اس طرح کے پیچ وخم والے سسٹم کی ضرورت نہ ھوتی اور صرف محکمہ پولیس کے ذریعہ یہ مسئلہ حل ھوسکتا تھا، اور حکومت کی دوسرے اجتماعی کاموں میں کوئی دخالت نہ ھوتی کیونکہ اس صورت میں حکومت کی ذمہ داری صرف ملک میںقوانین کوجاری کرنا ھوتا جس کے لئے صرف پولیس ھی کافی تھی لیکن حکومتوں کی منجملہ اسلامی حکومت کی دوسری بھی ذمہ داریاں ھوتی ھیں جن میں سے اسلامی معاشرہ کی ان عام ضرورتوں کو پورا کرنا ھے جو انفرادی طور پر ممکن نھیں ھیں۔
ھم کبھی انسان کی زندگی کو شخصی اور انفرادی حیثیت سے دیکھتے ھیں اور اس کی ضرورتوں کی جستجو کرتے ھیں تو ظاھراً یہ ضرورتیں خود شخصی طریقہ سے پوری ھونا چاھئے مثلاً روٹی اور مکان کی ضرورت، اور یہ چیزیں خود انسان کی سعی وکوشش سے پوری ھوجاتی ھیں البتہ انسان کی انفرادی سعی و کوشش کا ثمر بخش ھونے کے لئے قاعدہ وقانون کے ما تحت ھونا ضروری ھے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لیکن کچھ ضرورتیں انسان اور اھل خانہ سے متعلق نہیں ھوتیں بلکہ وہ پورے معاشرہ یامعاشرہ کے کسی خاص گروہ سے متعلق ھوتی ھیں مثلاً اندرونی اور بیرونی امنیت ایک عام ضرورت ھے ،کیونکہ اندرونی دشمنی، قانون شکنی اور نا امنی سے مقابلہ کرنے کے لئے نیزاسلامی ملک کے عھدہ دار افراد کے جو بیرونی دشمن ھیں ان سے جنگ کے لئے فوج کی تشکیل دینا وغیرہ ؛ یہ چیزیں معاشرہ کے بعض افراد سے متعلق نہیں ھیں، بلکہ تمام ھی افراد سے متعلق ھیں اور چونکہ اس طرح کی ضرورت معاشرہ کے بعض افراد کے بس کی بات نہیں ھے، بلکہ یہ کام معاشرہ کے تمام افراد کے ذریعہ پورا ھونا چاھئے، جن کو حکومت معاشرہ کی طرف سے قوانین کو مرتب کرنے اور ضروری طریقوں کو بروئے کار لاتے ھوئے انجام دی سکتی ھے۔

ظاھر سی بات ھے کہ جس وقت معاشرہ کے لئے سرحدی علاقےسے کوئی خطرہ در پیش ھوتا ھے اور عوام الناس اس خطرہ سے مقابلہ کرنا چاھتے ھیں، تو ان کو صحیح طریقہ سے ٹریننگ دی جائے ، یعنی در حقیقت جنگ اور دفاع میں شرکت کرنے والے تمام لوگوں کو ایک سسٹم کے ماتحت ھونا چاھئے کیونکہ یھاں پر ذاتی اور شخصی سلیقہ کا کوئی فائدہ نہیں ھوتا لھٰذا ھر شخص اپنے سلیقہ سے دشمن کے حساب شدہ حملوں کو نہیں روک سکتا اسی وجہ سے فوجی افسروں کے تجربوں ، دشمن کے اسلحوں اور اس کی طاقت کی شناخت کے ذریعہ بھترین پلان کے ساتھ میدان جنگ میں قدم رکھا جانا ضروری ھے لھٰذا اس اھم ضرورت کو صرف ایسا سسٹم ھی پورا کرسکتا ھے جو پورے معاشرہ پر حکومت کرتا ھو چنانچہ حکومت اپنے خاص پروگرام کے ذریعہ ھی لوگوں کو جنگ میں شرکت کرنے کے لئے تیار کرسکتی ھے تاکہ ملک سے دشمن کا خطرہ ٹل جائے اس کے علاوہ بیرونی دشمن کے مقابلہ کی تیاری کے پیش نظر لازمی اسلحہ کی فراھمی ضروری ھے، اور حکومت کو فوج کی ٹریننگ پر خاص دھیان رکھنا ضروری ھے تاکہ ملک میں سرحدوں کی حفاظت کرنے والی فوج کی تعداد کافی مقدار میں آمادہ رھے، اسی طرح اندرونی فتنہ وفساد سے روک تھام کے لئے پولیس کی ضرورت ھے لھٰذا اس طرح کے مسائل صرف حکومت ھی کرسکتی ھے، لھٰذا عوام الناس حکومت کی اطاعت کریں، اور اس کے احکام کو لازم الاجراء مانیں۔

جو مثال ھم نے حکومت کی ضرورت پر دلیل دوم(یعنی معاشرہ کی عام ضرورت) کے تحت پیش کی وہ ملک سے دفاع اور بیرونی دشمن سے مقابلہ کے سلسلہ مینھے اور ھمارے ملک میں یہ خطرناک وظیفہ ارتش اور سپاہ(فوجوں کے نام) کے ذمہ ھوتا ھے، اسی طرح وہ مثال جس کو ھم نے دلیل اول (یعنی قوانین کی اجرائی ضمانت) کے سلسلہ میں ذکر کی وہ اندورنی امنیت کی حفاظت اور مجرموں کو قانون پر عمل کرنے پر مجبور کرنے کے لئے طریقوں کے سلسلہ میں ھے ،اور یہ ذمہ داری نیروئے انتظامی (پولیس) کے کاندھوں پر ھوتی ھے۔

اِن ھی عام ضرورتوں میں سے جو عام افراد کے ذمہ داری سے باھر ھوتی ھیں اور انھیں بھی حکومت انجام دیتی ھے وہ معاشرہ کی صحت وسلامتی کا مسئلہ ھے کیونکہ ھمیشہ معاشرہ میں پھیلنے والی بیماریاں موجود رھی ھیں جن کی وجہ سے بھت بڑے بڑے نقصانات معاشرہ کو اٹھانا پڑے ھیں، اور اگر ان کی روک تھام نہ کی جائے تو معاشرہ کو کافی نقصان اٹھانا پڑے گا (اور بے شمار جانیں چلی جائیں گی) جیسا کہ گذشتہ زمانہ میں میڈیکل ترقی نہ ھونے اور عظیم پیمانہ پر منصوبہ بندی نہ ھونے کی بنا پر معاشرہ میں پھیلنے والی بیماریاں پائے جاتی تھیں مثلاً "وبا" ، "طاعون" اور "چیچک" وغیرہ جن سے بھت سی جانیں جاتی تھیں لیکن آج کل حکومتی پروگرامس وغیرہ کے تحت اور میڈیکل کے ترقی کی وجہ سے اس طرح کی بیماریوں پر کافی حد تک کنٹرول کیا گیا ھے اور حکومت کی مدد نیز تمام عوام الناس کے تعاون اور شرکت سے بعض مذکورہ بیماریوں کی جڑ ھی ختم کردی گئی ھے مثلاً گذشتہ زمانہ میں بچوں میں فالج کا اثر بھت زیادہ ھوتا تھا جس کی وجہ سے ھزاروں اور لاکھوں معصوم بچوں کی جانیں ضایع ھوچکی ھیں لیکن آج بھترین منصوبہ بندی اور میڈیکل وغیرہ کے پروگرامس کے تحت ھمارے ملک میں "واکسیناسین" "vaccinatin" کا پروگرام بھترین طریقہ سے جاری ھوا ھے جس کے نتائج بھی بھترین برآمد ھوئے ھیں لیکن یہ کام بغیر حکومتی منصوبہ بندی اور عوام الناس کی بھر پور شرکت کے بغیر ممکن نہیں ھے تو ایسے کاموں کے لئے عام افراد کی قدرت سے بالا تر ایک قدرت کا ھونا ضروری ھے، اوروہ حکومت ھے جواپنے پروگرام کے تحت، ضروری وسائل کے ساتھ اور ضروری مقررات اورمخصوص قانون نامہ مرتب کرکے عملی میدان میں قدم آگے بڑھائے اور عوام الناس بھی حکومت کے قوانین پر عمل کرے، تاکہ معاشرہ کی میڈیکل ضرورت پوری ھوجائے اور معاشرہ سے خطرناک بیماری کی جڑیں ختم کی جاسکے۔

قارئین کرام ! حکومت کے گذشتہ وظائف کی طرح منشیات کادھندہ کرنے والے افرادکا بھی مقابلہ کرنا ھوتا ھے کیونکہ یہ ایک ایسی بلا ھے جس سے بدن ،روح اور معاشرہ کی امنیت کو بھت بڑے نقصانات پھونچے ھیں، اس میں کوئی شک نہیں ھے کہ حکومت خاص منصوبہ بندی کے تحت اور اپنی پوری طاقت صرف کرکے ھی اس برائی کی جڑ کو اکھاڑ پھینک سکتی ھے اس میں محدود افراد کی کوشش کسی نتیجہ پر نہیں پھونچ سکتی۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

پس معاشرہ کی عام ضرورتوں کو پورا کرنا حکومت کے وجود پر ایک دوسری دلیل ھے کیونکہ ان کا پورا ھونا معاشرہ کےلئے مفید اور ثمر بخش ھے، اور اگر ان کے پورا ھونے میں کوئی نقص اور خلل واقع ھو تو پھر اس کا نقصان بھی معاشرہ ھی کو بھگتنا پڑے گا، اور جیساکہ ھم نے عرض کیا کہ یہ ضرورت انفرادی طور پر پوری نھیں کی جاسکتی بلکہ یہ کام معاشرہ پر حکومت کرنے والے حاکم اور وزراء کا ھے، اسی وجہ سے ان تمام ضرورتونکے پیش نظر یا ان ذمہ داریوں کے الگ الگ ھونے کی وجہ سے ھر ایک کے لئے سلسلہ میں ایک وزراتخانہ تشکیل دیا جاتا ھے۔

البتہ معاشرہ کی بعض ضرورتوں کو انفرادی طور پر پورا کیا جاسکتا ھے لیکن ان کو پورا کرنے کے لئے تمام افراد میں خواھش اور تمنا نھیں ھوتی یا اگر ھوتی بھی ھے تو وہ اتنی زیادہ نھیں ھوتی ، تو اگر اس صورت میں عوام الناس پر یہ کام چھوڑ دئے جائیں تو پھر یہ ضرورتیں ناقص رہ جاتی ھیں، کم سے کم معاشرہ کے بعض گروہ ان ضرورتوں سے محروم رہ جائیں گے، اسی وجہ سے یہ ذمہ داریاں حکومت کی ھوتی ھیںتاکہ ان ضرورتوں میں کوئی نقص اور خلل واقع نہ ھو مثلاً پورے ملک میں عوام الناس خود ھی مدرسہ ، اسکول اور کالج بنا کر تعلیم وتربیت کا انتظام کرسکتے ھیں اور ان کا خرچ بھی خود ھی برداشت کرسکتے ھیں، (جیسا کہ گذشتہ زمانہ میں ایسا ھی ھوتا تھا اور آج کل بھی بعض ترقی یافتہ ممالک میں مدارس اور کالج وغیرہ کا انتظام عوام الناس کے ذمہ ھے) لیکن افسوس تعلیم وتربیت پر خرچ کرنے کے لئے کم ھی لوگ تیار ھوتے ھیں تاکہ خود ان کے بچوں اور دیگر بچوں کی تعلیم کا انتظام ھوسکے اگرچہ ھم اس بات کے منکر نھیں ھیں کہ کوئی اس طرح کے امور میں خرچ نھیں کرتا بلکہ ھمیشہ تاریخ میں ایسے مخیر افراد موجود رھے ھیںاور آج بھی بعض ایسے مخیر حضرات موجود ھیں جنھوں نے مدرسہ بنانے کے لئے بھت زیادہ مدد کی ھے، لیکن ان کی مدد محدود ھوتی ھے ، معاشرہ کے تمام لوگوں تک ان کی خدمت نھیں پھنچ سکتی، اور اگر حکومت اس طرح کی ذمہ داریوں کو ایسے مخیر افراد کے اوپر چھوڑدے تو پھر معاشرہ کی مصلحت پوری نھیں ھوگی۔

ایسے حالات مینجب عوام الناس مدارس واسکول بنانے کی ذمہ داری اپنے اوپر نھیں لیتی ، تو پھر معاشرہ کی فلاح وبھبود کے لئے حکومت کو یہ ذمہ داریاں اپنے ذمہ لینا پڑتی ھیں، تو پھر اس چیز کی ضرورت ھے کہ ان تمام ضرورتوں کا خرچ یا عوام الناس ادا کرے اور حکومت مختلف قسم کے ٹیکس کے ذریعہ یہ مبلغ حاصل کرے ، یا حکومت اپنی ملّی درآمد کے ذریعہ اس خرچ کو پورا کرے؛ کیونکہ تعلیمی نصاب کا ایک حصہ تمام لوگوں تک مفت پھنچانے کی ضرورت ھے تاکہ معاشرہ فلاح وبھبود کی طرف آگے بڑھے اور اگر حالات بدلے اور تعلیمی اداروں کے اخراجات کو بعض مخیر حضرات برداشت کرنے کے لئے تیار ھوں تو پھر واقعاً حکومت سے ایک بڑا بوجھ کم ھوجائے گا۔

3. حکومت کے دو طرفہ وظائف

قارئین کرام ! گذشتہ باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ھے کہ بعض ایسی ذمہ داریاں ھوتی ھیں جو حکومت سے مخصوص نھیں ھوتی بلکہ حکومت خاص حالات میں ان کو قبول کرتی ھے اور ان کو پورا کرنے میں اپنی ھمت لگادیتی ھے، جبکہ بعض حالات میں ان کو عوام الناس کے سپرد کیا جاسکتا ھے لیکن بعض ایسی ذمہ داریاں ھوتی ھیں جو صرف حکومت ھی سے مخصوص ھوتی ھیں اور کبھی بھی حکومت کے عھدہ سے باھر نھیں ھوتیں اور کسی بھی وقت حکومت کو یہ حق حاصل نھیں ھے کہ ان کو عوام الناس کے کاندھوں پر ڈال دے، مثلاً دفاع اور جنگ کیونکہ انفرادی اور مختلف گروہ کے ذریعہ کبھی بھی جنگ اور دفاع ممکن نھیں ھے ، لھٰذا اس بات کی ضرورت ھے کہ بھترین منصوبہ بندی کے تحت معاشرہ کی اس اھم ضرورت کو پورا کرنا حکومت کی ذمہ داری ھوتی ھے البتہ جب حکومت دفاع اور جنگ کی ذمہ داری قبول کرلے، اور براہ راست اس سلسلہ مینمنصوبہ بندی مکمل کرلے تو پھر عوام الناس اپنی مرضی سے فوجی اور بسیجی (عوامی رضاکار فوج) جنگ میں شرکت کرسکتی ھے اور اپنے اسلامی ملک اور اسلامی حکومت سے دفاع کرسکتی ھے۔

لھٰذا تمام اجتماعی کاموں کوانجام دینے کی ذمہ داری اپنے کاندھے پر لینے کی کوئی ضرورت نھیں ھے؛ بلکہ بھت سی ذمہ داریوں کو خود عوام الناس اپنے عھدہ پر لے سکتی ھے اور اپنی مرضی سے ان کے اخراجات کو برداشت کرسکتی ھے اور ان کاموں کے انجام دینے کے لئے (بھی) وزارت خانہ بنانے کی کوئی ضرورت نھیں ھے، بلکہ عوام الناس خود اس ذمہ داری کو نبھاسکتی ھے لیکن ان عظیم منصوبونکو منظم کرنے ،بے نظمی سے بچنے اور ان میں عوام الناس کی شرکت کو بروئے کار لانے نیز ان کو اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے؛ حکومت کو چاھئے کہ اس سلسلہ میں اپنا کردار ادا کرے، جیسا کہ بعض وزارت خانہ صرف نظارت کا کردار ادا کرتے ھیں جبکہ اصل کام عوام الناس کرتی ھے مثلاً محکمہ تجارت کا اصل کام تجارت نھیں ھے اندرونی اور بیرونی تجارت عوام الناس انجام دیتے ھیں البتہ جیسا کہ شاہ کے زمانہ میں درباری لوگ ھی معاملات سے بڑے بڑے فائدہ اٹھاتے تھے اور عوام الناس ان فوائد سے محروم رھتی تھی، لھٰذا اس طرح کی تجارت سے روک تھام کے لئے یہ کام حکومت کے ذمہ ھوتا ھے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ تجارتی امور عوام الناس سے متعلق ھیں حکومت سے نہیں جیسا کہ معروف ھے کہ ”حکومت ایک مناسب تاجر نہیں ھوسکتی“ اور اگر حکومت براہ راست تجارتی امور کو انجام دےنے (بھی) لگے، تو اس کو شکست اٹھانا پڑے گی کیونکہ تجارتی اور صنعتی امور بلکہ کلی طور پر اقتصادی امور میں افراد اور گروہ کی آپس میں رقابت (مقابلہ،کمپٹیشن) بہت ھی زیادہ موثر ھوتی ھے، اور اگر ان کو صحیح طریقہ پر راھنمائی ھوتی رھے اور ان کے درمیان مقصد معین رھے تو پھر تجارت اور صعنت میں ترقی ھوگی ، لیکن اگر حکومت خود براہ راست تجارت کرے تو پھر اس کے اندر وہ مقصد نہیں ھوتا جس کے نتیجہ میں ترقی نہیں ھوگی۔

”ٹوٹالیٹر“ "(1)"Totalitair) حکومت یا متحدھحکومتیں مثلاً سوسیالیسٹ "Socialiste" اور کمیونسٹ "communiste" حکومتیں جو ” چین“ او ر”کوبا“ پر حاکم تھی یا قدیم روس کی حکومتیں یا مشرقی ممالک کی وہ حکومتیں جن میں حکومت براہ راست تمام تر سیاست گذاری اور پروگراموں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتی ھے اور عوام الناس اقتصادی ، تجاری، صنعتی اور کاشتکاری وغیرہ میں صرف نوکروں کا کردار ادا کرتی ھے کیونکہ تمام کام حکومت کے ذمہ ھوتے ھیں اور تمام عوام الناس یھاں تک کہ کاشتکار اور کارخانوں میں کام کرنے والے افراد حکومت کے نوکر اور مزدوروں کی طرح ھوتے ھیں لیکن اس طرز کی حکومت کے مقابلہ میں اسلامی حکومت کا نظریہ یہ ھے کہ جھاں تک عوام الناس مختلف مسائل کو خود اپنے آپ انجام دے سکتے ھیں اس پر چھوڑ دیا جاتا ھے اور ان کی مالکیت اور ان کے استقلال کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ھے۔

4۔ کم در آمد لوگوں کو مدد پھنچانے والی کمیٹیوں کی ضرورت

قارئین کرام ! جیسا کہ ہم نے عرض کیا معاشرہ میں عام طور پر فائدہ کے لئے کچھ مرکز ھونا چاھئیں تاکہ وہ غریب لوگ جو اپنی بعض ضرورتوں کو پورا نہیں کرسکتے ان مرکزوں سے استفادہ کرسکیں مثلاً ایسے ھاسپٹل بنائے جائیں جھاں پر ان کے لئے مفت علاج کیا جاسکے کیونکہ ان میں علاج کے اخراجات کو ادا کرنے کی صلاحیت نہیں ھوتی، اسی وجہ سے بیمہ اجتماعی کے قوانین کے تحت ھاسپٹل بنائے جاتے ھیں جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں اس طرح کے ھاسپٹل کی تعداد کافی مقدار میں ھوتی ھے، جن میں مریضوں کو اپنے علاج کے لئے اخراجات ادا نہیں کرنے پڑتے، اور حکومت ٹیکس وغیرہ یا اپنی ملّی درآمد کے ذریعہ ان ھاسپٹلوں کا خرچ حاصل کرتی ھے۔

ظاھر سی بات ھے کہ جس وقت حکومت اپنی درآمد کے لئے ٹیکس مقرر کرتی ھے مثلاً عمومی بیمہ کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے ٹیکس وصول کرتی ھے تو پھر عوام الناس کو یہ ٹیکس ادا کرنے پر مجبور کرتی ھے ، خصوصاً ترقی یافتہ ممالک میں حکومتیں ایسے طریقے اپناتی ھے جن سے عوام الناس ٹیکس ادا کرنے سے فرار نہیں کرسکتے، اگرچہ بعض فوائد ٹیکس دینے والے کے حق میں بھی ھوتے ھیں، لیکن معاشرہ کے کم در آمد والے افراد کے لئے یہ امکانات فراھم کئے جاتے ھیں، تاکہ ٹیکس سسٹم کے تحت مفت علاج اور دوسری خدمات حاصل کرسکیں۔

لیکن کیا یہ کام عوام الناس پر چھوڑ دینا بھتر ھے کہ وہ خود اپنی مرضی سے عام فائدوں کے لئے اس طرح کے کام انجام دیں اور اسپتال وغیرہ بنائیں تاکہ کم در آمدوالے افراد ان میں جاکر اپنا مفت علاج کراسکیں؟ یا حکومت لوگوں سے ٹیکس وغیرہ حاصل کرکے کم در آمد والے افراد کے لئے ھاسپٹل وغیرہ بنوائے تاکہ وہ لوگ مفت علاج کراسکیں؟

جواب یہ ھے کہ بے شک پھلی صورت بھتر اور مناسب تر ھے کیونکہ احکام اسلامی فلسفہ میں اس چیز پر توجہ دی گئی ھے اور مقام تشریع احکام میں بھی مد نظر قرار دیا گیا ھے ، کیونکہ اسلام نے اس بات پر تاکید کی ھے عوام الناس کو اپنے مال کے ایک حصہ کو عام فائدہ کاموں میں خرچ کرنا چاھئے اور اپنی مرضی اور شوق کے ساتھ دوسروں کو اپنے مال سے فائدہ پھنچائیں، کیونکہ اس صورت میں نیک عمل کو اختیار کرنے کی اھمیت بھی ظاھر ھوجاتی ھے اور انسان ،نفسانی کمال اور آخرت میں ثواب کا مستحق ھوتا ھے نیز اس طرح معاشرہ کی ضرورتیں بھی پوری ھوجاتی ھیں لیکن اگر عوام الناس کو اپنے مال کے کچھ حصے کو خرچ کرنے پر مجبور کیا جائے تو اس میں عمل کو اختیار کرنے کی اھمیت ختم ھوجاتی ھے اور اس میں ثواب بھی نہیں ھوتا۔

اِن ھی نیک کاموں میں سے ایک کام یہ ھے کہ ھمارے مخیر مسلمان برادران رضاکارانہ طور پر ھمیشہ بعض چیزیں وقف کرتے ھیں کہ جس سے معاشرہ میں فوائد رھے ھیں، یھاں تک کہ یہ بھی کھا جاسکتا ھے کہ اس ملک میں ایسا کوئی دیھات، بستی اور شھر نہ ھوگا جس سے عوام الناس کے لئے کوئی وقف نہ ھو لیکن اس عظیم اور خدا پسند کام میں آج کل رغبت کم ھوگئی ھے جس کی بنا پر وقف کا سلسلہ کم ھوگیا ھے اس کے علاوہ بہت سے ایسے وقف ھیں کہ یا تو وہ بھلادئے گئے ھیں یا ان سے صحیح طریقہ سے فائدہ نہیں اٹھایا جارھا ھے جب کہ اس میں کوئی شک نہیں ھے کہ اگر دوبارہ وقف کا سلسلہ شروع ھوجائے اور اس عظیم مسئلہ کی اھمیت عوام الناس پھچان لیں تو پھر حکومت بعض ذمہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

داریوں سے سبکدوش ہوجائے گی اور عوام الناس بھی ثواب کی مستحق ہو گی جس وقت کوئی شخص اپنی مرضی اور رغبت سے کوئی کام انجام دے یا وہ کام جس مقدار میں اختیاراور آزادی کے ساتھ انجام دیا جائے تو اس کا ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ وہ امور جو حکومت سے مخصوص نہیں ہیں اور ان میں اصل یہ ہے کہ عوام الناس رضاکارانہ طور پر انجام دیں اور اپنی اجتماعی ضرورتوں کو پورا کریں، اور یہ کام عوام الناس کے سپرد کیا جائے، لیکن اگر عوام الناس اس کام کو انجام نہ دے اور اجتماعی ضرورتیں رضاکارانہ طور پر انجام نہ ہوپائیں تو اس وقت حکومت کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خاص قوانین بنا کر عوام الناس کو ٹیکس وغیرہ دینے پر مجبور کرے تاکہ معاشرہ کی ضرورتوں کا مکمل خرچ پورا ہوجائے۔

5۔ عوام الناس کی شرکت پر اسلام کی توجہ

یہ بات عرض کردینا ضروری ہے کہ عوام الناس پر بعض امور کی ذمہ داری کا رکھنا، اور مختلف قسم کے کاموں میں سبھی کی شرکت کا راستہ ہموار کرنا، مثلاً معاشرہ کی بہت سی ضرورتوں کو پورا کرنا، یہ تمام ”جامعہ مدنی “(جیسا کہ ذیل میں وضاحت کی جائے گی) کے خصوصیات ہیں البتہ جامعہ مدنی اور مغرب سے آئی ہوئی بہت سی دیگر اصطلاحات کے مختلف معنی کئے جاتے ہیں، اسی وجہ سے ان اصطلاحات سے ناجائز استفادہ کیا جاتا ہے، لیکن ہم ان اصطلاحات کو اپنے اعتبار سے قبول کرتے ہیں، مثلاً جامعہ مدنی کے مختلف بلکہ بعض موقع پر ایک دوسرے کے مخالف معنی کئے جاتے ہیں، چنانچہ جامعہ مدنی کے ایک معنی یہ ہیں کہ حتی المقدور معاشرہ کے امور خود عوام الناس کے سپرد کئے جائیں، اور ان میں حکومت کی ذمہ داری نہ ہو حتی الامکان عوام الناس خود رضا کارانہ طور پر معاشرتی امور میں شرکت کریں اور اگر حکومت کسیموقع پر دخالت کر سکتی ہے البتہ معاشرہ کے اہم مسائل میں سیاست گذاری تمام ہی ممالک میں حکومت کے ہاتھوں میں ہوتی ہے اور اس کو عملی جامہ پہنانے اور ان کے مختلف مراحل حتی الامکان عوام الناس کے ذمہ ہوتے ہیں۔

بے شک جامعہ مدنی کے مذکورہ معنی اسلامی مستحکم اصول کے مطابق ہے جس پر روز اول ہی سے ”جامعہ اسلامی “ یا ”مدینة النبی “ کا نام دیا گیا ہے کیونکہ شروع میں اسلامی حکومت تمام امور کی عہدہ دار نہیں ہوتی تھی بلکہ اکثر معاشرہ کے امور کو عوام الناس ہی انجام دیتے تھے ، لیکن معاشرہ کی ترقی کے ساتھ اور طرح طرح کی جدید ضرورتوں کے پیش نظر آہستہ آہستہ ایسے حالات پیداہوئے کہ بعض ضرورتوں کو پورا کرنا عوام الناس کے بس کی بات نہ تھی تو اس صورت میں حکومت کاان امور کو اپنے ذمہ لینا ضروری تھا مثلاً قدیم زمانہ میں شہر کی روشنی کے لئے عوام الناس کے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے گلی کوچوں میں فانوس اور چراغ لگائے جاتے تھے اور یہ کام خود عوام الناس کے ذریعہ ہوتا تھا، لیکن آج کے زمانہ میں بجلی کے ذریعہ پورے شہر کے گلی کوچوں میں روشنی کرنا عوام الناس کا کام نہیں ہے اور اگر عوام الناس کرنا بھی چاہے تو اس میں نقص پایا جائے گا، لہٰذا معاشرہ کی اس ضرورت کو پورا کرنااور ضروری اسباب فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

6۔ عوام الناس کی شرکت کو کم کرنے والے اسباب

کلی طور پر عوام الناس مینمعاشرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی شرکت کو کم کرنے والے دواسباب کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے:

پہلا سبب: ضرورتوں کی بڑے پیمانہ پر وسعت کے ساتھ ساتھ ان ضرورتوں کا پیچیدہ اور خاص طریقہ پر ہونا ، جس کی بنا پر عوام الناس ان ضرورتوں کو پورا کرنے سے محروم ہیں، جس کے نتیجہ میںان کو پورا کرنے کے لئے حکومت کا بوجھ مزید بڑھ جاتا ہے۔

دوسرا سبب: عوام الناس میں اخلاقی اور دینی اقدار کا کمزور ہوجانا اور مغربی ممالک کی طرح صرف ذاتی مفاد کی فکر رائج ہوجانا۔

ان دو اسباب کی وجہ سے عوام الناس معاشرہ اور دوسروں کی ضرورتوں کو پورا کرنے سے کتراتے ہیں کیونکہ مغربی کلچر اپنے ذاتی مفاد، خود پسندی اور ذمہ داری کو قبول نہ کرنے پر مبنی ہوتا ہے جو ”رنسانس“ کے زمانے سے مغربی ممالک میں رائج ہوتا چلا گیا ہے اور آہستہ آہستہ یہ نظریہ اسلامی ممالک میں بھی رواج پیدا کرچکا ہے، جس نے مسلمانوں کے معنوی اور اخلاقی رجحان کو کم رنگ کردیا ہے ایک انسان کو دوسرے کے بارے میں نیز اس کی ضرورتوں میں مدد کرنے سے روک دیا ہے اور انسان کو دوسروں سے بے توجہ کردیا ہے کیونکہ یہ خود پسند نظریہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

معاشرہ کے امور میں حصہ لینے کی ذمہ داری کوقبول نہیں کرتا اور صرف اپنے ذاتی مفاد اور اپنی لذتوں کے بارے میں فکر کرتا ھے یہ کلچر بالکل اسلامی ثقافت کے مقابلہ میں ھے جو صدیوں سے اسلامی معاشرہ میں رائج تھا اور عوام الناس کومعاشرہ کے فوائد اور لوگوں کی خدمت پر تحریک کرتا ھے۔
آج کل کے زمانہ میں سنتوں اور اسلامی اقدار پر بے توجھی اور مغربی کلچر کا رواج اس بات کا باعث بنا ھے کہ وقف کی بهترین سنت پر کم عمل ہورھا ھے اوروقف ہونے والی زمینوں اور عمارتوں کی نسبت پهلے سے بهت کم ہوتی جارھی ھے اسی طرح رضاکارانہ طور پر عام المنفعہ امور کم ہوتے جارہے ہیں، اور اسلامی معاشرہ میں ”روح مدنیتی “ (حقیقت جامعہ مدنی) کمزور ہورھی ھے جس کے نتیجہ میں اسلامیحکومت کی ذمہ داری روز بروز بڑھتی جارھی ھے اگر اسلامی انقلاب کی برکت سے معاشرہ میں انسانی اور اسلامی اقدار کی اھمیت دوبارہ زندہ ہوجائے اور عوام الناس اپنی دینی، اخلاقی اور معنوی ذمہ داریوں پر توجہ کریں اور عام المنفعہ امور میں حصہ لیں تو پھر حکومت کا بوجہ کم ہوجائے گا ، حکومت کی ذمہ داریاں کم ہوجائیں گی اور حکومت بعض اپنی ذمہ داریوں کو عوام الناس کے حوالے کرسکتی ھے؛ اور یہ چیز ایک حساب سے” جامعہ مدنی“ کی طرف دوبارہ پلٹ جانا ھے۔

7۔اسلام میں جامعہ مدنی کی اھمیت
قارئین کرام ! ہم دوبارہ اس بات پر تاکید کرتے ہیں کہ گذشتہ معنی میں جامعہ مدنی کا اسلام اور انبیاء علیهم السلام کی دعوت میں سرچشمہ ملتا ھے اور ہم اسلام سے دور ہونے کی وجہ سے اس سے دور ہوئے ہیں اور وہ وقت آچکا ھے کہ ہم اسلام کی برکت سے اس کی طرف توجہ کریں پس مغربی ممالک کو ہم لوگوں پر احسان نہیں جتانا چاھئے کہ ہم نے ”جامعہ مدنی“ کے نقشے کو پیش کرکے تمام ملتوں پر احسان کیا ھے اور ہم اس وقت تمام افراد کو جامعہ مدنی کی تشکیل کی دعوت اور راھنمائی کرتے ہیں، بلکہ ھمیں ان کے اوپر احسان جتانا چاھئے کہ جب اسلامی تمدن اپنے اوج پر تھا تو مغربی معاشرہ نیم وحشی تھا(یعنی آدھی حیوانیت پائی جاتی تھی) اور اسلامی تمدن نے ان کو آھستہ آھستہ صاحب تمدن کیا اور انھوں نے جامعہ مدنی کو اسلام سے حاصل کیا ھے لیکن اس وقت یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مغربی کلچر کو اسلامی ملک میں رواج دینا چاھتے ہیں اور ھماری تربیت کرنا چاھتے ہیں تاکہ جامعہ مدنی کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے۔!
لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ صحیح معنی میں جامعہ مدنی اسلام اور اسلامی تمدن میں سرچشمہ رکھتا ھے اور اگر کوئی اسلام کی طرف رجوع کرے تو اس میں جامعہ مدنی مل جائے گا؛ لیکن جامعہ مدنی کے دوسرے معنی بھی کئے جاتے ہیں جو ھمارے نزدیک قابل قبول نہیں ہیں کیونکہ آج کل مغربی کلچر میں جامعہ مدنی کے اسلامی معاشرہ کے مخالف معنی کئے جاتے ہیں، اور وہ معنی یہ ہیں کہ جامعہ مدنی یعنی جس میں دین کی سلطنت نہ ہو اور معاشرہ کے امور میں دینی کوئی منصوبہ نہ ہو ایسے غیر دینی جامعہ مدنی (جس کا آج کل بهت زیادہ پروپیگنڈا کیا جاتا ھے) مینحکومت کے تمام عهدوں کے سلسلہ میں تمام لوگ برابر ہونے چاھئیں ، اور جیسا کہ کھتے ہیں کہ ایرانی معاشرہ جامعہ مدنی میں تبدیل ہوناچاھئے یعنی ایک یھودی بھی صدر مملکت ہوسکتا ھے کیونکہ تمام انسان ،انسانیت مینبرابر کے شریک ہیں، یعنی انسانوں میں پهلا درجہ یا دوسرا درجہ نہیں ھے کیونکہ وہ اس نعرہ کے ذریعہ چاھتے ہیں کہ ایک الحادی اور منحرف مذھب جو صھیونیزم سے وابستہ ھے ان کو قانونی طور پر مان لیا جائے وہ لوگ اس بھانہ سے کہ انسان ایک درجہ کے ہیں اور ان میں چند درجہ نہیں ہیں؛ یہ چاھتے ہیں کہ امریکہ اور صھیونیزم سے وابستہ گروھوں کو اھم عهدے مثلاً صدر مملکت کے عهدے پر بیٹھادیا جائے۔
اگر ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شھریوں کا اختلاف ایک حد تک قابل قبول ھے، اس کی وجہ یہ ھے کہ ھمارے بنیادی قوانین میں بعض عهدوں کے لئے خاص شرائط رکھے گئے ہیں جیسا کہ خداوندعالم بھی ارشاد فرماتا ھے:
(وَلَنْ يَجْعَلَ اللهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۔) (2)
” اور خدا کفار کے لئے صاحب ایمان کے خلاف کوئی راہ نہیں دے سکتا‘
اس طرح کا نظریہ جامعہ مدنی سے کوئی مخالفت نہیں رکھتا، لیکن اسلامی نظریہ کے مطابق وہ جامعہ مدنی جس میں کافر اور مسلمان تمام حقوق اور مختلف عهدوں پر فائز ہونے میں سب برابر ہوں ؛قابل قبول نہیں ھے اور ہم صاف طور پر یہ اعلان کرتے ہیں کہ اسلام اس چیز کی اجازت نہیں دیتا کہ اسلامی معاشرہ پر کوئی کافر مسلط ہو اور مسلمانوں پر حکومت کرے، اسی طرح یہ بھی اجازت نہیں ھے کہ ایک ایسی پارٹی یا ایک ایسا مذھب جو ملحد اور صھیونیزم سے وابستہ ہو ، اس کوقانونی طور پر مان لیا جائے؛ اس صورت میں کوئی فرق نہیں ھے کہ اس چیز پر انسانوں میں درجہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

بندی کی تہمت لگائیں یا کوئی دوسرا نام رکھیں۔

8۔ اسلامی انتخاب کے معیار سے مخالفت کے نئے حیلے
قارئین کرام ! آج کل استکبار سے وابستہ بعض افراد اندرون ملک ، انسانوں کے ایک درجہ کا نعرہ لگاتے ہوئے مغربی ممالک کی لیبرلیزم اور ڈیموکریٹک کو رائج کرنا چاھتے ھیں وہ اس مطلب کو معاشرہ کے اندر رائج کرنا چاھتے ھیں کہ انسانوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ھے لہٰذا ان کے حقوق بھی برابر ھیں اور ملک کے قوانین بناتے وقت ان کو بھی مد نظر رکھنا چاھئے۔
اگرچہ انسانوں کے درمیان دو درجہ نہ ھونے کو اسلام بھی قبول کرتا ھے، جیسا کہ خداوندعالم کا ارشاد ھے:
(يَاأَيُّها النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ)(3)
” اے انسانو ! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ھے اور پھر تم میں شاخیں اور قبیلے قرار دئے ھیں تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو ، بے شک تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وھی ھے جو زیادہ پرھیزگار ھے “
مذکورہ آیت میں ذاتی اور تکوینی خصوصیات کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ھے بلکہ سب برابر ھیں اور اس لحاظ سے انسانوں میں کسی درجہ بندی کا تصور بھی ممکن نہیں ھے لیکن اسی آیت کے ذیل میں عَرَضی فرق کی طرف اشارہ موجود ھے ؛ یعنی اگرچہ تکوینی (ذاتی) طور پر تمام انسان ایک ھی درجہ کے ھیں لیکن اکتسابی خصوصیات اور انسانی صفات کے صاحب امتیاز ھوسکتے ھیں، اسی وجہ سے باتقویٰ افراد خدا کے نزدیک ایک خاص اھمیت رکھتے ھیں اور یہ بھی نہیں کھا جاسکتا کہ خداوند عالم کے نزدیک تمام انسان برابر ھیں اسی طرح صلاحیت اور شائستگی کے لحاظ سے چونکہ ایک دوسرے میں فرق پایا جاتا ھے لہٰذا معاشرہ میں ان کو عھدہ اور مقام دینے میں بھی برابر نہیں رکھا جاسکتا، کیونکہ ھر عھدہ کے لئے خاص شرائط رکھے گئے ھیں مثلاً پوری دنیا میں یہ کھیں نہیں ھوتا کہ ایک جاھل انسان کو صدر مملکت بنادیا جائے؛ تو کیا اس سلسلہ میں یہ کھا جاسکتا ھے کہ صدر مملکت کے عھدہ کے لئے پڑھے لکھے ھونے کی شرط لگانا؛ انسان کے برابر ھونے کے خلاف ھے؟ اور کیا یہ وھی انسانوں کے دو درجہ ماننا نہیں ھے؟
دنیا بھر میں اھم عھدوں مثلاً صدر مملکت کے عھدہ کے لئے خاص شرائط مقرر کئے گئے ھیں، ھماری حکومت میں بھی اسلامی ھونے کی وجہ سے اس کے لئے خاص شرائط رکھے گئے ھیں اور جس دلیل کے تحت صدر مملکت کو پڑھا لکھا ھونا ضروری ھے ، اسی دلیل کے تحت ایک اسلامی ملک کے صدر مملکت کا اسلام کا حامی اور طرفدار ھونا ضروری ھے، اور یہ ممکن نہیں ھے کہ ایک ایسا شخص جو اسلام کا دشمن ھو ،اسلامی ملک میں کسی بڑے عھدہ پر فائز ھوسکے؛ اور یہ مطلب اسلامی اصول پر منطبق ھے۔
پس اگر ممبر آف پارلیمنٹ یا دوسرے کاموں کے لئے مسلمان ھونے کی شرط لگائی گئی ھے ، اس کے یہ معنی نہیں ھیں کہ انسانوں میں دو درجہ ھیں اگر اسلامی معاشرہ کے اندر ان حقوق اور ذمہ داریوں کے مقابلہ میں جو مسلمان انجام دیتے ھیں اسی طرح مسلمان خمس وزکواة ادا کرتے ھیں اس کے مقابلہ میں، دوسرے ادیان کی پیروکاروں کے لئے الگ طریقہ پر حقوق اور وظائف معین کئے جائیں تو اس کا مطلب انسانوں میں درجہ بندی کے نہیں ھیں؛ اگرچہ ایک لحاظ سے ان فرقوں کی وجہ سے انسان کے درجے میں فرق پایا جاتا ھے۔
اگر کوئی شخص یہ کھے کہ ”مقام رھبری“ ، ”ریاست جمھوری“ اور دوسرے اھم عھدے اس شخص کو دئے جاسکتے ھیں جو اسلام اور اسلامی حکومت کا مخالف ھو نیز بنیادی قوانین کو قبول نہ کرتا ھو، تو ایسا کرنا اس شخص کی مانند ھے جو اپنا کامل اختیار اپنے دشمن کو دیدے!! مسلماً ایسا کام نہ ھی عاقلانہ ھے اور نہ ھی ھونے والا، اور اگر بعض لوگ ایسا کرنا بھی چاھیں تو اسلام اس چیز کی اجازت نہیں دیتا؛ کیونکہ خداوندعالم نے کافروں کو مسلمانوں سے بھتر قرار نہیں دیا ھے اور مسلمانوں پر ان کی حکومت کو قبول نہیں کرتا یہ ھمارا عقیدہ ھے، اور ھمیں اس بات کا بھی ڈر نہیں ھے کہ ھم پر شھریوں کی درجہ بندی کی تہمت لگائی جائے۔

9۔ اسلامی اصول اور اقدار کی حفاظت اور دشمن زمینہ سازی سے مقابلہ کی ضرورت
ھم بھی یہ عقیدہ رکھتے ھیں کہ تمام انسان، انسانیت میں شریک ھیں، لیکن بعض لوگ مغالطہ کرتے ھیں اور کھتے ھیں کہ چونکہ تمام انسان، انسانیت کے ایک ھی درجہ پر فائز ھیں پس معاشرہ میں بھی ان کے تمام حقوق برابر ھونا چاھئے لیکن انسانیت میں برابر ھونے کا مطلب ، حقوق میں بھی برابر ھونا نہیں ھے، اگرچہ تمام انسان انسانیت میں برابر کے شریک ھوں لیکن انسانی تمام لوازمات اور انسانی فضائل برابر نہیں ھیں، اسی چیز کے پیش نظر اسلامی معاشرہ میں ایسے بھت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

سے عھدے ھیں جن کے لئے خاص صلاحیتوں اور شائستگی کا ھونا ضروری ھے جس طرح رھبر کے لئے فقیہ (مجتھد) ھونا ضروری ھے تاکہ اسلامی احکام کے جاری ھونے پر نظر رکھے، اور اگر وہ اسلام ھی کو نہ سمجھے تو پھر اس کی حفاظت بھی نھیں کرسکتا، اسی طرح صدر مملکت کا مسلمان ھونا ضروری ھے، ایک یھودی یا عیسائی ایک ایسے معاشرہ پر حکومت نھیں کرسکتا جس کی ۹۰ فی صد آبادی مسلمان ھو۔

ھمیں اس چیز کا ڈر نھیں ھونا چاھئے کہ وہ اخبار یا وہ صاحبان قلم جو عالمی استکبار سے وابستہ ھیں وہ ھم پر اس بات کی تھمت لگائیں کہ یہ لوگ شھریوں میں دو درجہ کے قائل ھیں کیونکہ ان سے امید بھی اور کیا ھوسکتی ھے، کیونکہ وہ لوگ تو اسلامی ضروریات کے بھی منکر ھیں ھمیں ھر حال میں یہ کوشش کرنی چاھئے کہ اسلامی حکومت کے زیر سایہ واقعی اسلام کو دنیا والوں کے سامنے پیش کریں، نہ کہ جس طرح سے دشمن چاھتے ھیں ھمیں اسلامی اقدار کو کم رنگ نھیں کرنا چاھئے تاکہ ھمارا دشمن ھم سے خوش رھے۔

اگر ھم نے کوئی بات کھی یا کچھ لکھا تو اس سے امریکہ سے وابستہ اخبار یا ذرائع ابلاغ کو خوشی ھو اور وہ ھماری تعریف کریں، اس صورت میں ھمیں خوش نھیں ھونا چاھئے بلکہ اگر ھمارے کام سے ھمارا دشمن راضی اور خوشحال ھو، تو ھمیں غمگین ھونا چاھئے۔

افلاطون کے بارے میں مشھور ھے کہ بعض لوگوں نے اس سے آکر کھا کہ " فلاں شخص تمھاری بھت تعریف کرتا ھے" یہ سن کر افلاطون رونے لگا، جب لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کھا کہ "مجھے نھیں معلوم کہ مجھ سے ایسا کونسا جاھلانہ کام ھوگیا ھے جس کی بنا پر اس جاھل شخص کو مجھ سے خوشی ھوئی"!

لھٰذا اگر ھم سے دشمن کے نفع میں کوئی کام ھوگیا ھے جس کی بنا پر وہ خوشحال ھوگیا اور اگر اسلام کو اس طرح پھچنوایا کہ دشمن کو اچھا لگا تو گویا ھم نے دشمن کی خدمت کی ھے اسلام کی نھیں! ھمیں اس اسلام کا دفاع کرنا چاھئے جس کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اھل بیت علیھم السلام نے ھم تک پھنچایا ھے، نہ اس اسلام کا جس کی تلقین اسلام دشمن طاقت کررھی ھے۔

قارئین کرام ! خلاصہ کلام یہ ھوا کہ ھم جامعہ مدنی کے اس خاص معنی کو قبول کرتے ھیں جو اسلام سے اخذ شدہ ھو، اور اس سے دور ھونا حقیقت میں اسلام سے دور ھونے کی وجہ سے ھے، لھٰذا اسلامی جامعہ مدنی کی بنا پر اصل یہ ھے کہ معاشرہ کے امور عوام الناس کے ذمہ ھوں لیکن مغربی ممالک کے جامعہ مدنی کے لحاظ سے جس میں دین سے دوری اختیار کی جاتی ھے نیز اس جامعہ مدنی میں تمام انسان چاھے کافر ھوں یا مسلمان؛ تمام کے اجتماعی حقوق اور معاشرہ میں عھدہ داری مساوی ھو ھم اس جامعہ مدنی کو قبول نھیں کرتے اگرچہ بعض لوگوں کی کوشش یہ ھے کہ تمام لوگ معاشرہ کے اھم عھدوں پر فائز ھونے کے اعتبار سے مساوی ھیں، چاھے وہ مسلمان ھوں یاکافر اور چاھے بنیادی قوانین کو قبول کرتے ھوں یا نہ کرتے ھوں، اور اسی کو وہ جامعہ مدنی مانتے ھیں!! ھم اس طرح کے جامعہ مدنی کو ردّ کرتے ھیں کیونکہ ھمارے نزدیک مسلمان اور غیر مسلمان ملک کے اھم عھدوں پر فائز ھونے کے اعتبار سے مساوی نھیں ھیں تو اسلام؛ ھمیں جامعہ مدنی کے نام پر، عالمی صھیونیزم سے وابستہ پارٹی کو اس ملک کے قانونی مذھب میں شمار کرنے کی اجازت کیسے دے سکتا ھے۔

حوالے:

(1)ٹوٹالیٹر ،اس حکومت کو کھا جاتا ھے جو ایک گروہ کے نفع میں قوانین بنائے اور اپنے مخالفین کو مخفی پولیس وغیرہ کے ذریعہ نابود کرنے کی درپے ھو، (مترجم)
)2(سورہ نساء آیت 141
(3) سورہ حجرات آیت 13

اسلام اور سیاست جلد(2)

ستّائیسواں جلسہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اسلامی حکومت کی خاص پهچان

1- گذشتہ مطالب پر ایک نظر

قارئین کرام ! جیسا کہ ہم نے گذشتہ جلسوں میں عرض کیا کہ ھماری بحث ” اسلام کے سیاسی نظریات“ کا یہ حصہ مخصوص ھے حکومت کی ذمہ داریاں اور اس کے اختیارات کی تحقیق وبررسی سے اورجو مباحث اس موضوع سے مربوط ھیں بے شک حکومت کی ذمہ داریوں کی صحیح شناخت تب ھی ھوسکتی ھے جب ھم حکومت کے فلسفہ کو سمجھ لیں، اور کوئی بھی مجموعہ، کوئی بھی عضو یا کوئی بھی حصہ ایک خاص ضرورت اور ایک خاص ھدف کے لئے بنایا جاتا ھے؛ کیونکہ اگر وہ اس کے ما تحت نہ ھوں تو اس میں نقص اور خلل واقع ھوجائے گا، اور پھر معاشرہ کی ضرورتیں اور مصالح مکمل طور پر محقق نھیں ھوپائیں گی پس ھر عضو یا ھر مجموعہ کے وظائف او رذمہ داریاں ان کی ضرورت کے تحت؛ ان کے وجود کا تقاضا کرتی ھے۔

حکومت کے سلسلہ میں قانون گذار طاقت کی ضرورت واضح ھوگئی، کیونکہ کوئی ایسی ھیئت یا کمیٹی ھو جو معاشرہ کے لئے ضروری قوانین بنائے لیکن اب سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ قوہ مجریہ (حکومت) کی کیا ضرورت ھے؟ وجود حکومت کا فلسفہ کیا ھے ،اور اگر حکومت نہ ھوتی تو پھر کیا حالات پیدا ھوتے؟ اور اگر عوام الناس کی اس طرح سے اخلاقی اور معنوی تربیت ھوجاتی کہ وہ کسی بھی حال میں قانون کی خلاف ورزی نہ کرتے تو کیا پھر حکومت کی ضرورت نہ تھی؟ اس صورت میں حکومت کی اصلی علت معاشرہ مینقوانین کو جاری کرنے کی ضمانت ھوگی ، اس بنیاد پر بعض لوگوں کا یہ تصور ھے کہ لوگوں کی اس طرح تربیت کی جاسکتی ھے کہ خود اپنی مرضی سے اپنی ذمہ داریوں پر عمل کریں اور پھر کسی ضامن یعنی حکومت کی کوئی ضرورت نھیں ھے لیکن مسلم طور پر یہ نظریہ حقیقت سے کوسوں دور ھے ، اور جیسا کہ ھم نے حکومت کی ضرورت پر دلائل کے سلسلہ میں پهلے بھی عرض کیا کہ حکومت کی ضرورت پر ضمانت اجرائی کے علاوہ دوسرے دلائل بھی موجود ھیں ؛ منجملہ معاشرہ کی عظیم اور اھم ضرورتوں کا ھونا جومعاشرہ کے تمام افراد سے متعلق ھوتی ھیں، اور کوئی خاص شخص یا کوئی خاص گروہ ان کا عھدہ دار نھیں ھوسکتا، اور ان میں اس بات کی ضرورت ھوتی ھے کہ کوئی ایک ایسی ھم آھنگ کمیٹی ھو جو اپنی منصوبہ بندی کے تحت معاشرہ کی ان ضرورتوں کوپورا کرسکے ھم نے یہ (بھی) عرض کیا کہ معاشرہ کی عام ضرورتوں میں سے ملک پر حملہ کرنے والوں کے مقابلہ مینجنگ اور دفاع کا مسئلہ بھی ھے بے شک جب جنگ زوروں پر ھوتی ھے تو کوئی خاص فرد یا خاص گروہ دشمن کے حملہ کو روکنے پر قادر نھیں ھوسکتا اور تنھا جنگ کو ادارہ نھیں کرسکتا، بلکہ معاشرہ میں ایک ھمہ گیراور سسٹامیٹک قدرت کا ھونا ضروری ھے تاکہ جنگ میں کامیابی مل سکے اور اپنی منصوبہ بندی کے ذریعہ عوام الناس کو جنگ میں شرکت کی دعوت دے اور ان کو ٹرینڈ کرکے جنگی فنون میں ماھر بنا کر آمادہ جنگ کرے۔

ان کے علاوہ معاشرہ کی دوسری ضروریات بھی ھوتی ھیں کہ جن کو پورا کرنا حکومت کے زیر سایہ ھی ممکن ھے؛ مثلاً معاشرہ مینحفظ الصحت، تعلیم وتربیت اور ضروری دانش کو پورا کرنا؛ اسی طرح دوسری ضروریات بھی ھوتی ھیں جن کے لئے مخصوص وزارت خانے ھونے ضروری ھوتے ھیں اور ظاھر سی بات ھے کہ معاشرہ کے حالات بدلنے اور نئی نئی قسم کی ضرورتوں کا ایجاد ھونا؛ جن کے لئے الگ الگ وزارت خانے ھونے ضروری ھیں: مثلاً معاشرہ کی ضرورت کے لئے بعض حالات میں اگر صرف پانچ وزارت خانے کافی ھوں لیکن نئی نئی ضرورتوں کے پیش نظر ان وزارت خانوں میں اضافہ کیا جاسکتا ھے، اور یہ مناسب نھیں ھے کہ قانون میں مخصوص تعداد مینوزارت خانے معین کئے جائیں بلکہ ان کی تعداد زمان و مکان کے شرائط کے لحاظ سے ھونا چاھئے لھٰذا اسلامی سیاسی نظریہ کے لحاظ سے بھی یہ معین نھیں ھے کہ اسلامی ملک کا صدر کتنے وزیر رکہ سکتا ھے، بلکہ اس مسئلہ کو آزاد رکھا گیا ھے تاکہ زمانہ کے پیش نظر اور مختلف ضرورتوں کے لحاظ سے وزارت خانے تعین کئے جائیں۔

2- نظام اسلامی اور لائیک نظام میں حکو مت کے سلسلہ میں بنیادی فرق

قارئین کرام ! یہ بات طے ھوچکی ھے کہ حکومت کی ضرورت کا فلسفہ معاشرہ کی مختلف ضرورتیں ھیں جن کو صرف حکومت ھی انجام دے سکتی ھے خلاصہ گفتگو یہ ھے کہ حکومت کی مخصوص ذمہ داری؛ معاشرہ کی مختلف ضرورتوں کو پورا کرنا اور قوانین کا نافذ کرنا ھے۔

ھم نے قانون گذاری کی بحث میں یہ عرض کیا کہ وسعت کے لحاظ سے اسلامی معاشرہ کے قوانین لائیک حکومتوں سے مختلف ھیں: کیونکہ لائیک حکومتوں میں قوانین کو صرف عوام الناس کی مادی ضرورتوں کوپورا کرنے کے لئے بنایا جاتا ھے،اور ان کی حکومت کی بنیاد ھی عوام الناس کی صرف مادّی اور دنیاوی ضرورتوں کو پورا کرنا ھوتا ھے یھاں تک کہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

بعض حکومتوں میں اس بات کی شرط کی جاتی ھے کہ دین کے بارے میں کوئی حمایت نہ ھو، اور کسی بھی حکومتی ادارہ میں دین کی کوئی طرفداری یا اس کی حمایت دکھائی نہ دے۔

لیکن اسلامی حکومت میں قوانین کو صرف مادی ضرورتوں کے لحاظ سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ معنوی ضرورتوں کو بھی مدّ نظر رکھا جاتاھے ، بلکہ معنوی مصالح کو مقدم رکھا جاتا ھے یہ مسئلہ بالکل قوہ مجریہ (حکومت) میں بھی بیان ھوتا ھے کہ اسلامی نظام میں حکومت ان قوانین کو جاری کرنے کی ضامن ھے جو دنیاوی زندگی سے متعلق ھوتے ھیں اور معنوی (اور اخروی) زندگی سے بھی متعلق ھوتے ھیں جس دلیل کے تحت ھم نے قانون گذاری کے سلسلہ میں عرض کیا کہ قوانین کو ایسا ھونا ضروری ھیں جن سے معنوی ضروریات بھی پوری ھوں بلکہ ان کو مقدم رکھا جائے، اسی دلیل کے تحت اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ھوتی ھے کہ معنوی مصالح، حقوق الٰھی اور اسلامی شعار (رسومات) سے متعلق قوانین کو بھی نافذ کرے ، اور اس سلسلہ میں ھونے والی خلاف ورزیوں کا سدّ باب کرے اور اگر کوئی اسلامی مقدسات کی اھانت کرنا چاھے تو اس کو بھی روکے؛ بےشک یہ مسئلہ حکومت کی اھم ذمہ داریوں میں سے ایک ھے۔

3۔ مغربی کلچر کے عاشق افراد کی طرف سے سیکولر حکومت کی پیش کش

بعض اخباروں اور تقریروں میں یہ بیان کیا جاتا ھے کہ حکومت کی ذمہ داری، عوام الناس کی مادی ضرورتوں کا پوری کرنے، ملک میں امن وامان کو برقرار رکھنے اور ھر ج ومرج (افرا تفری) سے روک تھام کے علاوہ کوئی ذمہ داری نہیں ھے اور معنوی اور دینی مصالح کو پورا کرنا علماء اور دینی مدارس کی ذمہ داری ھے ! یہ نظریہ مغربی کلچر اور سیکولر طرز تفکر سے متاثر ھونے کانتیجہ ھے، جیسا کھھم نے اس سے قبل بھی عرض کیا کہ مغربی ممالک کے کلچر کا سب سے واضح امتیاز ''سیکولرازم'' ھے یعنی دین کو سیاست سے جدا کرنا لائیک اور بے دین حکومتوں میں دنیاوی امور حکومت سے متعلق ھوتے ھیں لیکن معنوی امور حکومت سے متعلق نہیں ھوتے اگر کچھ لوگ دین اور معنوی امور میں مشغول ھونا چاھتے ھیں تو اپنے اس ھدف کے تحت ذاتی امکانات کو خرچ کریں اور اس سلسلہ میں سرکاری امکانات سے استفادہ نہیں کرنا چاھئے کیونکہ دین کے سلسلہ میں حکومت کی کوئی ذمہ داری نہیں ھے ، اسلامی ثقافت کے بالکل برعکس جس کے اھم ترین وظائف میں سے : اسلام کو حفظ کرنا، معاشرہ میں اسلامی شعارکو رائج کرنا اور ان کو بھلادئے جانے سے روک تھام کرنا نیز بے توجھی اور خدا نخواستہ اسلامی شعار اور مقدسات کی توھین کرنا؛ وغیرہ ھے۔

جو لوگ اسلامی ثقافت کو قبول نہیں کرتے بلکہ مغربی کلچر کے تابع ھیں؛ ان کی طرف سے اس نظریہ کا پیش ھونا کہ ''حکومت کو دینی امور میں دخالت نہیں کرنا چاھئے۔'' بعید نہیں ھے اور ھمارا ان سے یہ اختلاف مبنائی ھے اور ھماری ان سے یہ بحث ھے کہ اسلام حق ھے یا نہیں؟ لیکن یہ نظریہ ان لوگوں کی طرف سے جو خود کو مسلمان اور اسلامی اصول کا معتقد سمجھتے ھیں ان کے لئے مناسب نہیں ھے، اور اس طرح کی گفتگو کرنا اس بات کی نشانی ھے کہ انھوں نے اسلامی ثقافت کو نہیں سمجھا ھے۔

4۔ اسلامی شعار کا حفظ اور رائج کرنا ، حکومت کی ایک ذمہ داری

پس جو ذمہ داری مشترک طور پر لائیک اور دینی حکومت کی ھوتی ھے؛ اس کے علاوہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری یہ ھے کہ وہ اسلامی شعار کو قائم کرے البتہ عوام الناس اپنی مرضی سے بعض اسلامی رسومات کو انجام دے سکتے ھیں؛ مثلاً نماز جماعت کا برقرار کرنا، محفل اور عزاداری کرنا، دینی مدارس قائم کرنا، اسلامی پروگراموں کے منعقد کرنے کے لئے ملّی اور مذھبی مرکز قائم کرنا ان میں سے حوزات علمیہ دینی اھم مرکزوں میں شمار ھوتے ھیں جو عوام الناس کی دی ھوئی رقوم شرعی سےچلتے ھیں اور اسلامی شعار کے حفظ ، ان کی ترویج اور اسلامی ثقافت کی تبلیغ میں مشغول رھتے ھیں ، ان کے لئے حکومت کوئی فنڈ معین نہیں کرتی لیکن عوام الناس کا ان شعار کو انجام دینا حکومت کی ذمہ داری کوسلب کرنے کے معنی میں نہیں ھے، اور ایسا نہیں ھے کہ پھر ان امور میں حکومت کی کوئی ذمہ داری نہیں رہ جاتی کیونکہ اگر عوام الناس کا رضا کارانہ طور پر کام کرنا کافی نہ ھوا تو پھران امور کو انجام دینا حکومت کی ذمہ داری ھے مثال کے طور پر: حج ایک عبادی وظیفہ ھے اور جو شخص مستطیع ھوجائے تو اس کے لئے حج کرنا واجب ھوجاتاھے ، مجتھدین کرام؛ فقھی کتابوں اور روایات سے استفادہ کرتے ھوئے اس مسئلہ کو بیان کرتے ھیں کہ اگر ایک ایسا موقع آجائے کہ اسلامی ملک کے پورے معاشرہ میں کسی پر حج واجب نہ ھو یا اگر کسی پر واجب تو ھوگیا ھے لیکن وہ حج پر جانے کے لئے تیار نہ ھو ، بلکہ نافرمانی کرے اور اپنی مرضی سے کوئی حج پر نہ جائے اور خانہ کعبہ کے خالی رہ جانے کا اندیشہ ھو، تو اس موقع پراسلامی حکومتوں پر مسلمانوں کے بیت المال سے ایک گروہ کو حج کے لئے بھیجنا واجب ھے ؛ کیونکہ وہ اسلامی شعار جو تمام ھی مسلمانوں کے لئے حفظ مصالح کے باعث ھیں وہ تعطیل نہیں ھونے

چاهئیں۔
پس جبکہ حج ایک عبادی مسئلہ ھے اور دنیاوی اور سیاسی امور میں شمار نہیں ہوتا اور خود عوام الناس انجام دیتے ھیں اور اپنے پاس سے خرچ کرتے ھیں، لیکن اگر عوام الناس نے نافرمانی کی یا حج بجالانے کی قدرت نہ رکھتے ھوں تو پھر اسلامی حکومت پر اسلامی شعار کو قائم کرنے اور قوانین کو جاری کرنے کے ضامن کے عنوان سے ؛ یہ ذمہ داری ھے کہ حج کو انجام دینے کے مقدمات فراھم کرے۔
اس بنا پر اسلامی اور لائیک حکومت کا بنیادی فرق یہ ھے کہ اسلامی حکومت ھر چیز سے پہلے اسلامی شعار اور اسلام کے اجتماعی احکام وقوانین کو جاری کرنے کی فکر میں رھے اور ان کو مقدم رکھے البتہ عملی میدان میں معنوی اور مادّی امور میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا لیکن بالفرض اگر ان میں ٹکراؤ ھو بھی جائے تو پھر معنوی امور کو مقدم کرے۔
لہٰذا اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں کی سر فہرست درج ذیل چیزیں ہونا چاھئے: اسلامی شعار کو قائم کرنا، قوانین اور اسلامی ثقافت کی حفاظت کرنا اور ایسی چیزوں کی روک تھام کرنا جومعاشرہ میں اسلامی ثقافت کے کمزور ہونے کا باعث بنے نیز کفر کے رسومات سے روک تھام کرنا۔

5۔ حکومت اور اس کے کردار ی پھلو
قارئین کرام ! ھم نے اس سے پہلے بھی عرض کیا کہ حکومت پر لازم ھے کہ وہ معاشرہ کی بعض ضرورتوں کوپورا کرنے کی خود ذمہ داری قبول کرے، مثلاً دفاع اور جنگ کا مسئلہ ، جس میں منصوبہ بندی، سیاست گذاری اور اس کے اجرائی امور تمام مسائل حکومت کے ذمہ ھوتے ھیں لیکن حکومت کے مخصوص کاموں کے علاوہ یہ بھی ذمہ داری ھوتی ھے کہ اسلامی معاشرہ کی بعض ضرورتوں کو پورا کرنے میں اپنا کردار ادا کرے جس کی دو صورتیں ھوسکتی ھیں:
1۔ حکومت صرف منصوبہ بندی، سیاست گذاری اور ان کے اجراء پر نظارت رکھے اور براہ راست ان امور میں دخالت نہ کرے۔
2۔ منصوبہ بندی ، سیاست گذاری اور نظارت کے علاوہ ان امور کو خود اپنے ذریعہ انجام دے۔
مزید وضاحت کے لئے عرض کرتے ھیں کہ معاشرہ کے کسی ایک پروجکٹ کو کامیاب بنانے کے لئے پہلے اس کے مقاصد کا روشن ہونا ضرروی ھے تاکہ اسی بنا پر منصوبہ بندی کی جاسکے، اس کے بعداس کو آگے بڑھانے کے لئے اس کے چھوٹے چھوٹے مسائل کو منظم کیا جاتا ھے کیونکہ کسی ایک پروجکٹ کے لئے مدت معلوم ھونی چاھئے شروع اور ختم ھونے کی مدت معلوم ھو اور اس کا خرچ بھی موجود ھو اس مرحلہ کے بعد جو کمپنی اس کام کو کرنا چاھے اس کو طے کیا جاتا ھے؛ یعنی یہ معین کیا جاتا ھے کہ کون لوگ اور کس شکل میں اس پروجکٹ کو انجام دیں گے ، اس کا مدیر ، اس میں کام کرنے والے اور ان کے وظائف معین کئے جاتے ھیں مثلاً امام خمینی انٹر نیشنل ایر پورٹ پروجکٹ کو لے لیجئے : پھلے یہ طے ھوتا ھے کہ کیا اس ایرپورٹ کی ضرورت ھے یا نھیں (اگرچہ یہ بات ملک کی اھم سیاست گذاری سے متعلق ھے) جس کی بنا پر یہ طے ھوتا ھے کہ اس پروجکٹ پر کام ھونا چاھئے یا نہ؟ اور جب پروجکٹ کو قبول کرلیا جاتا ھے تو پھر اس سلسلہ میں منصوبہ بندی کی جاتی ھے اور یہ طے کیا جاتا ھے کہ یہ پروجکٹ کتنی زمین میں اور کس طرح کے امکانات کے ساتھ انجام دیا جائے اور کس نقشہ کے تحت ھو اس کے بعد اس کا مدیر اور اس کے شروع ھونے کی تاریخ معین کی جاتی ھے، آخر میں اس پروجکٹ کی بولی لگائی جاتی ھے تاکہ جو کمپنی کم خرچ میں اس پروجکٹ کو مکمل کرنے پر آمادہ ھو تو اس کام کو اس کے حوالے کردیا جائے اس صورت میں ایک وقت حکومت سیاست گذاری اور منصوبہ بندی کے بعد اس پروجکٹ کو بھی اپنے ھاتھوں میں لے لیتی ھے اور کوئی سرکاری شعبہ یا کوئی وزارتخانہ اس پروجکٹ پر کام کرتا ھے اور اس پروجکٹ کا خرچ سرکاری خزانہ سے اور سرکاری افراد کے ذریعہ تکمیل ھوتا ھے یا کسی پروجکٹ کو معین کرنے کے بعد کسی کمپنی کے حوالے کیا جاتا ھے تاکہ اس پروجکٹ کو عملی جامہ پہنائے، بھر حال دونوں صورتوں میں حکومت اس پروجکٹ کو عملی بنانے کا وعدہ کرتی ھے لیکن ممکن ھے کہ حکومت کسی پروجکٹ کے لئے ؛سیاست گذاری اور منصوبہ بندی کے بعد اس کام کو خود اپنے ذمہ نہ لے ، اور اس کے خرچ اور اس پر کام کرنے کے لئے دوسروں کے حوالہ کردے اور خود صرف نظارت کرتی رھے ؛ یعنی حکومت اپنی طرف سے کچھ معائنہ کار افراد کو معین کرتی ھے تاکہ قوانین اور مقررات کی خلاف ورزی کی روک تھام کی جاسکے اور نقشہ کے مطابق عمل نہ کرنے سے روکا جاسکے نیز عوام الناس کے مال کو تلف اور برباد ھونے سے روک تھام کی جاسکے اور کوشش یہ کی جاتی ھے کہ پروجکٹ اسی اصل نقشہ کے تحت عمومی مصالح کے قوانین کے مطابق عملی جامہ پہنایا جاسکے۔
6۔ ”ٹوٹالیٹر“(1) (Totalitair) اور ”لیبرل“حکومت کا مڈل

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ان پروجکٹ کے مقابلہ میں معاشرہ کی ضرورتیں مثلاً جنگ اور دفاع، تعلیم وتربیت، علاج معالجہ اور شہر کی صفائی وغیرہ کا انتظام قاعدتاً حکومت کے ذمہ ہوتا ھے، لیکن یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ھے کہ کیا حکومت کی ذمہ داری صرف ان ضرورتوں میں منصوبہ بندی اور حد اکثر نظارت ہوتی ھے؟ یا منصوبہ بندی اور نظارت کے علاوہ ان کو جاری کرنے کی بھی ذمہ داری اسی کی ہوتی ھے، اور بنیادی طور پر اسلام کی نظر میں کونسا طریقہ صحیح ھے؟ کیا اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں کے بنانے کا خرچ حکومت کے ذمہ ھے؟ یا اس کا کچھ حصہ حکومت کے ذمہ ہوتا ھے اور کچھ حصہ عوام الناس کے ذمہ ہوتا ھے؛ جیسا کہ اکثر ممالک میں منجملہ ھمارے ملک میں ایسا ہوتا ھے کہ ابتدائی تعلیم سب کے لئے ضروری ھے اور اس کا خرچ بھی حکومت کے ذمہ ھے، لیکن یونیورسٹی کی تعلیم کا خرچ حکومت کے ذمہ نہیں ھے بلکہ حکومت یونیورسٹی میں فیس لے کراعلیٰ تعلیم دیتی ھے، اگرچہ بعض ملکوں میں یونیورسٹی کی تعلیم بھی مفت ہوتی ھے۔

بعض حکومتوں میں یہ کوشش کی جاتی ھے کہ معاشرہ کے زیادہ سے زیادہ امور حکومت کے ذریعہ انجام پائیں، اور یہ طریقہ کار بڑے بڑے مالداروں کی ظالمانہ رفتاراور اپنے ذاتی مفاد کے لئے معاشرہ کے فوائد کو خطرہ میں ڈالنے والے افراد کے مقابلہ میں ایک عکس العمل ھے کیونکہ یہ جامعہ گرا)معاشرہ کی فکر رکھنے والا) نظریہ اور سوسیالیسٹ "Socialiste"، کمیونسٹ "communiste" ملکوں کا وجود میں آنا؛ مالدار ملکوں میں عوام الناس پر ہونے والے ظلم وستم کا نتیجہ تھا کیونکہ مغربی ممالک میں غریبوں کے حق میں مالداروں نے اس قدر ظلم کیا جس کے نتیجہ میں یہ شدت پسند نظریہ وجود میں آیا کہ تمام کام حکومت کے ذمہ ہو،اور حکومت کو ہونے والے عام فائدوں کو تمام لوگوں کے درمیان برابر سے تقسیم کیا جائے تاکہ تمام لوگ اجتماعی زندگی کے امکانات سے بهره مند ہو سکیں ، در حقیقت عام زندگی کے امکانات سے تمام لوگوں کا برابر ہونا اور عوام الناس سے ظلم کو دور کرنا؛ معاشرتی ، سیاسی اور معاشی مسائل مینیہ نظریہ سوسیالیسٹ کا ھے جو دس بیس سال پہلے سے کافی رنگ لایا ھے اور میٹریالیزم(2) "Materialism" نظریہ کے ساتھ نیز فقر وغربت کو دور کرنے اور تمام لوگوں میں مساوات ایجاد کرنے جیسے نعروں کے ذریعہ بڑے بڑے ملکوں میں (قدیم) روس اور چین وغیرہ میں حکومت کرنے لگا اور اس کے بعد سے مالدار ممالک بلوک "3" (Bloc" کا سخت رقیب مانا جانے لگا۔

چنانچہ اس نظریہ کی جذابیت اور اس کے نعرے ھمارے ملک میں بھی بعض لوگوں کوبھت اچھے لگے اور ایک مدت تک اس نظریہ کی حمایت ہونی لگی، نیز بہت سے افراد اس کے طرفدار بن گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گذشتہ زمانہ میں (انقلاب اسلامی سے پہلے) ھمارے ملک میں بھی سوسیالیسٹی اور کمیونسٹی پارٹیاں تشکیل پائیں لیکن انقلاب اسلامی کی وجہ سے اس کی جڑیں هل گئیں ، اور اس کا بوریا بستر لپٹ گیا، تاریخی تجربہ نے یہ ثابت کیا کہ وہ حکومت (جو مالداروں اور صاحب قدرت لوگوں کو سوء استفادہ کرنے سے روک تھام کے نعرہ سے برسر پیکار آتی ھے) اس کا سیاسی، اجتماعی اور معاشی معاملات میں تمام کاموں میں ذمہ داری لینا صحیح اور کار آمد نہیںھے، اور جلد هی ان کے خاتمہ کا باعث اور کمیونسٹی بلوک کے ممالک کا شیرازہ بکھرنے کا سبب ھے مخصوصاً ھمارے شمالی پڑوسی ملک کا حال سب نے دیکھاکہ کمیونسٹی نظریہ کی اجتماعی اور سیاسی بنیادیں کس طرح هلیں اور روس جیسی عظیم طاقت کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا اور اس ملک کی شھنشاھیت کا جنازہ نکل گیا۔

قارئین کرام ! مذکورہ نظریہ بھی فلسفہ سیاست میں ایک نظریہ ھے جس کی بنا پر حکومت معاشرہ کے مختلف امور میں زیادہ سے زیادہ دخالت رکھتی ھے ، تاکہ مالداروں اور صاحب قدرت لوگوں کو ناجائز فائدہ اٹھانے سے روکا جاسکے (لیکن ھم اس وقت مذکورہ نظریہ کی کمزوریاں نہیں بیان کرنا چاھتے) اس کے مقابلہ میں کمیونسٹ "communiste"، سوسیالیسٹ "Socialiste" اورلیبرل نظریات ھیں جن کی بنا پر معاشرہ کے تمام امور خود عوام الناس کے ذمہ ہوتے ھیں، اور اپنے کام میں آزاد ہوتے ھیں کہ جس طرح چاھیں عمل کریں اس نظریہ میں حکومت معاشرہ کے کاموں میں کم سے کم دخالت کرتی ھے نیز اس کی دخالت ضروری حد تک اور معاشرہ میں بد نظمی کو روکنے کے لئے ہوتی ھے۔

ظاھر سی بات ھے کہ لیبرل نظریہ میں چونکہ عوام الناس اقتصادی، سیاسی اور اجتماعی امور سے مکمل طور پر آزاد ہوتے ھیں اور جو افراد زیادہ امکانات اور قابلیت رکھتے ھیں تو وہ لوگ تمام هی چیزوں سے خصوصاً معاشی امور میں بہت زیادہ فائدہ اٹھاتے ھیناور دوسروں سے مقابلہ جیت جاتے ھیں جس کے نتیجہ میں اقتصادی کاروبار ان کو بہت زیادہ فائدہ پہنچاتا ھے، جبکہ ان کے مقابلہ میں کمزور اور غریب لوگ جن کے پاس کم امکانات ہوتے ھیں وہ مزید غریب اورکمزور ہوتے چلے جاتے ھیں۔

لوگوں کے درمیان یہ اختلاف اورمعاشرہ کے بہت کم مالدارافراد کا عمومی اور ملی سرمایہ کا مالک بن جانا، نیز معاشرہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کے دوسرے طبقات میں فقر وغربت کا بڑھنا ؛ یہ سب سبب بنتے ھیں کہ عوام الناس اعتراض کرے اور حکومت کے خلاف مظاھرے کرنے لگیں اور پھر ان کو سیاست میں آنے نہیں دیا جاتا، اس کے بعد کیمونسٹ نظام کا تشکیل پانا جس مینمعاشرہ کے غریب لوگوں کا زیادہ دھیان رکھا جاتا ھے لیکن لیبرل ملکوں میں بھی حکومت کے خلاف مظاھروں اور انقلاب سے روکنے کے لئے کم در آمد لوگوں کو کچھ سھولتیں دی جاتی ھیں۔
اس وقت یورپی ممالک جن کے بھت سے ملکوں میں لیبرل نظام کی حکومت ھوتی ھے ان میں بھی سوسیالیسٹ "Socialiste" پارٹیاں اپنی کارکردگی دکھاتی ھیں، یھاں تک کہ بعض حکومتوں میں سوسیالیسٹ یاسوسیال ڈیموکریٹک پارٹیاں کامیاب ھوتی ھیں مثلاً انگلینڈ کے پارلیمنٹ کے انتخابات میں”کارگر پارٹی“کبھی کبھی اکثریت سے کامیاب ھوجاتی ھے صرف اسی وجہ سے کہ اس کا نظریہ سوسیالیسٹ ھے اور اس نظریہ میں غریب اور کم درآمد لوگوں کو خیال رکھا جاتا ھے اور یہ بھی اس وجہ سے ھوتا ھے کہ کھیں معاشرہ کا غریب اور کم در آمد طبقہ حکومت کے خلاف انقلاب برپا نہ کردے؛ کیونکہ جب معاشرہ کے تقریباً سبھی طبقات کے لئے عام سھولتیں مھیا ھوں گی تو پھر غریب عوام الناس حکومت کے خلاف قدم نھیں اٹھائیں گے عوام الناس کی سھولیات میں جن چیزوں کو پیش نظر رکھا جاتا ھے ان میں سے کچھ در ج ذیل ھیں:
1- اپاھج اور بے کار لوگوں کے لئے بیمہ۔
2-میڈیکل بیمہ۔
3- سرکار کی طرف سے کم در آمد لوگوں کے لئے مکان بنوانا اور ان کو کم سے کم کرایہ پر دینا۔
حکومتی سیاسی فلسفہ میں ایک دوسرے کے مخالف نظریات پائے جاتے ھیں:
پھلا نظریہ سوسیالیسٹی ھے جس میں معاشرہ کو اصل مانا جاتا ھے اور معاشرہ کے مفاد کو ذاتی مفادپر مقدم کیا جاتا ھے، کیونکہ اس نظریہ میں معاشرہ پر توجہ کی جاتی ھے چنانچہ اس نظریہ کو عملی بنانے کے لئے حکومت کی ذمہ داریوں اور دخالت میں اضافہ ھوجاتا ھے ،اور معاشرہ کے اجتماعی امور میں حکومت کی ذمہ درایوں کا دائرہ وسیع ھوجاتا ھے تاکہ عمومی سرمایہ کو غارت ھونے اور غریب و مستضعف لوگوں پر ظلم وستم ھونے سے روک تھام کرسکے۔
دوسرا نظریہ لیبرل ھے جس میں خاص دلیلوں کے تحت اس چیز پر اعتقاد رکھا جاتا ھے کہ حکومت کو معاشرہ کے امور میں کم سے کم دخالت کرنی چاھئے۔
قارئین کرام ! آج کل تقریروں، اخباروں، مقالوں اور کتابوں میں جو لکھا جاتا ھے کہ حکومت کو کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ دخالت کرنی چاھئے انھیں دو نظریات کی بنا پر ھے اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ یورپی اور مغربی ممالک میں اکثر لیبرل نظریہ پایا جاتا ھے اور ایسی حکومتوں میں (وہ ادارے بھی جو ھمارے ملک میں سرکاری ھوتے ھیں) اکثر ادارے پرائیویٹ ھوتے ھیں، مثلاً مذکورہ ممالک میں محکمہ ڈاک یا محکمہ ٹیلی فون سرکاری نھیں ھوتے بلکہ پرائیویٹ ھوتے ھیں ، اور ڈاک کا سارا کام، نیز مختلف شھروں میں فون وغیرہ کی خدمات پیش کرنا پرائیویٹ کمپنیاں کرتی ھیں ، وھاں پر حکومت صرف منصوبہ بندی اور نظارت کرتی ھے اسی طرح بجلی،پانی اور معاشرہ کے دیگر ضروریات کو پرائیویٹ کمپنیاں کرتی ھیں لیکن ھمارے ملک میں یہ چیزیں حکومت کے ذمہ ھوتی ھیں۔

7- اسلامی نظریہ کے تحت حکومت کیسی ھونا چاھئے
قارئین کرام ! یھاں پر ایک سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ مذکورہ نظریات میں سے اسلام کس نظریہ کو مناسب سمجھتا ھے؟ کیا حکومت کی وسیع پیمانے پر دخالت کو پسند کرتا ھے یا حکومت کی کم سے کم دخالت اور معاشرہ کے امور کو عوام لناس کے سپرد کرنے کو پسند کرتا ھے؟ جیسا کہ ھم نے پھلے جلسے میں عرض کیا کہ عوام الناس کا وسیع پیمانے پر مختلف میدان میں شرکت کرنا حقیقت میں ”جامعہ مدنی“ کے ایک معنی میں سے ھے، اور اس معنی کے لحاظ سے اجتماعی کاموں کو خود عوام الناس پر چھوڑ دیا جانا چاھئے کیونکہ جب ھم اسلامی اصول کی بنیاد پر حکومت کے سلسلہ میں اسلامی نظریہ کو دریافت کرنا چاھیں تو ھمیں معلوم ھوتا ھے کہ اس سلسلہ میں اسلام کا رویہ درمیانی ھے؛جو آرزوں اور حقیقت دونوں میں شامل ھوتا ھے۔

وضاحت:
بھت سی وہ تھیوری جو یونیورسٹیوں، حوزات علمیہ یا دیگر جلسوں میں بیان ھوتی ھیں ؛بھت اچھی اور دلربا ھوتی ھیں ، لیکن ایک لحاظ سے یہ فقط خیالی اور آرمانی ھوتی ھیں جن کا عملی
میدان میں کوئی وجود نھیں ھوتا مثلاً یہ مفروضہ کہ عوام الناس کا کرداراتنا بلندکرنے کے لئے کوشش کی جائے تاکہ پھر

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

وہ قانون کی خلاف ورزی نہ کرے اور پھر ان کو کسی روکنے والے قانون یا حکومت کی ضرورت نہیں ھے اس فرضیہ کا تصوربہت اچھا ھے؛ لیکن عملی میدان میں کیا کبھی ایسا ھوسکتا ھے اور وہ بھی اس حد تک کہ اس کو مجری قانون (حکومت) کی کوئی ضرورت نہ ھو دوسری طرف اس وجہ سے کہ معاشرہ میں ھمیشہ قانون کی خلاف ورزی ھوتی رھی ھے یہ بات بھی قابل قبول نہیں ھے کہ حکومت کی طرف سے اتنی سختی کی جائے کہ پھر کوئی قانون شکنی کی ھمت نہ کرسکے جیسا کہ بعض مارکسسٹ "Marxist" ، فاشیسٹ(4) "Fasciste" اور پولیس کی حکومتوں میں ھوتا ھے کہ سرکاری قوانین پر شدت کے ساتھ عمل کیا جاتا ھے، اور پولیس اور فوج اس طرح سے مجرموں کے ساتھ برتاؤ کرتی ھے کہ (اس کو دیکھ کر) پھر کوئی قانون شکنی کی ھمت نھیں کرتا جس کا نمونہ ھمارا پڑوسی ملک عراق ھے جس نے ھم کو 8 سال تک جنگ کرنے پر مجبور کیا کیونکہ اس ملک میں فوجی حکومت ھے جو ھر قسم کی مخالفت اور اعتراض کا گلا گھونٹ دیتی ھے یھاں تک کہ اگر کسی سے کوئی چھوٹی سی بھی حرکت خلاف قانون دیکھی گئی تو اس کو عدالت کے فیصلہ کے بغیر ھی گولی ماردی جاتی ھے یا کسی دوسرے طریقہ سے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ھے۔

معاشرہ کے غریب اور کم در آمد لوگ جس وقت رشوت اورمھنگائی کا بازار گرم دیکھتے ھیناور ان کے سامنے مشکلیں آتی ھیں تو یہ آرزو کرتے ھیں کہ اے کاش ان رشوت خور اور گران فروش لوگوں سے شدت کے ساتھ برتاؤ کیا جائے اور ان میں سے چند لوگوں کو سزائے موت دیدی جائے تاکہ پھر کوئی رشوت خوری اور گرا نفروشی کی جرأت نہ کرے!! اس طرح کے واقعیات سوسیالسٹی ممالک میں آئے دن ھوتے رھتے ھیں۔

لیکن ھمیں اس سلسلہ میں اسلامی نظریہ دیکھنا چاھئے کہ اسلام مجرموں اور خلاف ورزی کرنے والوں سے شدت کے ساتھ برتاؤ کو کیسا سمجھتا ھے؟ کیا اسلامی نظریہ کے تحت مجرموں سے اس قدر شدت کے ساتھ پیش آنا صحیح ھے کہ اس کے بعد کوئی بھی خلاف ورزی کی جرأت نہ کرے؟ یا مجرموں کے ساتھ اس قدر شدت نہ کی جائے بلکہ ان کو حتی الامکان آزادی دی جائے حکومت کی دخالت اور قوانین کا لاگو کرنا صرف معاشرہ میں آشوب اور ظلم وستم سے روک تھام کے لئے ھو۔

قارئین کرام ! قرآن کریم اور احادیث شریف سے یھی نتیجہ نکلتا ھے کہ اسلام کی نظر میں اسلامی حکومت ایک درمیانی اور معتدل راستہ اختیار کرے۔

اسلام کے فوجداری قوانین؛ بعض جرائم ، اور بعض عفت کے منافی اعمال پر بھت سخت سزا ئیں معین ھیں، لیکن اسلام ان جرائم کو ثابت کرنے کے لئے خاص شرائط اور بعض محدویت کا قائل ھے جن کی وجہ سے صرف کم ھی جرائم عملی میدان میں ثابت ھوسکیں، اور ان قوانین کے نتیجہ میں سخت سزائیں بھت کم ھی موارد (مثلاً سال میں ایک یا دو مورد) میں دی جاتی ھیں۔

مثلاً قرآن مجید مینچور کے بارے میں ارشاد ھوتا ھے:

(وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا)(5)

”چور مرد اور چور عورت دونوں کے ھاتہ کاٹ دو کہ یہ ان کے لئے بدلہ ھے “

(الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلاَتَأْخُذْكُمْ بِهمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللهِ إِنْ كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهدْ عَذَابَهمَا طَائِفَةٌ مِنْ الْمُؤْمِنِينَ)(6)

” زنا کار عورت او رزنا کار مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگائیں اور خبردار ! دین خدا کے معاملہ میں کسی مروت کا شکار نہ ھوجانا اگر تمھارا ایمان اللہ اور روز آخرت پر ھے اور اس سزا کے وقت مومنین کی ایک جماعت کو حاضر رھنا چاھئے۔“

لیکن اس طرف سے اسلام نے زنا کے ثابت ھونے کے شرائط بھت سخت قرار دئے ھیں کیونکہ اسلام کا حکم یہ ھے کہ زنا کرنے والے کو یہ سزا اس وقت دی جاسکتی ھے جبکہ چارشاھد (گواہ) عادل اپنی آنکھوں سے زنا ھوتے دیکھیں اور گواھی دیں،اور سب کے سب گواھی دینے کے لئے عدالت میں حاضر ھوں، اور اگر چاروں عادل گواھی دینے کے لئے عدالت میں حاضر نہ ھوئے تو نہ صرف جرم ثابت نھیں ھوگا بلکہ ان پر ”حدّقذف “ (7) جاری ھوگی، کیونکہ ان کی گواھی قابل قبول نھیں ھے اور خود ان کو ایک مومن پر تھمت لگانے کے جرم میں کوڑے لگائے جائیں گے۔

اسی طرح اسلام اجتماعی مسائل میں، حکومت کو معاشرہ کی تمام ھی ضرورتوں کو پورا کرنے یھاں تک کہ غیر ضروری ضرورتوں کو پورا کرنے کا ذمہ دار نھیں ٹھھراتا اور نہ ھی حکومت کو مکمل طریقہ پر دخالت سے روکتا ھے؛ بلکہ حکومت کی دخالت زمان ومکان کے لحاظ سے ھوتی ھے اور معاشرہ کی بعض ضرورتوں کو پورا کرنے کا ذمہ دار ٹھھراتا ھے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کبھی کبھی اس طرح کے حالات پیدا ہوتے ہیں کہ ”جامعہ مدنی“ کی شکل ”مدینة النبی“ کی شکل پر ہو جس کی بنیاد یہ ہے کہ جو کام عوام الناس خود انجام دے سکتے ہوں ، تو اس میں خود اپنی مرضی سے شرکت کریں مثلاً تعلیم وتربیت، بجلی، پانی وغیرہ جیسی ضرورتونکا خود انتظام کریں؛ مگر بعض خود غرض اور فرصت طلب افراد ناجائز فائدہ اٹھانا چاھتے ہوناور ان کا لالچ اوردوسروں کے حقوق کو غصب کرنے کی وجہ سے معاشرہ کے غریب طبقہ کو ان کے حقوق سے محرومی کا سبب ہوتا ہو تو اس صورت میں حکومت کی ذمہ داری یہ ھے کہ خود غرض اور مالدار لوگوں سے مقابلہ کرنے کے لئے اجتماعی میدان میں اترے، اور کمزور لوگوں کے حقوق کا دفاع کرے، یا دوسرے طریقوں سے اپنا کردار نبھائے:

مثلاً اگر پرائیویٹ کمپنی ٹیلیفون خدمات بہت مہنگی کردے تو پھر حکومت کواپنی طرف سے جو سستے داموں میں ٹیلیفون خدمات پیش کرے یا خدمات کرنے والے محکموں کو کلی طور پر اپنے ذمہ لے لے۔

8- متحد حکومتوں کے نقائص

قارئین کرام ! مذکورہ نظریہ کی بنا پر اسلامی نظریہ کی اصل یہ ھے کہ معاشرہ کی ضرورتیں خود عوام الناس کے ذریعہ پوری ہوں، لیکن اگر خود غرض، فائدہ پرست اور مال ودولت کے لالچی افراد یا اس طرح کے گروہ کی وجہ سے دوسروں کے حقوق ضائع ہورھے ہوں تو پھر حکومت کو عملی میدان میں اترنا چاھئے، اور مناسب طریقہ کار، زمان ومکان کے لحاظ سے مصلحتوں کی رعایت کرتے ہوئے؛ خلاف ورزیوں سے روک تھام کے لئے ضروری قدم اٹھائے کیونکہ یھی راستہ درمیانی اور معتدل ھے، کیونکہ عملی طریقہ سے یہ بات ثابت ہوچکی ھے کہ معاشرہ کی تمام فعالیتوں کو حکومت کے ذمہ قرار دینا؛ بہت سی دلیلوں کی بنا پر صحیح اور مفید نہیں ھے مثلاً اگر حکومت ؛معاشرہ کی تمام ھی ضرورتوں کو پورا کرنا چاھے تو پھر اس کو بہت بڑے سسٹم کی ضرورت ھے اور تقریبا (بیس فی صد) لوگوں کو سرکاری نوکریاں دینی پڑینگی اور اس طرح کے طریقہ کار پر تین اشکال ہوتے ہیں:

پھلا اشکال:

اگر تمام ھی کام سرکاری طریقہ سے انجام دئے جائیں تو پھر حکومت کو ایک بہت بڑے خرچ کی ضرورت ھے نیز معاشرہ کے لئے بھی بہت سی مشکلات پیش آسکتی ہیں۔

دوسرا اشکال:

(یہ اہم اشکال ھے) جس وقت اس طرح کا بہت بڑا سسٹم بنے تو اس کے درمیان خلاف ورزی بھی زیادہ ہوگی، جس وقت کم، محدود اور بھترین افراد پر یہ سسٹم مشتمل ہو تو اس میں خلاف ورزی بھی کم اور بہت معمولی ہوگی، لیکن اگر ایک عظیم سسٹم بنایا گیا اور تمام امور میں دخالت کرنے کا حق اس کو ہوگیا تو پھر اس میں خلاف ورزی اور ناجائز فائدہ اٹھانے کے امکانات بھی زیادہ ہوجائیں گے مثال کے طور پر اگر حکومت مہنگائی روکنے کے لئے کوئی ادارہ بنائے جو دکانوں پر جاکر اس سلسلہ میں رپورٹ تیار کرکے حکومت تک پہنچائے لیکن اگر ہر دکان کے لئے ایک معائنہ کرنے والا معین کرے تو پھر آپ اندازہ لگائیں کہ کتنے لوگوں کو نوکری دینی ہوگی، اس کے علاوہ ان کے درمیان بھی خلاف ورزی زیادہ ہوں گی، اور ان میں سے بہت سے لوگ دکانداروں سے رشوت لیں گے تاکہ ان کے خلاف رپورٹ نہ بھیجیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حکومت کو ان معائنہ کاروں پر ایک اور ادارہ بنانے کی ضرورت ہوگی۔

جبکہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہوچکی ھے کہ اس طرح کی منصوبہ بندی کامیاب نہیں ہوئی ھے اور اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہوا ھے بلکہ خلاف ورزیوں اور رشوت خوری میں اضافہ ہوا ھے۔

تیسرا اشکال:

یہ اشکال(بھی) اسلام کی نظر سے اہم ھے ، کیونکہ اسلام اس لئے آیا ھے کہ عوام الناس اپنی مرضی اور اختیار سے خود سازی اور نیک کام میں رغبت حاصل کریں، طاقت کے بل بوتے پر نہیں کیونکہ انسان کا کام اس وقت با اھمیت ہوتا ھے جب وہ اپنی مرضی اور اختیار سے انجام دے، لیکن اگر کسی کام کو مجبوری میں انجام دیا ھے تو پھر اس کام پر وہ معنوی اثر نہیں ہوگا جو اسلام چاھتا ھے اور اصلی مقصد پورا نہیں ہوگا۔

حوالے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(1)ٹوٹالیٹر (اس حکومت کو کهتے هیں جو ایک گروه کے نفع میں قوانین بنائے اور اپنے مخالفین کو مخفی پولیس وغیره کے ذریعه نابود کرنے کی درپے هو، مترجم)
(2) وه مادی فلسفه جو معنویات کا منکر هے اور صرف ماده کو پهچانتے هیں نیز خلقت کائنات کو ماده کے اجزاء کی حرکت سے جانتے هیں،(مترجم)
(3 (وه چند متحد ملک جن کی سیاسی روش ایک هو (مترجم)
(4)(ظالمانه طریقه حکومت، جو پهلی عالمی جنگ کے بعد اٹلی میں رائج تها لیکن آج کل ڈکٹیٹر شب "Dictaorship" کے معنی میں استعمال هوتا هے، مترجم
(5)سوره مائده آیت 38
(6)یسوره نور آیت 2
(7) " حدّ قذف " زنا کی تهمت لگانے والے پر 80 کوڑے لگائے جاتے هیں،جس کی صراحت سوره نور کی آیت نمبر 4 میں وارد هوئی هے (مترجم(

اٹهائیسواں جلسه

اسلامی حکومت اور جائز آزادی اوراقدار کی رعایت کرنا

1- حکومت کی ضرورت پر ایک اشاره

گذشته جلسوں میں قوۂ مجریه (حکومت) کے فلسفه پر گفتگو هوئی،تاکه اس کے سمجهنے کے بعد یه معلوم هوجائے که حکومت کے وظائف اور کیا کیا شرائط هیں،اور اپنی ذمه داریوں کو نبهانے کے لئے کیا شرائط هونے ضروری هیں؟ اور جیسا که هم نے عرض کیا حکومت کے فرائض میں سے ایک فریضه قوانین کو جاری کرنے کی ضمانت هے، جو دنیا بهر کی تمام حکومتوں میں مقبول هے، اسی طرح اسلامی حکومت میں بهی جس میں قوانین یا تو براه راست شریعت مقدسه سے لئے جاتے هیں یا وه قوانین ان افراد کے ذریعه مرتب هوتے هیں جن کو شریعت کی طرف سے اجازت حاصل هوتی هے، لهٰذا قوانین کو جاری هونا چاهئے پهلے درجه میں خود عوام الناس کو قوانین پر عمل کرنا چاهئے اور ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت اور اپنے وظائف پر عمل کرنا چاهئے، نیز معاشرتی، گهریلو اور بین الاقوامی روابط؛ اسلامی قوانین کے تحت هونے چاهئیں۔

اپنے وظائف کو انجام دینے اور اجتماعی قوانین پر عمل پیرا هونے کے لئے ایک مصمم اراده هونا چاهئے ، کیونکه عوام الناس پهلے اپنے ذاتی مفاد کے بارے میں سوچتے هیں اور اجتماعی امور کے بارے میں کم هی فکر کرتے هیں، خصوصاً اس وقت جبکه اجتماعی امور انجام دینے میں ان کا کوئی خرچ یا نقصان هو،اس صورت میں ان کے درمیان بهت کم رجحان پایا جاتا هے، مگر وه افراد جو بهترین تربیت یافته هوں اور معاشره کے فوائد کو اپنے مفاد پر ترجیح دیتے هوں اس بنا پر اجتماعی امور میں اکثر خلاف ورزی اسی بنیاد پر هوتی هے که عوام الناس میں اجتماعی ذمه داریوں کا زیاده احساس نهیں پایا جاتا، اسی وجه سے کچھ لوگوں کا ان قوانین کو جاری کرنے کی ضمانت اپنے ذمه لینا ضروری هے تاکه عوام الناس کو اجتماعی قوانین پر عمل کرنے کے لئے آماده کریں،اور مخالفت کرنے کی صورت میں ان کو سزا بهی دلائیں۔

لهٰذا ایسی حکومت کا هونا ضروری هے جو(ضرورت کے وقت) اپنی طاقت کے ذریعه ان قوانین پر عمل کرائے، اور جیسا که هم نے پهلے بهی عرض کیا که هر معاشره میں شروع هی سے اس کی ضرورت کے تحت قوانین بنائے جاتے هیں، مثلاً اگر کوئی شخص کسی کے مال کو غصب کرنا چاهے تو اس کی سزا معین کی جاتی هے تو اگر کسی نے اس قانون پر عمل نه کیا اور دوسرے کے مال پر هاته بڑهایا تو قانون کے رکهوالے اس کو سزا دیتے هیں بعض حالات میں بات واضح نهیں هوپاتی جس کے نتیجه میں اختلاف اور کشمکش پیدا هوتی هے یهاں تک که بعض موقع پر ایسے حالات بن جاتے هیں که طرفین میں سے کوئی ایک بهی خلاف ورزی نهیں کرنا چاهتا لیکن چونکه حق (بات) ظاهر نهیں هے لهٰذا اپنے وظیفه کو معین کرنے میں غلطی کرجاتے هیں، ایسے هی حالات کے لئے "قوۂ قضائیه" (عدالت) کا دروازه کهٹکهٹایا جاتا هے تاکه وه قوانین کو ان کے مصداق پر منطبق (ٹیلی) کرے اور یه طے کرے که کون حق پر هے؟ اور اگر عدالت کی طرف سے فیصله هونے کے بعد طرفین میں پهر بهی اختلاف باقی رها اور اس فیصله کو نه مانا تو اس موقع پر پولیس کے ذریعه اس

فیصلہ کو منوایا جاتا ھے لہٰذا یہ (بھی) طے ھوگیا کہ عدالت کا ھونا بھی ضروری ھے، البتہ ھمارے بیان کے مطابق عدالت کو قوہ مجریہ کے تحت ھونا چاھئے، لیکن بھت سے سیاسی فلاسفہ کے نزدیک قوہ قضائیہ کوحکومت اور پارلیمنٹ سے مستقل ھونا چاھئے۔
اس تقسیم کے تحت پارلیمنٹ کا کام قوانین بنانا، افراد کے حقوق کو معین کرنا اور خلاف ورزی کرنے والوں کی سزا معین کرنا ھے، مثال کے طور پر پارلیمنٹ کے ذریعہ قانون معین کیا جاتا ھے کہ فلاں خرید وفروخت صحیح ھے یا باطل ھے، اس کے بعد مقرر شدہ قوانین کے تحت معاملہ ھوتا ھے لیکن اگر اس قانون کے منطبق کرنے میں شک ھو جائے اور معلوم نہ ھوسکے کہ معاملہ صحیح ھے تاکہ لین دین ھوسکے، یا باطل ھے؛ المختصر یہ کہ طرفین کے درمیان اختلاف ھوجائے تو اس صورت میں عدالت جانا ھوگا اور چونکہ عدالت کی ذمہ داری کلی قوانین کو ان کے مصادیق پرمنطبق کرناھے اور قاضی کے فیصلہ کے بعد معلوم ھوجاتا ھے کہ مثلاً زید ، خالد کو فلاں مقدار میں مال دے ، تو اگر طرفین نے یہ فیصلہ مان لیا ھے اور قانون کے مطابق عمل کیا تو ان کے درمیان معاملہ ختم ھوجائے گا ، ورنہ حکومت کو درمیان میں آنا ھوگا اور پویس کے ذریعہ زید سے مال لے کر صاحب حق (خالد) کو دینا ھوگا۔
ھم نے عرض کیا کہ حکومت کے اصل وظائف میں سے ایک وظیفہ اجتماعی قوانین اور احکام کو جاری کرنے کی ضمانت ھے، لیکن اس بات پر بھی توجہ رھے کہ قوانین جاری کر نا فقط حکومت میں منحصر نھیں ھے بلکہ دوسروں (عوام الناس) کو بھی قوانین جاری کرنے چاھئیں،جس طرح سے حکومت کی ذمہ داری صرف قوانین کو جاری کرنا نھیں ھے بلکہ وہ بعض مواقع پر قوانین بھی بنا سکتی ھے جیسا کہ ”تفکیک قواھ“ (تینوں قدرتوں کا مستقل ھونا) کی بحث میں بیان کریں گے، کیونکہ قانون گذاری اور قوانین کو جاری کرنے میں جدائی ممکن نھیں ھے اور ان کے درمیان رابطہ دنیا کی تمام ھی حکومتوں میں مقبول ھے، یعنی درحالیکہ حکومت کا کام قوانین کا جاری کرنا ھے لیکن بعض مواقع پر قوانین اور مقرارات بھی بنانے ھوتے ھیں دوسری طرف پارلیمنٹ بھی بعض اجرائی کاموں میں دخالت کرتا ھے اور بعض موارد میں بعض اجرائی امور پارلیمنٹ میں طے پاتے ھیں؛ مثال کے طور پر تیل وغیرہ کے سلسلے میں دوسری حکومتوں اور بیرونی کمپنیونسے معاملہ کرنا جبکہ معاملہ کرنا ایک اجرائی کام ھے، لیکن بغیر پارلیمنٹ کے طے کر نا ممکن ھے لہٰذا ان قدرتوں کے درمیان کوئی سرخ خط (لائن) نھیں ھے،جس سے ایک دوسرے کے کاموں میں بالکل دخالت نہ کرسکے، نہ حکومت قوانین بنانے کی قدرت رکھتی ھو اور نہ پارلیمنٹ اجرائی امور میں دخالت کرنے کی صلاحیت رکھتا ھو، بھر حال یہ قدرتیں اپنے مخصوص مختلف کام رکھتی ھیں۔
اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ مذکورہ تکونی تقسیم (قوہ مجریہ، قوہ قضائیہ اور پارلیمنٹ)دنیا کی تمام ھی حکومتوں میں مقبول ھے، لیکن اسلامی حکومت قانون گذاری کے سلسلہ میں دوسری حکومتوں سے مختلف ھے: لائیک حکومتوں میں قانون گذاری کا معیارلوگوں کے دنیاوی اور اجتماعی امور ھوتے ھیں، لہٰذا قانون کو طے کرنے کے علاوہ ان کو جاری کرنے کا سلیقہ بھی اسی لحاظ سے ھوتا ھے لیکن اسلامی نقطہ نظر سے قانون گذاری میں دنیاوی امور کے علاوہ اُخروی اور معنوی مصالح کو بھی نظر میں رکھا جاتا ھے، بلکہ قوانین مرتب کرتے وقت معنوی مصالح کو زیادہ اھمیت دی جاتی ھے اسلامی حکومت اور سیکولر اور لائیک حکومتوں میں یھی بنیادی اور اصل فرق ھے اور ظاھر سی بات ھے کہ ایسی (اسلامی) حکومت کی ذمہ داری بھی دوسری حکومتوں کے نسبت زیادہ ھوتی ھے؛ یعنی (اسلامی) حکومت لوگوں کو اجتماعی امور کی رعایت کرنے اور ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنے سے روکنے نیز ھرج ومرج (بد امنی)سے روک تھام کے علاوہ اسلامی اقدار کی بھی رعایت کرے اور ان کو جامہ عمل پھنائے۔

2۔ انسانی کردار میں اصل اوّلی
اس میں کوئی شک وشبہ نھیں ھے کہ انسان کی مھم اور برجستہ صفات میں سے انتخاب اور اختیار کی قوت ھے، اسی وجہ سے انسان؛ حیوانات اور فرشتوں سے فرق رکھتا ھے: کیونکہ حیوانات کے کام ان کی شھوت کے تحت ھوتے ھیں جن میں انتخاب کی کوئی خاص اھمیت نھیں ھوتی اور اگر اتفاقی طور پر انتخاب ھوتا بھی ھے تو وہ بھی شھوت کی وجہ سے ھوتا ھے یعنی ان کا انتخاب عقل وفکر کی بنیاد پر نھیں ھوتا اگر ھم دیکھتے ھیں کہ کسی حیوان کی تربیت کے ذریعہ اس کو بعض چیزیں سکھادی جاتی ھیں اور وہ اپنے مالک (مربی) کے اشارہ کے مطابق کام کرتا ھے یا کسی گھوڑے کی ایسی تربیت کی جاتی ھے جس سے وہ مالک کے بتائے ھوئے راستہ پر ھی چلتا ھے ؛ تو اگرچہ یھاں پر (حیوان کی طرف سے) انتخاب ھوتا ھے لیکن یہ انتخاب بھی غرائز اور شھوات کی بنا پر ھوتا ھے۔
لیکن فرشتوں میں ملکوتی اور آسمانی صفات ھوتے ھیں ، ان میں گناہ ومعصیت اور حق کی خلاف ورزی کا مادہ نھیں پایا جاتا ان کا شمار مقدسین اور مقربین میں ھوتا ھے ان کا مقام؛ عالی اور پاک وپاکیزہ ھوتا ھے، لیکن ان میں بھی انتخاب کا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

مادہ نہیں ہوتا، حقیقت میں ان کے اندر عبادت اور خداوندعالم کی بے چون وچرا اطاعت کا مادہ پایا جاتا ہے لیکن یہ انسان ، خلیفہ خدا اور امانت الٰہی کا حامل ایک الگ ہی مخلوق ہے اس کے سامنے ہمیشہ دو راستے اور دو جاذبے سامنے رہتے ہیں ایک خدا کی طرف اور دوسرا شیطان کی طرف ان میں سے ایک راستہ کو انتخاب کرنے کی صلاحیت اس میں ہونا چاہئے، ورنہ اگر اس سے انتخاب کی قدرت سلب کرلی جائے اور مجبوراً کسی ایک راستہ پر لگا دیا جائے تو اس میں انسانی خصوصیات اور امتیازات ختم ہوجائیں گے۔
لہٰذا انسانی کردار اور اس کی تربیت میں چاہے وہ انفرادی مسائل میں ہو یا گھریلو مسائل میں اور چاہے اجتماعی اور بین الاقوامی مسائل ہوں سبھی میں اس کے لئے انتخاب کی راہ ہموار ہونا چاہئے تاکہ اپنے انتخاب کے ذریعہ صحیح راستہ کو اپنائے؛ نہ یہ کہ اس پر کوئی راستہ تھونپ دیا جائے لیکن کبھی کبھی اجتماعی مسائل انسان پر سختی کا تقاضا کرتے ہیں در حقیقت قوہ مجریہ اور حکومت ایک ثانوی مصالح کی بنا پر ہے نہ اصل اولی کی بنا پر،یعنی اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ معاشرہ کے لئے ایک حکومت کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ قوانین کو نافذ کرے یہاں تک کہ بعض حالات میں حکومت اپنی قدرت کے بل بوتے پر مجرموں کو بھی قوانین کی رعایت کرنے پر مجبور کرے، یہ اصل اولی کے برخلاف ہے کیونکہ اصلی اولی یہ ہے کہ قانون عوام الناس کے اختیار میں ہو وہ اپنی مرضی اور اپنے ارادے سے اس پر عمل کریں اور کوئی (بھی) اس کی مخالفت نہ کرے، کوئی شخص بھی ایک دوسرے پر ظلم نہ کرے، رشوت نہ لے، چوری نہ کرے اور لوگوں کی جان و مال پر ہاتھ نہ بڑھائے لیکن اگر دیکھنے میں یہ آیئے کہ ہمیشہ معاشرہ میں اس طرح کی خلاف ورزی ہوتی رہی ہیں، تو اس صورت میں پولیس کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ قانون کی خلاف ورزی ہونے سے روک تھام کرے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر پوری دنیا میں تباہی اور فساد پھیل جائے گا اور جو افراد صحیح راستہ پر چلنا (بھی) چاہتے ہیں ان کے لئے راستہ بند ہوجائے گا۔
لہٰذا معاشرہ کی اکثریت کے لئے صحیح راستہ کے انتخاب کی راہ ہموار رہنے کے لئے جرائم پیشہ اور خلاف ورزی کرنے والوں کی روک تھام ضروری ہے اور ضرورت کے تحت ان کو سزا بھی دینا ہوگی تاکہ ترقی او رپیشرفت کا موقع فراہم رہے، ورنہ بعض جسمانی یا علمی قدرت اپنی شیطانی چالوں کی بنا پر معاشرہ کے مصالح کو خطرہ میں ڈال دیں گے جس سے انسان کو پیدا کرنے کا الٰہی مقصد پامال ہوجائے گا۔
یہ بات بجا ہے کہ انسان کو آزادی اور اختیار کی بنا پر صحیح راستہ کا انتخاب کرنا چاہئے لیکن یہ آزادی نامحدود نہیں ہے اور دوسروں کو اتنا اختیار نہیں دینا چاہئے تاکہ وہ دوسروں کے انتخاب کا راستہ ہی بند کردیں، اور قرآنی اصطلاح کے مطابق دوسروں کو خدائی راستہ پر چلنے سے روک دیں -(1)
لہٰذا طے یہ ہوا کہ خلاف ورزی کرنے والوں کا سد باب کیا جائے تاکہ وہ مومنین کو خدا کے راستہ پر چلنے سے نہ روکیں، لیکن اس بات پر بھی توجہ رہے کہ خلاف ورزی کی روک تھا م اورقوانین کو جاری کرنے کے لئے حکومت کے زور اور طاقت کا استعمال بھی خاص قوانین کے تحت اور بہت ہی ظرافت اورباریکی کے ساتھ ہونا چاہئے جن مواقع پر اسلام معاشرہ کے فوائد کے پیش نظر طاقت اور زور کے استعمال کی اجازت دیتا ہے اسی کے ساتھ ساتھ اس بات کا دھیان بھی رکھتا ہے کہ اس وقت بھی انتخاب کی راہ مسدود نہ ہونے پائے، خلاف ورزی کرنے والے کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا رہے مگر جرم اتنا خطرناک ہو کہ معاشرہ کے مصالح وفوائد کی حفاظت کرنے اور معاشرہ میں فساد وتباہی سے روک تھام کی غرض سے مجرم کو سزائے موت دینا پڑے۔

3- سزا دینے کے سلسلہ میں اسلام کا تربیتی پہلو

اسلام نے بعض جرائم کے لئے بہت سخت سزا معین کی ہیں، لیکن ان کو ثابت کرنے کے بھی سخت طریقہ پیش کئے ہیں جن سے جرم کا ثابت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے دوسری طرف اگر کوئی خطرناک جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے لئے سزابھی ایسی ہی سخت معین کی ہے تاکہ دوسروں کے لئے بھی عبرت ہو اور وہ اس کو دیکھ کر اس طرح کے جرائم کا ارتکاب نہ کریں کیونکہ سزا کے فلسفہ میں ایک حکمت یہ ہے کہ لوگ اس سزا کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں جس کے نتیجہ میں جرائم کم سے کم ہوں لہٰذا اس مقصد تک پہنچنے کے لئے جرم کے لحاظ سے سزا بھی ہونا چاہئے اور خطرناک جرائم کے لئے سزا بھی سخت سے سخت ہونا چاہئے، مثال کے طور پر چوری کے لئے کم سزا معین کی جائے مثلاً ایک مقدار جرمانہ یا کم مدت کے لئے قید، اس طرح جو لوگ چوری کرتے ہیں ان کے لئے وہ سزا (ایک حد تک) آسان ہو ، تو اس صورت میں معاشرہ میں ہونے والی چوریوں کو نہیں روکا جاسکتا، جس کے نتیجہ میں خداوندعالم نے سزا کی جو حکمت رکھی ہے وہ پوری نہیں ہوگی۔
لیکن اگر جرائم ثابت کرنا آسان ہوجائے اور لوگوں کو آسانی سے سزا ہوجایا کرے تو پھر معاشرہ میں سزا زیادہ ہوجائے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

گی کیونکہ بہت سے لوگ جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں، جس کے نتیجہ میں بہت سے خاندان کی حیثیت اورآبرو خاک میں مل جائے گی، اسی وجہ سے اسلام نے جرم کو ثابت کرنے کے طریقوں کو سخت قرار دیا ھے مثلاً زنا کے سلسلہ میں اسلامی سزا سخت ھے یہاں تک کہ اسلام نے حکم دیا ھے کہ زنا کار مرد اور عورت کو عوام الناس کے سامنے سزا دی جائے اور انسانی احساسات اور ہمدردی "حدود الٰھی" (اسلامی سزا) کے آڑے نہ آئیں معاشرہ سے اخلاقی برائیوں کو دور کرنے کے لئے زنا کی سزا عوام الناس کے سامنے دی جائے، ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کی عزت وآبرو کے خیال سے اس کو چھوڑ دیا جائے لیکن دوسری طرف سے جرم کو ثابت کرنے طریقے ایسے سخت قرار دئے ھیں تاکہ کم ھی لوگوں کے جرم ثابت ہوں، اور کم ھی افراد سزائے اعمال تک پہنچ پائیں۔

زنا کے سلسلہ میں اسلام کا حکم یہ ھے کہ چار عادل افراد گواھی دیں کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے ان کو زنا کرتے دیکھا ھے، یہاں تک کہ اگر تین افراد گواھی دیں اور چوتھا آدمی گواھی کے لئے نہ ہو تو ملزم کو بری کردیا جائے گا اور قاضی ان تینوں کو سزا دے گا اور ان پر "حد قذف"(2) جاری ہوگی۔

اسلامی احکام میں اس طرح کی ظرافت ، باریکی اور دقت خصوصاً سزا کے سلسلہ میں اس بات کی عکاسی کرتی ھے کہ اسلام کامقصد بلند وعالی اہداف کو جامہ عمل پہنانا اور عالی ترین اقدر کی رعایت کرنا ھے نیز معاشرہ کی حقیقتوں کی رعایت کرنا بھی ھے، اور صرف خیالی اور تصوراتی چیزوں پر اکتفاء نہیں کرتا در حقیقت معاشرہ کی ترقی کے لئے اسلامی طریقہ کار وھی ھے جس کو اسلام نے معین کیا ھے اور وہ "آرمان گرائی" (خیالی اور تصوراتی دنیا) اور "واقع گرائی" (حقیقت) کا درمیان راستہ ھے جس میں دونوں چیز شامل ھیں اسلام بلند اقدار کی رعایت ضروری مانتا ھے اور اس معاشرے کے اقدار کوخطرہ میں پڑ جانے کی اجازت نہیں دیتا؛ جیسا غیر اسلامی معاشرہ میں کیا کیا فسادات نظر نہیں آتے جس سے بہت زیادہ فساد اور بہت سی رسوائی سامنے آتی ھیں لہٰذا اسلامی معاشرہ کو ان برائیوں سے دور رکھنے کے لئے مجرموں کے لئے سخت سزا مقرر کی گئیں ھیں،دوسری طرف اسلام واقع گرا ھے اور یہ جانتا ھے کہ معاشرہ میں بعض لوگوں سے جرائم ہوں گے اسی وجہ سے حتی الامکان ان جرائم کو ثابت نہ ہونے کے لئے سخت طریقہ کار مقرر کئے ھیں الغرض قانون جاری ہونا چاھئے اور ان کو جاری کرنے والا ضامن ہونا چاھئے تاکہ اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے تو طاقت کے ذریعہ اس کو جاری کیا جاسکے، اس کے علاوہ انسانی خلقت کے اغراض ومقاصد کی بھی رعایت ہونا چاھئے اور وہ یہ ھیں کہ انسان کا کردار اختیاری اور اپنی مرضی سے ہو، دوسری طرف معاشرہ کے امور پر توجہ ہونا چاھئے تاکہ بے لگام آزادی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے معاشرہ کے مصالح کو خطرہ میں نہ ڈال دیا جائے۔

4۔ حکومت کے مخصوص ثابت او رمتغیر کام

جس وقت ہم قوانین کو دیکھتے ھیں تو ان میں بہت سے قوانین عوام الناس سے متعلق ہوتے ھیں جن پر عمل کرنا عوام کی ذمہ داری ہوتی ھے اور ان میں حکومت کا کام صرف کنٹرول کرنا، لوگوں کے قوانین کا لحاظ رکھنے کے سلسلہ میں منصوبہ بندی تیار کرنا اور خلاف ورزی سے روک تھام کرنا ہوتا ھے لیکن بعض قوانین خود حکومت سے متعلق ہوتے ھیں، اور خود حکومت کو ان پر عمل کرنا ہوتا ھے بلکہ عوام الناس ان پر عمل کرتی ھے کیونکہ قوانین کا یہ حصہ شہریوں کی ضرورتوں اور اقتصادی، سرمایہ گذاری اور خدمات سے متعلق ہوتا ھے جس کو عوام الناس انجام نہیں دے سکتی، اور عوام الناس ان کو انجام دینے کی قدرت نہیں رکھتے یا اگر قدرت رکھتے ھیں لیکن پھر بھی رضا کارانہ طور پر کوئی ان کو انجام نہیں دیتا، جن کے انجام نہ پانے سے معاشرہ کو نقصان کا سامنا کرنا ہوتا ھے؛ لہٰذا اس بات ایک منظم تنظیم اور ہم آہنگ کمیٹی بنام حکومت کو اس کام کی ذمہ دارہ سنبھالنے کی ضرورت ھے مثال کے طور پربیرونی دشمن کے مقابلہ میں ملک کا دفاع کرنا ، جنگ کرنا اور اس سلسلہ میں اسلحہ وغیرہ فراھم کرنا، یاپھیلنے والی خطرناک بیماریوں جیسے فلج اطفال (بچوں کا فالج)کے لئے "واکسیناسین" "vaccinatin" لگاناجو پورے ملک میں ایک معین دن صرف حکومتی پیمانہ پر ھی ممکن ہوسکتا ھے، اسی طرح عام صفائی یا بیماروں کے لئے ہاسپٹل وغیرہ کا انتظام کرنا، یا افیون وغیرہ جیسی نشہ آور چیزوں سے مقابلہ اور ان کے آنے جانے کے راستوں کو بند کرنا، اگرچہ عوام الناس بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ تا حد امکان لوگوں کو اس کام سے روک سکتے ھے لیکن وسیع پیمانہ پر اس عظیم برائی کی روک تھام کرنا عوام الناس کے بس کی بات نہیں ھے ، اسی طرح ان برائیوں کا مقابلہ جو معاشرہ میں کافی پھیل چکی ھیں وغیرہ وغیرہ یہ سب کام حکومت ھی کرسکتی ھے۔

قوانین کی تیسری قسم (عوام الناس)کی ضرورتیں ھیں جن کو خود عوام الناس بھی اور حکومت بھی انجام دے سکتی ھے لیکن زمانہ کے لحاظ سے ان اجتماعی امور کو انجام دینے کا طریقہ کار مختلف ہوجاتا ھے کیونکہ معاشرہ کے بہت سے امور مختلف زمانوں میں محدود طریقہ پر خود عوام الناس کے ذریعہ انجام پاتے رھے ھیں، لیکن آج کل کے لحاظ سے ان

کو انجام دینے کی قدرت عوام الناس میں نہیں ھے اور اگر یہ ذمہ داریاں عوام الناس کے سپرد کردی جائیں تو پھر وہ پوری نہیں ہوپائیں گی،جس کے نتیجہ میں معاشرہ کے مصالح پورے نہیں ہونگے؛ اسی وجہ سے حکومت کو اس سلسلہ میں قدم اٹھانا ضروری ہوتا ھے جیسے بچوں کا تعلیمی سلسلہ ، اگر چہ بچوں کی تعلیم خود والدین کی ذمہ داری ہوتی ھے لیکن آج کل کے حالات اس طرح کے ھیں کہ اگر ملک میں تعلیمی ادارے نہ ہوں تعلیم سے متعلق قوانین الزامی اور ضروری نہ ہوں اور مذکورہ ادارے اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری نہ نبھائیں تو پھر تعلیمی ترقی رک جائے گی اور جهل ونادانی کا رواج بڑھتا چلا جائے گا۔

اسی طرح آج کل کے ترقی یافتہ دور میں عام صفائی اور عام روشنی کا مسئلہ ھے اور یہ بھی حکومت کی ذمہ داری ھے، جب کہ گذشتہ زمانے میں حکومتوں کی یہ ذمہ داری نہیں ہوتی تھی اور بہت سی چیزوں کا تو بالکل وجود ھی نہیں تھا جیسے محکمۂ ٹیلویزن، لہٰذا یہ بات مسلم ھے کہ اس ترقی یافتہ دور میں حکومت کی بعض نئی ذمہ داریاں پیدا ہوگئی ھیں اور وہ ذمہ داریاں جن کو خود عوام الناس بھی انجام دی سکتی ھے لیکن چونکہ کوئی رضاکارانہ طور پر تیار نہیں ہوتا اور اگر حکومت بھی ان ذمہ داریوں کو انجام نہ دے تو پھر معاشرہ کا برا حال ہوجائے گا، جس کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ علم ، ٹکنالوجی اورصنعت میں پیچھے رہ جائے گا،اور اس کے علمی اور معنوی مصالح پورے نہیں ہوپائیں گے، کیونکہ معنوی ترقی اور کمال؛ علم ھی کے زیر سایہ ہوتا ھے ،معاشرہ میں علم ھی نہ ہوتو اس میں معنوی ترقی نہیں ہوسکتی۔

قارئین کرام ! ہماری بیان شدہ باتوں کے ذریعہ حکومت کی اہمیت، اس کا ثابت ڈھانچہ اور اس کے ارکان واضح ہوجاتے ھیں،حکومت کے مقومات اور اس کے عناصر کے نہ ہونے پر حکومت کھوکھلی ہوجاتی ھے، اور وہ عناصر درج ذیل ھیں:

1۔ قوانین مدنی (شہری قوانین) اور معاشرہ کے حقوقی قوانین کو جاری کرنے کی ضمانت، تاکہ اگر کوئی مخالفت کرے تو حکومت اپنی طاقت کے ذریعہ عوام الناس کو ان پر عمل کرنے پر مجبور کرے اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دے۔

2۔ معاشرہ میں ہمیشہ ضروری ثابت مصالح کو پورا کرنا، جن مصالح میں زمان ومکان کے بدلنے سے تبدیلی نہیں آتی، اور ان کو وسیع پیمانے پر صرف حکومت ھی انجام دے سکتی ھے مثلاً معاشرہ میں امن وامان کا برقرار کرنا حکومت کی ہمیشگی ذمہ داری ہوتی ھے، چاھے اس ملک کے عوام کی تعداد لاکھوں، کروڑوں اور اربوں ھی کیوں نہ ہو؟۔

لیکن وہ متغیر مصالح جو ہمیشہ حکومت کے ذمہ نہیں ہوتے اور اگر حکومت ان کاموں کو انجام نہ دے تو خود عوام الناس ان کو انجام دے سکتے ھیں لیکن آج کل کے نئے حالات ان ذمہ داریوں کو حکومت کے کاندھے پر رکھ دیتے ھیں، نیز نئی پیش آنے والی ضرورتیں حکومت کے مقومات میں قرار نہیں پاتیں۔

5۔ قوانین جاری کرنے کے طریقہ کار میں اسلامی اور غیر اسلامی حکومتوں میں فرق

اب جبکہ حکومت کی اہمیت اور اس کے وظائف معلوم ہوگئے ھیں ، تواسلامی حکومت اور دوسری حکومتوں کا فرق مختصر طور پر بیان کرنا مناسب ھے: اسلامی حکومت قوانین کے سلسلہ میں سیکولر اور لائیک حکومت سے بہت زیادہ فرق رکھتی ھے اور اسلامی حکومت کا دائرہ دوسری حکومتوں سے وسیع تر ھے؛ کیونکہ اسلامی حکومت میں معنوی اور روحانی مصالح کو بھی اہمیت دی جاتی ھے، اسی طرح قوانین جاری کرنے کا طریقہ کار بھی دوسری حکومتوں سے مختلف ہوتا ھے مثال کے طور پر دنیا کی تمام حکومتیں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں در آمد کی محتاج ہوتی ھے جس کا ایک حصہ ٹیکس وغیرہ سے حاصل ہوتا ھے اسلامی حکومت بھی ولی فقیہ کی اجازت سے لوگوں سے ٹیکس حاصل کرنے کے لئے قوانین مرتب کرتی ھے اور ان کو نافذ کرتی ھے چنانچہ ٹیکس کے سلسلہ میں بھی اسلامی حکومت دوسری حکومتوں سے فرق رکھتی ھے اور وہ یہ ھے کہ اسلام؛ مالیات اورٹیکس وغیرہ کے سلسلہ میں بھی انسانی وجود کے فلسفہ کو پیش نظر رکھتا ھے۔

یعنی اسلام اس بات پر زیا دہ زور دیتاھے کہ انسانی کام اور اس کی کارکردگی اپنے انتخاب اور مرضی سے ہوں جن کے سبب اس کی معنویات میںاضافہ ہو مالیات وصول کرنے میں حکومت اپنی قدرت بھی استعمال کرسکتی ھے اور لوگوں کو ٹیکس دینے پر مجبور کرسکتی ھے اور ترقی یافتہ ممالک میں تاکہ لوگوں کے ذہن پر ٹیکس وغیرہ گراں نہ گذرے اس لئے مختلف طریقے اپنائے جاتے ھیں جن کی وجہ سے لوگوں کے اعتراضات وغیرہ کم ہوجاتے ھیں جن میں ایک طریقہ یہ ھے کہ روزانہ کا وہ سامان جو عوام الناس ہر روز خریدتی ھے اسی میں ٹیکس رکھا جاتا ھے، اور عوام الناس اشیاء کی قیمت کے علاوہ ایک مقدار ٹیکس بھی حکومت کو ادا کرتی ھے۔

ظاھر سی بات ھے کہ (مذکورہ طریقہ پر) ٹیکس ادا کرنے سے کسی کو کوئی ثواب اور جزا نہیں ملتی؛ لیکن اسلام اس

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

موقع پر بھی انسان کے معنوی کمال کو مد نظر رکھتا ھے اسی وجہ سے لوگوں کو مالیات دینے پر مجبور نہیں کیا ھے اور خمس جیسے اسلامی ٹیکس کو جمع کرنے کے لئے کسی نمائندہ کو نہیں بھیجتا (جیسا کہ شیعہ فقہ میں ذکر ھوا ھے کہ اسلامی حکومت خمس کو زبردستی نہیں لیتی خصوصاً " ارباح مکاسب " (تجارت وغیرہ کی آمدنی) کا، ان چیزوں میں اگرچہ خمس واجب ھوچکا ھے لیکن خود مومنین اپنی مرضی اور رغبت سے اپنے سال کا حساب کرکے خمس نکالیں)اسی طرح زکوٰة میں اگرچہ اسلامی حکومت زکوٰة کو جمع کرنے کے لئے اپنا نمائندہ بھیجتی ھے،لیکن اس میں بھی لوگوں کی آزادی کا خیال رکھا جاتا ھے اسی وجہ سے جب زکوٰة جمع کرنے والے افراد مومنین کے پاس پہنچتے ھیں تو زکوٰة کی مقدار کو خود معین نہیں کرتے بلکہ خود مومنین حاصل شدہ جنس کی مقدار بیان کرتے ھیں تاکہ اس کی زکوٰة کا حساب کرکے، اور اس کو جمع کیا جاسکے یہاں پر (بھی) حقیقت حال جاننے کے لئے زکوٰة دینے والے کو مجبور نہیں کیا جاتا کہ زکوٰة دینے والا سچ کہہ رہا ھے یا جھوٹ بول رہا ھے، مگر جبکہ اس کا جھوٹ واضح ھورھا ھو اور اسلامی حکومت کا نقصان ھورھا ھو، یا ان افراد کے لئے جو علی الاعلان کہتے ھیں کہ ھم زکوٰة نہیں دیں گے، چنانچہ ان مواقع پر اسلامی حکومت اپنے طریقوں سے زکوٰة ادا کرنے پر مجبور کرتی ھے۔

قارئین کرام ! معلوم یہ ھوا کہ اسلامی حکومت کا دوسری حکومتوں پر ایک امتیاز یہ ھے کہ قوانین کو جاری کرنے کے طریقہ کار میں اسلامی اقدار کا لحاظ رکھا جائے، اور اس موقع پر عوام الناس کی آزادی، ان کے انتخاب اور انسانی اقدار وشرافت کے طرفدار افراد اس نکتہ پر توجہ کریںکہ اسلام نے عوام الناس کی معقول آزادی کو مکمل طور پر نظر میں رکھا ھے، اور اس بات کی کوشش ھے کہ مومنین اپنی مرضی سے اپنے وظائف پر عمل کریں، جس کی بنا پرمعنوی ترقی اورکمال کے درجات پر فائز ھوں اور اگر بعض موارد میں اسلام شدت سے پیش آتا ھے اور بعض لوگوں کے مطابق تشدد (شدت پسندی) سے کام لیتا ھے، تو وہ اس وجہ سے ھے کہ دوسرے افراد کے معنوی کمالات حاصل کرنے کی راہ مسدود نہ ھوجائے اور اگر بعض لوگوں کو سخت سزا دی جانے کی وجہ یہ ھے کہ لوگ اس کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں،اور وہ اس طرح کے کام کرنے سے باز رھیںجس کے نتیجہ میں معاشرہ میں مادیات اور معنویات کی ترقی ھو بھرحال اسلامی نقطہ نظر سے انفرادی آزادی مطلق (نا محدود) نہیں ھے اور جب یہ آزادی معاشرہ کے لئے نقصان دہ ھو تو پھر یہ آزادی محدود ھوجاتی ھے، اور ضرورت کے وقت یہ آزادی محدود کر دی جاتی ھیناور ضرورت کے وقت تشدد سے بھی کام لیا جاتا ھے، بعض مجرموں کو کوڑے لگتے ھیناور بعض کے ھاتھ کاٹے جاتے ھیں اور بعض حالات میں بہت ھی کم تعداد میں مجرموں کو سزائے موت بھی دی جاتی ھے لیکن یہ تمام سزائیں اس وجہ سے ھینکہ ان کو دیکھ کرمجرمین عبرت حاصل کریں اور قانون کے مطابق عمل کریں۔

ظاھر سی بات ھے کہ جب اسلام نے چوری کرنے اور عوام الناس کے چین وسکون اور امنیت کو ختم کرنے والے کے ھاتھ کاٹنے کا حکم دیا ھے، تاکہ دوسرے اس سے عبرت حاصل کریں اور چوریاں کم ھوں، اور اس رسوائی میں پھنسنے کے راستے کم ھوں لیکن اگر اسی چوری کے لئے آسان سے آسان سزا رکھی جاتی مثلاً چور کو کچھ مدت کے لئے قید کرنا یا ایک مقدار میں جرمانہ ادا کرنا تو پھر چوروں کی تعداد بہت زیادہ ھوجاتی، اور ممکن تھا جو لوگ کسی جرم کی بنا پر زندان میں ھوں تو چوروں کے ساتھ رھنے سے وہ بھی چوری کرنا سیکھ جاتے۔! قارئین کرام ! ھم حقیقت کہنے سے نہیں ڈرتے اور واضح طور پر کہتے ھیں کہ اسلام میں شدت عمل اور (سخت) سزائیں اور غیروں کے مطابق تشدد ھے مجرموں اور فاسدوں کے لئے بھی تشدد روا ھے اور کفار اور اسلام کے دشمنوں کے لئے بھی؛ جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ھے:

(مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ وَالَّذِینَ مَعَہ أَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَہمْ)(3)

"محمد (ص) اللہ کے رسول ھیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ھیں وہ کفار کے لئے سخت ترین اور آپس میں انتہائی رحم دِل ھیں "

اسی طرح خداوندعالم لوگوں کو عبرت دینا اور مجرم کو ذلیل کرنا ضروری سمجھتا ھے :

(وَلْیَشْہدْ عَذَابَہمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِین)(4)

"اور اس سزا کے وقت مومنین کی ایک جماعت کو حاضر رھنا چاھئے "

قارئین کرام ! آپ حضرات نے ملاحظہ فرمایا کہ اسلام اور قرآن بعض موارد میں تشدد کے ساتھ عمل کرنے اور مجرم کو ذلیل کرنے کو ضروری سمجھتا ھے، اور ھم ان آیات کو قرآن سے نہیں مٹاسکتے اگر اس طرح کی سزا کو بعض لوگ انسانی شرافت کے خلاف سمجھتے ھیں تو ھم عرض کرتے ھیں کہ اجتماعی مصالح کی حفاظت کے لئے بعض مواقع پر مجرموں اور فاسدوں کے ساتھ انسانی شرافت کے خلاف کام واجب اور ضروری ھے جب کہ حقیقت یہ ھے کہ اس طرح کی سزا حقیقی خشنونت نہیں ھیں بلکہ عوام الناس کی اجتماعی معقول آزادی سے بھرہ مند ھونے کی راہ ھموار کرنا اور

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اس کا ایک مقدمہ ھے۔

حوالے:

(1) ”الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ “(سورہ محمد آیت اول)جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو راہ خدا سے روکا خدا نے ان کے اعمال کو برباد کردیا(اضافہ مترجم
(2)) ” حدّ قذف “ زنا کی تہمت لگانے والے پر ۸۰ کوڑے لگائے جاتے ھیں،جس کی صراحت سورہ نور کی آیت نمبر 4 میں وارد ھوئی ھے (مترجم)
(3)سورہ فتح آیت ۲۹
(4)سورہ نور آیت 2

اسلام اور سیاست جلد(2)

انتیسواں جلسہ

اسلامی حکومت کی ذمہ داری کے بارے میں نظریات

1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
جیسا کہ ھم نے گذشتہ جلسوں میں عرض کیا کہ اسلامی سیاسی نظام میں حکومت کی اھمیت اور اس کے قوانین کو نافذ کرنے کی ذمہ داری کی معرفت اس بات پر مبنی ھے کہ حکومت کی تشکیل خصوصاً اس سلسلہ میناسلامی آئیڈیل کی شناخت کی جائے اسی طرح ھم نے حکومت کے وظائف اور ذمہ داریوں کے بارے میں بیان کیا تھا جن کا خلاصہ درج ذیل ھے:
1۔ ان قوانین کو جاری کرنے کی ضمانت جو براہ راست عوام الناس کے ذمہ ھوتے ھیں۔
2۔ کیفری اور سزائی قوانین کا جاری کرنا جو براہ راست حکومت کے ذمہ ھوتے ھیں؛ یعنی اگر بعض لوگوں نے قوانین اوّلی پر عمل نہ کیا اور ان کی خلاف ورزی کی تو ان لوگوں کو سزا دےنا حکومت کی ذمہ داری ھے۔
3۔ معاشرہ کی ان ضرورتوں کو پورا کرنا جن کو صرف حکومت ھی انجام دے سکتی ھے اور وہ انفرادی یا گروھی شکل میں انجام نہیں دی جاسکتیں جس کی بھترین مثال بیرونی دشمن کے مقابلہ میں دفاع ھے، عوام الناس اور گروھوں کی قدرت سے بالاتر ایک قدرت (حکومت) ھو جو اس کام کو اپنے ذمہ لے،(اور بیرونی دشمن کو دندان شکن جواب دے سکے)۔
4۔ ان ضرورتوں کو پورا کرنا جو پھلے مرحلہ میں حکومت کے ذمہ نہیں ھیں بلکہ خود عوام الناس بھی ان امور کو انجام دے سکتی ھے، لیکن بعض وجوھات کی بنا پر وہ عملی جامہ نہیں پھن پاتی ھیناور نہ ھی ان کا کوئی خاص فرد ذمہ دار ھوتا ھے مثلاً عام صفائی اور دیگر خدمات وغیرہ جن کو خود عوام الناس بھی انجام دے سکتی ھے لیکن ان کاموں کو انجام دینے میں رغبت نہیں پایی جاتی، یا ان کے وسیع ھونے یا ان میں مشکلات ھونے کی وجہ سے ان کے لئے خاص طریقہ پر منصوبہ بندی کی ضرورت ھوتی ھے اور اس کام کو حکومت ھی انجام دے سکتی ھے۔
5۔ حکومت کی مھم ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری معاشرہ کے عام درآمدی منابعسے فائدہ اٹھاناھے جس کو اسلامی ثقافت میں ”انفال“ کھا جاتا ھے، مثلاً جنگل، دریا، تیل اور گیس، یا سونے چاندی کی کانینوغیرہ جن کا کوئی مخصوص مالک نہیں ھوتا اور کسی کو ان سے ذاتی طور پر فائدہ اٹھانے کا حق (بھی) نہیں ھوتا، تو انھیں چیزوں کے پیش نظر اس بات کی ضرورت ھے کہ ان چیزوں کی حفاظت کے لئے کوئی کمیٹی (یاحکومت) ھو تاکہ ان معدنوں سے صحیح فائدہ اٹھاکر معاشرہ کی ا صلاح کے لئے خرچ کیا جاسکے۔
ظاھر سی بات ھے کہ حکومت کے وظائف اور اس کی مخصوص ذمہ داریوں کی شناخت کے بعد اس کے وجود کا فلسفہ بھی (آسانی) سے سمجھا جاسکتا ھے اسی طرح عام طور پر اس کی اھمیت بھی معلوم ھوجاتی ھے، لیکن اس نکتہ پر توجہ ضروری ھے کہ اسلامی حکومت کا خاص امتیاز یہ ھے کہ وہ مادی امور جن کو عام حکومتیں بھی انجام دیتی ھیں ان کے علاوہ معاشرہ میں معنوی اور روحانی امور کو ملحوظ خاطر رکھنا ھوتا ھے، اسی لئے اسلامی شعار کی حفاظت کرنا،

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

دینی عام معلومات کا فراھم کرنااور اسلام واسلامی مقاصد کو بھتر سے بھتر رواج دینا اسلامی حکومت کی مخصوص ذمہ داری ھے۔

2۔ اسلامی حکومت کے عھدہ داروں کے شرائط

اب جبکہ معلوم ھوگیا کہ اسلامی حکومت کی عظیم ذمہ داریاں ھوتی ھیں تو پھر حکومت کے مختلف عھدہ داروں مینکن شرائط کا ھونا ضروری ھے کیونکہ عھدہ داروں کے شرائط بھی ان کے وظیفوں کے لحاظ سے ھونا ضروری ھیں، اور جس قدر وظائف عظیم اور مھم ھونگے اسی لحاظ سے اس کے عھدہ داروں کے شرائط بھی عظیم ھونا ضروری ھیں ، اور چونکہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری دوسری حکومتوں سے زیادہ ھوتی ھے تو اس کے عھدہ داروں کے لئے بھی مھم شرائط ھونا ضروری ھیں ھر حکومت میں قوانین کو نافذ ھونا چاھئے، لیکن لائیک حکومتوں کی نسبت اسلامی حکومت کے قوانین کا دائرہ وسیع تر ھے جیسا کہ ھم نے قانون کے سلسلہ میں عرض کیاکہ غیر دینی حکومتوں میں قوانین کو صرف معاشرہ کی مادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بنایا جاتا ھے، جیسا کہ سیاسی فلاسفہ کھتے ھیں کہ حکومت کی ذمہ داری صرف اجتماعی طور پر امن وامان قائم کرنا اور ھرج ومرج(بد امنی) سے روک تھام ھے، لہٰذا اس طرح کے اھداف آسان شرطوں کے ساتھ پورے ھوسکتے ھیں، لیکن اگر اس مقصد کے ساتھ ایک عظیم ھدف معنوی مصالح اور دینی والٰھی اقدار کا اضافہ ھوجائے (جیسا کہ قانون اساسی (بنیادی قوانین) میں موجود ھے اور ان کو نافذ کرنا حکومت کی ذمہ داری ھے) تو اسلامی حکومت کے عھدہ داروں کے شرائط دیگر حکومتوں کے عھدہ داروں سے سخت ھوجائیں گے۔

قارئین کرام ! ھم اپنے اس مقدمہ کو بیان کرنے کے بعد مناسب سمجھتے ھیں کہ قوانین نافذ کرنے والے عھدہ داروں کے شرائط بیان کریں، (لہٰذا ھم عرض کرتے ھیں کہ) قوانین کے نافذ کرنے والے عھدہ داروں کے عام طور پر تین شرائط ھیں جن کے بارے میں تمام حکومتوں میں کوشش کی جاتی ھے کہ وہ شرائط عھدہ داروں میں ھونے چاھئے، اوراسلامی حکومت کے عھدہ داروں کے شرائط کے سلسلہ میں قرآن وحدیث میں بیان شدہ دلائل کے علاوہ ایسے عقلی (اور منطقی) دلائل ھیں جن میں انسان اعتراض نھیں کرسکتا:

الف۔ قانون کی پھچان

جو شخص قانون کو نافذ کرنے کا عھدہ سنھالنا چاھتا ھے تو اس کے لئے اس سے آگاھی ضروری ھے نیز اس کے شرائط اور اس کو جاری کرنے کا طریقہ کار بھی جانتا ھو اگر کوئی شخص قانون نہ جانتا ھو تو اس کو نافذ بھی نھیں کرسکتا، جس کی بنا پر قانون کو نافذ کرنے میں غلطی کر بیٹھے گااور اپنی ذمہ داری کو ھی نقصان پھنچائے گا اور چونکہ اسلامی حکومت کے قوانین اسلامی اصول کے مطابق ھوتے ھیں تو ھر عھدہ دار اور مدیر کے لئے اپنے ما تحت انجام پانے والے امور کے بارے میں شرعی قوانین کا علم ھونا ضروری ھے کیونکہ ان قوانین کے تحت کام کرنااس کی ذمہ داری ھے اور جو شخص کسی کام کی ذمہ داری اپنے اوپر لیتا ھے تو اس کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنا خاص اھمیت رکھتا ھے اور چونکہ جیسی ذمہ داری ھوتی ھے اسی لحاظ سے اس کی اھمیت ھوتی ھے مثال کے طور پر کسی انسان کو ایک چھوٹی سی ذمہ داری دی جاتی ھے تو اس کے قوانین اور مقررات بھی محدود ھوتے ھیں لیکن کبھی اس کی ذمہ داری اس سے بڑھ کر ھوتی ھے جیسے ڈپٹی کمشنر تو اس کے لئے ضروری ھے کہ وہ اپنے ما تحت مختلف اداروں، ان میں نافذ ھونے والے قوانین اور ان کی دیکہ بھال کے بارے میں پوری معلومات رکھتا ھو، اسی طرح ذمہ داریاں بڑھتی رھتی ھے، یھاں تک کہ وزیر اور وزیر اعظم یا صدر مملکت جو ملک کا سب سے بڑا عھدہ ھوتا ھے اس کے لئے مختلف قانون کے بارے میں مزید معلومات کا ھونا ضروری ھے، لہٰذا اس عظیم عھدہ کے لئے وھی شخص لیاقت رکھتا ھے جو دوسروں سے زیادہ قوانین کے بارے میں علم رکھتاھو۔

ب۔ اخلاقی صلاحیت

اسلامی حکومت کے عھدہ دار، مدیر اور کارگزاروں کو قوانین کے بارے میں معلومات رکھنے کے علاوہ ان میں اخلاقی شائستگی ھونا (بھی) ضروری ھے تاکہ اپنے عھدے اور موجود امکانات سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاسکے، اور ان کو اپنی ذمہ داری کو صحیح طور پر نبھاتے ھوئے ان کو کام میں لائے، اور اس میں ذاتی مفاد یا کسی خاص گروپ کا فائدہ اس کو اپنے وظائف پر عمل کرنے سے نہ روکے ممکن ھے کوئی شخص قوانین کو خوب اچھی طرح جانتا ھو لیکن اگر اس قانون کو جاری کرنا اس کے نفع میں نہ ھو تو ھوسکتا ھے وہ اپنے فائدہ کے لئے قانون کو پامال کردے اس کی مثال دنیا کے مختلف ممالک میں دیکھنے کو ملتی ھے کہ ملک کے بڑے بڑے عھدہ داروں نے کتنا غبن کیا (کیسے کیسے گھوٹالے کئے) جن

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کی خبریں دنیا بھر کے اخباروں کی سرخی بنتی ھیں کہ مثلاً فلاں ملک کا صدر مملکت فلاں گھوٹالے کی وجہ سے جیل بھیج دیا گیایا فلاں وزیر یا فلاں عھدہ دار کو فلاں سزا ھوگئی اس کی وجہ یہ ھے کہ وہ لوگ قوانین کو اپنے حق میں مانع دیکھتے ھیں، (لھٰذا ان کو پامال کرتے ھوئے اپنے منافع کو ترجیح دیتے ھیں)، ان میں تقویٰ اور اخلاقی صلاحیت نھیں پائی جاتی کہ جس کی وجہ سے معاشرہ کو اپنی ذات پر ترجیح دیناسی وجہ سے وہ قوانین کو پامال کردیتے ھیں۔
لھٰذا طے یہ ھوا کہ قانون کے رکھوالوں کے لئے اخلاقی صلاحیت کا ھونا ضروری ھے اور اس قدر تقویٰ ھونا ضروری ھے کہ اپنی ھوا وھوس اور ذاتی مفاد کا مقابلہ کریں اور (ھمیشھ) حق کو مقدم رکھیں۔

ج۔ مدیریتی مھارت اور تجربہ
قانون کے ذمہ دار افراد قانون کو صحیح طریقہ سے جاری کریں اور ان کو خاص اور جزئی موارد میں منطبق کرنے کے لئے کافی حد تک تجربہ اور مھارت کا ھوناضروری ھے، اور صرف قوانین کے بارے میں معلومات ھونا کافی نھیں ھے کیونکہ ممکن ھے کہ بھت سے لوگ قوانین کو اچھی طرح جانتے ھوں اور تقویٰ اور صلاحیت بھی رکھتے ھوں لیکن قوانین کو جاری کرنے کا تجربہ اور مھارت نہ ھو، اور عملی میدان میں قوانین کو اس کے مصداق پر تطبیق نہ کرسکتے ھوں لھٰذا حکومت کے بڑے عھدہ دار کسی ایسے شخص کو ذمہ دار قرار نہ دیں جو کافی مقدار میں مھارت اور تجربہ نہ رکھتا ھو لھٰذا مدیریت کو ثمر بخش ھونے کے لئے اس شرط کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ھے۔
قارئین کرام ! دنیا کے تمام ھی ممالک میں یہ کوشش کی جاتی ھے کہ حکومت کے عھدہ داروں میں یہ شرط ھونا چاھئے؛ اسی طرح اسلام نے بھی حکومت کے عھدہ داروں کے لئے ان تین شرائط کو لازم اور ضروری جانا ھے اور ان کو بھت زیادہ اھمیت دی ھے، لیکن دوسری شرط؛ یعنی تقویٰ اور اخلاقی صلاحیت پر اسلام نے بھت زیادہ توجہ دی ھے جبکہ دنیا کے دوسرے ممالک میں دوسری دو شرطوں پر توجہ دی جاتی ھے اور عھد ہ داروں کے لئے تقویٰ وعدالت پر زیادہ دھیان نھیں دیا جاتا ھاں اس شرط کو فقط اس حد تک ضروری سمجھتے ھیں کہ بعض حکومتی عھدوں کے لئے جن ا شخاص کو منتخب کرتے ھیں وہ جرائم میں ملوث نہ ھو۔

3۔ عھدہ داری کے شرائط کا نصاب معین کرنے کی ضرورت
قارئین کرام ! ایک قابل توجہ نکتہ جس پر مختلف سیاسی مکتب میں توجہ کی جاتی ھے وہ(مذکورہ) شرائط کے مختلف درجات ھیں جو اقدار کی وجہ سے مختلف ھوتے ھیں مثلاً جس طرح تقویٰ کے مختلف درجات ھوتے ھیں جس کا سب سے کمترین درجہ یہ ھے کہ انسان اپنے واجبات کو انجام دے اور گناھوں سے اجتناب کرے، اس کا ایک درجہ وہ ھے جس پر اولیاء اللہ اور دینی عظیم پیشوا مثل امام خمینی رحمة اللہ علیہ یا وہ افراد جن کا مقام معصومین علیھم السلام سے قریب ھوتا ھے؛ فائز ھوتے ھیں ،اور اس درجہ کے ھوتے ھوئے ان کے خیال وفکر میں بھی ناجائز تصور نھیں آتے۔
اب سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ حکومتی عھدوں کو حاصل کرنے کے لئے کس درجے کا تقویٰ؛ معیار اور ملاک قرار دیا جانا چاھئے، اور اگر تقویٰ کا بلند ترین درجہ معیار قرار دیں تو پھر ایک مشکل پیداھوجائے گی کہ اس طرح کے افراد بھت کم ھوتے ھیں جو شاید ملک کے عظیم اور مھم عھدوں کے لئے ھی کافی ھو، لیکن دوسرے عھدوں کے لئے کافی نہ ھونگے، اور اگر کمترین درجے والے تقویٰ کو معیار قرار دیں تو وہ مقام عمل میں سودمند نھیں ھوتا جس کی بنا پر خلاف ورزیاں ھوتی رھینگی،اور جس کے نتیجہ میں اپنے مقصد تک نھیں پھنچا جاسکتا یہ مسئلہ انسانی کردار کے مختلف بنیادی مشکلات اور مسائل کے حل کے مقابلہ میں ھے، لیکن بعض افراد کا یہ ماننا ھے کہ عھدہ داری کے لئے یا تمام تر اخلاقی صلاحیت پائی جائیں اور اگر تمام صلاحیت نہ ھوں تو پھر کسی بھی صلاحیت کا ھونا ضروری نھیں ھے، ”یا سب کچھ یا کچھ بھی نھیں“ یعنی یا تو انسان میں بلندترین صفات ھونا چاھئے یا بالکل بھی صفات کا ھونا ضروری نھیں ھے اور یہ نظریہ انسانی علوم کے مختلف شعبوں میں جن میں سے ایک فلسفہ اخلاق بھی ھے ؛ پایا جاتا ھے۔

4۔ اخلاقی صفات کے بارے میں ”کانٹ“ کے نظریہ کی ردّ
جو لوگ اخلاقی فلسفہ سے آشنائی رکھتے ھیں ان کو معلوم ھے کہ جرمنی فیلسوف ”کانٹ“ کا ایک نظریہ ھے جس کے بھت زیادہ طرفدار (بھی) پائے جاتے ھیں، اس کا نظریہ یہ ھے کہ وہ اخلاقی صفت اس وقت اھمیت پیدا کرتی ھے جب وہ بلند ترین درجے پر فائز ھو اور کسی دوسری چیز پر توجہ کئے بغیر اس کو اپنایا جائے، محبت ، احساسات اور معاشرہ کی وجہ سے نہ ھو، یعنی اگر انسان کوئی نیک کام کرنا چاھے تو فقط اس کو اس کے نیک ھونے کی وجہ سے انجام دے، اس پر مرتب ھونے والے اثر (وثواب) کے لئے نھیں،اور نہ اپنی خواھش کو پورا کرنے یا محبت کی تسکین کے لئے، لھٰذا اگر

کوئی ماں آدھی رات بچے کے رونے کی آواز سن کر اپنی میٹھی نیند سے بیدار ھوکر بچے کو اپنی گود میں لے اور اس کو دودھ پلائے ، اگرچہ عوام الناس کی نظر میں یہ کام بااھمیت ھے ، لیکن کانٹ کے نزدیک اس کام کی کوئی قدر وقیمت نہیں ھے کیونکہ ماں نے اپنی مامتا اور بچے سے شدید محبت کی وجہ سے اس کو دودھ پلایا ھے اور اگر وہ اس بچے کو دودھ نہ پلائے تو پریشان ھوجائے گی ، در حقیقت ماں نے اس بچے کو دودھ پلاکر اپنی مامتا کو ٹھنڈا کیا ھے۔
اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کام کو معاشرہ کی بھلائی کے لئے انجام دے یا عوام الناس کے اعتماد کو جلب کرنے کے لئے سچ بولے، تو ان کاموں کی کوئی ارزش واھمیت نہیں ھے سچائی کی اھمیت اس وقت ھے جب صرف اس کی خوبی کو مد نظر رکہ کر سچ بولے۔
قارئین کرام ! جیسا کہ آپ حضرات نے ملاحظہ فرمایا کہ کانٹ نے اخلاقی اقدار کے لئے بھت سخت شرائط بیان کئے ھیں جس کے تحت بھت کم افراد ھی اس کے مصداق مل پائیں گے، اور بھت ھی کم افراداخلاقی اقدار والے مل پائیں گے؛ کیونکہ یہ اخلاق کبھی تو مامتا کی وجہ سے یا اور کبھی اجتماعی فائدہ کی وجہ سے یا اُخروی ثواب کے لئے ھوتاھے۔
لہٰذا اگر اخلاقی صفات میں تمام صفات پائے جائیں تو وہ صحیح ھے لیکن اگر ان میں کچھ شرائط نہ پائے جائیں تو اس کی کوئی اھمیت نہیں ھے اسی طرح دوسری چیزوں میں بھی منجملہ سیاست اور حکومت کے بارے میں، کہ وہ حکومت بر حق ھے جس کے تمام عھدہ دار اعلیٰ شرائط پر فائز ھوں اور اگر ایسے افراد موجود ھوں تب کھیں حق کی حکومت کی بارے میں سوچا جاسکتا ھے۔
اسلامی انقلاب سے پھلے ھمارے معاشرہ میں بھی بعض دیندار افراد لیکن سخت دل اور کج فکر رکھنے والے اس طرح کا نظریہ رکھتے تھے اور کھتے تھے: اگر اسلامی حکومت بنانا چاھتے ھیں تو جب ھمارے معاشرہ میں سلمان فارسی جیسے افراد کی تعداد کافی مقدار میں موجود ھونگی تاکہ ایسے ھی افراد کو شھر کا حاکم بنایا جائے ، اور جب تک ھمارے پاس ایسے افراد نہ ھوں تو پھر ھمیں انقلاب لانے کی کوئی ضرورت نہیں ھے۔
ان تنگ نظر لوگوں کا نظریہ تھا کہ حضرت امام زمانہ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کے ظھور تک اسلامی انقلاب کے لئے راستہ ھموار نہیں ھوگا، لہٰذا ھمیں انقلاب کی کوئی ضرورت نہیں ھے ، اور ھمیں انتظار کرنا چاھئے یھاں تک کہ حضرت امام مھدی (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) اپنے تین سو تیرہ ممتاز ساتھیوں کے ساتھ آکر انقلاب برپا کریں اور عدل وانصاف کی حکومت قائم کریں ان لوگوں کا خیال یہ تھا کہ اس وقت تقویٰ اور اخلاقی صفات کے مالک افراد نہیں ھیں لہٰذا انقلاب برپا کرنا صحیح نہیں ھے متقی اور مخلص افراد کی تعداد اس قدر ھوکہ حکومت کے مھم عھدے ان کے سپرد کئے جاسکیں، تاکہ وہ معاشرہ کو صحیح طریقہ سے چلاسکیں اور معاشرہ میں کسی طرح کا نقص وعیب پیدا نہ ھوسکے۔
قارئین کرام ! اس نظریہ پرچھوٹے سے چھوٹا اشکال یہ ھے کہ اس طرح کی نمونہ حکومت کسی بھی وقت نہیں بن سکتی، اور جب تک تقویٰ اور اخلاق سے مزین ایسے افراد کی تعداد حدّ نصاب تک نہ پھنچے اسلامی حکومت کی فکر کرنا ھی بے کار ھے؛ تو اس صورت میں معاشرہ میں فساد و تباھی پھیلتی چلی جائے گی، اور اجتماعی وسیاسی مثبت پھلو کی طرف ترقی ھونے کے بجائے ان کا راستہ بالکل محدود ھوکر رہ جائے گا۔

5-اقدار اور وظائف کے بارے میں اسلامی درجہ بندی نظریہ
مذکورہ ایک پھلو والے اقدار کے نظریہ کے برخلاف؛ بعض حکومتوں میں چاھے انفرادی کردار ھو یا اجتماعی اور سیاسی مختلف مراتب اور مختلف نمونے پیش کئے گئے ھیں: اول درجہ میں ایک آئیڈیل(نمونہ) پیش کیا جاتا ھے اس کے بعد دوسرے درجے والے نمونے اور کمترین شرائط والے نمونے ، اس کے بعد مجبوری والے نمونے پیش کئے جاتے ھیں اسی طرح اسلام نے مختلف مواقع پر درجات والے نمونے بیان کئے ھیں مثال کے طور پر اسلام نے انسان پر تمام شرائط کے ساتھ نماز واجب کی ھے لیکن اگر انسان مجبوری کی حالت میں ھو تو پھر وہ کامل شرائط ضروری نہیں ھوتے، بلکہ وہ اس وقت سے مخصوص ھیں جب انسان ان شرائط اور اجزاء پر قدرت رکھتا ھو ، لیکن مجبوری یا اضطراری حالت میں وہ شرائط کم ھوجاتے ھیں مثال کے طور پر جن مواقع پر انسان کے لئے غسل کرنا واجب ھوجاتا ھے لیکن اگر پانی موجود نہ ھو یا پانی اس کے بدن کے لئے نقصان دہ ھو، یا اگر اس کا وظیفہ وضو کرنا ھو لیکن ٹھنڈا پانی اس کے لئے نقصان د ہ ھو اور وہ وضو نہ کرسکتا ھو ، تو اسلام ”یا سب کچھ یا کچھ بھی نہیں“ کے نظریہ کو قبول نہیں کرتا اسلام یہ نھینکھتا کہ نماز صرف اس صورت میں واجب ھے جب تمام شرائط موجود ھوناو رنماز کو تمام تر مقدمات اور شرائط کے ساتھ بجالائے اور اس کے علاوہ نماز نہیں ھوگی،بلکہ اسلام نے اس طرح کے مواقع پر اسی لحاظ سے وظیفہ معین کیا ھے، چنانچہ مذکورہ صورت کے بارے میں فرمایا کہ اگر انسان وضو اور غسل کے ذریعہ نماز نہیں پڑہ سکتا تو تیمم کے ساتھ نماز پڑھے، اور اگر کھڑے ھوکر نماز نہیں پڑھی جاسکتی تو بیٹہ کر پڑھے، اور اگر کوئی شخص بیٹہ کر بھی نہیں پڑہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

سکتا تو لیٹ کر پڑھ لے، اور اگر ھاتہ پیر اورزبان کو حرکت نھیں دے سکتا لیکن ھوش میں ھو تو اس سے بھی نماز ساقط نھیں ھے تو اس نازک حالت میں بھی اسی حالت کے لحاظ سے نماز واجب ھے۔
مقصد یہ ھے کہ اسلامی اقداری نظام میں کیفیت اور کمیت (تعداد) کے لحاظ سے سیاسی، اجتماعی اور شرعی وظائف کے درجات رکھے گئے ھیں جن میں سے ھر ایک انسان کی حالت کے لحاظ سے اھمیت رکھتے ھیں، اول درجہ میں سب سے بلند درجہ مد نظر ھے اس کے بعد دوسرا درجہ اور پھر تیسرا درجہ یھاں تک انسان کی مجبوری کے لحاظ سے جس مقدار بھی انجام دے سکتا ھے اسی کو کافی گردانتا ھے۔

6۔عبادت کے بھی مختلف درجات ھیں
دوسری مثال جس سے کانٹ کے نظریہ کا فرق واضح ھوجاتا ھے ؛ یہ ھے کہ اسلام عبادت کے سلسلہ میں مراتب اور درجات کا قائل ھے؛ کیونکہ سب سے بھترین عبادت وہ عبادت ھے جو صرف اور صرف خدا کی محبت اور اس کی شکر گذاری کے لئے انجام دی جائے جیسی عبادت حضرت علی علیہ السلام انجام دیتے تھے، جیسا کہ آپ اپنی مناجات میں عبادت کی توصیف کرتے ھوئے فرماتے ھیں:
”اِلٰھی مَا عَبَدْتُکَ خَوْفاً مِنْ عِقَابِکَ وَلاٰ طَمَعاً فِی ثَوَابِکَ وَلٰکِنْ وَجَدْتُکَ أَھلاً لِلْعِبَادَةِ فَعَبَدْتُکَ “ (1)
”پروردگارا ! میں تیری عبادت تیرے عذاب کے ڈر سے یا تیرے ثواب کے لالچ میں نھیں کرتا بلکہ تجھے عبادت کا حقدار پاتا ھوں تو تیری عبادت کرتا ھوں۔“
”اِنَّ قَوماً عَبَدُوْا اللهَ رَغْبَةً فَتِلْکَ عِبَادَةُ التُّجَّارِ وَاِنَّ قَوماً عَبَدُوْا اللهَ رَھبَةً فَتِلْکَ عِبَادَةُ الْعَبِیْدِ وَاِنَّ قَوماً عَبَدُوْا اللهَ شُکْراً فَتِلْکَ عِبَادَةُ الأَحْرَارِ۔“(2)
”بعض لوگ خدا کی عبادت؛ بخشش کی امید میں کرتے ھیں تو ایسی عبادت تاجروں کی عبادت ھے، اور بعض لوگ خدا کی عبادت اس کے خوف کی وجہ سے کرتے ھیں تو یہ غلاموں کی عبادت ھے، اور بعض لوگ خدا کی عبادت اس کے شکر کی وجہ سے کرتے ھیں اور یھی عبادت آزاد افراد کی عبادت ھے۔“
قارئین کرام ! حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنے اس بیان میں سب سے بھترین عبادت اس عبادت کوقرار دیتے ھیں جو صرف اور صرف خدا کے شکر کے لئے بجالائی جائے، اور اسلام بھی یھی چاھتا ھے کہ تمام مومنین اسی طرح عبادت کریں، لیکن یہ بات واضح ھے کہ تمام مومنین اس طرح کی قابلیت اور ھمت نھیں رکھتے کہ اس طرح کی عبادت بجالاسکیں، کیونکہ اس طرح کی عبادت صرف خالص اولیاء الله ھی انجام دے سکتے ھینجن کا مقام اتنا بلند ھوجاتا ھے کہ وہ جمال پروردگار میں محو ھوجاتے ھیں، اور اگر ان کو جھنم میں (بھی) لے جایا جائے تو وہ پھر بھی خدا کی عبادت اور اس سے مناجات کرنا ترک نھیں کریں گے یا اگر ان کو جنت سے محروم کردیا جائے تو وہ پھر بھی خدا کی عبادت کو ترک نھیں کریں گے لیکن اس میں کوئی شک نھیں ھے کہ اس طرح کے افرادلاکھونمیں ایک دو ھی مل پائیں گے۔
بھر حال اگر ھم کانٹ کے نظریہ ”یا سب کچھ یا کچھ بھی نھیں“ کو قبول کریناور یہ مان لیں کہ اخلاقی نیکی اس وقت پیدا ھوتی ھے جب اس عمل میں تمام شرائط اور قابلیت پائی جائے اور ذرہ برابر بھی اس کے شرائط میں کمی نہ ھو ، تو پھر ھم یہ کھنے پر مجبور ھونگے کہ عبادت اس وقت مقبول ھے جب عالی ترین اور بلند ترین درجہ پر فائز ھو، اور صرف خدا کے شکر کے لئے بجالائی جائے؛ یعنی صرف خالص اولیاء الله کی عبادت مقبول ھوگی، اور جو لوگ جھنم کے خوف یا بھشت کے لالچ میں عبادت کریں تو اس کی عبادت قابل قبول نھیں ھے لیکن جیسا کہ یہ بات واضح ھوچکی ھے کہ اسلام اس تنگ نظری کو قبول نھیں کرتا بلکہ مومنین کی سھولت ،زحمتوں اور سختیوں کو دور کرنے کے لئے عبادت اور دیگر وظائف میں درجات رکھے ھیں، ایسے درجات جو کم سے کم شرائط سے شروع ھوتے ھیں اور بلند ترین درجات تک پھنچ جاتے ھیں جن میں تمام شرائط اور صلاحتیں پائی جاتی ھیں، اور اگر کوئی انسان ان بلند درجات تک پھنچ جائے تو انسانی اور الٰھی کمال پر پھنچ جاتا ھے جیسے حضرت علی علیہ السلام اور آپ کے (خاص) شاگردوں کی عبادت؛ جس کی وجہ سے یہ حضرات معرفت کے بلند ترین مقام پر پھنچ گئے ھیں اور خدا کی بندگی کے عالی ترین مرتبہ پر فائز ھوچکے ھیں؛ لیکن جن کا درجہ ان سے کم ھے اور وہ لوگ جو ثواب کے شوق میں عبادت کرتے ھیں اس کی عبادت بھی خدا کے نزدیک مقبول ھے اسی طرح وہ لوگ جو اس درجہ سے بھی کم درجہ رکھتے ھیں اور جھنم کے خوف سے خدا کی عبادت کرتے ھیں ان کی عبادت بھی مقبول ھے اور یہ بھی اھمیت و ارزش کا ایک مرتبہ ھے۔

7۔ اسلامی حکومت کے درجہ بندی شدہ نمونے
جیسا کہ بیان ھوچکا ھے : اسلام کا نظریہ ”یا سب کچھ یا کچھ بھی نھیں“ نھیں ھے بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے ارزش

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اوراقدار کے مختلف مراتب هیں، کم درجہ سے شروع هوکر بلند ترین درجہ تک پهنچتے هیں اسلامی سیاست میں بهی اسی طرح هے: اسلام اول درجہ میں ایک نمونہ حکومت پیش کرتا هے جو فقط خاص شرائط کے تحت اور ان افراد کے ذریعہ جن میں مکمل شرائط اور بهترین قابلیت پائی جاتی هے جن تک عام افراد نهیں پهنچ پاتے، حقیقت میں ویسی حکومت صرف انهیں افراد کے ذریعہ هوسکتی هے جو مقام عصمت تک پهنچے هوئے هیں اور ان کے کردار میں ذرہ برابر بهی کوئی خطا وغلطی کا تصور نهیں پایا جاتا بلکہ ان کی فکر بهی پاک وپاکیزہ هوتی هے،یہ اسلامی حکومت کی بلند ترین اور بهترین شکل هے وہ حکومت جس کا رئیس ایسا شخص هو جو نہ صرف یہ کہ هوا وهوس کے تحت معصیت نہ کرے بلکہ نا خواستہ میں بهی اس سے غلطی کا امکان نہ هو ، اور اس سے کوئی بهی خطا ولغزش نہ هو، اور مکمل طور پر مصالح ومنافع کی رعایت کرے، اور تمام اسلامی قوانین کے مجموعہ کو جانتا هو ، اوران کو بهترین طریقہ سے جاری کرے اور یہ وهی نمونہ حکومت هے جو انبیاء علیهم السلام اور پیغمبر اکرم (ص) اور کچھ مدت کے لئے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے ذریعہ وجود میں آئی۔

البتہ اس نمونہ حکومت سے بهی بالا تر ایک اور حکومت کا تصور کیا جاسکتا هے جو کبهی بهی نهیں هوسکتی اور وہ یہ هے کہ رئیس حکومت میں معصوم کے علاوہ تمام فرماندار اور ریاستی حاکم تمام کے تمام معصوم هوں۔

اور جیسا کہ هم نے عرض کیا اس طرح کی حکومت کبهی بهی نهیں هوسکتی کیونکہ کسی بهی زمانہ میں معصوم کی تعداد اس قدر نهیں هوسکتی جن میں سے حکومت کے تمام عهدوں کے لئے معصوم کا انتخاب کیا جاسکے صرف وهی نمونہ حکومت هوسکتی هے جس کا رئیس معصوم هواور یہ بهی صرف اسی وقت تصور کی جاسکتی هے کہ جب معصوم موجود هو ،اوروہ بهی اس صورت میں جب تمام رکاوٹیں ختم هوجائیں۔

لهٰذا اسلامی سیاست میں حکومت کے لئے مختلف مراتب اور درجات موجود هیں کہ اگر حکومت کی بهترین قسم کا امکان نہ هونے کی صورت میں اس سے ایک درجہ کم والی حکومت اس کے قائم مقام بنے، لهٰذا اگر بلند ترین حکومت جس میں ریاست معصوم کی هو؛ نہ بن سکے تو هم اسلامی حکومت کی تشکیل سے صرف نظر نهیں کرسکتے، بلکہ اگر معصوم حاضر نہ هو تو ایسے شخص کی حکومت هو جو علم ، تقویٰ اور مدیریت کے لحاظ سے معصوم سے شباهت رکهتا هو (اگرچہ علم وتقویٰ اور مدیرت کا سب سے بلند درجہ معصوم کی ذات هی میں تصور کیا جاسکتا هے کیونکہ اس کا علم اور اس کا کردار عصمت کے زیر سایہ هوتا هے) ، اوراگر ایسا شخص بهی موجود نہ هو تو پهر اس سے کم درجے والے کا انتخاب کیا جائے، اسی طرح کم سے کم درجہ والے کا انتخاب کیا جائے، یهاں تک کہ نصاب حکومت کے نچلے درجہ تک پهنچ جائے، اور اگر اس نصاب سے کم درجہ هے تو پهر اس حکومت کے اهداف محقق نهیں هوپائیں گے، لهٰذا اس شکل کی حکومت کو کسی بهی وقت میں انتخاب نهیں کیا جاسکتا۔

8- ولایت فقیہ کی حکومت پر عقلی دلیل

قارئین کرام ! اگر هماری بیان شدہ باتوں پر توجہ کی جائے تو ولایت فقیہ کی حکومت کی دلیل خود بخود واضح هوجائے گی، اور وہ یہ هے کہ : اگر هم شرعی اور تعبدی دلائل سے صرف نظر کرلیں تو اسلامی بهترین حکومت کا نمونہ معصوم کی حکمرانی کی صورت میں تصور کیا جاسکتا هے، لیکن چونکہ اسلام میں اقدار کے مراتب اور درجات هیں لهٰذا بغیر شک وشبہ کے حکومت کے بهی درجات هیں، جس وقت معصوم کے نہ هوتے هوئے اس کے بهترین نمونہ ممکن نہ هو تو ایسے شخص کو حکمرانی کے لئے انتخاب کریں جو معصوم سے زیادہ شباهت رکهتا هو، اور وہ جامع الشرائط فقیہ هے جو صلاحیت ، قابلیت ، علم، عمل اور مدیریت میں معصوم سے زیادہ شباهت رکهتا هے اور امام کا جانشین شمار هوتا هے۔

پس ولایت فقیہ نظام کی دلیل یہ هے کہ جب امام معصوم (ع) تک رسائی ممکن نہ هو تو اس صورت میں جامع الشرائط فقیہ حکومت کی باگ ڈور سنبهالے کیونکہ وہ قوانین سے آشنائی، تقویٰ منجملہ سیاسی اور اجتماعی تقوے میں، عام عدالت کی رعایت میں، قوانین کو جاری کرنے میں،حُسن تدبیر اور معاشرہ پر مدیرت میں، عملی میدان مینمهارت، قوانین کو جاری کرنے کے طریقہ کار کی شناخت میں، هوائے نفس اور شیطان سے مقابلہ میں اور اسلام ومسلمین کے مصالح کو ذاتی اور گروهی منافع پر ترجیح دینے میں دوسرونپر فضیلت اور برتری رکهتا هے۔

هوسکتا هے کوئی شخص یہ کهے کہ جب امام معصوم (ع) تک رسائی ممکن نہ هو، تو پهر اسلامی حاکم کے لئے وہ شرائط ضروری نهیں هیں؛ نہ فقاهت اور علم کی شرط معتبر هے اور نہ تقویٰ اور مدیریت کی قدرت، اور جو شخص بهی اپنے آپ کو مسلمانوں کی حکمرانی کے لئے ممبر کے طور پر پیش کرے اور وہ اکثریت سے جیت جائے تو اس کی حاکمیت اور حکومت معتبر اور نافذ هے۔

حقیقت میں یہ فرضیہ اسی نظریہ (”یا سب کچھ یا کچھ بهی نهیں“) پر مبنی هے یعنی جب اعلیٰ قسم کے شرائط جو فقط

معصوم (ع) میں ھوسکتے ھیں؛والا شخص نہ ھو تو پھر کم تر درجہ والے شرائط کی ضرورت نہیں ھے،جب معصوم (ع) کا تقویٰ نہ ھو تو پھر حاکم کے لئے تقوی کی شرط نہیں ھے اور وہ فاسد انسان جو گناہ کبیرہ کا بھی مرتکب ھوتا ھے وہ بھی اسلامی حکومت کا صدر بن سکتا ھے یہاں تک کہ وہ شخص جس نے فقہ وفقاھت کی بو بھی نہ سونگھی ھو وہ بھی اسلامی حکومت کا صدر بن سکتا ھے لیکن اسلامی سیاست کے تحت یہ نظریہ بغیر دلیل کے ھے اور باطل ھے، اور صرف مغربی ممالک میں رائج ڈیموکریٹک کے لحاظ سے ھے۔

اسلامی ممالک اور مسلمانوں کے درمیان اسلام سے معمولی معلومات رکھنے والے اور اپنے کو روشن فکر کھنے والے اپنی اسلامی معلومات کو مغربی کلچر سے مخلوط کرکے مشکلات میں پھنس گئے ھیں، اور جب وہ ڈیموکریسی کو عملی طور پر پیش کرنا چاھتے ھیں تومعلوم ھوتا ھے کہ انھوں نے نظریہ "یا سب کچھ یا کچھ بھی نھیں" کو قبول کرلیا ھے، یہ سادہ لوح مسلمان اس بات کو مانتے ھیں کہ اگر امام معصوم (ع) موجود ھوں تو پھراسلامی معاشرہ میں انھیں کی حکومت ھونا چاھئے؛ لیکن اب جب کہ امام معصوم (ع) حاضر نہیں ھیں تو پھر معیار لوگوں کی اکثریت ھے اور عوام الناس کی مقبولیت کے علاوہ کوئی شرط ضروری نہیں ھے۔

قارئین کرام ! مذکورہ نظریہ ذرہ برابر بھی اسلامی حقیقت سے سنخیت نہیں رکھتا اسلام خود اپنے سلسلہ میں مراتب کا قائل ھے اور ارزشی واقدار کے سلسلہ میں مختلف مراتب پائے جاتے ھیں، اسی طرح ھم اجتماعی مسائل میں دیکھتے ھیں کہ بعض امور کے لئے خاص شرائط قرار دئے گئے ھیں لیکن اگر تمام شرائط موجود نہ ھوں تو پھر اس سے کم درجہ کے شرائط معتبر سمجھے جاتے ھیں ھم اپنی بات کو واضح کرنے کے لئے اسلامی اجتماعی احکام میں سے "وقف" کے بارے میں اشارہ کرتے ھیں:

احکام "وقف" کے سلسلہ میں بیان ھوا کہ اگرکوئی چیز کسی خاص کام کے لئے وقف کی جائے تو اس کو اسی کام میں استعمال کیا جانا چاھئے لیکن اگر وہ کام بالکل ختم ھوجائے اور اس کا وجود خارجی نہ ھو تو پھر اس کام میں استعمال کیا جائے جو اس سے نزدیک ھو مثلاً قدیم زمانہ میں بعض چیزوں کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے زائرین کے سواروں (گھوڑے وغیرھ) کے لئے وقف کیا جاتا تھا اور اس کی در آمد سے حضرت سید الشھداء (ع) کے زواروں کے ان حیوانوں پر جن پر سوار ھوکر کربلا جاتے تھے؛ ان کے لئے گھاس وغیرہ خریدی جاتی تھی لیکن آج کل اس طرح کا کوئی سلسلہ نہیں ھے اور آج کل کوئی گدھے گھوڑوں پر سوار ھوکر کربلا نہیں جاتا بلکہ آج کل تو ھوائی جھازوں اور گاڑیوں سے سفر کئے جاتے ھیں، تو کیا اس طرح کی وقف شدہ چیزوں کو بالکل ھی چھوڑ دیا جائے اور "یا سب کچھ یا کچھ بھی نہیں" کے نظریہ کے تحت اس وقف شدہ شئے کو بالکل ھی استعمال نہ کیا جائے، یا جس طرح اسلام نظریہ پیش کرتا ھے کہ اگر اعلیٰ ترین مرتبہ نہ ھو تو اس سے کم مرتبہ والے کواخذ کیا جائے جو گذشتہ استعمال سے زیادہ شباھت رکھتا ھے، اور یہ کھیں کہ اب جب جانوروں کو گھاس کھلانے کا موقع نہیں ھے تو اس کی در آمد کو ان گاڑیوں کے تیل وغیرہ میں خرچ کیا جاسکتا ھے، جن کے ذریعہ کربلا جاتے ھیں؟ کیونکہ یہ کام گذشتہ استعمال سے زیادہ نزدیک ھے۔

اسی طرح اگر وقف کرنے والا اپنے بعد وصیت کرے کہ اس کے بعد اس کے لڑکوں میں سے ھی کوئی ایک اس کا متولی ھو لیکن متولی کے شرائط بیان کریں منجملہ یہ کہ متولی مجتھد ھو، تو اگر اس کی اولاد میں کوئی مجتھد نہ ھو لیکن ایسا لڑکا ھو جو اجتھاد کے قریب یا مجتھد متجزّی ھو، تو کیا اس صورت میں وقف شدہ شئے بغیر متولی کے رھے گی کیونکہ اس کے لڑکوں میں کوئی مجتھد نہیں ھے ؟ یا اگر پھلا درجہ ممکن نہ ھو تو دوسرے درجہ کو اختیار کیا جائے گا؛ اور مجتھد نہ ھونے کی صورت میں قریب الاجتھاد کو اس کا متولی بنایا جائے؟

بھر حال شرعی، اجتماعی اور سیاسی مسائل میں ایسے بھت سے نمونے موجود ھیں جن کو عقل اور شریعت صاحب مراتب سمجھتے ھیں اسی طرح اسلامی حکومت میں حاکم اور صدر کے لئے مراتب اور درجات رکھے گئے ھیں کہ اگر اول درجہ یعنی امام معصوم (ع)نہ ھونے کی صورت میں وہ شخص حاکم بنے جو امام معصوم (ع) کا جانشین ھو اور ھر لحاظ سے معصوم (ع) سے قریب ھو ،اور وہ جامع الشرائط ولی فقیہ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ھوسکتا۔

حوالے:

(1)بحار الانوار ج 41 ض 14
(2) نھج البلاغہ، کلام 238

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

تیسواں جلسہ

اسلامی حکومت سے ولایت مطلقہ فقیہ کی نسبت

1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر

قارئین کرام ! ہماری یہ بحث ''اسلامی سیاسی نظریہ'' کے تحت ہے اور ہم نے اس بحث کو دو عام حصوں میں تقسیم کیا، جس کا پہلا حصہ قانون اور قانون گذاری کے سلسلے میں تھا اور دوسرا حصہ قانون جاری کرنے کا طریقہ کار اور معاشرہ کا نظام یا بالفاظ دیگر حکومت اور قوہ مجریہ کی اہمیت ہے دوسرے حصہ میں فلسفہ سیاست کے بارے میں لکھی گئی کتابوں میں مختلف نظریات اور مختلف طریقہ کار بیان کئے گئے ہیں، لیکن ہم نے اپنے لحاظ سے اس طریقہ کو اپنایا ہے کہ پہلے حکومت کی ضرورت کے بارے میں بحث کریں، تاکہ اس ضرروت کے تحت اس کے وظائف کی بھی پہچان ہوجائے اس کے بعد حکومت کی ذمہ داریوں کے پیش نظر اس کے اختیارات کے بارے میں بھی معلومات ہوجائے۔

آخری چند جلسوں میں ہماری بحث یہ تھی کہ حکومت کی مخصوص ذمہ داریوں میں سے معاشرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنا بھی ہے وہ ضرورتیں جن کو انفرادی یا گروھی صورت میں انجام نہیں دیا جاسکتا یا ان کو انجام دینے والا کوئی نہیں ہوتا، اور اگر حکومت اپنا قدم نہ بڑھائے تو پھر وہ ضرورتیں پوری نہیں ہوپاتیں انہیں ضرورتوں میں سے کچھ اس طرح ہیں: دفاعی طاقت کو بڑھانا، بیرونی دشمن کے مقابلہ میں دفاع کرنے کے لئے مکمل طور پر تیاریاں کرنا، اور جنگ کو صحیح اور بہتر طریقہ سے ادارہ کرنا،اندرونی ناخوشگوار حالت سے مقابلہ کرنا، اندورن ملک میںامن وامان قائم کرنا، اسلامی قوانین اور مقرارت (وہ قوانین جو اصل ہیں یا جن کو پارلیمنٹ طے کرتا ہے) کو نافذ کرنا، عمومی مال پر نظارت کرنا اور ان سے صحیح طریقہ سے فائدہ اٹھانامثلاً انفال (جیسے معادن (کان) دریا اور جنگل وغیرہ) اور ان چیزوں کو استعمال کرنا جن کا کوئی خاص مالک نہیں ہے،اسی طرح معاشرہ کے ان لوگوں کی سرپرستی کرنا کم سن ہونے یا معلول (اپاھج) یا کم عقلی کی بنا پر سرپرستی کے نیاز مند ہوتے ہیں جن کا کوئی سرپرست نہیں ہوتا؛ نیز اسلامی حکومت کے سب سے مہم وظیفہ یعنی اسلامی شعار قائم کرنا ، احکام اسلامی اور حدود اسلامی کو جاری کرنا نیز اسلامی قوانین کی خلاف ورزی سے روک تھام کرنا ہے، اس آخری وظیفہ کے علاوہ دیگر تمام ذمہ داریاں دنیا بھر کی حکومتوں کے بھی ہوتے ہیں،اور جو چیز اسلامی حکومت کو دوسری حکومتوں سے ممتاز بنادیتی ہے یہی اہم اور عظیم وظیفہ ہے ، در حقیقت اس کو اسلامی حکومت کے وظیفوں کی سر فہرست قرار دینا چاہئے۔

2۔ اسلامی حکومت کے وظائف اور اختیارات کا برابر کا توسعہ

اسلامی حکومت کے وجودی فلسفہ اور اس کی ذمہ داریونکی وضاحت کے بعد ،حکومت کے وہ اختیارات جن کی بنا پر وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتی ہے، روشن ہوجاتی ہیں؛ کیونکہ اگر حکومت کے ذمہ کچھ وظائف معین کئے جائیں، لیکن ان وظائف پر عمل کرنے کے لئے ضروری اختیارات نہ دئے جائیں تو وہ وظائف فائدہ مند نہیں ہوسکتے؛ چنانچہ روز مرہ کے مسائل میں یہ بات بالکل واضح وروشن دکھائی دیتی ہے مثال کے طور پر اگر کوئی شخص گھر میں کوئی کام اپنے بیٹے کے سپرد کرے لیکن اس کو انجام دینے کے لئے ضروری وسائل اس کو نہ دے یا کسی مزدور کو کسی کام کے لئے معین کیا جائے لیکن کام میں آنے والے وسائل فراھم نہ کرے یا اس کو وسائل کو ھاتھ لگانے کی اجازت نہ دے؛ تو بیشک کے ایسا کام بے ھودہ اور لغو ہے اور ہر صاحب عقل ایسے شخص کی مذمت کرے گا۔

جس وقت کسی کو کوئی ذمہ داری دی جاتی ہے تو اس کام کے لئے ضروری اختیارات بھی دئے جاتے ہیںتاکہ ان کے استعمال سے اپنے وظائف کو پورا کرے، اسی بنا پرھم جس وقت دوسری حکومتوں کے مقابلہ میں اسلامی حکومت کی مہم ذمہ داریوں کو ملاحظہ کرتے ہیں تو پھر اس حکومت کے اختیارات او رامکانات بھی دوسری حکومتوں سے زیادہ ہونے چاھئیں تاکہ بہترین طریقہ سے ان وظائف پر عمل پیرا ہوسکے اسلامی حکومت معاشرہ کی جائز ضرورتوں کو پورا کرنے قانونی اور جائز وسائل اور امکانات کو اختیار کرے ؛ ورنہ وہ اپنے وظائف پر عمل ھی نہیں کرسکتی اس بات کو مزید روشن کرنے کے لئے ایک مثال عرض کرتے ہیں:

جب ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل ٹکنالوجی کی ہر روز ترقی ہورھی ہے اور قدیم زمانے کے حالات بدل رہے ہیں اور

انسانی معاشرہ کے لئے نئے نئے حالات پیدا ہورہے ہیں تو پھر انسانی زندگی کے معاملات بھی مختلف طریقوں کے ہوجائیں گے، یہاں تک کہ اب انسان نے آسمان اور ہوا پر قبضہ کرلیا ہے جب تک انسان نے گاڑی نہیں بنائی تھی تو اس وقت گلی کوچے اور سڑک وغیرہ باریک ہوتی تھی جہاں سے صرف گدھا اور خچر وغیرہ ہی گذر سکتے تھے ، پرانے شہروں کے بعض محلوں میں اب بھی اس طرح کی گلیاں موجود ہیں ، لیکن اب جب کہ گاڑیوں کا زمانہ آگیا ہے اور اکثر لوگ گاڑیوں اور کاروں سے شہر میں آتے جاتے ہیں، تو اس بات کی ضرورت ہے کہ ان گلی کوچوں کو چوڑا کیا جائے اور ان کی جگہ بڑی سڑک بنائی جائے تاکہ گاڑیاں آسانی سے رفت وآمد کرسکیں، نیز احتمالی خطروں کی بھی روک تھام کی جاسکے۔
جس وقت حکومت یا حکومت کے کاگزار گلی کوچوں اور سڑکوں کو چوڑا کرنا چاہیں تو ان کو عوام الناس کے مکانوں کو توڑنا پڑے گا، تو اگر حکومت کی ذمہ داری ہو تو سڑکوں کو وسیع بنائے تاکہ رفت وآمد میں کوئی مشکل نہ ہو، لیکن اس کو لوگوں کے مکانوں کو توڑنے کا حق نہ ہو، تو حکومت سے ایسے کام کی درخواست لغو وبے ہودہ اور نہ ہونے والا ہے پس معلوم یہ ہوا کہ حکومت کو اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے اس طرح کے اختیارات کا ہونا ضروری ہے اور اور اس ذمہ داری کو نبھانے کے لئے ضروری وسائل فراہم ہونا ضرروی ہے؛ البتہ حکومت کو چاھئے کہ لوگوں کے ہوئے نقصان کا جرمانہ ادا کرے اور ان کے لئے مزید سہولیات کا انتظام کرے تاکہ وہ لوگ دوبارہ اپنے مکان بنا کر زندگی بسر کریں۔

3۔ حکومتی اختیارات سے ولایت مطلقہ فقیہ کی نسبت

قارئین کرام ! حکومت اسلامی کے وظائف پر عمل کرنے کے لئے ضروری اور کافی اختیارات منجملہ عوام الناس کی ملکیت میں ضرورت کے موقع پر تصرف کرنے کا حق ہونے کو مطلق ولایت فقیہ کہا جاتا ہے۔
قرآن کریم، احادیث معصومین علیہم السلام اور فقہا ء کرام کے بیانات میں لفظ ”حکومت“ کی جگہ لفظ ”ولایت“ کا استعمال ہوا ہے، اور ان چیزوں میناس کلمہ کے استعمال کی دلیل سے صرف نظر کرتے ہوئے لفظ ”ولایت“ لفظ ”حکومت“سے زیادہ مناسب ہے (جیسا کہ مقام معظم رہبری حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای دامت برکاتہ نے فرمایا ہے کہ لفظ ”ولایت“ کا بار لفظ ”حکومت“سے زیادہ ہے کہ لفظ ”حکومت“میں ایک طرح کی زور گوئی اور تحکم پایا جاتا ہے) کیونکہ لفظ ”ولایت“ میں محبت اور عاطفہ شامل ہے؛ شاید اسی وجہ سے لفظ ”ولایت“، لفظ ”حکومت“ کی جگہ استعمال ہوا ہے بہر حال لفظ ”ولایت“ بالکل لفظ ”حکومت“ کی جگہ استعمال ہوا ہے اور جو شخص معاشرہ پر حکومت کو ضروری سمجھتا ہے شرعی لحاظ سے معاشرہ کے لئے ولایت کو ضروری سمجھتا ہے۔
چنانچہ اس مقدمہ کی بنا پر عرض کرتے ہیں کہ اگر یہ ولایت ان تمام اختیارات رکھتی ہو جن کے ذریعہ اپنے وظائف پر عمل کرسکے اور معاشرہ کی مختلف ضرورتوں کو جائز اور شرعی نقطہ نظر سے پوری کرے ، تو اس ولایت کو ”ولایت مطلقھ“ کہا جاتا ہے لیکن اگر ”ولی امر“ کے لئے ضرورت کے وقت ولایت ہو یعنی صرف لوگوں کی جان و مال کے خطرہ کے وقت اس کو تصرف کرنے کا حق ہو اور اس کو گلی اور سڑکوں کی وسعت یا مختلف مقامات پر پارک بنانے یا شہر کو خوبصورت بنانے کی اجازت نہ ہو تو اس ولایت کو محدود اور غیر مطلق کہا جاتا ہے۔

4۔ مخالفین کی طرف سے ولایت مطلقہ کے بارے میں شک وشبہات

قارئین کرام ! جو کچھ ہم نے بیان کیا وہ چیزیں مخالفین بد نیتی رکھنے والے عوام الناس (اوربالخصوص) جوانوں کے ذھنوں کو مخدوش کرنے کے لئے بیان کرتے ہیں اور ”ولایت فقیھ“ کی تھیوری کو برعکس پیش کرکے درج ذیل مغالطہ انجام دیا:
پہلے تو انھوں نے لفظ ”ولایت“ کے بارے میں شبہ ایجاد کیا کہ لفظ ”ولایت“ بچوں اور دیوانوں کے لئے استعمال ہوتا ہے”ولی“ یعنی ”سرپرست“ اور جو بچے یا پاگل لوگ اپنی زندگی کو چلانے کے لئے کافی عقل وتدبیر نہیں رکھتے تو ان کو سرپرست کی ضرورت ہوتی ہے قارئین کرام! یہ مغالطہ بالکل واضح اور ورشن ہے، اور جیسا کہ اھل بیت علیم السلام کی ولایت بھی سرپرستی کے معنی میں نہیں ہے، لہٰذا یہاں پر بھی لفظ ”ولایت“ بالکل حکومت کے معنی میں ہے اور اس کے معنی اجتماعی امور کی تدبیر اور معاشرہ کے عظیم مدیریت کے ہیں ”ولایت فقیہ “ کے معنی یہ ہیں کہ جو حضرات خداوندعالم کی طرف سے معاشرہ کے عظیم امور کو چلانے کی اجازت رکھتے ہیں،نہ یہ کہ ”ولایت فقیہ “ کی حاکمیت اور حکومت کے تحت صرف بچے، دیوانے او رکم عقل لوگ ہیں۔
اس کے بعد لفظ ”مطلق“ میں شبہ ایجاد کیا اور اپنے بعض مقالوں میں یہاں تک کھہ دیا کہ ”ولایت مطلق“ کا اعتقاد رکھنا

موجب شرک ھے، لہٰذا جو لوگ ”ولایت مطلق“ کے قائل ھیں در واقع وہ مشرک ھیناور انھوں نے خداوندعالم کی ذات کے ساتھ شریک قرار دیا؛ کیونکہ خدا وند عالم کے علاوہ کوئی مطلق نھیں ھے،اور انھوں نے ”ولی امر“ کو بھی مطلق قرار دیا ھے!!

قارئین کرام! واقعاً انسان اس طرح کی بچکانہ باتوں کاکیا جواب دے لیکن مختصر طور پر عرض کرتے ھیں کہ اولاً قرآن وروایات اور دوسری اسلامی تحریر وں میں خد ا کو ”مطلق“ نھیں کھا گیا ھے، اور عربی قواعد کے تحت بھی خداوندعالم کے لئے لفظ مطلق کھنا صحیح نھیں ھے لیکن اگر مسامحہ اور مطلق کے معنی میں دخل وتصرف کرتے هوئے خدا کے لئے لفظ مطلق کو استعمال بھی کریں تو اس کے معنی یہ ھونگے کہ خدوندعالم نامحدود ھے اور کسی طرح کا کوئی نقص وعیب نھیں رکھتا؛ لیکن کوئی بھی شخص کسی کے بارے میں اس طرح کا عقیدہ نھیں رکھتا ھمارا عقیدہ ھے کہ صرف خدائے واحد کمالِ مطلق رکھتا ھے اور ذرہ برابر بھی نقص وعیب نھیں رکھتا، اور اس کی ذات میں تمام صفات وجودی غیر متناھی طورپر پائے جاتے ھیں اور یہ بات مسلم ھے کہ اس طرح کے عقیدہ کا ملازمہ یہ نھیں ھے کہ اسلامی حکومت اپنے وظائف پر عمل کرنے کے لئے ضروری اختیارات بھی نہ رکھے، اور بنیادی طور پر ان دونوں (باتوں) میں کوئی ربط نھیں ھے۔ ”ولایت مطلق“ یعنی امت اسلامی کا حاکم اور رھبر،اسلامی معاشرہ کے مصالح کو جاری کرنے کے لئے ضروری اختیارات کا مالک ھوتا ھے، ولی فقیہ اسلامی معاشرہ کی بھلائی اور اس کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ضروری دخل وتصرف کرسکتا ھے اس مطلب کو مزید واضح کرنے کے لئے ایک مقدار ”اسلامی حکومت کی تھیوری“ پر روشنی ڈالیں گویا اس سے پھلے بھی اس مطلب پر اشارہ کیا جا چکا ھے۔

5۔ اسلامی حکومت کا ڈھانچہ

جس وقت اسلامی حکومت کے ڈھانچہ کی بات ھوتی ھے تو بعض لوگ فلسفہ سیاست کے بارے میں لکھی گئی کتابوں کی طرف رجوع کرتے ھیں اور اس میں لکھی گئی قدیم زمانے سے آج تک کی حکومتوں کی قسمیں ملاحظہ کرتے ھیں مثلاً حکومت الیگارکی "(1)"Oligachy)، اریسٹو کریسی، "(2" "Aristocracy)شاھی، ڈیموکریسی وغیرہ، اور آج کل ڈیموکریسی بھی جمھوری اور مشروطہ سلطنت پر تقسیم ھوتی ھے اور جمھوری بھی یا پارلیمنٹی ھوتی ھے یا ریاستی،اس وقت یہ سوال کرتے ھیں کہ اسلامی حکومت مذکورہ اقسام میں سے کونسی قسم ھے؟یا ان کے مقابلہ میں اس حکومت کی کوئی خاص شکل ھے؟ اگر اسلامی حکومت وھی جمھوری حکومت ھے تو یہ تو وھی ڈیموکریسی اور عوام الناس پر عوام الناس کی حکومت ھے اور اس بنا پر اسلام کی نظر میں حکومت کی کوئی خصوصیت اور امتیاز نھیں ھے اور اگر اسلامی حکومت کو بادشاھی حکومت کھا جائے تو پھر ایران کی اسلامی حکومت کو ”جمھوری اسلامی“ کیوں کھا جاتا ھے؟ بھر حال حکومت کی شکل کے سلسلہ میں کوئی نظریہ نھیں ھے اور اس سلسلہ میں عوام الناس کو اختیار دیا ھے تاکہ وہ جس طرح بھی چاھیں حکومت تشکیل دیں؛ یاحکومت کے سلسلہ میں اسلام نے کوئی نیا طریقہ ایجاد کیا ھے؟

اسلامی لحاظ سے حکومت کی شکل کے سلسلہ میں مختلف طریقوں سے بھت زیادہ بحثیں ھوئی ھیں اوراسلامی حکومت کی شکل کے لحاظ سے بھت سے سوالات کے جواب میں کھنے والوں نے کھا کہ اسلام نے حکومت کے سلسلہ میں کوئی خاص شکل بیان نھیں کی ھے اگرچہ یہ جواب کافی حدّ تک صحیح ھے لیکن اشکالات اور ابھام سے خالی نھیں ھے جس کی وضاحت کے لئے دو نکات کا بیان کرنا ضروری ھے:

الف۔ اسلامی قوانین کی وسعت اوران کا نسخ نہ ھونا

پھلا نکتہ اسلام اور اسلامی قوانین کسی خاص زمانے اور کسی خاص جگہ سے مخصوص نھیں ھیں بلکہ تمام زمانوں اور تمام معاشروں کے لئے نازل ھوئے ھیں اسلام کے ثابت اور غیر قابل تبدیل احکام اس طرح وضع کئے گئے ھیں جو تمام ھی معاشروں میں قابل اجراء ھیں دوسری طرف، ممکن ھے حکومت کسی چھوٹے معاشرہ کی ھو یا کروڑوں یا اربوں والی آبادی کی ھو جیسے چین اور ھندوستان کی حکومتیں جن کی آبادی ایک ارب سے بھی زیادہ ھے، بھر حال حکومت کی مختلف قسمیں ھوسکتی ھیں: مثلاً ایک سو گھر والے معاشرہ میں بھی حکومت ھوسکتی ھے اور ایک ارب والے معاشرہ میں بھی حکومت ھوسکتی ھے یھاں تک کہ پوری دنیا پر بھی ایک عالمی حکومت ھوسکتی ھے، اور انھیں حکومتوں کی اقسام کی بنا پر ان کے لئے ایک ایسا نمونہ پیش کیا جائے تو تمام قسموں کو شامل؟ یا حکومت کی کوئی خاص شکل معین نھیں کرنا چاھئے، یا اگر کوئی خاص شکل معین کی گئی تو پھر مسلم طور پر آج کل کی بعض حکومتوں سے ھم آھنگ ھوگی، اور دوسرے معاشروں کے لحاظ سے نھیں ھوگی؟ مثال کے طور پر اگر کھیں کہ ظھور اسلام کے وقت اسلامی پیغام صرف بعض مقامات تک محدود تھا اور اس کے احکام صرف مدینہ منورہ کے چھوٹے معاشرہ کے لئے تھے، اور وہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

حکومت جو رسول اسلام (ص) کے ذریعہ تشکیل پائی وہ اس زمانہ کے لئے مناسب تھی جس کی آبادی شاید ایک لاکھ سے زیادہ نہ ہو آیا اسلام کی پیش کردہ "اسلامی حکومت" کی شکل وصورت اسی طریقہ کی ھے جو صدر اسلام میں رسول اکرم (ص) کے زمانہ میں تھی، انھیں خصوصیات اور امتیازات کے ساتھ جو اس محدود آبادی میں مخصوص اخلاق اور ثقافت کے ساتھ ھے؟ یا نہ صرف یہ کہ اسلام نے حکومت کی کوئی خاص شکل بیان نھیں کی ھے بلکہ حکومت کے سلسلہ میں کسی طرح کی کوئی قید وشرط پیش نھیں کی ھے؟

قارئین کرام ! حقیقت تو یہ ھے کہ اسلام نہ پھلے گزینہ کو پسند کرتا ھے اور نہ دوسرے کو، بلکہ اسلام نے حکومت کی خاص شکل وصورت بیان کرنے سے بھی بالاتر غیر قابل تبدیل احکام کی بنا پر حکومت کی عام اور وسیع پیمانہ پر معرفی کی ھے، جن کے تحت تغیر اور تبدیلی کی بنا پر مختلف بھت سی شکلیں بن سکتی ھیں اسلام نے نہ عوام الناس کو بالکل ھی آزاد چھوڑا ھے کہ جو چاھیں کریں اور نا ھی حکومت کی کوئی خاص اور محدود شکل بیان کی ھے جس کو صرف کسی خاص زمان ومکان میں ھی نافذ کیا جاسکتا ھے اسلام کے پیش کردہ قوانین اس طرح کے ھیں جن کے تحت حکومت کی صحیح اور عقلائی شکلیں آسکتیں ھیں البتہ حکومت کی وہ شکلیں اسلام کے عام اصول سے خارج نہ ھونے پا ئیں ھم اسلام کے معین کردہ قوانین اور حدود کو اسلامی حکومت کھتے ھیں ھوسکتا ھے ان قوانین کے تحت ایک وقت حکومت کی کوئی خاص شکل ھو اور کسی دوسرے زمانہ میں اس کی شکل وصورت دوسری ھو، لیکن یہ دونوں شکلیں حکومت اسلامی ھونے کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مخالف نھیں ھوتیں۔

دوسرے الفاظ میں یوں عرض کیا جائے کہ اسلام نے حکومت کی کوئی خاص شکل وصورت بیان نھیں کی ھے لیکن اس حکومت کو اسلامی قوانین اور حدود سے باھر نہ ھونا چاھئے بلکہ اسلامی اصول کے ھم آھنگ اور مطابق ھو کیونکہ یہ مسئلہ علمی اور عقلی لحاظ سے دقیق اور ظریف ھے کہ اسلام کے ثابت اور غیر قابل تبدیل احکام روز قیامت تک کے لئے بنائے گئے ھیں جن میں کلّی اور عظیم ڈھانچہ موجود ھے، اور ان کے مقابلہ میں جزئی اور قابل تبدیل احکام زمان ومکان کے لحاظ سے وضع ھوئے ھیں، انھیں قابل تبدیل احکام میں سے حکومتی احکام ھیں جو ھر زمانہ میں ولی فقیہ کے ذریعہ یا اس کے دستخط کے ذریعہ وضع ھوتے ھیں جن کی اطاعت او رپیروی کرنا واجب ھے۔

ب۔اسلام کی طرف سے حکومت کے درجہ وار نمونے

دوسرا نکتہ : جیسا کہ ھم نے پھلے جلسے میں بھی عرض کیا تھا کہ کبھی کوئی شخص کسی مقصد کو سامنے رکھتا ھے، اور اس مقصد تک پھنچنے کے لئے کچھ نمونے شرائط مدّ نظر رکھے جاتے ھیںلیکن وہ شرائط فراھم نھیں ھوتے تو پھر اس کے بدلے میں دوسرے (اور کمتر) شرائط رکھے جاتے ھیں، یعنی اگر وہ اول درجہ کے نمونہ شرائط حاصل نہ ھوں تو پھر اس کی جگہ دوسرے درجہ کے شرائط کو ھی انتخاب کیا جاتا ھے، اور اگر دوسرے درجے کے شرائط بھی نہ ھوں تو پھر بات تیسرے درجہ پر پھنچتی ھے اور اس کی وجہ یہ ھے کہ ھمارے اقدار اور ارزشی نظام تمامیت (مکمل) خواہ نھیں ھے اور ارزش کو فقط اعلیٰ درجہ میں منحصر نھیں کرتا، کہ اگر اس اعلیٰ درجہ کے شرائط میں ذرا بھی نقص وارد ھوگیا تو پھر اس کی کوئی ارزش اور اھمیت نھیں رھے گی بلکہ اسلام کے ارزشی نظام میں ارزشوں اور اقدار کے مختلف درجات ھیں، جس میں تمام شرائط پائے جائیں گے وہ بالاتر اور نمونہ اقدار کا مالک ھے اس کے بعد کم درجے والے شرائط کی بھی ایک اھمیت ھوتی ھے ایسا نھیں ھے کہ اگر اعلیٰ درجہ کا مقصد حاصل نہ ھو تو بالکل ھی اس کو چھوڑ دیا جائے اور اس کے لئے کم درجہ والی حالت کو قائم مقام نہ بنایا جائے۔

مقصد یہ ھے کہ اسلام نے حکومت کی ایک نمونہ اور آئیڈیل شکل پیش کی ھے اور وہ نمونہ شکل اس صورت میں رونما ھوگی جب امام معصوم حاضر ھو اور حکومت کی باگ ڈور اپنے ھاتھوں میں سنبھالیں، جیسا کہ قرآن مجید میں اسی نمونہ کا انتخاب کرکے بیان کیا گیا ھے ، ارشاد ربّ العزت ھوتا ھے:

(يَاأَيُّها الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ) (3)

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کرو جو تمھیں میں سے ھیں۔"

اور دوسری آیت میں ارشاد ھوتا ھے:

(وَمَا آتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوه وَمَا نَهاكُمْ عَنْه فَانْتَهوا)(4)

" اور جو کچھ بھی رسول تمھیں دیدے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے رک جاؤ "

اگرچہ اسلام کایہ نظریہ ھے کہ اول درجہ میں حکومت کی ریاست امام معصوم (ع)فرمائیں چونکہ معصوم صاحب عصمت ھوتا ھے لھٰذا وہ بھترین طریقہ پر حکومت کو چلا سکتا ھے لیکن نہ تو ھمیشہ معصوم (ع) حاضرھیں تاکہ براہ راست حکومت کو اپنے ھاتھوں میں لیں اور نہ ھمیشہ امام معصوم (ع) مبسوط الید (آزاد) ھیں تاکہ حکومت تشکیل دیںاور اپنی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قدرت کا مظاھرہ کریں ؛ جیسا کہ ھمارے ائمہ علیھم السلام میں صرف حضرت علی علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام نے حکومت تشکیل دی وہ بھی کم مدت کے لئے، اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے بعد سے اس طرح کے حالات نہ تھے کہ ائمہ معصومین علیھم السلام حکومت تشکیل دیں، یا عوام الناس یا عوام الناس کی اکثریت نے ائمہ علیھم السلام سے نھیں چاھا کہ حکومت تشکیل دیں یا معاشرہ کے اھم افراد ائمہ (ع) کی تشکیل حکومت میں مانع تھے، جن کی وجہ سے ائمہ علیھم السلام کو ھمیشہ حکومت سے کنارہ کشی کرنا پڑی۔

6۔ اسلامی نقطہ نظر سے "حکومت میں حکومت" کے نقشہ کی تاریخ

اگر حکومت کی باگ ڈور امام معصوم علیہ السلام یا عادل مومنین کے ھاتھوں میں نہ ھو بلکہ ظالم اور طاغوت کی حکومت ھوجائے، تو کیا اس صورت میں کوئی بھی حکومتی کام صحیح طریقہ پر انجام نہ دیا جائے اور تمام امور غاصب اور ظالم حاکم کے ھاتھوں مینچلے جائیں اور عوام الناس حکومت کے تمام امور کو چھوڑ دے؟ کیا نیک ، صالح اور شائستہ افراد کسی بھی طرح کے حکومتی امور میں رسیدگی نہ کریں اور حتی الامکان معاشرہ کی رھبری نہ کریں؟ بےشک اسلام کا جواب نفی میں ھوگا، اور اس طرح کے حالات میں اضطراری اور مجبوری کا بدل رکھا ھے اور فرمایا ھے کہ: اگر امام معصوم علیہ السلام حاضر ھوں لیکن حکومت تشکیل دینے میں آزاد نہ ھوں یا امام معصوم (ع) حاضر نہ ھوں اور حکومت ان کے نیک اور صالح جانشینوں کے ھاتھوں میں نہ ھو، تو کیا اس صورت میں عوام الناس محدود موارد میں حکومتی امور کے سلسلہ میں کسی ایسے شخص کی طرف رجوع کریں جو معصوم سے زیادہ شباھت رکھتا ھو۔

بےشک معاشرہ میں ھمیشہ ذاتی ، گھریلو اور اجتماعی مسائل میں اختلاف اور جھگڑا رھا ھے اور مال وثروت، معاملات اور خرید وفروخت نیز شرکتوں میں جھگڑے ھوتے رھے ھیں مثلاً دو شریک اپنے حصے کے بارے میں اختلاف کرتے ھیں یا ورثا میراث کے سلسلہ میں اختلاف کرتے ھیں یا میاں بیوی کے درمیان اختلاف ھوتے ھیں، لامحالہ ان تمام اختلافات اور جھگڑوں کو حل کرنے کے لئے ایک حکومت کا ھونا ضروری ھے تاکہ ان مواقع پر اس کی طرف رجوع کریں اور اپنے اختلافات کو حل کریں اور وہ ان کے اختلافات اور جھگڑوں کو حال کرے ظالم اور طاغوت کی حکومت کے ھوتے ھوئے عوام الناس کو یہ بھانہ نھیں کرنا چاھئے کہ چونکہ حق وانصاف کی حکومت نھیں ھے اور امام معصوم (ع) یا حاکم عادل کی ریاست نھیں ھے لھٰذا ظالم اور طاغوت کی حکومت پر راضی ھوجائیں اور حکومت کی مرضی پر راضی ھوجائیں اور اس سلسلہ میں کوئی تدبیر نہ کریں؛ بلکہ اگر خاص موارد میں کسی ایسے شخص کی طرف رجوع کرنا ممکن ھے جو اسلامی احکام کو صحیح طریقہ سے بیان کرے اور ان کو جاری کرے،تو اگر ایسا کوئی شخص ھے تو اس کی طرف رجوع کرنا ضروری ھے، اسی وجہ سے ھمارے ائمہ معصومین علیھم السلام نے اس طرح کے حالات کے لئے ایک نقشہ پیش کیا ھے جس کو آج کل کی اصطلاح میں" حکومت میں حکومت کی تشکیل" کھا جاتا ھے۔

جس وقت حکومت ظالموں اور نااھلوں کے ھاتھوں میں ھو اور وہ معاشرہ پر حکومت کررھے ھوں اور عوام الناس اس حکومت کے خلاف قیام کرنے اور اس حکومت کا تختہ پلٹنے کے کافی امکانات نہ رکھتے ھوں تو جن حکومتی مسائل میں سرکاری اور قانونی دفاتر کی طرف رجوع کرنا ھوتا ھے؛ تو اس موقع پر ضروری ھے کہ فقھاء ، علماء اور ایسے لوگوں کی طرف رجوع کریں جو معصوم تو نہ ھوں لیکن اھل بیت علیھم السلام کے مکتب کے تربیت شدہ ھوں اور علم و تقویٰ کے بلند ترین درجہ پر فائز ھوں اور ان کا علمی اور اخلاقی مقام دوسروں کی نسبت معصوم سے زیادہ نزدیک ھو حتی الامکان اپنے حکومتی مسائل میں ایسے فقیہ کی طرف رجوع کریں جو علمی لحاظ سے اتنی صلاحیت رکھتا ھو تاکہ اسلام کے احکام کا صحیح طریقہ سے استنباط کرے، اور قضاوت و فیصلوں کے لئے کافی مھارت رکھتا ھو؛ نیز تقویٰ کے بلند ترین درجات رکھتا ھو اور مورد اعتماد اور اطمینان ھو۔

"حکومت میں حکومت" کے نظریہ کا مطلب یہ ھے کہ ظالم و جابر حکومتوں میں چھوٹی چھوٹی اور محدود حکومتیں تشکیل دی جائیں تاکہ عوام الناس اپنے حکومتی مسائل میں مشکلات کے وقت ان کی طرف رجوع کرسکیں، جس کو ھماری اسلامی ثقافت میں "ولایت مقیدہ" (محدود ولایت) کھا جاتا ھے جو معصومین علیھم السلام کے زمانہ میں بھی فقھاء کرام رکھتے تھے اور امام معصوم علیہ السلام کی اجازت سے خاص موارد میں قضاوت اور امر ونھی کیا کرتے تھے، اور غیبت کے زمانہ میں بھی اگرچہ فقھا مکمل طور پر آزاد نھیں ھوتے تھے اور حکومت نھیں بنا سکتے تھے لیکن محدود مسائل میں اختلافات اور جھگڑوں نیز معاشرہ کے ضروری ترک شدہ امور جن کو ھماری فقہ میں "امور حسبیہ" کھا جاتا ھے؛ میں حکومت کیا کرتے تھے، اگرچہ "ولایت مقیدہ" ظاھری اور معنوی لحاظ سے "ولایت مطلقہ فقیہ" سے فرق رکھتی ھے۔

شیعہ تاریخ میں ھمیشہ فقھاء کی طرف سے " ولایت مقیدہ" جاری ھوتی رھی ھے، اور شیعہ افراد اطمینان اور مکمل

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

رضایت کے ساتھ اجتماعی امور، اختلافات اور جھگڑوں میں فقهاء کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان سے ان کا حل طلب کرتے تھے اور شاید اس سلسلہ میں تاریخی پهلو اور همیشہ تاریخ میں اس کے موجود رهنے اور اس کی ضرورت کی وجہ سے کسی نے اس سلسلہ میں زیادہ اعتراضات اور شبهات وارد نهیں کئے هیں، لیکن ”ولایت مطلقہ فقیہ “ کے سلسلہ میں چونکہ تاریخ کاحوالہ نهیں ملتا اور اس کی وجہ سے دشمنان اسلام کی زندگی خطرہ میں پڑگئی نیز اس نے ناجائز منافع میں رکاوٹ پیدا هوگئی جس کی بنا پر انهوں نے اس سلسلہ میں بهت سے اعتراضات اور شبهات پیدا کردیتے ۔

7۔ حضرت امام خمینی (رہ)کی طرف سے ”ولایت مطلقہ فقیہ“ کا نقشہ

حضرت امام زمانہ (عجل الله تعالیٰ فرجہ الشریف) کی غیبت کے وقت سے انقلاب اسلامی ایران سے پهلے تک یہ احتمال دینا کہ ایک زمانہ میں جامع الشرائط فقیہ کے ذریعہ حق وحقیقت کی حکومت کاقائم هونا صرف ایک خواب تھا، یهاں تک کہ اگر انقلاب سے تیس چالیس سال پهلے خود اسی ملک کی عوام الناس سے کها جاتا کہ ایک روز وہ آنے والا هے جب ایک روحانی فقیہ کے ذریعہ اس شهنشاهی حکومت کا تختہ پلٹ جائے اور وہ خود حکومت کی باگ ڈور سنبهالے گا تو کسی کو یقین نہ آتا، اور اس طرح کا تصور بھی نهیں کیا جاسکتا تھاجو فقط خواب کی طرح تھا یہ بالکل اس بات کی طرح تھا کہ اگر هم کهیں کہ ایک زمانہ وہ آنے والا هے جب انسان کسی چیز کا سهارا لئے بغیر آسمان میں پرواز کرنے لگے گا، کیونکہ اس طرح کا تصور فقط خواب میں کیا جاسکتا هے اور ایسا کبھی بھی نهیں هوسکتا۔

اُس زمانہ میں یہ بات واقعاً ایک مذاق تھی کہ اگر کوئی کهے کہ ایک عالم دین اس طاغوت بادشاہ کی جگہ خود حکومت بنائے گا کیونکہ اس وقت لوگ یهی کهتے کہ کیا ایسا هوسکتا هے؟!! کیا ایسا شخص جو اپنی زندگی کو مشکل سے چلاتا هو اور اپنے گھر میں بھی امنیت نہ رکھتا هو اور کسی بھی وقت (مخفی) پولیس ان کے گھر میں آکر گرفتار کرسکتی تھی، یا ان کو جلاوطن کردے یا جیل میں ڈال دے اور ان کو شکنجہ کرے تو کیا ایسا شخص حکومت تشکیل دینے کی قدرت حاصل کرسکتا هے!!

اگرچہ گذشتہ زمانہ میں ”ولایت فقیہ“ کاظاهری وجود نهیں تھا یهاں تک کہ عقلی طور پر اس کا احتمال بھی نهیں دیا جاتا تھا؛ لیکن اس کو علمی طور پر تصور کیا جاسکتا تھا جس میں کوئی اشکال بھی نهیں تھا، بهت سے فقهاء ومجتهدین نے ”ولایت فقیہ“ کی تھیوری کو بیان کیا هے، اور اس سلسلہ میں تحقیق وبررسی کی هے کہ اگر ایک زمانہ فقیہ کی حکومت کے لئے آجائے اور وہ فقیہ مسند حکومت پر تشریف فرما هو، تو اس کی ولایت مطلق هوگی یا مقید (اور محدود)؟۔

ائمہ معصومین علیهم السلام کے زمانہ کے برخلاف کہ جب ائمہ (ع) تقیہ میں هوتے تھے اور مکمل طور پر آزادی نهیں هوتی تھی، اور نہ هی حکومتی مسائل میں کوئی دخالت کرسکتے تھے ،مومنین صرف مخفی طور پر امام علیہ السلام سے ملاقات کرتے تھے اور اپنی بعض مشکلات منجملہ اختلافات وغیرہ کو بیان کرتے تھے تاکہ گواہ اور ثبوت کے بعد ائمہ (علیهم السلام) دونوں فریقوں کے درمیان فیصلہ فرماتے تھے، اسی طرح اس زمانہ کے برخلاف جس میں فقهاء حکومت سے دور رکھے جاتے تھے ،اور حکومتی مسائل میں دخالت کا حق نهیں رکھتے تھے، تواگر کسی زمانہ میں فقیہ ومجتهد کی حکومت بنانے کی راہ هموار هوجائے اور وہ حکومت تشکیل دینے کی قدرت رکھتا هو، تو کیا اس کی ولایت صرف ضروری کاموں تک محدود رهے گی؟ جس کو اصطلاحاً ”امور حسبیہ“ کها جاتا هے،یا ظالم وستمگر کی حکومت کی تمام تر قید وبند اور محدودیت ختم هوجائے گی؟ جبکہ اسلامی سیاست کے لحاظ سے ولی فقیہ کی قدرت کے بارے میں کوئی محدویت نهیں هے، وہ امام معصوم (ع) کی طرح مبسوط الید هے جو حکومت تشکیل دے اور معاشرہ کے نظام کو چلانے میں امام معصوم (ع) کی طرح هے لہٰذا دوسری قسم ”ولایت مطلقہ فقیہ کی تھیوری“ کے عنوان سے پیش هوئی هے۔

همارے بزرگوں میں ”ولایت مطلقہ فقیہ کی تھیوری“ کی وضاحت کے علاوہ اس کو عملی طور پر بھی محقق کرکے دکھانے والوں مینحضرت امام خمینی (رہ) تھے، جنهوں نے تقریباً چالیس سال پهلے اپنے درس میں اس سلسلہ میں بیان کیا کہ ایک فقیہ کسی خاص علاقہ میں حکومت تشکیل دے سکتا هے اور وہ اس صورت میں تمام حاکم شرعی کے اختیارات رکھتا هوگا، اور صرف ضروری اور امور حسبیہ میں منحصر نهیں هوگا، وہ اسلامی معاشرہ کے تقاضوں کے تحت اسلامی قوانین کے تحت ولایت کو جاری کرسکتا هے۔

جس وقت امام خمینی (رہ)نے اس نظریہ کو بیان کیا تو آپ کے شاگردوں نے حسن نیت اور آپ سے لگاؤ کی وجہ سے اس نظریہ کو قبول تو کرلیا لیکن ان کو دل سے یقین نهیں تھا کہ ایسا بھی زمانہ آئے گا یهاں تک کہ اس تحریک کا آغاز هوا اور آهستہ آهستہ انقلاب آگیا، اور اسلامی حکومت کی تشکیل سے مذکورہ نظریہ عملی طور پر ظاهر هوگیا۔

پس ”ولایت مطلقہ فقیہ“ یعنی وہ شخص جو اسلامی نظریہ کے مطابق حکومت کرنے کے شرائط رکھتا هو، اور علم، تقویٰ اور معاشرہ کی رهبری کے سلسلہ میں امام معصوم (ع) سے زیادہ شباهت رکھتا هو اور حکومت تشکیل دے، اور وہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

معاشرہ کو ادارہ کرنے میں معصوم (ع) کے اختیارات رکھتا ہوگا اور جس وقت ولی فقیہ کے اس قدر وسیع اختیارات ہوں تو اس وقت ولی فقیہ کے تحت اسلامی حکومت کے تمام قوانین اور دستور العمل ولی فقیہ کی اجازت اور اس کے اذن سے مشروعیت (جواز) پیدا کرتے ہیں، اور ایک ایک کو براہ راست یا مستقل طور پر قانون گذاری کا حق نہیں ہوگا، اور نا ہی حکومتی قوانین کو جاری کرنے کا حق ہوگا، تمام حکومتی امور اسی کی اجازت سے قانونی ہونگے، اس کی حکومت میں قوانین کو جاری کرنے کا کوئی بھی عہدہ اسی کی طرف دیا جائے گا، یا اگر کسی خاص قانون کے ذریعہ اس کا انتخاب کیا جائے تو اس کو اسی وقت قانونیت ملے گی جب ولی فقیہ اس کی موافقت کردے، لہٰذا چاہے قانون گذاری کا مسئلہ ہو یا قانون کو جاری کرنے کا مسئلہ جب تک ولی فقیہ کی اجازت نہ ہو تو کوئی بھی کام جائز نہیں ہے۔

جیسا کہ امام خمینی (رہ) مکرر ارشاد فرماتے تھے: ”اگر کوئی حکومت ولی فقیہ کی اجازت سے نہ ہو تو وہ طاغوت ہے۔“

اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کی صرف دو قسمیں ہیں ایک حق کی حکومت اور دوسری طاغوت کی حکومت حق کی حکومت وہ حکومت ہے جس کی باگ ڈور ولی فقیہ کے ہاتھوں میں ہے اور حکومت کے تمام مسائل اسی کے ماتحت ہوں اور اسی کی اجازت سے مشروعیت پیدا کرتے ہیں، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو وہ حکومت باطل اور حکومت طاغوت ہے ، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

(فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلاَّ الضَّلاٰلُ۔) (5)

”اور حق کے بعد ضلالت کے سوا کچھ نہیں ہے “

8۔ مقبولہ(روایت) عمر بن حنظلہ سے ولایت فقیہ

قارئین کرام ! مذکورہ بیان کے مطابق، ولی فقیہ کے وسیع اختیارات قوانین شرع مقدس میں منحصر ہیں اور ان سے متجاوز نہیں ہونگے؛ کے پیش نظر یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ”ولایت مطلقہ فقیہ“ موجب شرک اور غیر خدا کو مطلق قرار دینا نہیں ہے؛ بلکہ اس کے برعکس ائمہ معصومین علیہم السلام سے نقل شدہ روایات کے مضمون کے لحاظ سے اگر کوئی شخص ولی فقیہ کے حکم اور فرمان کی نافرمانی کرے تو وہ مشرک ہے جیسا کہ عمر بن حنظلہ کی روایت میں موجود ہے:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دو شیعہ افراد(جن میں دینی مسائل یا دنیوی مسائل اور میراث کے سلسلہ میں اختلاف تھا)کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اپنے اختلافات کو دورکرنے اور اپنے فیصلہ کے لئے کس کی طرف رجو ع کریں؟ تو امام علیہ السلام نے ان کو ظالم اور طاغوت حاکم کی طرف رجوع کرنے سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ راویان حدیث اور دینی مسائل کے ماہر اور اہل فن کی طرف رجوع کریں، چنانچہ آپ ایک حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں:

” فَاِنِّی قَدْ جَعَلْتُہ حَاکِماً، فَاِذَا حَکَمَ بِحُکْمِنَا فَلَمْ یَقْبَلْہ مِنْہ فَاِنَّمَا اسْتَخَفَّ بِحُکْمِ اللهِ وَعَلَیْنَا رَدَّ، وَالرَّادُ عَلَیْنَا الرَّادُ علی اللهِ وَھوْ عَلٰی حَدِّ الشِّرْکِ بِاللهِ “ (6)

(میں اس (فقیہ اور دین میں ماہر شخص)کو تم پر حاکم قرار دیتا ہوں پس جس وقت وہ ہمارے حکم کے مطابق فیصلہ کرے اور کوئی اس کو قبول نہ کرے تو بے شک اس نے حکم خدا کو ہلکا قرار دیا ہے اور ہمارے حکم کو ردّ کیا ہے ، ہمارے حکم کو ردّ کرنا خدا کے حکم کو ردّ کرنا ہے اور یہ خدا وندعالم پر شرک کی حد ہے۔)

چنانچہ مذکورہ روایت کے پیش نظر اگر کسی جامع الشرائط فقیہ نے حکومت تشکیل دی تو اگر کوئی شخص اس کی مخالفت کرے یا اس کے حکم کو ردّ کرے تو گویا اس نے ائمہ معصومین علیہم السلام کی مخالفت کی اور ان کی مخالفت خدا کے شرک کی حد تک ہے البتہ یہ شرک ربوبیت تکوینی میں شرک کی طرح نہیں ہے بلکہ ربوبیت تشریعی میں شرک ہے کیونکہ توحید کے اقسام ومراتب ہیں:

1۔ توحید در خالقیت؛ یعنی خداوندعالم کی وحدانیت اور اس کی یکتائی کا اقرار کرنا۔

2۔ توحید در الوھیت وعبودیت؛ یعنی خدا وندعالم کے علاوہ ربّ اور مطلق قانون گذار نہ ہونے اور کسی کے لائق عبادت ہونے پر عقیدہ رکھنا۔

خود توحید ربوبی کی دو قسمیں ہوتی ہیں :

1۔ توحید ربوبیت تکوینی۔

2۔ توحید ربوبیت تشریعی۔

”توحید در ربوبیت“ یعنی دونوں جہان کی تدبیر کو خدا وندعالم سے مخصوص مانے اور اس بات پر عقیدہ رکھیں کہ گردش

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

آفتاب ومهتاب ، دن رات کا موجود هونا، انسان وحیوانات کی موت وزندگی اور دیگر جاندار اشیاء کی حفاظت نیز دیگر حادثات خدا کی طرف سے هوتے هیں، وهی زمین وآسمان کی حفاظت کرتا هے نیز اس وسیع وعرض دنیا میں جو چیز بهی پیدا هوتی هے ، رشد کرتی هے، اپنے بچے پیدا کرتی هے اور پهر مرجاتی هے یا کسی بهی طرح کے جو آثار رونما هوتے هیں وہ تمام کے تمام خدا وندعالم کی تدبیر اور اس کے اراده کے تحت هوتے هیں، اور کوئی بهی واقعہ خداوندعالم کے دائره ربوبیت سے باهر نهیں هے۔

”ربوبیت تشریعی“ صرف انسانوں کی اختیاری تدبیر سے متعلق هوتی هے برخلاف دوسری مخلوقات کے ، کیونکہ انسان کی تمام حرکات وسکنات اور اس کی ترقی ؛ اس کے اختیاری افعال کی بنا پر هوتی هے ، کیونکہ خداوندعالم نے انسان کو راه مستقیم کی هدایت فرمائی هے، اور اس کو خوب وبد کی پهچان کرادی هے، اور وهی انسان کی ذاتی اور اجتماعی زندگی میں قانون صادر فرماتا هے۔

لهٰذا توحید اور اس کے اقسام کے بارے میں بیان شده مطالب کے پیش نظر اگر کوئی شخص توحید در خالقیت اور عبودیت نیز توحید ربوبیت تکوینی کو قبول کرلے لیکن اگر توحید ربوبیت تشریعی کو قبول نہ کرے تو وہ مشرک هے، جس طرح سے حضرت شیطان بهی اسی شرک میں مبتلا هوئے هیں، کیونکہ شیطان خدا وندعالم کی توحید در خالقیت کو قبول رکهتا تها اسی طرح خداوندعالم کی توحید ربوبیت تکوینی کو بهی قبول رکهتا تها، اسی وجہ سے اس نے کها:

(قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ)(7)

”اس نے کها پروردگارا ! جس طرح تو نے مجهے گمراه کیا هے میں ان بندوں کے لئے زمین میں ساز و سامان آراستہ کروں گا اور ان سب کو اکهٹا کروں گا۔“

قارئین کرام ! جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ شیطان خداوندعالم کی تکوینی ربوبیت کا معتقد تها، اور خداوندعالم کو اپنا پروردگار سمجهتا تها، لیکن اس نے ربوبیت تشریعی کا انکار کیا اسی وجہ سے وہ مشرک هوگیا جب خداوندعالم امام معصوم علیہ السلام کی اطاعت کو واجب قرار دیتا هے تو اگر کوئی شخص اس کو نہ مانے اور اس (امام) کی اطاعت نہ کرے، تو اس نے خداوندعالم کی تشریعی ربوبیت کا انکار کیاهے اور وہ تشریعی ربوبیت میں مشرک هوگیا هے اسی طرح اگر امام معصوم علیہ السلام کسی شخص کو اپنے طرف سے معین اور منصوب فرمائیں اور اس کی اطاعت دوسروں پر واجب قرار دیں تو اگر کوئی اس کو نہ مانے اور امام معصوم علیہ السلام کو تسلیم نہ کرے تو وہ بهی تشریعی ربوبیت میں شرک کا مرتکب هوا هے لهٰذا اگر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرمائیں: ولی فقیہ کی مخالفت ”علی حدّ الشرک بالله“ (خدا پر حدّ شرک هے) ؛ تو امام نے کوئی مبالغہ نهیں کیا هے اور حقیقت کو بیان فرمایا هے، لیکن خالقیت یا تکوینی ربوبیت میں شرک نهیں؛ بلکہ اس کا شرک شیطان کی طرح تشریعی ربوبیت میں هے۔

مذکوره باتوں کے پیش نظر اسلامی نظریہ کے مطابق اسلامی حکومت کے مختلف مراتب هیں اس حکومت کابلندترین نمونہ اس وقت وجود میں آسکتا هے جب اس حکومت کی باگ ڈور پیغمبر یا امام معصوم علیہ السلام کے هاتہ میں هو اس سے کم مرتبہ کی حکومت وہ حکومت هے جو جامع الشرائط فقیہ کے ذریعہ تشکیل پاتی هے، جو علم وعمل اور معاشره کی مدیریت کے لحاظ سے امام معصوم (ع) سے زیاده شباهت رکهتا هے اس سے کم مرتبہ والی حکومت کا بهی تصور پایا جاتا هے (جیسا کہ فقهاء نے اپنی اپنی کتابوں میں اس بارے مینبهی بیان کیا هے)اور وہ یہ هے کہ اگر جامع الشرائط فقیہ موجود نہ هو یا اگر موجود هے لیکن معاشره کی رهبری کی صلاحیت نہ رکهتا هو تو اس وقت ولایت وحکومت عادل مومنین کے حوالے کی جائے گی؛ کیونکہ معاشره کو اس کے حال پر نهیں چهوڑا جاسکتا، اور اس کے لئے حکومت تشکیل نہ دی جائے لهٰذا طے یہ هوا کہ اگر امام معصوم علیہ السلام حاضر هوں تو ان کی حکومت وولایت بهترین اور مطلوب حکومت هے، لیکن اگر امام معصوم (ع)حاضر نہ هوں توپهر وہ جامع الشرائط فقیہ جو امام معصوم (ع) سے زیاده شباهت رکهتا هے اس کی حکومت هونا چاهئے، لیکن اگر جامع الشرائط فقیہ بهی موجود نہ هو تو تو پهرایسے عادل مومن کی حکومت هو جس کا تقویٰ اور عدالت اس حدّ تک هو جس پر عوام الناس اعتماد کریں، اور اس کے احکام جاری کرنے پر راضی هوں اگرچہ اس کا علم فقیہ کی حد تک نہ هو۔

اگرچہ همارا نظریہ یہ هے کہ همیشہ معاشره میں ایسے علماء ، فقهاء اور بزگان رهے هیں جو معاشره کی رهبری اور مدیریت کی صلاحیت رکهتے هیں ، تاکہ معاشره کی رهبری کی عظیم ذمہ داری کا بار اپنے شانوں پر اٹهائیں، جیسا کہ خداوندعالم نے هم پر احسان کیا کہ اس نے حضرت امام خمینی (ره) جیسی عظیم نعمت سے سرفراز کیا، تاکہ معاشره کی بهترین طریقہ سے رهبری کریں، اور ان کے بعد ایسے شخص کا ذخیره کیا جو امام خمینی (ره) کا خاص شاگرد اور ان کا خلف صالح هے، جس میں زهد وتقویٰ، سیاسی فکر، مصالح مومنین کی رعایت، اسلامی معاشره کی رهبری اور مدیریت نیز

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

دیگرمہم صفات میں امام خمینی (رہ) سے زیادہ مشابہ اور نزدیک ھے۔

9۔ اسلام کی نظر میں تفکیک قوا (قدرت کا جدا جدا ہونا) کا جائزہ

دوسری وہ چیز جس پر ھم نے زیادہ اشارہ کیا ھے اور کہ اس پر مزید روشنی ڈالنا مناسب ھے وہ تفکیک قوا (قدرت کا جدا جدا ہونا) اور حکومتی ذمہ داریوں کی تقسیم ھے جیسا کہ آپ حضرات نے ملاحظہ فرمایا کہ اسلامی نقطہ نظر سے حکومت کی ایسی کوئی خاص شکل وصورت نہیں ھے جو مخصوص شرائط یا کسی خاص معاشرہ سے مخصوص ھو اسلام کے لحاظ سے حکومت ایسی بھی ھوسکتی ھے جس میں فقط چند خاندان شامل ھوں ، یا بھت زیادہ آبادی والے ملک میں بھی حکومت ھوسکتی ھے ، بلکہ عالمی معاشرہ کے لئے بھی حکومت ھوسکتی ھے ظاھر سی بات ھے کہ حکومت کی مخصوص ذمہ داریاں اور وظائف جن سے حکومت کا وجودی فلسفہ ظاھر ہوتا ھے (خصوصاً زیادہ آبادی والے ملک میں) تو یہ ذمہ داریاں ایک یا دوافراد کے بس کی بات نہیں ھیں۔

اندرونی امنیت ، بیرونی دشمن سے مقابلہ، اقتصادی کارکردگی پر نظارت، بین الاقوامی امور پر نظارت، بین الاقوامی تعلقات کو طے کرنا نیز معاشرہ کی دوسری ضرورتیں اور ان سب میں مھم اسلامی شعار کو اقامہ کرنا، احکام اسلامی کے جاری ھونے پر نظارت اور ان کی حفاظت وغیرہ وغیرہ جیسی مھم ذمہ داریاں حکومت کے ذمہ ھوتی ھیں جن کے تحت ان کے لئے کام تقسیم ھونا چاھئے یہ تقسیم کار دو محور میں انجام پاتی ھے، ایک عمودی (طولی) اور دوسرا افقی (عرضی) ؛ یعنی حکومتی کار کردگی کے یہ دونوں حصے ساق مثلث کے دو خطوں کو تشکیل دیتے ھیں، جو وسط سے ایک دوسرے کے راستہ کو نہیں کاٹتے، اور آخر میں" راس ھرم" (مرکزی نقطھ) پر پھنچ جاتے ھیں، سادہ الفاظ میں حکومت کو ھرم کے مانند سمجھیں، جیسا کہ سیاست دانوں نے اس شباھت کی بنا پر حکومت کو "ھرم قدرت" سے تعبیر کیا ھے، جس میں ایک مرکزی نقطہ ھوتا ھے اور اسی کے تحت ھرم ھوتی ھے، اسی طرح حکومت کی مرکزی قدرت ایک شخص کے پاس ھوتی ھے جس کے تحت تمام ادارے کام کرتے ھیں

جس وقت ھم حکومت کے عام معنی تصور کریں تو قدرت کا ھر ایک رخ حکومت کے وظائف کو تشکیل دیتا ھے "مانٹسکیو" کے زمانہ سے فلسفہ حقوق اور سیاست میں حکومتی قدرت کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ھے:قوہ مقننہ (پارلیمنٹ) قوہ قضائیہ (قضاوت وعدالت) اور قوہ مجریہ (قوانین کو جاری کرنے والی طاقت جو حکومت کی شکل میں دکھائی دیتی ھے)، حکومت کا ایک رخ قانون گذاری ھوتی ھے دوسرا رخ قضاوت (عدالت) اور تیسرا رخ قوانین کو جاری کرنا ھوتا ھے حکومت کی کار کردگی کا ایک حصہ کلی اور جزئی قوانین ومقررات بنانا ھوتا ھے اور دوسرا حصہ عوام الناس کے اختلافات اور جھگڑوں کے فیصلے کرتا ھے، اور تیسرا حصہ معاشرہ میں قوانین کو جاری کرتا ھے۔

10۔ طاقت کے ایک ساتھ ھونے کا سبب

اگرچہ حکومتی کارکردگی اور اس کی قدرت کی مذکورہ تقسیم مناسب اور بجا ھے، لیکن اس بات پر بھی توجہ رکھنا ضروری ھے کہ ان تینوں حصوں کے درمیان خط کھینچنا آسان کام نہیں ھے یعنی یہ بات عملی طور پر ممکن ھی نہیں ھے کہ ھم عام طور پر قوانین ومقررات اور آئین ناموں اور ان کے جاری کرنے کو جدا جدا کریں اور قوہ مجریہ کو بالکل کسی بھی طرح کے قوانین نہ بنانے کی اجازت نہ دیں، آج کل ان تمام ھی ممالک میں جن میں ڈیموکریسی سسٹم ھوتا ھے قدرت کی تقسیم کو قبول کیا گیا ھے، اور ان میں خواہ نا خواہ بعض چیزوں میں قانون گذاری اور ان کو جاری کرنے کے سلسلہ میں اختلاط (مخلوط ھونا) پایا جاتا ھے، جس کی سب سے واضح مثال کا پارلیمنٹ نظام میں مشاھدہ کیا جاتا ھے، کیونکہ ڈیمو کراٹک نظام پارلیمنٹ اور ریاستی نظام کی طرف تقسیم ھوتا ھے۔

1۔پارلیمنٹی نظام

جو قدرت کے یکجا ھونے کی بنیاد پر ھوتا ھے، یعنی تمام تر قدرت پارلیمنٹ کے تحت ھوتی ھے جب عوام الناس کے ووٹوں سے مختلف پارٹیوں سے ممبران منتخب ھوتے ھیں تو ان کے ذریعہ پارلیمنٹ بنتا ھے، اور اسی میں سے مختلف وزیراور وزیر اعظم بنائے جاتے ھیں، اور تمام بڑے بڑے عھدے اسی پارلیمنٹ کے ممبران میں سے ھوتے ھیں اس نظام میں پارلیمنٹ کی طرف سے مختلف وزراء کو مختلف اداروں کی ذمہ داری دی جاتی ھے ، اور یھی پارلیمنٹ وزراء کو معزول بھی کرسکتا ھے۔

2۔ ریاستی نظام

جس میں قدرت جدا جدا تقسیم ہوتی ہے اس نظام میں صدر مملکت پارلیمنٹ کی طرف سے انتخاب نہیں ہوتا اور وزراء صدر مملکت کی طرف سے منصوب ہوتے ہیں،اور پارلیمنٹ ان کو معزول نہیں کرسکتا، در مقابل پارلیمنٹ بھی قوہ مجریہ سے مستقل اور جدا ہوتا ہے اس سسٹم میں ممبر آف پارلیمنٹ اور وزراء کابینٹ "Cabinet" میں ذاتی اور مانعة الجمع اختلاف ہوتا ہے یعنی صدر مملکت ممبر آف پارلیمنٹ میں سے وزیر نہیں بنا سکتامگر اس وزیر کو جس نے پارلیمنٹ کی ممبری شپ سے استعفاء دیدیا ہو۔
ریاستی حکومت میں صدر مملکت براہ راست عوام الناس کے ذریعہ انتخاب ہوتا ہے اور اس میں ایک طرح طاقت کے دخل کا مشاہدہ ہوتا ہے، اور بعض قوانین ومقررات کو طے کرنا وزراء کابینٹ کی ذمہ داری ہوتی ہے آج کل ہمارے ملک میں بہت سی اجتماعی اور اقتصادی کار کردگی کے لئے حکومت کے قوانین کافی ہوتے ہیں؛ یعنی حکومتی کابینٹ کا جلسہ ہوتا ہے اور صلاح مشورہ کے بعد قوانین تصویب کئے جاتے ہیں، اور خود ان کو جاری بھی کرتی ہے لہٰذا بعض قوانین بنانے میں حکومت کو اجازت ہوتی ہے۔
دوسری طرف اگرچہ پارلیمنٹ کا کام قوانین بنانا ہوتا ہے لیکن بعض اجرائی کاموں کو بھی انجام دیتی ہے: مثال کے طور پر بیرونی کمپنیوں سے معاہدہ (اگریمنٹ) کرنا ایک اجرائی کام ہے اور قاعدہ کے مطابق حکومت کو کرنا چاہئے لیکن چونکہ یہ مسئلہ بہت مہم اور بنیادی ہے لہٰذا اس سلسلہ میں تمام پہلؤوں پر نظر رکھتے ہوئے احتیاط کے ساتھ ضروری تحقیق وجائزہ کے بعد یہ قدم اٹھایا جاتا ہے تاکہ اس سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جاسکے،اور حکومت میں اس طرح کے معاہدہ کو بیان کرنے کے بعد ضروری تحقیق وبررسی کرکے پارلیمنٹ کے حوالے کیا جاتا ہے، اور جب پارلیمنٹ اس کی تائید کردیتا ہے تو اس پر عمل درآمد ہوتا ہے۔

المختصر تفکیک قوا (قدرت کا جدا جدا ہونا) کا نظریہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تینوں طاقتیں ایک دوسرے سے مستقل اور جدا ہوں، لیکن عملی میدان میں دنیا کے مختلف نظام میں بعض امور کے سلسلہ میں ان قوتوں میں اختلاط پایا جاتا ہے، البتہ یہ قدرتیں جس قدر بھی ایک دوسرے سے جدا جدا رہیں اور ہر قدرت ایک دوسرے سے مستقل ہوں تو پھر ایک دوسرے میں دخالت اور ناجائز فائدہ اٹھانے کا امکان کم پایا جاتا ہے۔

حوالے:

(1) الیگارکی اس نظام حکومت کو کہتے ہیں جس میں مقتدر لوگوں کی حاکمیت ہوتی ہے
(2) عمراء اور بادشاہوں کی حکومت جو نسلاً بعد نسل چلتی رہتی ہے
)3(سورہ نساء آیت 59
(4) سورہ حشرا آیت 7
(5)سورہ یونس آیت 32
)6(وسائل الشیعہ ج 1 ص 43
)7(سورہ حجر آیت 39

اکتیسواں جلسہ

تفکیک قوا (قدرتوں کی جدائی) کے نظریہ کی تحقیق اور اس پر نقد وتنقید

1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
جیسا کہ ہم نے گذشتہ جلسات میں عرض کیا کہ اسلامی حکومت کے بہت سے وظائف اور ذمہ داریاں ہوتی ہیں جن کی بنا پر اسلامی حکومت کا فلسفہ وجودی سمجھ میں آتا ہے وہ وظائف اور ذمہ داریاں جن کی اسلامی حکومت عہدہ دار ہوتی ہے ان کے لئے کچھ خاص اختیارات بھی ہونا ضروری ہیں جن کے تحت وہ اپنے وظائف اور ذمہ داریوں کو پورا کرسکتی ہے بھر حال تمام ھی حکومتوں بالخصوص اسلامی حکومت کی خاص ذمہ داریوں کی وجہ سے کاموں کی تقسیم بندی ہوتی ہے جو مہارت، لیاقت اور ذمہ داری کی قسم کی بنا پر عہدہ داران کو دی جاتی ہے بے شک یہ کاموں اور قدرتوں کی تقسیم ایک ضروری چیز ہے، کیونکہ اگر ایک محدود مقام جیسے کسی گاؤں وغیرہ کی حکومت کا مسئلہ ہوتا تو اس وقت کاموں کی تقسیم اتنی زیادہ ضروری نہ ہوتی لیکن چونکہ اسلامی حکومت ایک خاص علاقے سے مخصوص نہیں ہے لہٰذا اکثر موارد میں قدرتوں کی تقسیم نہایت ضروری ہے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اور چونکہ اسلامی حکومتی نظریہ پوری دنیا اور تمام زمانونکے لئے ھے، لہٰذا اس کے لئے ایک ایسا نقشہ مرتب کیاگیاھے جو عالمی اوردائمی ھے، او رکسی خاص علاقے اور خاص زمانہ سے مخصوص نہیں ھے،اسی وجہ سے اس کے لئے ایسے قوانین کا انتخاب کیا گیا ھے جو مختلف زمانہ اور مختلف مقامات کے لئے جاری ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں؛ بے شک کاموں اور قدرت کی تقسیم انھیں قوانین کے تحت ہوتی ھے۔

2۔ تفکیک قوا (قدرتوں کی جدائی) کے نظریہ کی تاریخی حیثیت

قارئین کرام ! جیسا کہ ھم نے گذشتہ جلسہ میں عرض کیا کہ حکومتی نظام کا ایک ھرم(وسیلہ اور طاقت) کی طرح تصور کیا جاسکتا ھے،جو مختلف شکلوں اور صورتوں سے تشکیل پاتا ھے،لیکن ان شکلوں کی تعداد تقریباً معاھدہ کے طور پرھوتی ھیں چنانچہ حکومت کی یہ شکل قدیم زمانہ سے چلتی آرھی ھے،یونانی فلاسفہ منجملہ ”ارسطو“ کے زمانے سے حکومت کی یھی تین چھرے والی تصویر پیش کی گئی ھے ان میں سے ایک چھرہ ان لوگوں سے مخصوص ھوتا ھے جو معاشرہ کے صاحب عقل وخرد ھوتے ھیں، اورحکومت کے اس حصے کو (جسے آج کل ”قانون گذاری پاور“ (ممبر آف پارلیمنٹ) کا نام دیا جاتا ھے)؛وہ لوگ تشکیل دیتے ھیں جو اپنی عقل وفکر کو بروئے کار لاتے ھوئے معاشرہ کے نظام کے لئے ضروری قوانین مرتب کرتے ھیں اسی طرح ارسطو کے کلام میں دوسرے دو چھروں کا بھی تذکر ہ ھے جو قوہ مجریہ (حکومت) اور قوہ قضائیہ (عدل) پر منطبق ھوتی ھیں،اور وہ درج ذیل ھیں:

1۔ معاشرہ کے حکام اور اس کو چلانے والے۔

2۔عوام الناس کے فیصلے کرنے والے افراد۔

اسی طرح ان آخری صدیوں میں مغربی سیاست داں افراد نے بھی حکومت کے تین چھروں والا نظریہ پیش کیا ھے چنانچہ ان کے آخر میں ”مونٹسکیو“ نے بھی تفکیک قوا کے نظریہ کے تحت حکومت کو درج ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا ھے: قانون گذاری، عدلیہ، اور قوہ مجریہ، اور اسی وجہ سے اس نے ”روح القوانین“ نامی کتاب لکھی، جس میں ھر ایک قدرت کے بارے میں تفصیل سے بحث کی ھے ”مونٹسکیو“ کی علمی اور نئے نظریات کے سلسلہ میں کی گئی کوشش کی وجہ سے تفکیک قوا کا مسئلہ اسی وقت سے مشھور ھوگیا یھاں تک کہ آج بعض لوگ اسی کو اس تھیوری کا مخترکھتے ھیں۔

آج کل اکثر ممالک منجملہ ھمارے ملک میں بھی بنیادی قوانین اسی نظریہ کے تحت بنائے جاتے ھیں، اور تینوں طاقتوں کو استقلال اور ڈیموکریسی کے اصول میں شمار کرتے ھیں بین الملل (عالمی سطح) پر اسی ملک کو ڈیموکریٹک کھا جاتا ھے جس میں یہ تینوں طاقتیں ایک دوسرے سے الگ الگ اور مستقل ھوں اور ایک دوسرے پر مسلط نہ ھوں۔

3۔ تفکیک قوا نظریہ کے دلائل پر ایک نظر

1۔ چونکہ حکومت کی مختلف اور پیچیدہ ذمہ داریاں ھوتی ھیں جن کے سبب ان کے بارے میں کافی معلومات اور خاص مھارت کی ضرورت ھوتی ھے لہٰذا یہ سب کام ایک شخص سے نھیں ھوسکتا لہٰذا انھیں پیچیدگیوں کے پیش نظر کام اور قدرت کی تقسیم ضروری ھے اور چونکہ حکومت کی مختلف ذمہ داریاں ھوتی ھیں لہٰذا ان میں اختلاف اور ایک دوسرے کامخالف ھونا بھی ممکن ھے تو اس صورت میں حکومت کے اسی خاص چھرے کے لحاظ سے عھدہ داروں کا بھی انتخاب ھوتا ھے اسی بنا پر حکومت کی تینوں طاقتیں تقسیم ھوتی ھیں اور انھیں کے تحت تمام حکومتی امور انجام پاتے ھیں،البتہ اس کی زیادہ تر فعالیت قوہ مجریہ کے تحت ھوتی ھیں: مثلاً جنگ اور دفاع سے متعلق مسائل، معاشرہ کے مستضعف او رکمزور لوگوں کی امداد کرنا، تعلیم وتربیت کا نظام اور علاج ومعالجہ سسٹم وغیرہ یہ تمام محکمات قوہ مجریہ کے تحت ھوتے ھیں جبکہ عدلیہ کا کام صرف عوام الناس کے اختلافات اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنا ھوتا ھے، اور قانون گذار پاور (پارلیمنٹ) کا کام فقط قوانین بنانا ھوتا ھے، اس کے علاوہ دوسرے مخصوص کام نیز معاشرہ اور ملک کی دوسری ضرورتوں کا پورا کرنا حکومت کی ذمہ داری ھوتی ھے۔

قوہ مجریہ کی عظیم اور وسیع ذمہ داریوں کے پیش نظر ھوسکتا ھے اس کو عدلیہ اور پارلیمنٹ کے برابر رکہ دیا جائے اوراس کو ایک قدرت کا نام دیدیا جائے لیکن خود حکومت کا ایک پھلو نھیں ھوتا بلکہ مختلف ذمہ داریوں اور وظائف کی بنا پر اس کے ایک سے زیادہ پھلو ھوتے ھیں اور اس قدرت کی تقسیم کی بنا پر ھر ایک محکمہ پر ایک قدرت کا اطلاق ھوسکتا ھے، اس صورت میں اس کے بھت سے پھلو دکھائی دے سکتے ھیں،اور اس کے، تحت ھر وزارتخانہ اس کے ایک پھلو کو تشکیل دیتا ھے۔

بھر حال حکومتی نظام کی مختلف ذمہ داریوں کی بنا پر قدرت کی جوتین قسمینکی گئی ھے،اور اس تقسیم کو آج کی دنیا ئے سیاست نے بھی قبول کیا ھے اور وہ ایک معاھدہ کے عنوان سے مشھور ھے، لہٰذا اس تقسیم میں کوئی اشکال نھیں ھے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قارئین کرام ! یہاں پر ایک سوال یہ باقی رھتا ھے کہ کیا حکومت کی مختلف ذمہ داریوں کا ھونا اس تقسیم اور استقلال کے لئے کافی ھے؟ تو جواب یہ ھے کہ مختلف ذمہ داریوں کا ھونا صرف تفکیک قوا پر ایک توجیہ تو ھوسکتی ھے لیکن اس کو اس سلسلہ میں علت تامہ (مکمل طور پر علت) قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ جب ھم قوہ مجریہ کو دیکھتے ھیں تو اس میں بھی مختلف ذمہ داریاں ھوتی ھیں جن میں آپس میں زیادہ تعلق بھی نہیں ھوتا؛ مثلا جنگ اور دفاع کا مسئلہ، میڈیکل وغیرہ لیکن اس کے بعد بھی یہ تمام چیزیں قوہ مجریہ کے تحت ھوتی ھیں اور اگر ذمہ داریوں کے مختلف ھونے ھی کو قدرت کے زیادہ ھونے کا سبب قرار دیں تو پھر دسیوں مستقل قدرتیں ھونا چاھئیں تھیں۔

2۔ تفکیک قوا اور تکونی تقسیم کی مہم ترین دلیل اور توجیہ وھی ھو جس کی بنا پر مونٹسکیو نے تفکیک قوا کا یہ نظریہ پیش کیا ھے: چونکہ انسانی فطرت میں ایک دوسرے پر سلطنت اور ظلم کی طرف جھکاؤ پایا جاتا ھے ، اور اگر تینوں طاقتیں ایک شخص یا ایک گروہ کے تحت ھوتیں تو پھر اس (حکومت) سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے زیادہ امکانات پائے جاتے،کیونکہ اس صورت میں وھی گروہ قانون گذار بھی ھے اور فیصلے کرنے کی ذمہ داری بھی اسی کی ھے اور قوانین کو جاری کرنے کا عھدہ بھی اسی کے پاس ھے، اور یہ ظاھر ھے کہ ھر انسان اپنے مفاد میں قانون بناتا ھے اور پھر اپنےھی حق میں فیصلے کرتا ھے، اس طرف سے قوانین کو جاری کرنے کی ذمہ داری بھی اسی کی ھے لھٰذا ناجائز فائدہ اٹھانے کے بھت سے راستے ھموار ھوجاتے اسی بنا پر مونٹسکیو کا ماننا تھا کہ راہ اعتدال کو برقرار رکھنے اور ظلم وجور سے روک تھام اور ناجائز فائدہ اٹھانے سے روکنے کے لئے تینوں قدرتوں کا الگ الگ ھونا ضروری ھے۔

قارئین کرام ! گذشتہ مطالب کے پیش نظر یہ بات معلوم ھوگئی کہ قدرتوں کا مستقل ھونا اس لئے ضروری ھے،کہ ناجائز فائدہ اٹھانے کا سد باب ھوجائے خصوصاً قوہ مجریہ کے لئے جو جب عدلیہ بالکل مستقل ھو تو پھر سب کے فیصلے قوانین کے تحت ھوں گے،اور کوئی بھی سزا سے نہیں بچ سکتا،اور تمام ھی افراد عدلیہ کے مقابلہ میں جواب دہ ھوں گے، کیونکہ اس صورت میں عدلیہ بڑے سے بڑے حکومتی عھدہ دار کو عدالت کے کٹھیرے میں کھڑا کرسکتی ھے،اور اگر انھوں نے قوانین کی خلاف ورزی کی ھے تو اس کو سزا دے سکتی ھے اسی طرح اگر قانون گذار طاقت (پارلیمنٹ) نے اسلامی قوانین کی مخالفت کی ھے تو اس صورت میں عدلیہ ان کے خلاف کاروائی کرسکتی ھے اسی طرح اگر قانون گذار طاقت مستقل ھوگی تو وہ (بھی) قانون گذاری کے سلسلہ میں کسی (عدلیہ اور حکومت) سے متاثر ھوکر قانون نہیں بنائے گی اور ممبر آف پارلیمنٹ قوانین بناتے وقت مکمل طور پر مستقل اور آزادی کے ساتھ قوانین بنائیں گے اور کسی بھی طاقت کے تحت تاثیر قرار نہیں پائیں گے، اور دوسرے سے وابستہ ھونے کا احساس بھی نہینکریں گے۔

4۔ تفکیک قوا کو بالکل محدود کرنا نا ممکن

سیاست داں حضرات نے ڈیموکریسی کے لئے تینوں طاقتوں کو مستقل ھونا شرط قرار دیا ھے،البتہ یہ استقلال عملی طور پرحاصل ھونا چاھئے اور نظریہ کے لحاظ سے بھی، کیونکہ ھوسکتا ھے کوئی نظام تفکیک قوا کے نظریہ کے تحت ھو اور یہ تصور کیا جائے کہ تینوں طاقتیں ایک دوسرے سے بالکل جدا ھیں،اور کسی ایک طاقت سے بھی متاثر نہیں ھے لیکن عملی میدان میں ایک طاقت دوسری طاقت پر تجاوز کرجائے اور اپنے حکمرانی چلانے کی کوشش کرے۔

اگر ھم دنیا بھر کی ڈیموکرسی حکومتوں پر غور کریں تو ھمیں معلوم ھوجائے گا کہ بھت ھی کم ایسی حکومتیں ھیں جن میں تینوں طاقتیں ایک دوسرے سے مکمل طور پر الگ الگ ھوں،مثلاً عدلیہ اور پارلیمنٹ ؛ حکومت سے متاثر نہ ھوں اور یہ تو ظاھر سی بات ھے کہ جب عدلیہ کے تمام اخراجات حکومت کے ھاتہ میں ھوں اور انتخابات حکومت کے ذریعہ انجام پاتے ھوں تو پھر بھت ممکن ھے کہ حکومت چند پارٹیوں کے مقابلہ میں اسی طرح اپنی حکومت کو برقرار رکھے؛ اور جب حکومت اس کے ھاتہ میں ھوگی تو دوسری طاقتیں بھی اسی کے اختیار میں ھوں گی۔

اسی وجہ سے ھم دیکھتے ھیں کہ دنیا بھر کی مختلف حکومتوں میں حکومت کے عھدہ دار افراد کبھی علی الاعلان اور کبھی مخفی طور پر دوسری حکومتوں میں دخالت کرتے ھیں اور ان پر زور دیتے ھیں، خصوصاً وہ ممالک جن میں پارلیمنٹی نظام ھوتا ھے اور پارلیمنٹ کے ذریعہ ھی حکومتیں عھدہ داروں کا انتخاب کرتی ھیں،یعنی ممبر آف پارلیمنٹ براہ راست عوام الناس کے ذریعہ چنے جاتے ھیں اور پھر یھی ممبر اپنی اکثریت سے حکومت کے لئے عھدہ داروں کا انتخاب کرتے ھیں۔

اسی طرح ریاستی نظام جن میں صدر مملکت کا انتخاب خود عوام الناس کرتی ھے اور اجرائی قدرت صدر مملکت کے اختیار میں ھوتی ھے؛ ان میں حکومت پارلیمنٹ اور عدلیہ میں دخالت کرتی ھے، خصوصاً بھت سے وہ ممالک جن میں صدر مملکت کو وٹو "Veto" کا حق ھوتا ھے، اور وہ پارلیمنٹ کے قوانین کو بے اثر کرسکتا ھے اس کا مطلب یہ ھے کہ پارلیمنٹ باید وشاید طور پر اپنے نظریہ کو حکومت پر لاگو نہیں کرسکتا، ممبر آف پارلیمنٹ قوانین بناتے ھیں ، اپنی بحث

وگفتگو کے بعد اکثریت سے کسی قانون کو پاس کرتے ھیں، لیکن چونکہ خود بنیادی قوانین نے صدر مملکت کو وٹو کا حق دیا ھے لہٰذا ان کے بنائے ھوئے قوانین بے اثر ھوجاتے ھیں۔

ھماری نظر میں کوئی ایسا ملک نہیں ھے جس میں تینوں طاقتیں ایک دوسرے سے مستقل ھوں، اور کسی ایک طاقت کے تحت تاثیر نہ ھوں اور ایک دوسرے میں کسی طرح کی کوئی دخالت نہ کرتی ھوں،خصوصاً قوہ مجریہ جو دوسری طاقتوں پر زیادہ نفوذ رکھتی ھے، فقط بنیادی قوانین میں استقلال کے نام سے موجود ھے جبکہ حقیقت میں تینوں طاقتیں مستقل اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ھے، بلکہ حکومت ان پر مسلط ھوتی ھے۔

اور چونکہ تینوں طاقتیں ایک دوسرے میں دخالت کرتی ھیں لہٰذا ان تینوں طاقتوں کے کام کے درمیان ایک ثابت حد بندی معین کرنا واقعاً مشکل ھے جیسے قانون گذاری والے مسائل ھوں یا قوانین جاری کرنے والے مسائل یا اس کے برعکس،یعنی اجرائی مسائل کو قانون گذاری کے حوالے سے جدا کرنا مشکل ھے ھم خود اپنے ملک میں اور دوسرے ممالک میں یہ دیکھتے ھیں کہ وہ مسائل جو قانون گذاری کا پھلو رکھتے ھیں لیکن وہ (بھی) حکومت کے ذمہ ھیں مثال کے طور پر بنیادی قوانین کے تحت بعض قوانین حکومتی کابینٹ کے سپرد کئے جاتے ھیں جن کو طے کرکے جاری کیا جاتا ھے اگرچہ ان قوانین پر اسپیکر کے دستخط ھونا (بھی) ضروری ھوتے ھیں، لیکن کبھی کبھی صرف ان قوانین کا پارلیمنٹ میں بھیج دینا ھی کافی ھوتا ھے بعض حکومتوں میں اسپیکر کے دستخط کرنا یا پارلیمنٹ میں بھیجنا ضروری بھی نھیں ھوتا، بلکہ خود حکومتی کابینٹ میں پاس ھونے سے وہ قانونی شکل اختیار کرلیتے ھیں،اور ان کو نافذ کردیا جاتا ھے لیکن وہ موارد میں جن میں اسپیکر کے دستخط اور اس کا تائید کرنا ضروری ھوتا ھے،ان میں(بھی) دستخط اور تائید کی کوئی خاص اھمیت نھیں ھوتی اور صرف دکھاوٹی پھلو ھوتا ھے کیونکہ حکومتی کابینٹ کوئی بھی قانون بنادے تو پھر اسپیکر کو اس پر دستخط کرنا ھی ھوتا ھے اور اگر یہ فرض کرلیں کہ اسپیکر کے دستخط دکھاوے کے طور پر نھیں ھیں توکیا اسپیکر کے دستخط کرنے کا مطلب یہ ھے کہ اس قانون کو ممبر آف پارلیمنٹ نے بنایا ھے؟!

بھر حال بعض ایسے مسائل جو قانون گذاری کے پھلو رکھتے ھیں اور ان پر بحث وگفتگو کے ذریعہ ان کو پاس کرنا پارلیمنٹ کے ذمہ ھوتا ھے ، لیکن ان کی فوری طور پر ضرورت ھے اور اگر وہ فوراً تصویب نہ ھوئے تو معاشرہ میں خلل پیش آجائے گا تو اس صورت میں خود حکومتی کابینٹ کو اس طرح کے قوانین بنانے کا حق دیا جاتا ھے دوسری طرف بعض وہ مسائل جو اجرائی پھلو رکھتے ھیں لیکن ان کی اھمیت کے پیش نظر بنیادی قوانین ان کو جاری کرنے کے لئے پارلیمنٹ کو مصوب کرنے اور اس کی تائید کرنے کی شرط کرتا ھے مثلاً جنگ، اقتصاد اور تیل وغیرہ کے سلسلہ میں بیرونی کمپنیوں سے معاھدہ کرنا یہ سب کام اجرائی پھلو رکھتے ھیں لیکن بنیادی قوانین کے مطابق پارلیمنٹ کا پاس کرنا ضروری ھے قارئین کرام ! ھمارا مقصد یہ ھے کہ تھیوری اور نظری لحاظ سے پارلیمنٹ اور قوہ مجریہ کے وظائف میں مکمل طور سے جدائی کرنا صحیح اور منطقی نھیں ھے۔

حکومتی نظام میں پارلیمنٹ اور قانون گذار مجلس کے علاوہ دوسری شوریٰ اور مجالس بھی ھوتی ھیں جن کا کام بھی ایک طرح سے قانون گذاری ھوتا ھے مثال کے طور پر ھمارے ملک میں ”شوریٰ انقلاب فرھنگی“ بھی بعض چیزوں کو تصویب کرتی ھے جن کو قانون کی جگہ سمجھا جاتا ھے،اور ان قوانین کی شکل ایسی ھوتی ھے جس کی بنا پروہ شوریٰ اسلامی مجلس او رممبر آف پارلیمنٹ کے ذریعہ تصویب ھوجاتے ھیں، لیکن ھمارے ملکی نظام کے ثقافتی اھمیت کی خاطر اور ثقافتی سلسلہ میں سیاست اور طریقہ کار کو طے کرنے کی ذمہ داری ان افراد پر ھوتی ھے جو اس سلسلہ میں کافی تجربہ اور مھارت رکھتے ھوں اسی طرح بعض دوسرے مخصوص ادارے ھوتے ھیں جن کا شمار قوہ مجریہ میں ھوتا ھے،اور قانون کو جاری کرنے والوں کی طرح تصیمم گیری کرتے ھیناور قانون گذاری پھلو نھیں رکھتے، مثلاً ”شوریٰ عالی امنیت“ اور ”شوریٰ عالی اقتصاد“ جو اس سلسلہ کے ماھر ین افراد پر مشتمل ھوتی ھیں، جن کی مھارت اور دقت عقلی دوسری کی نسبت زیادہ ھوتی ھے جوملک کے اھم اور اسٹریٹیجک"Strate'gique" مسائل میناپنی دقت اور ظرافت کے ساتھ عمل کرتی ھے۔

قارئین کرام ! ھماری گذشتہ باتوں سے یہ بات واضح ھوجاتی ھے کہ تینوں طاقتوں کا مکمل طریقہ سے مستقل اور الگ الگ ھوناچاھے تھیوری"Theory" کے لحاظ ھو یا عملی (پریکٹیکل) "Practical" اعتبارسے ایک مشکل کام ھے،خصوصاً حکومت کے مخصوص کاموں کا پارلیمنٹ کی ذمہ داریوں سے الگ کرنا لیکن جیسا کہ دیکھنے میں آتا ھے کہ یہ طاقتیں ایک دوسرے میں دخالت کرتی ھیں،خصوصاً بھت سے ملکوں میں حکومت؛ پارلیمنٹ اور عدلیہ میں دخالت کرتی ھے اسی وجہ سے اس طرح کی مداخلت سے روک تھام کے لئے ایک طریقہ سے معاھدہ کرنا ضروری ھے۔

5۔ تینوں طاقتوں پر ایک ناظر اور ھم آھنگ کرنے والی طاقت کی ضرورت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قارئین کرام ! دوسرا مسئلہ یہ ھے کہ اگر در حقیقت تینوں طاقتوں میں مطلق اور مکمل طور جدائی ھوجائے اور ھم پارلیمنٹ کو مستقل طور پردیکھنا چاھیں جودوسری دونوں طاقتوں سے کوئی بھی عھدا دار کا رابطہ نہ رکھتا ھو، اسی طرح قوہ مجریہ یا عدلیہ کو مستقل طور پر دیکھنا چاھیں اور اس تقسم میں تھیوری اور پریکٹیکل طور پر کسی طرح کی کوئی مشکل پیش نہ آئے تو ملک کی ترقی کے سلسلہ میں پیش آنے والے اھم امور میں بھت بڑی مشکل میں پھنس جائیں گے، اور وہ مشکل یہ ھوگی کہ حکومت میں ایک قسم کاشدید اختلاف پیدا ھوجائے گا؛ گویا ایک ھی ملک میں تین حکومتیں ھوں گی، جن میں سے ھر ایک اپنے لحاظ سے کارکردگی میں مشغول ھے جس کاایک دوسرے سے بالکل کوئی واسطہ نھیں ھے۔

المختصرایک طرف حکومت کی کار کردگی کا مختلف ھونا اور ان کا پیچیدہ اور وسیع ھونا اس بات کا تقاضا کرتا ھے کہ طاقتیں تقسیم ھونا چاھئیں، اور حکومت کے لئے مختلف پھلو مد نظر رکھے جائیں، اور ان تینوں طاقتوں کی ذمہ داری کی وجہ سے ایک حکومت کے لئے بھت سے چھرے تصور کئے جائیں جس کے نتیجہ میں ایک حکومت مثلث القاعدہ یا مخمس القاعدہ ھوجائے جس کی وجہ سے اس حکومت کے مختلف چھرہ دکھائی دیں دوسری طرف سے عوام الناس اور معاشرہ کے نظام کی وحدت اس بات کا تقاضا کرتی ھے کہ حکومت میں ایک وحدت اوران کا منسجم ھونا ضروری ھے تاکہ اسی کے زیر سایہ تمام نظام کی وحدت اور اتحاد نیز طاقتوں کے درمیان ایک ھم آھنگی برقرار رھے اسی طرح ان تینوں طاقتوں کی کارکردگی پر بھی نظارت ھوسکے۔

لھٰذا ھم اسلامی حکومت کے لئے دو قسم کی مصلحت اندیشی کے روبرو ھیں: ایک طرف سے ھمیں طاقتوں اور ذمہ داریوں کی تقسیم کو قبول کرنا ھے کیونکہ حکومت کی مختلف کار کردگی کی الگ الگ قسمیں ھیں اور ایسے ماھر افرادجواپنی مھارت او رتجربہ کے ذریعہ مختلف ذمہ داریوں کو نبھاسکیں، بھت ھی کم ھیں، اور شاید ایسے افراد کا وجود ھی نہ ھو ، لھٰذاان طاقتوں کا تقسیم کرنا ضروری ھے، اور ھر حصہ کی مخصوص ذمہ داریاں اسی فن میں ماھر افراد کے سپرد کی جائے دوسری طرف ،چونکہ معاشرہ کو ایک اتحاد اور وحدت کی ضرورت ھے؛ کیونکہ اگر ان طاقتوں میں اختلاف اور ٹکراؤ ھونے کا امکان ھے، لھٰذا ان تینوں طاقتوں کو ھم آھنگ کرنے سے ایک اھم طاقت کا ھونا ضروری ھے تاکہ اگر ان طاقتوں میں اختلاف ھوجائے تو وہ طاقت ان کے درمیان اس اختلاف کو دور کرسکے،اور ادھر معاشرہ میں اتحاد کے پیش نظر اپنا بنیادی کردار ادا کرے کیونکہ وہ معاشرہ جس پر تین طاقتیں مستقل طور پر اپنا اپنا حکم چلاتی ھیں ؛ اس کو ایک متحد اور ھم آھنگ نھیں کھا جاسکتا اور خواہ نخواہ ایک طرح کا اختلاف اور ٹکراؤ پیدا ھوجائے گا۔

اس مشکل کو حل کرنے اور ان طاقتوں میں اتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے، نیز اختلاف کو حل کرنے کے لئے سیاست دانوں نے بھت سی راہ حل بیان کی ھیں جن کا بیان کرنا اس وقت ممکن نھیں ھے ، اور ھم صرف اسلامی راہ حل پیش کرتے ھیں۔

6۔ ولایت فقیہ معاشرہ کے اتحاد کا مرکز

قارئین کرام ! گذشتہ جلسات میں بیان شدہ مطالب کے پیش نظر جن میں اسلامی حکومت کی مختلف صورتیں اور اس کے اقداری درجات کے بارے میں عرض کیا کہ اسلامی حکومتوں کی بعض صورتیں نمونہ ھیں ، اور ان میں سے بعض اس سے کم تر درجہ کی ھیں، کہ اگر بلند ترین اور نمونہ حکومت تشکیل نہ ھوسکے تو اس سے کم تر درجہ والی حکومت تشکیل پائے گی؛ یھاں پر ھم یہ عرض کرتے ھیں کہ اسلامی نظام میں اس مشکل کے بارے میں بھترین چارہ جوئی بیان کی گئی ھے کیونکہ نمونہ حکومت میں ایک معصوم ذات کو بر سر اقتدار ھونا چاھئے، اور اسی کے ھاتھوں میں طاقت وقدرت ھونی چاھئے،اور یہ ظاھر سی بات ھے کہ جب (معصوم علیہ السلام) کے ھاتھوں میں قدرت ھوگی تو تو معاشرہ میں وحدت واتحاد اور قدرتوں میں ھم آھنگی پیدا ھوجائے گی، اور اپنی قدرت سے اختلافات اور قدرتوں کے درمیان ٹکراؤ کا خاتمہ فرمادیں گے اس کے علاوہ ھر قسم کی خودخواھی ،ذاتی مفاد اور پارٹی بازی سے جدا رھینگے؛ کیونکہ معصوم وہ ھے جس میں کسی طرح کا کوئی غیر الٰھی تصور نھیں پایا جاتا (البتہ ھم پھلے عرض کر چکے ھینکہ اسلامی حکومت کی نمونہ صورت(آئیڈیل شکل) صرف امام علیہ السلام کے حاضر ھونے کی صورت ھی میں ممکن ھے۔

اسی طرح اسلامی حکومت کی دوسرے درجہ میں وہ حکومت ھے جس میں صاحب اقتدار وہ شخص ھو جو امام معصوم علیہ السلام سے زیادہ مشابہ اور نزدیک ھو ، اور ضروری شرائط کے علاوہ امام معصوم کے بعد تقویٰ اور عدالت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ھو ایسی شخصیت کو ولی فقیہ کھا جاتا ھے؛ معاشرہ کی وحدت ، قدرتوں کو ھم آھنگ کرنے والی اور عھدہ داران کی کارکردگی پر ناظر اورنگراں ھوتی ھے، نیز حکومت کے لئے اھم راھنمائیاں ، رھبری اور اھم سیاست گذاری اسی ذات کے ذریعہ ھوتی ھے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قدرت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے ''مونٹسکیو'' نے قدرتوں کی جدائی کا نظریہ پیش کیا جس کو تقریباً سبھی لوگوں نے قبول کیااور وہ ایک حد تک مفید بھی ھے ؛ لیکن اس نظریہ سے اصل مشکل کا حل نہیں ہوتا کیونکہ اگر حکومت کے عھدہ داران (تینوں طاقتوں میں) اخلاقی صلاحیت اور تقویٰ الٰھی سے مزین نہ ھوں اور قدرت تقسیم ھوجائے اور تین حصوں میں بٹ جائے، تو اس صورت میں معاشرہ کی برائیاں اور خود حکومت بھی تین حصوں میں تقسیم ھوجاتی ھے اس صورت میں اگر ھم قوہ مجریہ کی برائیاں کم ھوتی دکھائی دیتی ھیں تو اس کی وجہ اس دائرہ کا محدود ھوجانا ھے اور صرف قدرت کا ایک حصہ اس کے پاس ھے لہٰذا ھمیں اس چیز پر خوش نہیں ھونا چاھئے کہ قوہ مجریہ(حکومت)کے جرائم اور فساد کم ھوگئے ھیں کیونکہ بعض مفاسد عدلیہ کی طرف منتقل ھوگئے ھیںاور بعض پارلیمنٹ کی طرف جو غالباً قوہ مجریہ کے تحت تاثیر ھوتی ھے،اور ان سے خلاف ورزیاں اور مفاسد سرزد ھوتے ھیں۔

لہٰذا ان طاقتوں کے مفاسد اور ایک دوسرے میں دخالت کرنے سے روک تھام کا بھترین طریقہ عھدہ داروں کے لئے تقویٰ الٰھی اور اخلاقی صلاحیت کی سفارش کرنا ھے اور ھر عھدہ دار اپنے عھدہ کے لحاظ سے تقویٰ اور اخلاقی صلاحیت کا مالک ھو ، اگر عھدہ عظیم اور بڑا ھے تواس کا تقویٰ اور اخلاقی صلاحیت بھی دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ھو، اور اسی قانون کے تحت جو شخص اس اسلامی قدرت کی صدارت کررھا ھو وہ سب عھدہ داروں مینسب سے زیادہ متقی اور پرھیزگار ھو،نیز مدیریت اور قوانین کی معلومات بھی بھترین ھوں اسی وجہ سے اسلامی نظام میں قدرتوں کے درمیان اختلافات کو روکنے، مفاسد کو دور کرنے اورٹکراؤ وغیرہ سے روک تھام ، نیز معاشرہ کے اتحاد ووحدت کو برقرار رکھنے والے رھبر کے لئے دوسرے حکومتی عھدہ دارونسے زیادہ تقویٰ اور عدالت کی شرط رکھی گئی ھے تاکہ عوام الناس اس کی عدالت اور تقویٰ پر اطمینان رکھتے ھوئے اس کی اطاعت کریں اور اس کو اپنی مشکلات حل کرنے والا سمجھیں اس صورت میں اگر تینوں قدرتوں میں کچھ خامیاں اور مشکلات پیدا ھوجائیں تو اس عظیم الشان رھبری کے زیر سایہ برطرف ھوجائیں،اور معاشرہ کی مشکلات بھی رفتہ رفتہ دور ھوجائیں جیسا کہ اس بیس سال کے زمانہ میں ھم مقام رھبری کا مشکل کشاء اور ، سعادت بخش کردار دیکھتے آئے ھیں۔

بتّیسواں جلسہ

اسلامی نظام کے اعتقادی عظمت بیان ھونے کی ضرورت

1۔ اسلامی حکومت کی تھیسز "The'sis" کی پھچان کے مختلف طریقے

ھم نے گذشتہ جلسوں میں اسلامی حکومتی نظام کے مختلف ڈھانچوں کی طرف اشارہ کیا اور کھا کہ حکومتی نظام ایک چند پھلو طاقت کی طرح ھے جس کی صدارت اس شخص کے پاس ھو جو بالواسطہ یا بغیر واسطہ خداوندعالم کی طرف منصوب ھو اور یہ نقشہ سیاسی فلسفہ میں ایک تھیوری"Theory"کے نام سے بیان ھوتا ھے ، لیکن اس کو ثابت کرنا کہ واقعاً یہ نقشہ اسلامی بھترین نظریہ ھے جس کو حکومت اور اسلامی معاشرہ کی عظیم مدیریت کے لئے پیش کیا جانا واقعاً مزید علمی اور دقیق مطالعہ کی ضرورت ھے؛ اسی وجہ سے اس سلسلہ میں بھت سے ایسے سوالات ھیں جن کے جوابات کے لئے ماھرین اور فقھاء کرام کو بھترین علمی اور دقیق تحقیقات کے بعد جوابات پیش کرتے ھیں، البتہ ان سوالات کے جوابات کو تین مرحلوں میں جواب دیئے جاسکتے ھیں:

الف۔ مختصر شناخت:

کبھی کبھی انسان اپنے وظیفہ اور ذمہ داری کی پھچان کے لئے ماھرین کی طرف رجوع کرتا ھے، تاکہ وہ اپنے علمی قواعد کے تحت اس کا وظیفہ معین کریں، مثلاً عوام الناس کا مراجع تقلید کی طرف رجوع کرنا،اور ان سے استفتاء کرنا اورشرعی امور میں اپنے وظیفہ کو معین کرنے کی درخواست کرنا ، اسی طرح ھر صنف کے ماھرین کی طرف رجوع کرنا؛ جیسے کسی مریض کا ماھر ڈاکٹر کے پاس جانا اور اس سے علاج کرنے کی درخواست کرنا، اسی طرح کسی بلڈنگ یا مکان کا نقشہ بنوانے کے لئے کسی بلڈر کی طرف رجوع کرنا اور ظاھر ھے کہ اس صورت میں اس کو مختصر سا جواب دیا جاتا ھے اور اس میں علمی اصول کی تفصیل بیان نھیں کی جاتی، بلکہ در حقیقت اس علم کا ما حصل اور خلاصہ بیان کیا جاتا ھے۔

یہ بات ظاھر ھے کہ اسلامی حکومت کے سلسلہ میں مختصر اور اجمالی شناخت ھمارے معاشرہ کے لئے واضح ھے اور جس وقت سے ھمارے ملک میں اسلامی حکومت قائم ھوئی ھے تو کوئی بھی ایسا شخص نھیں ھوگا جس کو اسلامی حکومت کی حقیقت کے بارے میں معلومات نہ ھوگی شاید اسلامی انقلاب سے پھلے بھت کم ھی ایسے افراد ھوں گے جو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اسلامی حکومت اور ولایت فقیہ کے بارے میں آگاہ نہ ہوں ،اور ان کے لئے مختصر طور پر اس تھیوری کی معلومات فراھم کی جائے لیکن (الحمد للھ) آج کل کسی شخص کو اسلامی حکومت کے بارے میں مختصر اور اجمالی شناخت کے بارے میں بتانے کی ضرورت نہیں ھے (بلکہ اس سلسلہ میں عام شناخت اور معلومات رکھتے ھیں) البتہ ایسا بھی نہیں ھے کہ اسلامی حکومت کے بارے میں تفصیل اورمکمل وضاحت کی ضرورت نہ ھو، بلکہ مسئلہ یہ ھے کہ ولایت فقیہ اور اسلامی حکومت کی اصل تھیوری عوام الناس کے لئے حل شدہ اور روشن ھے،یہاں تک کہ ھمارے مخالفین اور دشمن بھی اس سلسلہ میں معلومات رکھتے ھیں،جبکہ وہ اپنی تمام تر طاقت انقلاب اور اسلام کی مخالفت میں خرچ کرتے رھتے ھیں لیکن ادھر چونکہ ھماری عوام نے اپنے نظام کی حقانیت کو درک کرلیا ھے تو یہ بھی اپنے تمام وجود سے اس اسلامی انقلاب اور ولایت فقیہ کا دفاع کرتے ھیں اور اس انقلاب اور اسلامی نظام کی حفاظت کے لئے کچھ بھی کرنے کے لئے تیار رھتے ھیں چنانچہ ھمارے افراد انقلاب اور نظام اسلامی کے دشمنوں کے مقابلہ میں ”مرگ بر ضد ولایت فقیھ“ (ولایت فقیہ کے دشمن مرجائیں) کے نعرہ کو ولایت فقیہ دشمنوں سے مخالفت کا ایک اعلان سمجھتے ھیں، اور ھمیشہ اس نعرہ کی حفاظت کرتے ھیں اور اسی پر قائم ر ھیں یہاں تک کہ سیاسی اور مذھبی محفلوں اور مساجد میں بھی اس کو دعا کے عنوان سے ھمیشہ پڑھتے رھتے ھیں۔

قارئین کرام ! اسلامی حکومت اور ولایت فقیہ کے سلسلہ میں مختصر جواب کے علاوہ دوسرے دو جواب بھی موجود ھیں : ایک صاحب نظر اور ماھرین افراد کے لئے اجتھادی اور اکیڈمیک جواب، اور دوسرا اسٹوڈینٹس وغیرہ کے لئے متوسط قسم کا جواب ھے۔

ب۔ مخصوص اور علمی شناخت:

تفصیلی ، علمی اور مخصوص نیز اکیڈمیک جواب ان افراد کے لئے ھوتا ھے جوبلند ترین علمی درجات پر فائز ھوتے ھیں اور اپنی تمام تر استعداد اور امکانات کو اسلامی حکومت اور ولایت فقیہ کے موضوع سے مخصوص کرتے ھیں جیسے وہ طالب علم جو ”اسلامی حکومت“ یا اس کے کسی ایک حصے میں ڈاکٹری کرنا چاھتا ھے اور اپنا پایان نامھ(علمی رسالھ) لکھنا چاھتا ھے جس کے بعد اس کو "P.H.D"کی سند ملتی ھے تو وہ اس موضوع پر تحقیقی نظر ڈالتا ھے اور اس کے تمام پھلوؤں پر نظر ڈالتا ھے اور چند سال تک اس کی تحقیق وبررسی کرتا ھے، اور علمی و دقیق منابع ومآخذ کا مطالعہ کرتا ھے نیز اس فن کے ماھر اور زبدہ اساتیذ سے صلاح ومشورہ کرنے کے لئے اپنے استدلال و برھان بیان کرتا ھے تاکہ اس کی پی ایچ ڈی قبول ھوجائے۔

اسی طرح علمی اور دقیق کاوشیں حوزات علمیہ میں بھی انجام پاتی ھیں اور جو لوگ درس خارج میں مشغول اور قریب الاجتھاد ھوتے ھیں اور اپنے مورد نظر مسائل میں استنباط کرنا چاھتے ھیں تو کبھی کبھی ایک ظاھراً معمولی اور چھوٹے سے مسئلہ کی سالوں تحقیق اور مطالعہ کرتے ھیں، اور دسیوں کتاب کا مطالعہ کرتے ھیں، اور فقھاء ومجتھدین سے بحث وگفتگو کرتے ھیں تاکہ آخر میں اپنا مخصوص نظریہ پیش کرسکیں اس سلسلہ میں کوئی شک نہیں ھے کہ تمام نظری مسائل منجملہ عقائد، اخلاق، احکام فرعی، اجتماعی، سیاسی، حقوقی، اور بین الملل مسائل میں اس طرح کی دقیق اور علمی بحث کی ضرورت ھے تاکہ اس سلسلہ میں ماھرین علماء کے ذریعہ اسلامی فرھنگ وثقافت کا وقار اپنی جگہ باقی ھے؛ لیکن یہ بات مخفی نہ رھے کہ اس طرح کے جوابات نہ تو عوام الناس کے لئے ضروری ھیں اور نہ ھی مفید ھیں۔

ج۔ متوسط شناخت:

آخر میں ”اسلامی حکومت اور ولایت فقیھ“ جیسے مسائل کے جواب کے لئے متوسط اور درمیانی قسم کی تحقیق وبررسی ھمارے سامنے ھے،جن کو عام جلسوں مینبیان کیا جاسکتا ھے ، جبکہ ھمارا مقصد بھی ان جلسات میں اسی قسم کے جوابات پیش کرنامقصود ھیں، ھم نہ تو اسلامی حکومت کے سلسلے میں مختصر جواب پیش کرنا چاھتے ھیں جیسا کہ ایک مجتھد اور مفتی استفتاء کے جواب میں اپنے رسالہ عملیہ میں لکھتا ھے اور نہ ھی اس کو مفصل اور تحقیقی طور پر بیان کرنا چاھتے ھینجن کا چند سال طولانی سلسلہ ھوسکتا ھے بلکہ ھمارا مقصد تو معاشرہ کے مختلف لوگوں کے لئے درمیانی(متوسط) قسم کی معلومات فراھم کرنا ھے تاکہ اسلامی نظام کے مخالف اور دشمنوں کے شبھات اور اعتراضات کا مقابلہ کرسکیں اور ان کی مختلف سازشوں کو ناکارہ بناسکیں معاشرہ کی اس وقت کی ثقافتی حالت ایک ایسے معاشرہ کی طرح ھے جس کا کسی خطرناک بیماری سے مقابلہ ھو اور سبھی کو اس سے خطرہ در پیش ھو اور اس بیماری سے مقابلہ کرنے کے لئے صرف ایک دفعہ ٹوک دینا کافی نہیں ھے یا صرف اس سلسلہ میں کار شناسی نظریہ اخبار یا دوسرے ذرائع ابلاغ میں اعلان کردینا کافی نہیں ھے، بلکہ اس بارے میں مسلسل تذکر اور ضروری ھدایات دینا ضروری ھے تاکہ عوام

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

الناس کی معلومات میں اضافہ ھو اور اس اجتماعی بیماری سے مقابلہ کرسکیں ایک مختصر تذکر اور یاد دھانی کے علاوہ سمینار، کانفرنس اور تقریریں ھوں تاکہ اس سلسلہ میں عوام الناس کے لئے مسائل واضح اور روشن ھوجائیں اور اس سلسلہ میں موجودات خطروں کا پتہ لگالیں۔

اس وقت ھم ”اسلامی حکومت“ اور ”ولایت فقیہ“ کے سلسلہ میں متوسط قسم کی شناخت پیش کرنا چاھتے ھیں کیونکہ ھم یہ احساس کرتے ھیں کہ ھمارے آج کل کے نوجوان اسلامی حکومت اور ولایت فقیہ اسلامی نظام کے رکن ؛ سے زیادہ معلومات نھیں رکھتے، اور بعض شیطان صفت لوگوں نے ان کو گمراہ کرنے کی ٹھان رکھی ھے لہٰذا چونکہ یھی ھمارے جوان جو ھماری امیدیں اور اس انقلاب کے وارث بھی ھیں ان کو اس سلسلہ میں معلومات حاصل کرنا چاھئے تاکہ ثقافتی آفتوں اور شیطانی مشکلات کا شکار نہ ھوں، لہٰذا ھم اپنی بحث کومتوسط قسم کے لحاظ سے بیان کرتے ھیں،تاکہ نظریہ ولایت فقیہ کے سلسلہ میں اجتماعی اور ثقافتی بصیرت ویقین میں اضافہ ھو، اور بعض التقاطی (چنیدہ) نظریات اور انحرافات وغیرہ سے مقابلہ کرسکیں اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ عوام الناس کو ولایت فقیہ کے نظریہ سے آگاہ کرنے اور اس کو ثابت کرنے کے لئے علمی اور دقیق راستہ نھیں اپنانا چاھئے ، جیسا کہ فقھاء ومجتھدین کسی ایک مسئلہ کو حل کرنے کے لئے آیات و روایات سے استدال کے وقت سند ودلالت کے بارے میں بھت زیادہ تفصیل سے بحث کرتے ھیں کیونکہ یہ طریقہ کار تو حوزہ علمیہ میں مجتھدین یا سیاسی علوم میں ڈاکٹری وغیرہ سے متعلق ھوتا ھے۔

قارئین کرام ! مذکورہ مطالب کے پیش نظر اس وقت ھم نظریہ ”ولایت فقیہ “کو آسان الفاظ میں اپنے جوانوں کے ذھنوں تک پھنچانا چاھتے ھیں تاکہ اگر کوئی شخص ان سے اسلامی حکومت اور ولایت فقیہ کے بارے میں سوال کرے تو وہ جواب دے سکیںاور اپنے اعتقاد کا دفاع کرسکیں لیکن اگر ان کے سامنے دقیق تر سوالات بیان کئے جائیں جن میں تخصصی اور کار شناسی (معاملہ فھم)بررسی وتحقیق کی ضرورت ھو تو ان کو ماھرین کی طرف رجوع کرنا چاھئے لہٰذا ھم نے اسی مذکورہ ھدف کی خاطر اپنی بحث کے دو حصے کئے: 1۔ قانون گذاری۔ 2۔ اجرائے قانون (قوانین کا نافذ کرنا)۔

2۔ قانون کی ضرورت اور اس کے خصوصیات پر ایک نظر

گذشتہ پھلے حصے کا خلاصہ :

1۔ انسان اپنی اجتماعی زندگی کے لئے قانون کا محتاج ھے، کیونکہ بغیر قانون کے زندگی میں افرا تفری ، حیوانیت اور انسانی اقدار نیست ونابود ھوجاتا ھے، چنانچہ یہ بات کسی بھی صاحب عقل پر پوشید نھیں ھے۔

2۔ اسلامی نقطہ نظر سے انسانی اجتماعی زندگی کے لئے ایسا قانون ضروری ھے جس سے مادی اور دنیاوی مصالح بھی پورے ھوتے ھوں اورمعنوی اور اُخروی مصالح بھی پورے ھوتے ھوں۔

یھاں پر اس بات کی یاد دھانی کرا دینا ضروری ھے کہ اگرچہ کبھی کبھی بعض اسلام دشمن طاقتوں کی طرف سے نئے نئے شبھات اوراعتراضات ھوتے ھیں جن کے جوابات دینا ضروری ھیں اگرچہ مختصر ھی کیوں نہ ھوں ، آج کل بعض مقالوں، تقریروں یھاں تک کے بعض ٹیلی ویزن پروگراموں میں یہ مسئلہ بیان ھوتا ھے کہ دنیاوی مسائل؛ اخروی مسائل سے جدا ھیں، یھاں تک کہ بعض لوگوں نے تو یھاں تک کھہ دیا کہ کوئی بھی قانون ایسا نھیں ھے جس سے دنیاوی اور اُخروی دونوں مصالح پورے ھوتے ھوں کسی بھی حکومت کو یا تو صرف دنیا پرست ھونا چاھئے اور دنیاوی اور مادی مسائل کو حل کرے یا آخرت پرست؛ جس میں دنیا سے کوئی مطلب نہ ھو۔

قارئین کرام ! مذکورہ بالا اعتراض ”اسلامی سیاسی نظام“ کے سلسلہ میں ھونے والے اعتراضات میں سب سے گھٹیا(پست) قسم کا اعتراض ھے، اور واقعاً افسوس کے ساتھ کھنا پڑتا ھے کہ بعض عھدہ دار افراد بھی اس سلسلہ میں بڑی آب وتاب اور شان وشوکت سے اس طرح کا اعتراض کرتے ھیں جن کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی گمراہ ھوجاتے ھیں۔

بے شک اسلامی نظریہ کی بنیاد اس بات پر قائم ھے کہ یہ دنیاوی زندگی آخرت کی زندگی کا مقدمہ اور پیش خیمہ ھے، اور جو کچھ بھی ھم اس دنیا میں اعمال انجام دیتے ھیں انھیں کی وجہ سے ھم آخرت میں سعادت مند یا شقاوت مند ھونگے در حقیقت دین کا ھدف اور مقصد یہ ھے کہ انسانی زندگی اس طرح گذاری جائے تاکہ اس دنیاوی سھولتوں کے ساتھ ساتھ آخرت کی سعادت بھی حاصل ھوجائے ، یعنی خداوندعالم کی طرف سے بھیجے ھوئے انبیاء کرام علیھم السلام نے بشریت کے لئے ایسا نظام پیش کیا ھے جس سے انسان کی دنیاوی زندگی کے ساتھ آخرت کی زندگی بھی کامیاب اور سعادتمند قرار پائے اور چونکہ یہ مسئلہ بالکل واضح اور روشن ھے واقعاً تعجب کا مقام ھے کہ بعض وہ لوگ جو قرآن کریم اور سنت نبوی سے کم وبیش آگاھی رکھتے ھیں اور ان کو جاھل نھیں کھا جاسکتا وہ لوگ خود غرضی کی وجہ سے اپنی آنکھوں سے حقیقت کا نظارہ نھیںکرتے اور اپنی باتوں میں دنیاوی مسائل کو آخرت سے بالکل الگ کرتے ھوئے نظر آتے ھیں،چنانچہ کھتے ھیں: آخرت سے مربوط مسائل عبادت گاھوں، گرجا گھروں اور مساجد میں ھونا چاھئے، اس کے مقابل

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

دنیاوی اور اجتماعی مسائل انسانی تجربہ اور غور وخوض سے حل ھوسکتے ھیں ، اور دین اس سلسلہ میں کوئی کردار نھیں کرسکتا !!

یہ ایک ایسا شیطانی اعتراض ھے جو ھر صاحب عقل مسلمان پر واضح ھے کہ یہ تمام ادیان بالخصوص اسلامی نظریہ کے مخالف ھیں۔

3۔تیسرا مقدمہ یہ ھے کہ اگر یہ مان بھی لیں کہ انسان نے ھمیشہ اپنے تجربات، علم اور غور وفکر سے کام لیتے ھوئے اپنے مادی اور دنیاوی ضرورتوں کو حاصل کرلے، (البتہ دنیاوی مصالح بھی اُخری مصالح پورے ھونے کی صورت میں پورے ھوسکتے ھیں کیونکہ انسان احکام الٰھی سے فائدہ حاصل کئے بغیر دنیاوی مصالح کو بھی پورا نھیں کرسکتا) (تو پھر وہ) معنوی اور اُخروی مصالح کو پورا نھیں کرسکتا کیونکہ انسان خود بخود اُخروی مصالح کے بارے میں نھیں جانتا کیونکہ اسے نھیں معلوم کہ کونسا عمل اس کی اُخروی زندگی کی سعادت کے لئے مفید ھے؛ کیونکہ اس نے اُخروی زندگی کو دیکھا (بھی) نھیں ھے بالفرض اگر انسان دوسروں کی دنیاوی زندگی سے تجربہ حاصل کرلے اور اسی تجربہ کی بنا پر اپنے لئے زندگی کا راستہ معین کرلے، لیکن اُخروی زندگی کے سلسلہ میں نہ خود کو کوئی تجربہ ھے اور نہ ھی دوسروں کے تجربات اس کے سامنے ھیں، لہٰذا اپنے لئے آخرت کی سعادت اور کامیابی کا راستہ معین نھیں کرسکتا۔!!

قارئین کرام ! ھماری مذکورہ باتوں سے یہ بات طے ھوجاتی ھے کہ دنیاوی اور اُخروی مصالح صرف انھیں افراد کے ذریعہ حاصل ھوسکتے ھیں جن کو خداوندعالم نے اپنی علوم سے نوازا ھے؛ اور معاشرہ پر ایسے قوانین حاکم ھوں جو خداوندعالم کی طرف سے آئے ھوں تاکہ اس کے زیر سایہ دنیاوی مصالح بھی اور اُخروی مصالح بھی پورے ھوسکیں۔

3۔ قوانین جاری کرنے والے کے صفات پر دوبارہ ایک نظر

ھم نے قوانین کو جاری کرنے والے کے لئے تین مھم شرائط کا ذکر کیا، اور جو شخص قوانین کو جاری کرنے والا ھو نیز دنیاوی اور اُخروی مصالح کو پورا کرنے والا ھو اور خدا کی طرف اس کی نسبت ھو، اس کے لئے مذکورہ شرائط کا مالک ھونا ضروری ھے۔

مذکورہ شرائط:

پھلی شرط یہ تھی کہ قانون جاری کرنے والے اوراسلامی حاکم کو قانون شناس ھونا چاھئے البتہ علم ومعرفت کے مختلف درجات ھوتے ھیں اسی وجہ سے تمام افراد ایک درجہ میں نھیں ھوتے معرفت اور شناخت کے ان درجات میں نمونہ درجہ وہ ھے جس میں الٰھی قوانین سے بالکل خطا نہ ھو، اور ایسی شان صرف معصوم علیہ السلام کی ھوتی ھے جو معرفت اور ادراک میں کبھی کوئی خطا وغلطی نھیں کرتا،اور جو قانون خداوندعالم نے نازل کیا ھے اس کو کما حقہ پھچانتا ھے ظاھر سی بات ھے کہ اگر ایسی شخصیت یعنی معصوم علیہ السلام موجود ھو تو پھر معاشرہ کے لئے اس کی حکومت ضروری اور ترجیح رکھتی ھے لیکن اگر معصوم علیہ السلام غائب ھوں تو اس صورت میں یہ منصب ایسے شخص کا ھے جو دوسروں لوگوں سے زیادہ قوانین کی معرفت اور شناخت رکھتا ھو۔

دوسری شرط یہ تھی کہ قانون کا جاری کرنے والا شخص عملی میدان میں اپنے ذاتی مفاد یا کسی گروہ کے حق میں کام نہ کرے؛ یعنی اخلاقی صلاحیت رکھتا ھو اور یہ اخلاقی صلاحیت بھی علم کی طرح مختلف درجات رکھتی ھے جس کا نمونہ درجہ معصوم علیہ السلام کی شخصیت میں تصور کیا جاسکتا ھے کیونکہ معصوم علیہ السلام کی ذات کسی بھی وقت غیر الٰھی انگیزونکے تحت تاثیر قرار نھیں پاتی اور نا ھی کسی کا خوف اور ناھی کوئی لالچ ھوتا ھے، نیز اجتماعی منافع ومصالح کو اپنی ذاتی یا گھریلو یا گروھی مصالح پر قربان نھیں کرتا لیکن اگر معصوم علیہ السلام کی ذات موجود نہ ھو تو پھر ایسا شخص جو اس سلسلہ میں معصوم (ع) سے بھت زیادہ شباھت رکھتا ھو ، وھی قوانین الٰھی کو جاری کرنے کی صلاحیت رکھتا ھے۔

تیسری شرط یہ تھی کہ قوانین کو جاری کرنے والا مدیریت اور کلی قوانین کو جزئی قوانین پر منطبق کرنے میں کافی مھارت رکھتا ھو، یعنی خداوندعالم کے عام قوانین سے آگاھی کے ساتھ ان کے مصادیق کو بھی جانتا ھو اور یہ بھی جانتا ھو کہ کس طرح ان قوانین کو جاری کیا جانا چاھئے تاکہ قوانین کا اصل ھدف محفوظ رھے البتہ قوانین کو جاری کرنے میں اس قدر مھارت اور مدیریت کے لئے خاص تجربات کا ھونا ضروری ھے جن کو انسان اپنی زندگی میں حاصل کرتا ھے ، جس کا بھترین اور عالی ترین مرتبہ امام معصوم (ع) میں تصور کیا جاسکتا ھے،کیونکہ معصوم علیہ السلام کی ذات جس طرح خداوندعالم کے قوانین کی شناخت میں غلطی نھیں کرسکتا اور مقام عمل میں بھی ھوای نفس کے تحت تاثیر واقع نھیں ھوسکتا اور خداوندعالم کی خاص تائید اس کے شامل حال ھوتی ھے،اور معاشرہ کے مصالح کو معین کرنے ، عام موارد

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کو خاص موارد میں منطبق کرنے میں (بھی) انحراف اور غلطی کا شکار نہیں ہوتا۔

4۔اعتقادی اصول سے اسلامی حکومت کی تھیوری کا تعلق
بےشک اگر کوئی شخص مذکورہ مقدمات کو قبول کرے کہ واقعاً انسانی معاشرہ کے لئے ایسے قوانین کی ضرورت ھے جن سے مادی اور دنیاوی مصالح پورے ہوتے ھوں اور معنوی اور اُخروی مصالح بھی، اور اسلامی حاکم اور اسلامی معاشرہ کے ذمہ دار افراد کے شرائط کو بھی قبول کرتا ھو تو پھر اس صورت میں اسلامی نظام کی حقانیت کو قبول کرنا آسان ھے البتہ خود مذکورہ مقدمات کو قبول کرنا بھی دوسری چیزوں پر موقوف ھے: کیونکہ پھلے درجہ میں انسان کو یہ ماننا پڑے گا کہ خدا ھے، اس کے بعد یہ قبول کرے کہ اس نے ایسے پیغمبر کو بھیجا جس نے اس کے احکام بندوں تک پھونچائے اسی طرح یہ بھی قبول کرے کہ اس دنیاوی زندگی کے بعد ایک اُخروی زندگی بھی ھے اور اس دنیاوی زندگی اور اُخروی زندگی میں علت ومعلول والا تعلق ھے یہ تمام مقدمات ھماری بحث کے مبنیٰ ھیں، جن کو اعتقادی، کلامی اور فلسفی مباحث میں تفصیلی طور پر ثابت کیا گیا ھے، اور عام اجتماعی، حقوقی اور سیاسی جلسات میں ھر ایک پر الگ الگ بحث نھیں کی جاسکتی ورنہ تو نتیجہ تک پھنچے کے لئے سالوں درکار ھوں گے۔
ھمارے مخاطب مسلمان اور وہ حضرات ھیں جو خدا، دین، وحی، نبوت، پیغمبر، عصمت اور قیامت کو قبول رکھتے ھیں اور یہ معلوم کرنا چاھتے ھیں کہ کیا اسلام حکومتی نظام پیش کرتا ھے یا نھیں؟ نہ وہ لوگ جو منکر خدا ھیں ، اور نہ ھی وہ لوگ جو خود خدا کے خلاف جلوس نکالنے اور اس کے خلاف نعرے لگانے کے لئے تیار ھوں!! اور نہ ھی وہ لوگ جو دین اور احکام اسلام کو بالکل ھی نھیں مانتے،اور نہ وہ لوگ جو پیغمبر کے لئے کھتے ھیں کہ وہ بھی دوسروں کی طرح وحی کو سمجھنے میں غلطی کرسکتا ھے اسی طرح جو افراد اصول میں ھمارے مخالف ھیں وہ اس وقت کی بحث میں ھمارے مخاطب نھیں ھیں اگر وہ لوگ بحث وگفتگو کرنا چاھتے ھیں تو ان سے کسی دوسرے موقع پر بحث کی جاسکتی ھے اور ان کے سامنے اعتقادی اصول کو عقلی اور فلسفی برھان کے ذریعہ ثابت کیا جاسکتا ھے اور ان کی ھدایت کی جاسکتی ھے اور ان کو یہ سمجھایا جاسکتا ھے کہ ھاں خدا بھی ھے اور قیامت بھی آئے گی، نیز خداوندعالم نے ھدایت بشر کے لئے انبیاء کرام کو بھیجاتاکہ وہ ان کو اس کے بندوں تک پھنچائے اسی طرح پیغمبر معصوم ھوتا ھے اور وحی کے سمجھنے میں کسی طرح کی کوئی غلطی واشتباہ نھیں کرتا اور اگر ایسا نہ ھو تو پھر وہ پیغمبر نھیں ھوسکتا۔
قارئین کرام ! مذکورہ مقدمات کو قبول کرتے ھوئے کیا کوئی صاحب عقل اس بات کو قبول کرسکتا ھے کہ معصوم علیہ السلام کے ھوتے ھوئے؛ جو علم ورفتار میں معصوم ھو اور دوسروں کی نسبت معاشرہ کے مصالح کو بھتر درک کرتا ھو ؛ کوئی دوسرا مسند قدرت پر بیٹھ جائے؟ ! کیونکہ یہ بات تو سب کو معلوم ھے کہ اختیاری صورت میں مرجوح کو راجح پر اور بھترکو غیر بھتر پر ترجیح دینا قبیح اورناپسند ھے اور کوئی بھی صاحب عقل وشعور اس کو قبول نھیں کرتا ھماری گفتگو ان لوگوں سے ھے جو خود کو مسلمان کھلاتے ھیں،لیکن معصوم کے وجود کا اقرار نھیں کرتے، اور معتقد ھیں کہ نہ تو پیغمبر معصوم تھے اور نہ ھی ائمہ (علیھم السلام) معصوم تھے؛ ان لوگوں سے بھی ھمارا کوئی سروکار نھیں ھے ھمارامفروضہ یہ ھے کہ تمام موضوعہ اصول کو قبول رکھتے ھوں اور پیغمبر اکرم (ص) کو معصوم مانتے ھوں ، اور شیعہ اعتقاد کے مطابق ائمہ علیھم السلام کو بھی معصوم مانتے ھوں۔
فرضیہ یا مفروضہ یہ ھے کہ اگر معاشرہ میں معصوم علیہ السلام موجود ھوں تو کیا اس صورت میں حکومت کسی غیر معصوم کے سپرد کی جاسکتی ھے؟ کیونکہ غیر معصوم کو حکومت سپرد کرنے کا مطلب یہ ھے کہ قانون کے سمجھنے میں غلطی اور اشتباہ کو جائز مانتے ھیں،اور اس چیز کو بھی جائز مانتے ھیں کہ کوئی شخص اپنے ذاتی مفاد کو معاشرہ کے مفاد و مصالح کو جائز مانیں اور معاشرہ کے منافع ومصالح کو اپنی خواھشات پر قربان کردے، نیز اس بات کو بھی جائز ماننا ھے کہ کوئی معاشرہ پر حکومت کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ھوئے بھی معاشرہ کی حکومت اپنے ھاتھوں میں لے لے!! جبکہ یہ تمام چیزیں عقلی لحاظ سے مردود اور قابل قبول نھیں ھیں اس بنا پر کوئی بھی صاحب عقل اس چیز میں شک نھیں کرتا کہ اگر امام معصوم (ع) معاشرہ میں حاضر ھو تو اسی کو حکومت سپرد کرنا اولیٰ اور بھتر ھے،اور اگر اس کے بجائے کسی دوسرے کو حکومت کے لئے انتخاب کیا جائے تو یہ کام غیر عقلی اور بے ھودہ ھے اس صورت میں کسی کو شک نھیں ھے اور اسی بات پر تمام لوگوں کی عقل حکم کرتی ھے، نیز اس کو ثابت کرنے کے لئے ھمیں احادیث سے استدلال کرنے اور ان آیات کو بیان کرنے کی ضرورت نھیں ھے جن میں پیغمبر اکرم (ص) اور ائمہ علیھم السلام کی اطاعت کو واجب قرار دیا گیا ھے ، مثال کے طور پر :
(يَاأَيُّها الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُوْلِی الْأَمْرِ مِنْكُمْ) (1)
”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کرو جو تمھیں میں سے ھیں۔“

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ) (2(
” جو رسول کی اطاعت کرے گا اس نے اللہ کی اطاعت کی “

5۔ حکومت کے طولی(تحت) مراتب کی منطقی اور عقلی دلیل
قارئین کرام ! اگر امام معصوم معاشرہ میں حاضر ہوں تو اسی کی حکومت اولویت رکھتی ھے اس سلسلہ میں ذکر شدہ مطالب ایک استدلال اور عقلی متوسط بیان ھے جو سبھی کے لئے قابل قبول اور قابل دفاع ھے،یہاں تک کہ اگر کوئی حکومت (وولایت) کے سلسلہ میں قرآنی آیات سے بھی آگاہ نہ ہو، چنانچہ ھمارے ذکر شدہ مطالب کے پیش نظر اپنے اعتقاد کا دفاع کرسکتا ھے لیکن ھماری اصل بحث امام معصوم علیہ السلام کی غیبت کے زمانہ میں اسلام کا نظریہ پہنچاننے کے بارے میں ھے کہ جب عوام الناس امام معصوم کے وجود سے محروم ہو، اور اس تک رسائی ممکن نہ ہو، تاکہ اس کی حکومت سے بھرہ مند ہوسکیں اسی طرح امام معصوم علیہ السلام کے حضور کا وہ زمانہ، جس میں ظالم حکومت معصوم کی حکومت سے مسلمانوں کو محروم کردے، یا اجتماعی حالات ایسے نہ ہوں جس میں معصوم علیہ السلام قدرت کو اپنے ھاتھوں میں لے سکے۔
ان دونوں صورتوں میں ہم کسی علمی ، فنّی اور اکیڈمیک دلائل سے استدلال نہیں کرتے جس کا سمجھنا عام لوگوں کے لئے مشکل ہو، بلکہ ہم تو ایک عام عقلی قاعدہ سے استدلال کرتے ھیں جس طرح ھر عام انسان اپنی روز مرہ زندگی میں اسی عقلی قاعدہ سے استدلال کرتا ھے، اور وہ یہ ھے کہ اگر کسی سلسلہ میں سو فی صد والا درجہ میسر نہ ہو تو پھر 99 فی صد والے درجہ کو انتخاب کرتا ھے اگر کسی چیز کاکامل درجہ حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو پھر کامل سے نزدیک والے درجہ کا انتخاب کرتا ھے چنانچہ اس قاعدہ سے مختلف مقامات پر استفادہ کیا جاسکتا ھے، مثلاً:کسی بھی عھدہ کے لئے کچھ خاص شرائط اور صفات رکھے جاتے ھیں، اور اگر کسی میں وہ تمام شرائط پائے جاتے ھیں تو اسی شخص کا انتخاب کیا جاتا ھے، لیکن اگر ان تمام صفات کا حامل شخص نہ مل پائے تو پھر ایسے شخص کا انتخاب کیا جاتا ھے جو اس سے کم شرائط رکھتا ہو، لیکن دوسروں پر برتری اور فضیلت رکھتا ہو۔
دوسری مثال: اگر آپ کسی ایسے ڈاکٹر سے علاج کراسکتے ھیں جو تیس سال کا تجربہ رکھتا ہو اوروہ اپنی ڈاکٹری میں خاص مہارت اور روشن فکری رکھتا ھے ، لیکن آپ اس کو چھوڑ کر کسی ایسے ڈاکٹر سے علاج کرائیں جس نے ابھی ڈاکٹری کی سند لی ھے اور ابھی کلینک کھولی ھے اگر آپ اس سے علاج کرائیں اوروہ غلط علاج کرے تو آپ کی بیماری کا نہ صرف علاج ہوگا بلکہ اس میں شدت آجائے گی، تو کیا آپ عقل اور عقلاء کی نظر میں محکوم نہیں ھیں؟ اور کیا عقلاء آپ کی ملامت نہیں کریں گے کہ ایک ماھر (اسپیشلسٹ)ڈاکٹر کے ہوتے ہوئے وہ بھی آپ کے مکان کے قریب ، پھر آپ نے غیر ماھر ڈاکٹر کی طرف کیوں رجوع کیا؟!
اور آپ کا عذر صرف اسی صورت میں قابل قبول ہوسکتا ھے جب اس ماھر ڈاکٹر کی فیس بہت زیادہ ہو یا ماھر ڈاکٹر سے علاج کرانے کے لئے کسی دوسرے ملک میں جانے پڑتاھو جس کا خرچ برداشت کرنا آپ کے بس کی بات نہ ہو، اسی وجہ سے آپ نے کسی غیر ماھر ڈاکٹر کا علاج کرایا ھے۔
لیکن ھمارا فرض اس صورت میں ھے جب آپ کسی ماھر ڈاکٹر سے علاج کرانے پر قادر ھوں اور اس کی فیس دوسرے غیر ماھر ڈاکٹر سے کم یا اس کے برابر ھے، تو اگر اس صورت میں اگر آپ نے کسی نئے ڈاکٹر کی طرف رجوع کیا اور آپ کی بیماری میں شدت پیدا ہوگئی تو آپ عقل اور صاحبان عقل کی نظر میں معذور نہیں ھیں، اور سبھی اس سلسلہ میں آپ کی ملامت اور سرزنش کریں گے۔
اور جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ مذکورہ عقلی قاعدہ تمام اجتماعی امور میں جاری ھے ، اور اس قاعدہ کو تمام ھی صاحبان عقل قبول کرتے ھیں چاھے مسلمان ہوں یا غیر مسلم، اور اس کی نسبت حکمِ عقل کی طرف ھے، جس میں شرعی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں ھے۔
چنانچہ اسی مذکورہ قاعدہ کے تحت اگر اسلامی حکومت کی نمونہ شکل ممکن نہ ہو (جیسا کہ عقل بھی اسی کو بہترین حکومت مانتی ھے) اور معاشرہ میں علم وتقویٰ اور مدیریت کے لحاظ سے اعلی ترین درجہ والا شخص نہ ملے جو صاحب عصمت بھی ھے تو اس صورت میں عقل کا حکم اور اس کا فیصلہ کیا ہوگا؟ کیا اس صورت مینھماری عقل اس بات کا فیصلہ کرے گی کہ ہم جو چاھیں کریں اور جس کو چاھے حاکم بنادیں؟ یا ھماری عقل اس چیز کا حکم کرتی ھے کہ اگر معاشرہ معصوم علیہ السلام کے وجود سے محروم ہو اور آئیڈیل شخص حکومت کے لئے ممکن نہ ہو تو ایسے شخص کا انتخاب کریں جو تقویٰ اور صلاحیت کے لحاظ سے معصوم علیہ السلام سے شبیہ اور زیادہ نزدیک ہو؟ اگر سو فی صد والا درجہ حاصل نہ ہوں تو پھر 99 والے درجہ کا انتخاب کریں اور اگر 99 والا درجہ نہ ہو تو پھر 98 والے درجہ کا انتخاب

کریں،اسی طرح اگر اعلیٰ درجہ کا انتخاب ممکن نہ ہو تو پھر اس سے کم والے درجہ کا انتخاب کریں،اور پھر باری باری نیچے والے درجہ کا انتخاب کریں، ایسا نہیں ھے کہ اگر عالی ترین درجہ کا انتخاب ممکن نہ ہو تو پھر دوسرے تمام درجے مساوی اور برابر ھیں، اور 99 والا درجہ اور ایک والا درجہ سب برابر ہوجائیں، اسی بنا پر اگر ھمارے فرض کے مطابق نمونہ اور آئیڈیل مقصود حاصل نہ ہوتو پھر کوئی فرق نہیں چاھے کسی کا بھی انتخاب کریں!! بے شک اس کو عقل تسلیم نہیں کرتی۔

لہٰذا عقل کے اس یقینی حکم کی بنا پر جو ھر انسان کی سمجھ میں آتا ھے اگر اسلامی حکومت کی نمونہ شکل ممکن نہ ہو اور معصوم علیہ السلام کی ذات تک رسائی نہ ہو تاکہ براہ راست عوام الناس پر حکومت کریں تو اس صورت میں اسلامی حکومت کے لئے ایسا فرد جو صلاحیت رکھتا ھے جس میں تینوں بنیادی شرط (یعنی علم، تقویٰ اور مدیریت)دوسروں کی نسبت زیادہ اور معصوم علیہ السلام سے مشابہ ہو ، یعنی وہ شخص جو دوسروں سے زیادہ قوانین کی معرفت اور شناخت رکھتا ہو اسی طرح اس کی عدالت اور تقویٰ دوسروں کی نسبت زیادہ ہو اور دوسروں سے زیادہ اپنی خواھشات پر کنٹرول رکھتا ہو نیز اس کی مدیریتی طاقت اور بصیرت دوسروں سے زیادہ ہو۔

قارئین کرام ! یہ عقلی بیان ھر صاحب عقل کے لئے سمجھنا آسان ھے اور فقہ وکلام کے پیچیدہ دلائل کی کوئی ضرورت نہیں ھے۔

6۔ اسلامی حکومت کے سلسلہ میں چند سوالات

البتہ مسلمانوں پر حکومت کی صلاحیت رکھنے والے کے بارے میں سوالات کے علاوہ اسلامی حکومت کے سلسلہ میں دوسرے سوالات بھی بیان ہوتے ھیں جن کے جوابات (بھی) عرض کرنا ضروری ھیں مثلاً یہ سوال کہ کیا اسلام نے اسلامی حکومت کے عھدہ پر فائز ہونے والے کے لئے شرائط اور خصوصیات بھی بیان کئے ھیں اور حکومت کے لئے خاص شکل معین کی ھے یا نہیں؟ یعنی کیا صرف اسلام نے اسلامی حکومت کے صدر کے لئے بیان کیا ھے کہ کون صدر ہوسکتا ھے لیکن دوسرے حکومتی امور اور اس کا خاکہ عوام الناس کی مرضی پر چھوڑ دیا ، یا اجتماعی حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ اس کی شکل بھی بدل جائے گی؟۔ دوسرا سوال جو اس سے زیادہ علمی اور دقیق ھے اور جو لوگ فقھی اور حققوقی مسائل سے آشنائی رکھتے ھیں ان کے لئے قابل فھم ھے ، اور وہ یہ ھے کہ آیا حکومت ایک ”تاسیسی“ مقولہ سے ھے یا ”امضائی“ مقولہ سے ھے؟

وضاحت: کیونکہ بعض اسلامی اور فقھی مسائل تاسیسی ھیں ، جن کو شارع مقدس نے عوام الناس میں رائج ہونے سے پھلے بیان کیا ھے اور ان کی کیفیت اور طریقہ بھی بیان کیا ھے مثلاً نماز ایک تاسیسی عبا دت ھے جس کا وجوب بھی خود شریعت نے بیان کیا ھے اور اس کا طریقہ بھی خداوندعالم کی طرف سے پیغمبر اکرم (ص) کے ذریعہ مسلمانوں کے لئے بیان ہوا ھے،اور اس واجب اور اس کی کیفیت کو بیان کرنے سے پھلے عوام الناس اس سے آگاہ نہ تھی (نماز ھی نہیں بلکہ) عام طور پر تمام عبادتیں تاسیسی ھیں جن کو عوام الناس نے پیغمبر اکرم (ص) سے سیکھا ھے جیسے دوسرے واجبات : روزہ، حج اور دوسرے یاعباداتی احکام تاسیسی ھیں۔

ان تاسیسی احکام کے مقابلہ میں اسلام کے بعض دوسرے احکام امضائی ھیں یعنی عوام الناس اپنی اجتماعی امور میں کچھ معاملات، عقود اور معاھدات کومعین کئے ہوئے ھیں، یھاں تک کہ اگران میں سے بعض تحریری شکل میں بھی نہ ہوں لیکن ان پر عمل ہوتا ھے ، مثلاً عام طور پر خرید وفروخت، چنانچہ اس سلسلہ میں شریعت نے عوام الناس کو حکم نہیں دیا ھے کہ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو اس کو جاکر خرید لے اس مسئلہ کی ضرورت خود صاحبان عقل سمجھتے ھیں اور معاملات وغیرہ کے لئے طریقہ کار معین کرتے ھیں اس کے بعد شریعت مقدسہ ان معاملات کی تائید کردیتی ھے اور اس کو شرعی حیثیت مل جاتی ھے ، مثلاً: (احل اللہ البیع) (3)(خدانے خرید و فروخت کو حلال قرار دیا ھے)جو عوام الناس کے درمیان رائج ھے، اور خرید وفروخت کی یہ حلیت شرعی تائید کی وجہ سے ھے، اور گویا اس عقلاء کے طریقہ کار کو قبول کرنے کی طرح ھے جو آپس میں ایک دوسرے سے خرید وفروخت انجام دیتے ھیں۔

اس مقام پر حکومت کے سلسلہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ھے کہ قبل اس کے کہ خدا نے انبیاء کرام علیھم السلام کے ذریعہ الٰھی حکومت کی پیروی کرنے کا حکم دیا کیا عوام الناس کے درمیان خود کوئی حکومت کا طریقہ کار موجود تھا جس کی شریعت مقدسہ نے تائید کی اور اس پر دستخط فرمائے ؟ یانہ بلکہ حکومت کی شکل اور ڈھانچے کو بھی عوام الناس نے خداوندعالم کے حکم کے مطابق بنایا ھے؟ اور اگر انبیاء علیھم السلام خدا کی اجازت سے عوام الناس پر حکومت نہ کرتے تو وہ ان کی اطاعت کرنے کا وظیفہ نہ رکھتے ،(یعنی)عوام الناس حکومت کی شکل وصورت سے آگاہ نہ تھے۔

المختصر جب ھم کھتے ھیں کہ اسلامی حکومتی نظام کو اسلام نے بیان کیا ھے اور اس کی دینی اور فقھی حیثیت ھے اور

خود خداوندعالم نے اس کی اطاعت پر لوگوں کو موظف بنایا ھے، توکیا یہ حکومت خداوند عالم کی طرف سے تشریع کی گئی ھے اور خدا اس حکومتی نظام کا مؤسس ھے؟ یا اس حکومت کی شکل وصورت خود عوام الناس کے ذریعہ بنائی گئی ھے اور اس کو اجتماعی معاھدات کی بنا پر بنایا گیا اور خداوندعالم نے اس کی تائید وامضا کردیا ھے، اسی وجہ سے یہ حکومت اسلامی حکومت بن گئی ھے کہ جس کی خداوندعالم نے تائید کی ھے اور یہ حکومت امضائی حکم رکھتی ھے؟

حوالے

(1) سورہ نساء آیت 59
(2) سورہ نساء آیت ۸0
)3(سورہ بقرہ آیت 2۷5

تینتیسواں جلسہ

اسلام اور حکومت کے مختلف نقشے

1- اسلام کی طرف سے حکومتی سلسلہ میں کوئی طریقہ بیان نھیں کیا گیا (ایک اعتراض(
گذشتہ جلسوں میں حکومت کی شکل وصورت کے بارے میں یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ کیا اسلام نے حکومت کے لئے کوئی خاص نقشہ پیش کیا ھے، یا اس کا معین کرنا خود عوام الناس کے اوپر ھے؟ اور اگر اسلام نے حکومت کے لئے کوئی خاص نقشہ پیش کیا ھے تو کیا وہ کسی خاص زمانہ سے مخصوص ھے یا نہ ، بلکہ اس کا ایک خاص نقشہ ھے جو ھر زمانہ میں جاری نھیں ھوسکتا؛ اور انسانی معاشرہ کے حالات کی بنا پر اس کی شکل ونقشہ بدل رھتا ھے چنانچہ بعض لوگ کھتے ھیں کہ اگرچہ حضرت رسول اکرم (ص) کے زمانہ میں اسلامی حکومت ایک خاص طرز پر ھوتی تھی، لیکن وہ طریقہ صرف اسی زمانہ سے مخصوص تھا ، اور خداوندعالم نے اسی طریقہ کار کو صرف پیغمبر اکرم (ص) کے زمانہ کے لئے معین فرمایا تھا اور اس کے بعد نئے نئے نقشے اس حکومت کے قائم مقام ھوسکتے ھیں یھاں تک کہ ممکن ھے کہ بعض اجتماعی حالات کی بنا پر اسلامی حکومت ڈیموکریسی لیبرل شکل اختیار کرلے، اور آپس میں کوئی تضاد یا ٹکراؤ نہ ھو جس طرح ھم نے مغربی ممالک کے بعض طریقوں کو انتخاب کیا ھے؛ مثلاً ”پارلمانی نظام“ کو قبول کرلیا ھے،اور اس کو اسلام کے مخالف نھیں پایا، اسی طرح ”مشروطیت“ (1)کو قبول کرلیا اور اس وقت ”جمھوریت“ کو قبول کرلیا ھے اور ھمارا ماننا ھے کہ یہ اسلام کے مخالف نھیں ھیں، ھوسکتا ھے ایک دن وہ بھی آئے جب ھم ”ڈیموکریسی لیبرل“ کو بھی قبول کرلیں اور اس کو بھی اسلام کے مخالف نہ پائیں!
آج کل ھمارے معاشرہ میں اس طرح کے سوالات اور جوابات پیش کئے جاتے ھیں اور اس سلسلہ میں بحث وغیرہ ھوتی رھتی ھیں، جبکہ ان بحثوں میں بعض اشکالات وابھامات لوگوں کے ذھن میں ڈالے جاتے ھیں جن کی بنا پر بعض لوگ دانستہ اور بعض لوگ نادانستہ طور پر اسلامی صحیح تفکر سے منحرف ھوجاتے ھیں۔
قارئین کرام ! مذکورہ اعتراض کا جواب دینے سے پھلے بعض ان نکات کا بیان کرنا ضروری ھے جن کی وجہ سے مذکورہ اعتراض تشکیل پاتا ھے تاکہ ان کے روشن ھونے سے جواب کا راستہ صاف ھوجائے:
جیسا کہ ھم سبھی لوگ اس بات کو جانتے ھیں کہ ھمارے ملک میں انقلاب اسلامی کے عظیم الشان رھبر حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ اسلامی جمھوری نظام قائم ھوا، اور شروع انقلاب ھی میں اس کے اساسی اور بنیادی قوانین مرتب ھوئے جن کی خود امام خمینی (رہ) نے تائید کی ھے اسی طرح آپ ھی کی تائید کے مطابق حکومت کا نقشہ معین ھوا ، اور زمانہ کے ساتھ ساتھ بعض چیزوں میں تبدیلی کرنا پڑی جن کو حضرت امام خمینی (رہ) نے قبول فرمایا جبکہ یہ بات واضح ھے کہ اسلامی حکومت کا یہ نقشہ نہ حضرت رسول اکرم (ص) کے زمانہ میں تھا اور نہ ھی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے زمانہ میں اس طرح کی حکومت تھی، اور ھماری یہ حکومت اسلامی حکومت کے عنوان سے قائم کی گئی ھے۔
قدرتوں میں جدائی نہ حضرت رسول اکرم (ص) کے زمانہ میں تھی اور نہ ھی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے زمانہ میں، لیکن ھمارے بنیادی قانون میں قدرتوں کے الگ ھونے کو قبول کیا گیاھے،اور حکومتی نظام تین قدرتوں قوہ مقننہ (پارلیمنٹ) ، قوہ قضائیہ (عدلیھ) اور قوہ مجریہ (حکومت) سے تشکیل پایا اس نظام میں سب سے بلند مقام جس کے ذریعہ ملکی عظیم سیاست معین کی جاتی ھے مقام معظم رھبری ھے، اس کے بعد صدر مملکت ملک کے دوسرے بڑے عھدہ پر

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

فائز ہوتا ھے، اسی طرح رئیس قوہ قضائیہ اور رئیس مجلس شوریٰ اسلامی (اسپیکر) ملک کے عالی ترین عھدہ میں شمار ہوتا ھے یہاں تک کہ انقلاب اسلامی کے بیس سال کے بعد بھی بنیادی قوانین میں بعض تبدیلیاں ہوتی رھتی ھیں مثال کے طور پر پھلے وزیر اعظم اجراء قوانین کا سب سے بڑا عھدہ ہوتا تھا ، اور اسی کے ذریعہ کابینٹ کا انتخاب ہوتا تھا، اس کے بعد صدر مملکت اور مجلس شوریٰ اسلامی تائید کرتی تھی،لیکن غور وفکر کے بعد وزیر اعظم کا عھدہ حذف کردیا گیا اور صدر مملکت ھی اجراء قوانین کا عھدہ دار ہوتا ھے۔

بے شک حکومت کا اس طرح کا نقشہ اسلام میں اس سے پھلے کبھی نھیں تھا نہ ھی اسلام نے اس سلسلہ میں کوئی حکم صادر فرمایا ھے، لہٰذا کوئی بھی شخص یہ دعویٰ نھیں کرسکتاکہ اسلام نے صاف طور پر وضاحت کردی ھے کہ عوام الناس ووٹ دے کر صدر مملکت کا انتخاب کریں اسی طرح دوسرے انتخاب میں حصہ لے کر اپنا کردار ادا کریں۔

قارئین کرام ! ھمارے گذشتہ مطالب کے پیش نظر بعض لوگ اس کو دلیل مانتے ھیں کہ اسلام نے حکومت کے سلسلہ میں کوئی نقشہ پیش نھیں کیا ھے، لہٰذا اس بات کو ماننا پڑے گا کہ اسلام نے اس سلسلہ میں عوام الناس کو اختیار دیا ھے کہ وہ خود اپنی مرضی سے حکومت کا نقشہ بنائیں اور خود ھی قوانین کا انتخاب کریں؛ اسی طرح دوسرے حکومتی امور بھی خود عوام الناس سے متعلق ھیں۔

اسی بنا پر اس بات میں کہ حکومت کو خدا کی طرف سے معین ہونا چاھئے اور حکومت خود عوام الناس کے ذریعہ معین ہو؛ تضاد اور ٹکراؤ پایا جاتا ھے، اور یہ جو کھا جاتا ھے کہ حکومت خداوندعالم کی طرف سے معین کی جاتی ھے جبکہ جو چیز عملی طور پر دیکھی جاتی ھے ان دونوں میں تضاد اور ٹکراؤ پایا جاتا ھے یہاں تک کہ خود "جمھوری اسلامی" کھنا بھی ایک قسم کا تضاد ھے، کیونکہ "جمھوریت" کے معنی حکومت کاعوام الناس کے ھاتھوں میں ہونااور اس کا نقشہ وشکل عوام الناس کے ذریعہ معین ہونا ھیں، جبکہ اس جمھوری کے ساتھ "اسلامی" کا اضافہ کرنا اور کھنا کہ حکومت کی باگ ڈور ولی فقیہ کے ھاتھوں میں ہونا چاھئے خصوصاً جبکہ ھم اس بات کو مانیں کہ ولایت فقیہ خداوندعالم اور امام زمانہ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کے ذریعہ مشروعیت (جواز) پیدا کرتی ھے؛ اور اس حکومت کو حکومت الٰھی سمجھتے ھیں نہ عوامی اور مردمی، یعنی اس حکومت کی مشروعیت اوپر سے شروع ہوتی ھے، پھلے درجہ میں خدا مشروعیت عطا کرتا ھے اس کے بعد پیغمبر اور اس کے بعد امام معصوم (ع)، اور ولی فقیہ امام معصوم علیہ السلام کی طرف سے انتخاب ہوتا ھے جس کی بنا پر اس کی مشروعیت ہوتی ھے اورجو ولی فقیہ کے تحت نظام ہوتا ھے وہ ولی فقیہ کی وجہ سے ھی مشروعیت پیدا کرتا ھے تو اگر حکومت جمھوری ھے تو پھر اس طرح کی باتیں نھیں ہونا چاھئے اور جس کو عوام الناس انتخاب کرلیں وھی حقیقت میں اسی کو صاحب اقتدار ہونا چاھئے۔

2۔ مذکورہ اعتراض کا جواب، اور حکومت کی شکل کے سلسلہ میں اسلامی نظریہ

افسوس کے ساتھ کھنا پڑتا ھے کہ یہ اعتراض کبھی وضاحت کے ساتھ اور کبھی اشاروں میں اخبار، میگزین اور کانفرنس میں بیان میں ہوتا ھے ، اور بیرونی ریڈیو اور دوسرے ذرائع ابلاغ اس پر بھت شور مچاتے ھیں، اور جو کچھ بھی ھمارے اخباروں اور مقالات میں بیان ہوتا ھے اس میں اسلامی حکومت کو تناقض آمیز(ضدّ و نقیض) اور دینی استبداد کے عنوان سے پھچنوایا جاتا ھے اسی وجہ سے ان مسائل کو صاف اور شفاف طریقہ سے بیان کرنے کی ضرورت ھے، تاکہ اس سلسلہ میں اسلامی نقطہ نظر واضح ہوجائے۔

کیا جب ھم یہ کھتے ھیں کہ ھمارا حکومتی نظام "جمھوری اسلامی" ھے تو اس نظام کا اسلامی ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ھے کہ اس حکومت کا نقشہ اور اس کی شکل خداوندعالم کی طرف سے معین ہو ، اور قرآن وروایات اور کم سے کم پیغمبر اکرم (ص) اور ائمہ علیھم السلام کی سیرت میں بیان ہوا ہو؟ اور اگر اسلامی نظام ہونا اس بات میں مخصوص نھیں ھے کہ اس کی شکل وصورت خداوندعالم کی طرف سے معین ہو، (جیسا کہ دوسرے شواھد بھی اس بات پر دلالت کرتے ھیں کہ اس نظام کی شکل وصورت خداوندعالم نے معین نھیں کی ھے) تو پھر نظام کے اسلامی ہونے کا معیار کیا ھے؟ چنانچہ اس سلسلہ میں بھت زیادہ بحث وگفتگو ہوسکتی ھے اور جو کچھ ھم نے عرض کیا اس کی وجہ یہ ھے کہ بعض لوگوں نے اس بحث کو اھمیت دی اور بعض لوگوں کی طرف سے اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے عوام الناس کو منحرف کرنا چاھا، لہٰذا ھم اس سلسلہ میں وضاحت کرنا مناسب سمجھتے ھیں ، اور ھماری اس بحث میں دقت کرنے سے مطالب واضح اور روشن ہوجائیں گے ، اور پھر دوسرے لوگوں کی باتیں اور شیطانی وسوسے اثر انداز نھیں ہوپائیں گے۔

کوئی شخص بھی اس بات کا دعویٰ نھیں کرتا کہ اسلام نے حکومت کے لئے خاص نقشہ معین کیا ھے، نہ قرآن میں، نہ روایات میں اور نہ معصومین علیھم السلام کی عملی سیرت میں،اور نہ ھی حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ اور مقام

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

معظم رهبری (حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مد ظلہ) اور نہ ھی دوسرے علماء ورھبروں کے بیانات میں یہ دعویٰ کیا گیا ھے کہ اسلامی حکومت وہ حکومت ھے جس کا نقشہ اور شکل خداوندعالم اور دینی رھبرونکے ذریعہ معین کیا گیا ھے، مثلاً یہ کہ اسلام نے حکم دیا ھو کہ ولی فقیہ صاحب اقتدار اور مرکز قدرت ھو اور اس کے بعد دوسرا درجہ صدر مملکت کا ھے ، اور یہ تینوں قدرتیں ایک دوسرے سے مستقل اور جدا ھونی چاھئیں تو جب اسلامی حکومت ھونے کا معیار یہ نہیں ھے کہ اس کا نقشہ اور حکومتی امور نیز قدرتوں کا استقلال خدا کی طرف سے معین ھو تو پھر اسلامی حکومت ھونے کے معیار کو دوسری جگھوں پر تلاش کرنا چاھئے۔

3۔ حکومتی ثابت اور مسلم ڈھانچہ پیش کیا جانا ممکن نہیں

قارئین کرام ! یھاں پر یہ سوال پیدا ھوتا ھے کہ کیا اسلام کی طرف سے حکومت کے لئے کوئی معین نقشہ اور خاص صورت بیان نہ ھونا اسلام کے ناقص ھونے کی دلیل نہیں ھے؟ کیا اسلام ایک کامل دین نہیں ھے اور کیا اسلام نے انسانی معاشرہ کی انفرادی اور اجتماعی ضرورتوں کو بیان نہیں کردیا ھے؟ تو پھر کیوں حکومت کے سلسلہ میں کوئی خاص شکل بیان نہیں کی ھے؟

ھم جواب میں عرض کرتے ھیں: وہ اسلام جس نے پیغمبر اکرم (ص) کے زمانہ کے چھوٹے اور محدود معاشرہ کے نظام کو چلایا ھے اور اسلام؛ انسانی مختلف وسیع اور پیچیدہ معاشرونمیں ایک عالمی حکومت کرنا چاھتا ھو، توکیا اس کے لئے ایک ثابت اور مسلم نقشہ پیش کرنا ممکن نہیں ابتدائے اسلام میں حضرت پیغمبر اکرم (ص) کے ذریعہ ایسی حکومت تشکیل پائی جس کی مردم شماری شاید ایک لاکہ لوگوں تک بھی نہ ھو اور وہ سادہ قسم کی زندگی اور سادہ ثقافت والے لوگوں کی تعداد جن میں اکثریت بادیہ نشین اور مدینہ کے گرد ونواح کے دیھاتیوں کی تھی؛ یہ بات ظاھر ھے کہ اس زمانہ کے لحاظ سے اور اس تعداد کے لحاظ سے حکومت بھی سادہ تھی اس کے بعد آھستہ آھستہ اسلامی علاقوں میں اضافہ ھوتا چلا گیا اور خلفاء کے زمانہ میں منجملہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے زمانہ میں کہ ابھی ظھور اسلام کو آدھی صدی ھی گذری تھی اسلامی حکومت ایران، مصر، عراق، سوریہ، حجاز اور یمن تک پھنچ گئی تھی اور اسلام کے تحت نفوذ اس ترقی ووسعت کے پیش نظر ایسا ممکن نہ تھا کہ جب پیغمبر اکرم (ص) مدینہ منورہ میں ایک چھوٹی سی حکومت بنائیں تو اس کو اس طرح تشکیل دیں جس سے ھجرت کے وقت سے پچاس سال (بعد) کی حکومت کو بھی شامل ھوجائے ، اور اگر اس زمانہ میں رسول اکرم (ص) ایک عظیم اسلامی علاقہ کے لئے حکومت کو بیان کرتے تو اس زمانہ کے لوگوں کے لئے ایک خواب کی طرح ھوتا، اور دوسری طرف چونکہ اس طرح کی حکومت کا راستہ ھموار نہیں تھا لھٰذا اس طرح کا نقشہ پیش کرنا ایک بے ھودہ کام تھا۔

اور چونکہ اس پچاس سال کے عرصے میں مسلمانوں کے حالات بھت بدل گئے تھے لھٰذا اس کے لئے مختلف طریقوں کی حکومت ھونا چاھئے تھی، اسی طرح اس کے بعد کا زمانہ جس میں مسلمانوں اور جھان اسلام کے حالات میں بھی کافی تبدیلی آنا تھی تو اگر رسول اکرم (ص) ان تمام حالات کے پیش نظر ھر زمانہ کے لئے ایک خاص قسم کی حکومت کو بیان فرماتے تو پھر فرضی حکومتوں کے سلسلہ میں ایک عظیم ''دائرۃ المعارف'' (انسائیکلو پیڈیا) بن جاتاجس میں ھر زمانہ کی حکومت کے لئے تفصیل بیان کی جاتیں لیکن چونکہ اس زمانہ میں لکھنے پڑھنے والی کی تعداد ھی بھت کم تھی، اور اس سلسلہ میں عالم افراد اور دانشوران کا ھونا تو دور کی بات ھے تاکہ وہ اس سلسلہ میں تفصیل دیں اور ایک دوسرے سے جدا کریں، نہ اس وقت اس موضوع کو بیان کرنے کے امکانات تھے ، اور اگر بیان بھی ھوجاتے تو ان کو محفوظ رکھنا اور ان کو رائج کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔

المختصر یہ کہ حکومت کا نقشہ اور اس کی شکل زمان ومکان کے لحاظ سے ھمیشہ متغیر ھے ، اور انسانی معاشرہ میں ھمیشہ کے لئے ایک خاص حکومت کا نقشہ معین کرنا ممکن نہیں ھے جس کو ھر دور میں اور ھر جگہ قائم کیا جاسکے حکومت کا نقشہ اسلام کے متغیر اور ثانوی احکام میں سے ھے جو زمان ومکان کے لحاظ سے بدلتے رھتے ھینجن کو معین کرنا ولی امر مسلمین کے عھدہ پر ھوتا ھے،اور جب امام معصوم علیہ السلام حاضر ھوں تو وھی ولی ا مر مسلمین ھیں، اور وہ حاضر نہ ھوں تو پھر ان کی جگہ ان کا نائب (خاص) ولی امر مسلمین شمار ھوتا ھے (اسلام کے ان متغیر احکام کے مقابل میں اسلام کے ثابت اور مسلم احکام بھی ھیں جو ھمیشہ کے لئے ثابت ھیں جن کو کسی بھی زمانہ میں اور کسی جگہ پر جاری کیا جاسکتا ھے۔(

لھٰذا یہ تصور کرنا کہ اسلام کو ھر علاقے اور ھر زمانہ کے لحاظ سے حکومت کا ایک نقشہ پیش کرنا چاھئے تھا؛ یہ تصور صحیح نہیں ھے، چونکہ اس طرح کا کام عملی طور پر ممکن بھی نہ تھا لھٰذا معلوم یہ ھوا کہ اسلام کی طرف سے حکومت کے لئے خاص نقشہ پیش نہ کرنا اسلام کا کوئی نقص نہیں ھے بلکہ اگر اسلام کی طرف سے حکومت کے سلسلہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

میں کلّی اور عام قواعد پیش نہ کئے جاتے تو اس وقت یہ کہا جاسکتا تھا کہ اسلام میں نقص ھے؛ کیونکہ اس صورت میں نہ تو اسلام نے زمان ومکان کے لحاظ سے حکومت کی کوئی شکل پیش کی ھے اور نہ ھی حکومت کے بارے میں کوئی راستہ بیان کیا ھے لیکن الحمد للہ اسلام نے حکومت کے نقشہ کے بارے میں راستہ تو بتادیا ھے اور اس کے لئے متغیر احکام قرار دئے ھیں اور جیسا کہ ھم نے قانون گذاری کے سلسلہ میں عرض کیا ھے کہ زمان ومکان کے لحاظ سے متغیر احکام کا معین کرنا ولی امر مسلمین کی ذمہ داری ھوتی ھے،جو اسلامی اصول کی بنا پر اور اس زمانہ کے متغیر مصالح کے پیش نظر اور اس سلسلہ میں ماھرین سے صلاح ومشورہ کے بعد ان کو بیان کرتا ھے ، اور انھیں مسائل میں سے حکومت بھی ھے، (اور جب ولی امر مسلمین ان احکام کو بیان کردے تو پھر) عوام الناس کے لئے ان پر عمل کرنا ضروری ھے اسلام نے اس راہ حل کو پیش کرکے عوام الناس کو سرگردانی اور حیرت سے نجات عطا کردی ھے، جس کی بنا پر اختلافات اور جھگڑوں کا خاتمہ ھوگیا ھے۔

4۔ حکومت کا عرفی اور دنیاوی ھونا اور قوانین اسلام کا ھم عصری ھونا (ایک اعتراض(

قارئین کرام ! اس سلسلہ میں ایک دوسرا اعتراض یہ ھوتاھے کہ اسلام کی طرف سے حکومت کے لئے کوئی خاص نقشہ بیان نہ کرنا اس بات کی علامت ھے کہ حکومتی مسائل عرفی اور دنیاوی ھیں جو خود عوام الناس سے متعلق ھیں اور اسلام نے اس سلسلہ میں کوئی اظھار نظر نھیں کیا ھے آج کل کے وہ لوگ جو مغربی کلچر خصوصاً ”لیبرلیزم“سے متاثر ھیں اس اعتراض کو ھوا دیتے ھیں اور اپنے مقالات، تقریروں اور اپنی گفتگو میں اس اعتراض کی حمایت کرتے ھیں کہ حکومتی مسائل دنیاوی اور عرفی ھیں جن کا اسلام سے کوئی رابطہ نھیں ھے اور اپنی بات پر شاھد اس چیز کو پیش کرتے ھیں کہ اسلام نے نہ تو جمھوری حکومت کے بارے میں کچھ کھا ھے اور نہ بادشاھی حکومت کے سلسلہ میں کچھ کھا ھے، اور نہ ھی دوسری حکومتوں کے بارے میں کچھ بیان دیا ھے اس سے معلوم ھوتا ھے کہ حکومتی مسائل ایسے نھیں ھیں جن کے بارے میں ھمیں یہ امید نھیں رکھنی چاھئے کہ اس سلسلہ میں خدا اور پیغمبر کچھ بیان کریں، بلکہ یہ مسائل تو دنیا اور عوام الناس سے متعلق ھیں اور خود انھیں کو اس سلسلہ میں طے کرنا چاھئے۔

اور آھستہ آھستہ اس سے بھی آگے قدم بڑھاتے ھوئے کھتے ھیں: نہ صرف یہ کہ حکومت کے نقشہ کو خود عوام الناس معین کرے بلکہ حکومت کے قوانین بھی خود عوام الناس کو بنانا چاھئے؛ چاھے وہ قوانین اسلامی اصول کے خلاف ھی کیوں نہ ھوں!!

لیکن اس وقت ان کے سامنے یہ سوال آتا ھے کہ اگر حکومتی مسائل دنیاوی اور عرفی ھیں اور عوام الناس سے متعلق ھیں یھاں تک کہ قوانین بھی انھیں کے ذریعہ بنائے جائیں، تو پھر قرآن اور متواتر روایات میں حکومت سے متعلق بھت سے احکام کیوں بیان ھوئے ھیں؟ مثلاً احکام قضا، احکام مالیات (ٹیکس) اور احکام جزائی وغیرہ،یہ وہ بند گلی ھے جس سے نکلنے کا راستہ نھیں ھے ، اگرچہ انھوں نے اس بند گلی سے نکلنے کے لئے بھت سے راستے اختیار کئے ھیں لیکن ان سب کو اس وقت بیان نھیں کیا جاسکتا۔

ان میں سے بعض لوگوں کا یہ کھنا ھے کہ وہ حکومتی احکام وقوانین جو قرآن وروایات میں وارد ھوئے ھیں، وہ حضرت رسول اکرم (ص) کے زمانہ سے مخصوص ھیں اور اسی زمانہ کی ضرورت کے مطابق تھے ، اور اسلام نے صرف رسول اکرم (ص) کے زمانہ میں حکومتی مسائل میں دخالت کی ھے اور کچھ قوانین پیش کئے ھیں ، کیونکہ اس وقت کے لوگ اپنی ضرورت کے مطابق قوانین بنانے کی صلاحیت نھیں رکھتے تھے، لھٰذا اسلام کو ان کی ضرورت کے مطابق کچھ قوانین پیش کرنا پڑے، اسی وجہ سے قرآن وروایات میں حکومت، سیاست اورقضاوت سے متعلق احکامات بیان ھوئے ھیں جو صرف اسی زمانہ میں کار آمد تھے، لیکن اس زمانہ میں جب انسان نے علم ودانش میں کافی ترقی کرلی ھے اور خود اپنی ضرورت کے مطابق قوانین بنانے کی صلاحیت رکھتا ھے اور آج کل ماڈرن زمانہ ھے، لھٰذا وہ قوانین کار آمد نھیں ھیں اور ان کو ترک کردینا چاھئے!!

قارئین کرام ! اس طرح کی باتیں بھت سے اسلام کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کی طرف سے بیان ھوتی ھیں اور کبھی کبھی تو صاف کھتے ھیں کہ احکام اسلام (منجملہ اسلام کے اجتماعی احکام) رسول اسلام (ص) کے زمانہ سے مخصوص تھے، اور آج ھمارے زمانہ میں کار آمد نھیں ھیں، بلکہ اصلاً اس زمانہ کے لئے نازل (بھی) نھیں ھوئے ھیں، اور کبھی کبھی اپنے مذکورہ نظریہ کو پشت پردہ بیان کرتے ھیں چونکہ اتنی ھمت نھیں کرتے کہ واضح طور پر اسلام کے تمام اجتماعی احکام پر اعتراضات نھیں کرسکتے ، اور اسلام کے بعض سزائی احکام منجملہ ”چور کے ھاتہ کاٹنے والے حکم“ پر اعتراض کرتے ھیں۔

چنانچہ کھتے ھیں کہ ”چور کے ھاتہ کاٹنے کا حکم“ چوری کرنے اور لوگوں کے مال میں خیانت کرنے سے روک تھام

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اور معاشرہ میں مالی امن وامان کو برقرارکرنے کے لئے تھا لیکن اب اگر ھمارے پاس اس طرح کے جرائم سے روک تھام کے لئے اس سے بھتر طریقے موجود ھوں تو پھر انھیں کو کام میں لایا جائے، نہ یہ کہ ھر زمانہ میں چور کے ھاتہ کاٹ دئے جائیں اسلامی قوانین کا مقصود معاشرہ میں امن برقرار رکھنا ھے اور اس زمانہ میں اس سے بھتر اور کوئی طریقہ کار نھیں تھا کہ چور کے ھاتہ کاٹ دئے جائیں لیکن آج کل اس سے بھتر طریقے موجود ھیں تاکہ اس طرح کے جرائم سے روک تھام ھوسکے، جن میں تشدد اور شدت پسندی بھی نھیں ھے اور ان کی انسانی شرافت بھی داغدار نھیں ھوتی کیونکہ چور کے ھاتہ کاٹ دینا تشدد اور وحشیانہ عمل ھونے کے علاوہ انسانی شرافت سے بھی ھم آھنگ نھیں ھے جس کو ترک کردینا چاھئے آج کل ھم اس زمانہ میں زندگی بسر کرتے ھیں جس کو ماڈرن زمانہ کھا جاتا ھے، آج اجتماعی مسائل بالکل بدل گئے ھیں، اور چونکہ آج کل کے جدید حالات پیغمبر اکرم ((ص)) اور ائمہ معصومین (علیھم السلام) کے زمانہ سے بالکل الگ ھیں لھٰذا اسلامی قوانین کو جاری نھیں کیا جاسکتا۔

قارئین کرام ! آپ حضرات نے ملاحظہ فرمایا کہ پھلے توان لوگوں نے یہ کھا کہ اسلام نے حکومت کے لئے کوئی نقشہ پیش نھیں کیا، اور اس سلسلہ میں خود عوام الناس کو اختیار ھے اور جب حکومتی مسائل عوام الناس پر چھوڑ دئے تو اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ جن موارد میں اسلام کے مشخص اور معین قوانین نھیں ھیں تو ان قوانین کو معین کرنا خود عوام الناس کے عھدہ پر ھے اس کے بعد اس سے آگے قدم بڑھایا اور کھا : یھاں تک کہ جن موارد میں اسلامی قوانین موجود بھی ھیں تو ان اسلامی قوانین کو نسخ بھی کیا جاسکتا ھے اور ان کو بدلا جاسکتا ھے! بے شک اس صورت میں تواسلام کا جلد ھی فاتحہ دیاجائے گا۔

5۔ مذکورہ اعتراض کا جواب، اور اسلام کے متغیر اور ثابت احکام کی نسبت

ھم نے مختصر طور پر یہ عرض کیا کہ اسلام کے ثابت اور غیر قابل تبدیل احکام کے علاوہ متغیر احکام بھی ھیں کیونکہ اسلام کے احکام واقعی مصالح ومفاسد کے تحت ھیں ، اور انسان کی زندگی بعض امور میں متغیر حالات کے تابع ھے ، البتہ وہ متغیر حالات بھی واقعی مصالح ومفاسد کے لحاظ سے متغیر ھیں اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ حکومت بھی ثانوی اور متغیر احکام رکھتی ھے اور ھر زمانہ میں اس کی شکل وصورت کا معین کرنا نیز اس کے لئے مناسب قوانین بنانا ولی فقیہ کا کام ھے جو اسلامی اصول کے تحت اور اسلامی ارشادات کے مطابق اپنے وظیفہ پر عمل کرتا ھے۔

قارئین کرام ! توجہ رھے کہ اسلام کے متغیر اور ثابت احکام میں امتیاز پیدا کرنا اوران میں تمیز کرنا فقھاء اور مجتھدین کا کام ھے کیونکہ وہ اسلامی منابع ومآخذ کی روح یعنی قرآن،سنت، اورپیغمبر اکرم (ص) اور ائمہ معصومین علیھم السلام کی سیرت کا علم رکھتے ھیں لھٰذا اسلام کے متغیر اور ثابت احکام میں تمیز کرسکتے ھیں، اور ان میں سے ھر ایک کے صفات کو معین کرسکتے ھیں۔

صرف یہ کھہ دینا کہ اسلام میں متغیر احکام پائے جاتے ھیں اس کا مطلب یہ نھیں ھے کہ کوئی اسلام کے تمام احکام کو متغیر کھہ دے کیونکہ اگر اسلام کے تمام قوانین متغیر ھوں تو پھر اسلام میں کیا باقی بچے گا؟ اور اس صورت میں ھم کس اسلام کا دفاع کرنا چاھتے ھیں؟ اگر تمام اسلامی قوانین اور احکام متغیر ھوں اور اسلام کا کوئی بھی قانون یا حکم ثابت اور مسلم نہ ھو تو پھر ھم نے کیوں انقلاب برپا کیا، اور اسلام کے احکام جاری ھونے کے خواھشمند ھیں، اس کی وجہ سے لاکھوں افراد شھید ھوئے خود شاہ (محمد رضا) کے زماہ میں ایک ریفارم "Rwforme" (اصلاح) اور تبدیلی کے ذریعہ عوام الناس کی مانگ کو پورا کیا جاسکتا تھا،تاکہ خود عوام الناس کے لئے قوانین بنانے کا راستہ ھموار ھوجاتا ، اگر یہ وھی اسلام ھے جس کے قوانین عوام الناس کی رائے سے بدل جاتے ھیں تو پھر ھم نے بے فائدہ انقلاب برپا کیا، بھتر تھا کہ ھم "ملی گرا" کے تابع ھوجاتے، جس کی بنا پر معاشرہ کے منافع کو حاصل کرتے، اور پھر ھمارے یہ نقصانات نہ ھوتے!! جیسا کہ ملی گرا مشورہ دیتے اسی کو جاری کرتے اور لیبرل ڈیموکریسی کے تحت آرام کے ساتھ ووٹنگ کرتے اور پھر اپنے منتخب شدہ ممبران کو شاہ کے پارلیمنٹ میں بھیجتے، اور وہ عوام الناس کی خواھش کے مطابق غیر عوامی قوانین تبدیل کرتے!!

قارئین کرام ! یہ ان لوگو ں کی باتوں کا کا خلاصہ ھے جو بیرونی "تئوریسین" سے متاثر ھیں جو بعض ان اخباروں میں بیان ھوتے ھیں جو مسلمانوں کے بیت المال سے چلتے ھیں!!

اسی طرح کے بعض لوگ ناجائز فائدہ اٹھاتے ھیں اور ان جوانوں کو جنھوں نے ابھی تک اسلام کے اجتماعی مسائل کا مطالعہ نھیں کیا ھے اور کافی مقدار میں علم نھیں رکھتے ان کو تحت تاثیر قرار دیتے ھیں، مثال کے طور پر کھتے ھیں : اسلامی حکومت صرف ایک ادعای ھے جس کی کوئی حقیقت نھیں ھے، کیونکہ اسلام نے نہ جمھوریت کے بارے میں کچھ کھا ھے اور نہ ھی قدرتوں میں جدائی کے بارے میں کچھ بیان دیا ھے۔

اور جب اسلام نے اس سلسلہ میں کچھ (بھی) بیان نہیں کیا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے حکومت کے سلسلہ میں کوئی نقشہ پیش نہیں کیا بلکہ حکومتی امور خود عوام الناس کے سپرد کردئے گئے ہیں۔

یہاں پر ہمارے مخاطب وہ لوگ ہیں جو خدا، اسلام اور قرآن پر اعتقاد رکھتے ہیں، احکام اسلامی کو کھیل سمجھنے والے افرادنہیں، کیونکہ ان کے سلسلہ میں گفتگو کرنا بے کار ہے ہم ان لوگوں سے مخاطب ہیں جو خدا کے وجود کا اقرار کرتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا نے پیغمبر کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا ہے، نیز قرآن مجید اس کی طرف سے نازل ہوا ہے؛ (ہم ان سے یہ عرض کرتے ہیں کہ) قرآن مجید صاف طور پر ایسے احکام اور قوانین کا ذکر کرتا ہے جو ہمیشہ ثابت اور غیر قابل تبدیلی ہیں اور قابل استثناء بھی نہیں ہیں، اس کے علاوہ قرآن مجید نے بار بار اس بات پر زور دیاہے کہ ان احکام میں کسی طرح کا کوئی خدشہ وارد نہیں کرنا چاہئے ان ہی میں سے اسلام کے قضائی احکام ہیں اگرچہ بعض مسائل ضروری اور واجب ہیں لیکن ان کو عام معمولی طریقہ سے قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے، لیکن بعض مسائل منجملہ احکام قضاوت (اسلامی قوانین کے احکام وقوانین کے مطابق) ہیں جن کے بارے میں اس قدر تاکید کی گئی ہے اور ان کو اس شدید انداز میں بیان کیا گیا کہ اگر انسان ان کی خلاف ورزی کرنا چاہے تو اس کا بدن لرز جاتا ہے جیسا کہ خداوندعالم اپنے پیغمبر کو حکم دیتا ہے کہ خدا کے حکم کے مطابق حکم فرمائیں:

(إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاکَ اللهُ)(2)

” ہم نے آپ کی طرف یہ بر حق کتاب نازل کی ہے کہ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں “

دوسری جگہ رسول خدا (ص) کے فیصلوں کے سامنے تسلیم ہونے اور اس کی اطاعت کے بارے میں فرماتا ہے:

(فَلاَوَرَبِّکَ لاَيُؤْمِنُونَ حَتَّی يُحَکِّمُوکَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهمْ ثُمَّ لاَيَجِدُوا فِی أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا)(3)

” پس آپ کے پروردگار کی قسم کہ یہ ہرگز صاحب ایمان نہ بن سکیں گے جب تک آپ کو اپنے اختلافات میں حَکم نہ بنائیں گے اور پھر جب آپ فیصلہ کردیں تو اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی کا احساس نہ کریں اور آپ کے فیصلہ کے سامنے سراپا تسلیم ہوجائیں۔“

قارئین کرام ! جیسا کہ آپ حضرات نے ملاحظہ کیا کہ خداوندعالم نے (فَلاَوَرَبِّک) سے قسم کھاکر (جو بہت بڑی قسم ہے) صرف ان لوگوں کو مومن شمار کیا ہے جو اپنے اختلافات اور جھگڑوں میں(جو معمولاً مالی امور میں اور کبھی جان وناموس کے سلسلے میں ہوتے ہیں) صرف پیغمبر اکرم (ص) کی طرف رجوع کریں لیکن اگر اپنے اختلافات کو دور کرنے کے لئے پیغمبرا کرم (ص) کی خدمت میں نہ گئے اور آنحضرت (ص) سے فیصلہ کی درخواست نہ کی، یا اگر پیغمبر اکرم (ص) نے ان کے درمیان فیصلہ فرمادیا چاہے کسی کے نقصان میں ہو یا فائدہ میں، او ر وہ دل وجان سے پیغمبر کے فیصلہ پر راضی نہ ہوئے اور ان کے دل رنجیدہ رہے ، تو اس صورت میں وہ مومن نہ رہیں گے لہٰذامومنین کو بھی آنحضرت (ص) کو قضاوت اور فیصلوں کے لئے منتخب کرنا چاہئے اور جس وقت وہ فیصلہ فرمادیں تو چاہے ان کے فائدہ میں ہو یا نقصان میں، تو ان کو اپنے دل میں ناراضگی اور رنجیدگی کا احساس تک نہ ہونے پائے، اور مکمل طریقہ سے رسول خدا (ص) کے فیصلہ پر راضی رہیں جو لوگ آنحضرت (ص) کو خدا کا رسول مانتے ہیں لیکن ان کے فیصلوں کو نہیں مانتے وہ لوگ جھوٹے اور منافق ہیں؛ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ رسول کی رسالت کا اقرار کرتے ہوں لیکن اس کے فیصلوں کو نہ مانیں؟!

قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر چند مسلسل آیتوں میں خدا کے حکم کے علاوہ قضاوت کرنے والے لوگوں کو فاسق، کافر اور ظالم کہا گیا ہے:

ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

(وَمَنْ لَمْ يَحْکُمْ بِمَا أَنزَلَ اللهُ فَأُوْلَئِکَ همْ الْکَافِرُون) (4)

”اور جو شخص بھی ہمارے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے گا اس کا شمار کافروں میں ہوگا۔“

(وَمَنْ لَمْ يَحْکُمْ بِمَا أَنزَلَ اللهُ فَأُوْلَئِکَ همْ الظَّالِمُونَ) (5)

”اور جو شخص بھی ہمارے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے گا اس کا شمار ظالموں میں ہوگا۔“

(وَمَنْ لَمْ يَحْکُمْ بِمَا أَنزَلَ اللهُ فَأُوْلَئِکَ همْ الْفَاسِقُونَ)(6)

”اور جو شخص بھی ہمارے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے گا اس کا شمار فاسقوں میں ہوگا۔“

کیا کوئی شخص قرآن مجید کی ان آیات کو اس انداز اور اس لحن میں ملاحظہ کرنے کے بعد (بھی) یہ احتمال دے سکتا ہے کہ اسلامی قضاوت کے احکام صرف رسول اکرم (ص) کے زمانہ تک اور زیادہ سے زیادہ آپ کے بیس سال بعد تک کے لئے ہیں، اور جب اسلامی علاقوں میں ایران، مصراور دوسرے علاقے شامل ہوگئے تو اسلام کے یہ قضائی احکام کار آمد

نهیں رهے اور قضاوت کے احکام لوگوں پر چھوڑ دئے گئے هیں؟ کیا هر وه شخص جو ان آیات اور اسی طرح کی دوسری آیات کو ملاحظہ کرنے کے بعد یهی نتیجہ اور فیصلہ کرے گا؟! یا نہ اس کا فیصلہ یہ هوگا کہ کسی بهی وقت اور کسی بهی حالت میں خدا وندعالم کے احکام کو پاؤں سے روندها نهیں جاسکتا؟

بے شک هر وه صاحب عقل اور انصاف پسند انسان جو خدا پر ایمان رکهتا هو اور ان آیات کو خدا کا کلام سمجهے تو ان آیات کے لب ولهجے کو دیکه کر یہ یقین نهیں کرسکتا کہ یہ مذکوره آیات صرف رسول اکرم (ص) کے زمانہ اور زیاده سے زیاده آنحضرت کے بیس سال بعد تک کے لئے هیں؛ بلکه(ان آیات کے لب ولهجے کو دیکه کر) اس کو یقین هوجائے گا کہ تاقیامت ان آیات کے مضمون پر عمل هونا چاهئے، اور همیشہ احکام خدا کو اپنے اعمال کے لئے نمونہ عمل قرار دینا چاهئے، اور ان کی خلاف ورزی نهیں کرنا چاهئے:

(وَمَنْ یَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَأُوْلَئِکَ هُمْ الظَّالِمُونَ) (7)

” اور جو حدود الٰهی سے تجاوز کرے گا اس کا شمار ظالمین میں سے هوگا۔“

اس کے علاوه اگر بعض آیات کا مضمون کسی قدر واضح اور روشن نہ هوتا تو اس میں کچھ شبہ هوسکتا تها، علماء او رمجتهدین کا وظیفہ هے کہ یہ معین کریں کہ یہ آیات کسی خاص زمانہ سے مخصوص هیں یا زمانہ کے لحاظ سے مطلق هیں اور کیا کسی خاص قوم(جزیرة العرب کی عوام) سے مخصوص هیں یا ان آیات میں دوسرے تمام لوگ بهی شامل هیں؟

بهر حال دشمن؛ احکام اسلامی اور قوانین اسلامی کو برداشت کرنے سے شانے خالی کرتے هیں اور اپنی خواهش نفسانی نیز شیطانی هواو هوس کے تحت نیز جوان نسل کو گمراه اور منحرف کرنے کے لئے یہ دعویٰ کرتے هیں کہ اسلام کے اجتماعی اور سیاسی احکام رسول اکرم (ص) کے زمانہ سے مخصوص هیں اور اس کے بعد کار آمد نهیں هیں، اگرچہ هم نے اپنی حکومت کو ”جمهوری اسلامی“ کا عنوان دیا هے لیکن اسلام کا نام صرف ایک دکهاوٹی پهلو هے ، اور عوام الناس جو قانون بهی بنانا چاهیں بناسکتے هیں،اور اس پر عمل کرسکتے هیں؛ چاهے وه قوانین سو فی صد خداوند عالم کے حکم کے مخالف هوں!! افسوس کہ بعض لوگ اپنے مقالات اور تقریروں میں اسی طرح کا نظریہ پیش کرتے هیں، جبکہ ان سے اس کے علاوه کی امید بهی نهیں هے۔

6۔ انسانی، تمام مسائل میں احکام الٰهی کی وسعت

قارئین کرام ! یہ بات واضح هوچکی هے کہ اسلام کی طرف حکومت کے لئے کوئی خاص نقشہ پیش نہ کرنے کے یہ معنی نهیں هیں کہ حکومت اور حکومتی قوانین : عدلیہ ، قانون گذاری اور اجرائے احکام سے متعلق قوانین (8) خود عوام الناس کے سپرد کردئے جائیں اور خداوندعالم ان کے بارے میں کوئی نظریہ نہ رکهتا هو؛ بلکہ خداوندعالم نے انسان کے ذاتی اور اجتماعی مسائل میں اسی طرح حکومت و سیاست کے بارے میں دستور العمل بیان کیا هے، اور همیں کوئی ایک ایسا مورد نهیں ملے گا جس میں خدا وندعالم کا حکم شامل نہ هوتا هو۔

وضاحت هم جو کچھ بهی کام انجام دیتے هیں اور جو احکام هم پر لاگو هوتے هیں ان میں سے بعض احکام وجوبی اور الزامی هوتے هیں جن پر عمل کرنا ضروری هوتا هے ان کے مقابلہ میں بعض احکام حرام هوتے هیں جن کا ترک کرنا واجب هوتا هے، ان اوامر ونواهی والے الزامی احکام کے علاوه دوسرے احکام جائز هوتے هیں او ران پر غیر الزامی احکام جاری هوتے هیں، غیر الزامی احکام یہ هیں: مستحب، مکروه اور مباح پس همارے تمام کام انهیں پانچوں قسم میں سے هوتے هیں چاهے وه واجب هوں یا حرام، مستحب هوں یا مکروه اور مباح، اور یہ تمام خداوندعالم کے احکام هیں۔

اس بنا پر اگر کسی مقام پر کوئی کام حرام یا واجب یا مستحب یا مکروه نہ هو تو وه کام انسان کے لئے آزاد هے جس کو روایات میں مطلق اور فقهاء ومجتهدین کی اصطلاح میں ”مباح“ کها جاتا هے؛ مباح بهی خداوندعالم کے احکام میں سے ایک حکم هے لهٰذا معلوم یہ هوا کہ انسان کے انفرادی اور اجتماعی مسائل میں کوئی چیز ایسی نهیں هے جس پر حکم خدا شامل نہ هو،کیونکہ هر مسئلہ یا هر موضوع پر احکام خمسہ (واجب ، حرام، مستحب، مکروه اور مباح) میں سے کوئی نہ کوئی حکم ضرور شامل هوگا البتہ حقوق اور سیاست کے لحاظ سے مستحب اور مکروه صرف اخلاقی پهلو رکهتا هے اور ان کا ذکر حقوقی مسائل میں بیان نهیں هوتا اور مسائل حقوقی یا واجب هیں جن کی رعایت هونا چاهئے یا حرام جن کو ترک کیا جائے یا مباح هیں (چاهے عمل کرے یا نہ کرے۔(

آخر میں یہ سوال پیدا هوتا هے کہ اگر هم نے مان لیا کہ اسلام نے حکومت کے سلسلہ میں نظریہ پیش کیا هے،اور وه شخص جو اقتدار میں مرکزیت رکهتا هے اس کے لئے خاص شرائط وصفات معین کئے هیں ، جس کے نتیجہ میں جو شخص ان صفات کا حامل هوگا وهی شریعت اسلام کی طرف سے معاشره کی رهبری کے لئے حکومت کے لئے منصوب هوگا؛ تو کیا جن مسائل میں اسلام نے بیان نهیں دیا هے وه عوام الناس کے حوالے هیں اور ان میں شریعت اسلام نے کوئی

تصمیم گیری نہیں کی ھے اور اس سلسلہ میں ان کو طے کرنے کے لئے عوام الناس کی سمجھ بو جہ اور ان کے درمیان موجود عرف کے مطابق عمل کیا جائے؟ یہاں پر ، حتیٰ وہ افراد جو اسلامی اور فقھی بحثوں سے کسی حد تک آشنائی رکھتے ھیں کبھی کبھی ایسے گول مٹول الفاظ استعمال کرتے ھیں جن سے دوسرے ناجائز فائدہ اٹھاتے ھیں،مثال کے طور پر کھتے ھیں: ھم اپنی زندگی کے بعض مسائل کو دین اسلام سے اخذ کریں اور ان کے سلسلہ میں قرآن مجید، روایات اور زیادہ سے زیاہ پیغمبر اکرم (ص) اور ائمہ اطھار علیھم السلام کی عملی سیرت کی طرف رجوع کریں؛ لیکن ان کے علاوہ اپنی عقل کے مطابق عمل کریں در حقیقت ھم اپنی صحیح زندگی کی راہ کو معین کرنے کے لئے دو منابع رکھتے ھیں: ایک قرآن مجید ، دوسرے عقل اس طرح کے مسامحہ آمیز (ذو معنی) الفاظ وہ حضرات استعمال کرتے ھیں جو صاحب نظر اور واقعاً متدین ھیں، اور چونکہ اس طرح کی باتیں باعث لغزش و گمراھی ھوتی ھیں لہٰذا ان کو ردّ کرنا ضروری سمجھتے ھیں۔

اس نکتہ پر توجہ کرنا ضروری ھے کہ حکم شرعی اور حکم الٰھی کے لئے کم سے کم دو اصطلاح موجود ھیں:

1۔ حکم شرعی کی پھلی اصطلاح : (یا حکم تعبدی اور الٰھی) وہ حکم ھے جو قرآن مجید اور سنت نبوی سے حاصل کیا جاتا ھے، وہ قرآن اور معتبر احادیث میں ذکر ھوئے ھیں اس اصطلاح کے مطابق وہ حکم جو دوسرے طریقہ سے حاصل ھو جیسے عقل کے ذریعہ تو اس کو شرعی حکم نہیں کھا جاتا، بلکہ اس کو ”حکم عقل“ کھا جاتا ھے لہٰذا اگر کسی حکم کو عقل مستقل طور پر حاصل کرلے ، اور اس سلسلہ میں شریعت مقدس کی طرف سے بھی حکم وارد ھوا ھو، تو اس (شرعی حکم) کو ارشادی کھا جاتا ھے جس میں حکم شرعی اور تعبدی نہیں ھوتا۔

وضاحت ھماری عقل دوسری چیزوں سے قطع نظر بعض چیزوں کو سمجھتی ھے مثلاً ھر صاحب عقل انسان اس بات کو آسانی سے سمجھ لیتا ھے کہ عدالت اچھی چیز ھے اور ظلم بری چیز ھے؛ اور کوئی بھی صاحب عقل، عقل کے اس حکم میں شک نہیں کرتا اس وقت جب قرآن مجید کی آیت میں عدل کے بارے میں حکم ھوتا ھے تو فقھاء کی اصطلاح میں اس حکم کو ”ارشادی“ کھا جاتا ھے ؛ یعنی یہ آیت صرف عقل کے اس حکم پر ھدایت کرتی ھے جو ھماری عقل نے الگ سے سمجھ لیا ھے۔

حکم شرعی میں اس اصطلاح کا فقھاء کے یہاں استعمال ھونا بعض لوگوں کے منحرف ھونے کاسبب بنا ھے اور خیال کیا جانے لگا کہ ھم اپنی زندگی کے تمام مسائل میں شرعی حکم کے محتاج نہیں ھیں بلکہ بعض مسائل میں ھمارے لئے حکم عقل کافی ھے اور پھر ان میں خدا وند عالم کی کوئی حکومت نہیں ھوگی،کیونکہ خداوندعالم کی حاکمیت ان احکام میں ھوتی ھے جو قرآن مجید اور سنت پیغمبر میں نازل ھوئے ھیں، اور اگر کسی سلسلہ میں خدا کا کوئی حکم نہ ھو تو وھاں پھر خدا نے اپنی حاکمیت کو نہیں رکھا ھے بلکہ اس کو عقل کے سپرد کردیا ھے پس ھماری زندگی کے امور دو حصوں میں تقسیم ھوتے ھیں: بعض میں خدائی سلطنت ھے اور دوسرے حصہ میں ھماری عقل حاکم ھے اس کے معنیٰ یہ ھیں کہ خدا وندعالم تمام مقامات پر حکومت نہیں رکھتا، ھمیں ھر جگہ خدا کے حکم کو تلاش نہیں کرنا چاھئے بلکہ جس جگہ خدا کا حکم نہ ھو اس کو ھمارے حوالے کردیا ھے تاکہ ھم اپنی عقل کے ذریعہ اس کا حکم حاصل کرلیں۔

قارئین کرام ! جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ فقھاء کے یہاں پھلی اصطلاح میں حکم شرعی میں مسامحہ آمیز تعبیر استعمال کی گئی ھے، (جس کی بنا پر حکم شرعی اس حکم تعبدی کو کھا جاتا ھے جو قرآن وسنت میں ذکر ھوا ھو، اس کے مقابلہ میں عقل کے قطعی اور یقینی حکم کو قرار دیتے ھینجس کے سلسلہ میں شارع مقدس نے کوئی تعبد نہیں رکھا ھے، اور ھماری عقل اس حکم کو حاصل کرنے میں شریعت کی پابند نہیں ھے، اور شریعت نے صرف اس سلسلہ میں ارشادی حکم کو پیش کیا ھے) جس سے بعض لوگوں نے غلط نتیجہ نکالا ھے اور یہ اعتقاد کرلیا کہ ھماری زندگی کا ایک حصہ خداوندعالم کی حاکمیت اور سلطنت سے باھر ھے اور اس سلسلہ میں قوانین کو مرتب کرنا عقل کی ذمہ داری ھے۔

2۔ حکم شرعی کی دوسری اصطلاح: یہ ھے کہ وہ احکام جو خداوند عالم کے ارادہ تشریعی سے متعلق ھو ں؛ یعنی ھر وہ کام جو خداوندعالم ھم سے چاھتا ھے چاھے الزامی صورت میں ھو یا مباح کی صورت میں ھو پس جو کچھ خداوندعالم ھم سے چاھے کہ ھم اسے انجام دیں تو وہ حکم خدا ھے؛ چاھے وہ قرآن وسنت اور تعبدی دلائل کے ذریعہ ثابت ھوں اور چاھے عقل کے ذریعہ ثابت ھوں اس بنا پر خود عقل بھی حکم خدا کی پھچان کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ھے لہٰذا ھم اس کی اطاعت کرتے ھیں اور اس کی پیروی کرتے ھیں کیونکہ عقل خداوندعالم کے تشریعی ارادہ کی عکاسی کرتی ھے، لہٰذا معلوم یہ ھوا کہ یہ حکم وھی چیز ھے جس کو خداوندعالم نے ھم سے چاھا ھے اگر فقھی کتابوں میں بیان ھوا ھے کہ قرآن مجید، سنت نبوی کے علاوہ بھی احکام شرعی کو ثابت کرنے کے لئے ایک دوسری چیز بھی ھے جس کو عقل کھا جاتا ھے تو اس کے معنی یہ ھیں کہ عقل بھی خدا کے احکام کو پھچاننے والے طریقوں میں سے ایک طریقہ ھے، اور عقل بھی قرآن وسنت کی طرح حکم خدا کو کشف کرسکتی ھے اور حکم خدا صرف قرآن وسنت میں منحصر نہیں ھے بلکہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

احکام خدا وہ ھیں جس پر خدا کا ارادہ تشریعی متعلق ھو جو قرآن سنت اور عقل کے ذریعہ کشف ھوتا ھے۔ قارئین کرام ! اس اصطلاح اور معنی کے پیش نظر انسان کے تمام کام چاھے وہ انفرادی ھوں یا اجتماعی، چاھے حقوقی ھوں یا جزائی یا اندرونی ھو یا بیرونی اور بین الاقوامی تمام پر حکم شرعی اور حکم خدا شامل ھے؛ چاھے حکم خدا قرآن وسنت کے ذریعہ اثبات ھو یا عقلی طریقہ پر ثابت ھو البتہ توجہ رھے کہ عقلی حکم اس قدر واضح ، روشن اور یقینی ھو کہ جس پر ھمیں اطمینان ھوجائے کہ جو کچھ عقلی دلیل کے ذریعہ ثابت ھوا ھے وہ خداوندعالم کے تشریعی ارادہ سے متعلق ھے۔

حوالے:

)1(مشروطیت اس شاھی حکومت کو کھتے ھیں جس میں قوانین کے تحت کام کیا جائے (مترجم(
(2)سورہ نساء آیت ۱۰5
(3) سورہ نساء آیت 65
)4(سورہ مائدہ آیت 44
)5(سورہ مائدہ آیت 45
(6) سورہ مائدہ آیت 47
(7) سورہ بقرہ آیت 22۹
(8) جن کو ھم فلسفہ سیاست کی تھیوریوں میں بیان کریں گے

چونتیسواں جلسہ

اسلامی احکام کی عظمت اوراس کی دوسرے نظام پر برتری

1۔حکومت اورمتغیر احکام سے اسلامی ثابت احکام کی نسبت
جیسا کہ ھم گذشتہ جلسہ میں عرض کرچکے ھیں بعض دوسری فکر رکھنے والے لوگ اخباروں اور اپنی تقریروں میں یہ بیان کرتے ھیں کہ وہ احکام اور قوانین جن کو معاشرہ کی ضرورت ھوتی ھے ان کو پارلیمنٹ میں طے ھونا چاھئے، اور اگر ھم صرف قرآن و سنت میں بیان شدہ قوانین پر اکتفاء کرنا چاھیں تو کسی بھی صورت میں معاشرہ کی ضرورت پوری نھیں ھوگی حالانکہ ھمارے جمھوری اسلامی نظام میں (جیسا کہ دوسرے ڈیموکریٹک ممالک میں ھوتا ھے) ممبر آف پارلیمنٹ کے ذریعہ قوانین بنائے جاتے ھیں،تو پھر ھمیں اپنی اس حکومت کو ”اسلامی حکومت“ کا نام دینے ، اور پارلیمنٹ میں مصوب قوانین کو ”اسلامی قوانین“ کھنے کی کیا پڑی ھے ؟ اس بات میں کوئی شک نھیں ھے کہ ھر ملک میں عوام الناس کے ذریعہ منتخب ممبر آف پارلیمنٹ اسی ملک کی ثقافت کے لحاظ سے قوانین بناتے ھیں اور قوانین کو طے کرنے میں ھی اس معاشرہ کے اقدار کا احترام کرتے ھیں لیکن چونکہ ھمارے ملک کے عوام الناس مسلمان ھیں اور اس میں خاص ثقافت کا رواج ھے ، ممبر آف پارلیمنٹ اسلامی اور دینی ثقافت کا کم وبیش لحاظ کرتے ھیں لیکن بھر حال ھمارے ملک میں قانون گذاری کا وھی طریقہ ھے جو ڈیموکریٹک ممالک میں موجود ھے لھٰذا ھم کو اپنی حکومت کو اسلامی حکومت کھنے اور اسلامی قوانین نافذ کرنے کی کیا ضرورت ھے؟
قارئین کرام ! جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ اس اعتراض کا جواب یہ ھے کہ اسلامی احکام کی دو قسمیں ھیں:
1۔ ثابت احکام۔ 2۔متغیر احکام، جو حالات کے متغیر ھونے سے بدل جاتے ھیں۔
لیکن انسانی معاشرہ کے حالات بدلنے سے اسلامی ثابت احکام میں کوئی تبدیلی نھیں ھوتی اور ان کی شکل صورت میں کسی بھی وقت کوئی تبدیلی نھیں ھوتی بلکہ ثابت رھتے ھیں، اور ھر زمانہ اور ھر حال میں ان پر عمل کرنا ضروری ھے اب اگر ملکی قوانین کو مصوب کرتے وقت اسلام ثابت احکام کی رعایت نہ کی جائے اور قوانین اسلام کے خلاف قوانین بنائے جائیں تو وہ قوانین غیر اسلامی ھوں گے؛ چاھے تمام ھی ممبر آف پارلیمنٹ متفق طور پر ان قوانین کو طے کریں، اور اسلام کے مخالف قوانین کی کوئی شرعی حیثیت نھیں ھے ، بلکہ اس کو قانون ھی نھیں کھا جاسکتا جیسا کہ ھمارے ملکی بنیادی قانون میں موجود ھے کہ اسلامی ملک کے تمام قوانین؛ اسلامی اصول کے عین مطابق ھونا ضروری ھے یھاں تک کہ اگر کوئی قانون؛ شرعی ادلہ کے عموم اور اطلاق کے خلاف ھوگا تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہ ھوگی
اس بنا پر، وہ اسلامی ثابت احکام جو قرآن کریم اور روایات متواتر اورمعتبر روایات میں ثابت احکام کے عنوان سے بیان کئے گئے ھیں ان کی رعایت کرنا ضروری ھے اور ان میں کسی بھی طرح کا کوئی نسخ اور تبدیلی نہ ھو اس کے مقابل میں بعض وہ متغیر احکام ھیں جو حالات اور علاقہ کے لحاظ سے قابل تبدیل ھیں البتہ ان کو معین کرنا علماء اور مجتھدین

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کا کام ھے۔
اگرچہ متغیر احکام کو آج کل کے زمانہ میں ''قوانین موضوعہ'' کے عنوان سے جانا جاتا ھے جو قانون گذاری اداروں میں تصویب ھوتے ھیں،لیکن اسلامی ثقافت میں اور فقھی اصطلاحات میں متغیر احکام وھی سلطنتی احکام ھیں جن کو معین کرنا ولی فقیہ کے دائرہ اختیار میں ھے اور ولی فقیہ ھی معاشرہ کے مختلف حالات کے لحاظ سے ان کو معین کرے اور ان کو نافذ کرے ، اور کم سے کم مصوب شدہ قوانین کو جاری کرنے کے لئے ولی فقیہ کی تائید ضروری ھے البتہ کبھی ولی فقیہ بطور مستقیم قوانین اور مقررات کو معین اور مصوب کرتا ھے، اور کبھی اپنے ان مشاورین کے ذریعہ جو مد نظر مسائل میں کافی مہارت اور تجربہ رکھتے ھیں ان کے ذریعہ قوانین مصوب کرتا ھے، اور ضروری بحث وگفتگو کے بعد قوانین طے پاتے ھیں بھر حال موضوعہ قوانین ومقررات کا اعتبار ولی امر مسلمین کی اجازت اور اس کی موافقت پر ھوتا ھے ، ورنہ تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ھوتا۔
قارئین کرام ! اس بات پر توجہ رھے کہ ولی امر مسلمین اور دوسرے قانون گذار اداروں کو اس بات کا ذرہ بھی حق نہیں ھے کہ وہ اسلامی اصول قواعد اور اسلامی اقدار کو مد نظر رکھے بغیر اپنی مرضی سے کوئی متغیر قانون بنائیں دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ قوانین موضوعہ اور متغیر قوانین کو بھی اسلامی اصول اور اسلامی ثابت اور کلی احکام کے تحت ولی فقیہ اور فقھی مسائل کے ماھرین(جو اس سلسلہ میں کافی مہارت رکھتے ھوں اور ان قوانین کے مصداق کو بخوبی مشخص اور معین کرسکتے ھوں)؛ کے ذریعہ طے ھونا چاھئیں ؛ نیز ان کو مصوب کرنے میں اسلامی اقدار کی رعایت کرنا بھی ضروری ھے اسی وجہ سے قوانین کلی کے حدود کو معین کرنا اور ان کے مصادیق اور موضوعہ قوانین پر منطبق کرنا اسی طرح اسلامی اقدار کا موضوعہ قوانین پر تطبیق کرنا ایک مشکل کام ھے جس میں بھت زیادہ دقت اور فقھی مھارت کی ضرورت ھوتی ھے، جمھوی اسلامی ایران کے بنیادی قوانین میں موجود ھے کہ اسلامی پارلیمنٹ کے ذریعہ بنائے ھوئے قوانین کو ''شوریٰ نگھبان'' (جو برجستہ مجتھدین اور حقوق داں حضرات سے مل کر بنتی ھے)؛ کے ذریعہ تائید ھوں تاکہ یہ دیکہ لیا جائے کہ خدا نخواستہ یہ قوانین اسلامی اصول کے مخالف تو نہیں ھیں؟

2۔ احکام اولیہ اور احکام ثانویہ۔
احکام ثانویہ اسلام سے ٹکراتے ھیں (ایک اعتراض(بعض لوگ تصور کرتے ھیں کہ وہ احکام سلطنتی ، وقتی اور وہ قوانین جو زمانہ اور حالات کے لحاظ سے وضع کئے جاتے ھیں بعض موارد میں اسلامی احکام کے مخالف ھوتے ھیں؛ اس کی وجہ یہ ھے کہ عوام الناس صرف اسلام کے احکام اولیہ کو اسلامی احکام جانتے ھیں اور وہ اس چیز سے غافل ھیں کہ اسلام نے مجبوری اور ضرورت کے وقت احکام ثانویہ بھی وضع کئے ھیں اور وہ بھی احکام شرعی شمار ھوتے ھیں۔
وضاحت: اسلام کے اولیہ احکام جو عام حالات کے لئے وضع کئے گئے ھیں ان کے علاوہ دوسرے احکام بھی اسلام نے وضع کئے ھیں جو مجبوری اور ضرورت کے وقت کے لئے ھوتے ھیں جن کواحکام ثانوی کھا جاتا ھے اور یہ احکام ثانوی کچھ تو قرآن مجید اور سنت نبوی میں ذکر ھوئے ھیں لیکن ان میں سے بعض دینی کتابوں میں ذکر نہیں ھوئے ھیں، ان کو وضع کرنا ولی امر مسلمین کے اختیار میں ھوتا ھے۔
مثال کے طور پر نماز پڑھنے کے لئے وضو کرنا واجب ھے یا اگر ھم پر غسل واجب ھے تو نماز کے لئے غسل کرنا واجب ھے وضو اور غسل کا وجوب احکام اولیہ اور عام حالات سے متعلق ھیں کہ جب مثلاً ھمارا بدن سالم ھو اور پانی ھمارے لئے نقصان دہ نہ ھو اور پانی موجود بھی ھو لیکن اگر کوئی مجبور ی پیش آجاتی ھے یا کسی بیماری کی وجہ سے وضو یا غسل کرنا ممکن نہ ھو، مثلاً پانی موجود نہ ھو یا اگر پانی موجود ھے تو وہ نقصان دہ ھے،تو اس صورت میں وضو یا غسل واجب ھونے کی جگہ وجوب تیمم جو حکم ثانوی ھے؛ اس کی جگہ آجاتا ھے اسی وجہ سے کھا جاتا ھے کہ اگر آپ کے پاس پانی نہ ھو یا پانی بدن کے لئے نقصان دہ ھو تو وضو یا غسل کے بدلے تیمم کرنا ضروی ھے ۔
جب احکام اولی اور احکام ثانوی جن کو احکام اضطراری بھی کھا جاتا ھے؛ قرآن مجید اور روایات میں ذکر ھوئے ھیں تو ھم ان کے درمیان کوئی فرق نہیں پاتے چونکہ حکم اولیہ (جیسے وضو یا غسل) کا موضوع اس وقت ھے جس وقت پانی ھمارے پاس موجود ھو اور وہ نقصان دہ بھی نہ ھو، اور احکام ثانوی یعنی تیمم اس شخص کے لئے ھے جب کسی شخص کے پاس پانی نہ ھو یا پانی اس کے بدن کے لئے نقصان دہ ھو؛ اسی وجہ سے بعض لوگوں کووضو کر نے کا حکم ھے اور بعض لوگوں کوتیمم کرنے کا حکم ھے لیکن بعض مقامات پر احکام اولی کے مقابلہ میں جو مجبوری اور اضطراری وقت کے لئے ھوں خاص احکام شریعت میں ذکر نہیں ھوئے ھیں تو یھیں پر اسلام کے احکام اولی جاری کر نے کو کھا جاتا ھے، مگر یہ کہ باعث عسر و حرج ھوں؛ کیونکہ اسلام یہ نہیں چاھتا کہ بندگانِ خدااپنے وظیفہ پر عمل کرنے میں غیر قابل

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

تحمل مشقت اور حرج میں گرفتار ہوں، جیسا کہ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:
(وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ) (1)
” اور دین میں کوئی زحمت نہیں قرار دی ہے۔“
(يُرِيدُ اللهُ بِكُمْ الْيُسْرَ وَلاَيُرِيدُ بِكُمْ الْعُسْرَ) (2(
” خدا تمہارے بارے میں آسانی چاھتا ہے، زحمت نہیں۔“
قارئین کرام ! ہمارے گذشتہ مطالب کے پیش نظر فقہاء کہتے ہیں کہ اگر انسان اپنے وظیفہ اور حکم شرعی پر عمل کرنے سے عسر وحرج میں مبتلا ہو تو خدا وندعالم اس وظیفہ کو اٹھا لیتا ہے قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ بعض مقامات پر احکام اولی کا بدل احکام ثانوی شریعت میں بیان ہوا ہے لیکن بعض موارد میں احکام ثانوی اور اضطراری شریعت میں بیان نہیں ہوئے ہیں، لیکن ولی فقیہ کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر احکام اولیہ پر عمل کرنا ممکن نہ ہو اور عوام الناس کے لئے باعث عسر و حرج ہو تو اس صورت میں عوام الناس کا وظیفہ معین کرے لہٰذا جو کچھ بھی ولی فقیہ اسلامی اصول وقوانین کے تحت حکم بیان کرے تو وہ احکام ثانوی اور اسلامی حکم ہوگا؛ کیونکہ اس نے اس (ولی فقیہ) کو جب عسر و حرج کی صورت میں تکلیف اولی اٹھالی جائے تو عوام الناس کے وظیفہ اور عمل کو معین کرنے کا حکم دیا ہے۔
لہٰذا چونکہ بعض لوگ صرف اسلام کے احکام اولی سے آشنائی رکھتے ہیں اسی وجہ سے یہ تصور کرتے ہیں کہ اسلامی احکام صرف یہی ہیں ، اور اگر ولی امر مسلمین یااسلامی حکومت کے دوسرے قانون گذار اداروں سے اسلام کے احکام اولی کے خلاف قانون بنتا دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ قانون اسلام کے مخالف ہے جبکہ وہ قانو احکام شرع اور اسلام کے مخالف نہیں ہے بلکہ اسلام کے اولیہ احکام کے مخالف احکام کو احکام ثانوی میں شمار کیا جاتا ہے اور بے شک احکام ثانوی (بھی) اسلامی احکام مانے جاتے ہیں جس طرح اسلام نے حکم دیا ہے کہ مسافر کو روزہ نہیں رکھنا چاھئے اور جو مسافر نہیں ہے (اگر دوسرے شرائط موجود ہیں) تو اس کو روزہ رکھنا چاھئے اور کوئی مسافر کے روزہ نہ رکھنے کو اسلامی احکام کا مخالف شمار نہیں کرتا، کیونکہ خود اسلام نے صاف طور پر ارشاد فرمادیا ہے کہ جو شخص مسافر یا مریض ہے اس پر روزہ واجب نہیں ہے(فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمْ الشَّهرَ فَلْيَصُمْه وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللهُ بِكُمْ الْيُسْرَوَلاَيُرِيدُ بِكُمْ الْعُسْرَ) (3) اسی طرح احکام اجتماعی، مدنی، جزائی، تجاری اور دوسرے معاملات میں اگر احکام اولی کے مطابق عمل کرنا ممکن نہ ہو اور موجب عسر و حرج ہو تو وہ حکم ثابت نہیں رہے گا اور خاص قواعد اور مقررات کے تحت ولی امرمسلمین زمان ومکان کی حالات کی بنا پر نئے قوانین کو وضع کرتا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ وہ قوانین اسلامی احکام کے مخالف نہیں ہوں گے، بلکہ (اگر ہوں گے بھی تو) اسلامی اولی احکام کے مخالف ہوں گے اور جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ اسلام کے احکام ”احکام اولی“ اور” احکام ثانوی“ دونوں کو شامل ہوتے ہیں۔
اسلامی معاشرہ میں در پیش جدید تقاضوں کے تحت جو ہمیشہ اجتماعی حالات کے بنا پر رونما ہوتے ہیں(مثلاً ٹریفک کی سہولت کے لئے اور گاڑیوں کی بھیڑ سے بچنے کے لئے سڑکوں کو چوڑاکرنایا مِیونسپلٹی "Municpality"کو صفائی یا شہر کو خوبصورت بنانے کے لئے پیش آنے والی ضرورتیں، یا محکمہ آب اور بجلی کی دیگر ضرورتیں جو قدیم زمانہ میں نہیں تھیں) یا آج کل کی ترقی کے پیش نظر معاشرہ کی وہ ضرورتیں جن کو خود عوام الناس پورا نہیں کرسکتے اور گذشتہ زمانہ کی ضرورتوں کی طرح نہیں ہیں کہ جن کو خود عوام الناس انجام دیا کرتے تھے،تو ان تمام صورتوں میں متعلقہ محکمہ جات کاضروری قوانین بنانا ضروری ہے ہماری گفتگو یہ ہے کہ یہ قوانین بغیر کسی اصل کے نہیں ہیں اور بے حساب و کتاب لوگوں کی اپنی مرضی سے نہیں بن جاتے؛ بلکہ یہ قوانین اور احکام ثانوی اسلامی عام قوانین کے تحت ہونے چاھئیں اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ یہ احکام ثانوی اہم کو مہم پر ترجیح دینے کی طرح ہوں، یا ان قوانین کو زمان و مکان کے حالات کے پیش نظر بنایا جائے جیسا کہ ہمارے ملک میں یہ احکام ثانوی ”مجلس شوریٰ اسلامی“ میں اور ولی فقیہ کی اجازت سے بنائے جاتے ہیں اس صورت میں یہ احکام؛ اسلامی احکام سے باھر نہیں ہوتے (یعنی ان کو اسلامی احکام میں شمار کیا جاتا ہے) کیونکہ یہ تمام قوانین ولی امر مسلمین کے حکم سے بنائے جاتے ہیں، یا دوسرے خاص قوانین جیسے قاعدہٴ” عسر وحرج“ یا قاعدہ ”لاضرر“ یا ان دوسرے قواعد کے تحت جو فقہی کتابوں میں وارد ہوئے ہیں؛ کے تحت یہ احکام ثانوی بنائے جاتے ہیں۔
قارئین کرام ! یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ اسلامی حکومت میں قوانین کو یا اسلامی منابع؛ جیسے قرآن کریم اور سنت نبوی سے لئے جاتے ہیں (اورجیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ عقل بھی اسلامی منابع میں شمار ہوتی ہے اور ”مستقلات عقلیہ“ اور احکام قطعی عقل معتبر ہوتے ہیں اور فقہی اصطلاح میں حکم قطعی عقل کے ذریعہ خداوندعالم کے ارادہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

تشریعی کو کشف کیا جاسکتا ھے کہ یہ حکم عقل بھی خداوندعالم کے ارادہ اور اس کی مرضی سے متعلق ھے اسی وجہ سے یہ حکم ”اسلامی حکم“ ہوگا) یا کسی بھی طریقہ سے قرآن وسنت میں بیان شدہ عام احکام کے تحت واقع ہونے چاھئیں اسی وجہ سے یہ بھانہ کرتے ہوئے کہ اسلامی حکومت کے بعض قوانین اور مقررات ناپائیدار اور تغیر پذیر؛ قرآن مجید اور سنت نبوی میں ذکر نہیں ہوئے ھیں،لہٰذا قرآن مجید اور سنت نبوی (ص) کو بالائے طاق رکھ دیا جائے،اور عوام الناس کی مرضی کے مطابق قوانین بنائے جائیں اسلام کے ثابت احکام پر ھمیشہ عمل ہونا چاھئے اور احکام متغیر ھمیشہ اسلامی اصول، احکام ثابت اور عام قوانین کے تحت ولی فقیہ یا اس کی طرف اذن یافتہ لوگوں کے ذریعہ بنائے جائیں۔

3۔ ڈیموکریٹک حکومتوں کے نقائص

جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ حکومت کی مشکل ایک ”مثلث القاعدہ“ زاویہ کی طرح ھے جس کے تین پھلو ھوتے ھیں: 1۔ قوہ مقننہ (پارلیمنٹ)، 2۔ قوہ قضائیہ (عدلی) اور قوہ مجریہ (حکومت) اور حکومت کی یہ شکل ”منٹسکیو“سے شروع ہوئی اور رائج ھوتی چلی گئی۔

بھر حال اگرچہ اس (ھماری) حکومت بھی تین قدرتوں سے تشکیل پائی ھے لیکن اس بات کی کوئی گارانٹی نھیں ھے کہ آئندہ بھی اسی طریقہ سے باقی رھے کیونکہ آئندہ زمانہ کی ترقی کے پیش نظر یا اجتماعی حالات کی تبدیلی کی وجہ سے حکومت کی شکل بدل سکتی ھے مثال کے طور پر حکومت کی قدرتوں میں اضافہ ھوجیسا کہ ”مربع القاعدہ“ ھوجائے یا ”مخمس القاعدہ“ ھو جائے لیکن توجہ رھے کہ اصل اور بنیادی قاعدہ یہ کہ حکومت کو تشکیل دینے والی تمام قدرتیں مرکز کی طرف منتھی ھوتی ھوں یعنی جب حکومتی صورت کو جو مختلف قدرتوں سے تشکیل پاتی ھے تو مثلث القاعدہ ھرم سے تشبیہ کرتے ھیں تو اگر اس ھرم کے اوپر سے نیچے کی طرف آئیں تو اس کا دائرہ زیادہ ھوجائے گا یھاں تک کہ اس قاعدہ ھرم اور اس کے نیچے حکومتی بھت سے ادارے دکھائی دیتے ھیں لیکن ھرم کے نیچے سے آھستہ آھستہ اوپر کی طرف جائیں تو پھر حکومتی قدرت اور حکومتی ادارے متمرکز اور جمع ھوتے ہوئی دکھائی دیں گی، یھاں تک کہ تمام قدرتیں اس ھرم کے سرے تک پھنچ جائیں گی،اور سب ایک نقطہ میں سماجائیں گی، اور وہ وسیع اور متفرق قدرت بسیط اور وحدت کی شکل میں دکھائی دے گی۔

ھرم قدرت میں اس کے علاوہ کے مثلث القاعدہ قدرتیں اس نقطہ کی طرف منتھی ھوتی ھیں جو اس کے مرکز میں ھوتا ھے اور وھی نقطہ تمام قدرتوں کا مرکز ھوتا ھے اور حکومتی تمام تر قدرت اور اختیارات بسیط ھوکر وھاں جمع ھوجاتے ھیں، اور چونکہ حکومتی قدرت اور اختیارات وھاں سے تقسیم ھوکر مختلف شکلوں : قانون گذاری، عدلیہ اور اجرائی شعبوں میں پھیل جاتی ھے اور ان میں سے ھر قدرت اپنے خاص مراتب سے سروکار رکھتی ھے۔

اس وقت دنیا بھر کے ممالک میں حکومت کی اسی شکل وصورت کو قبول کیا گیا ھے جس میں تین قدرتیں ھوتی ھیں: قانون گذاری، عدلیہ اور اجرائی پاور، لیکن ان تینوں قدرتوں کا ایک نقطہ میں جمع ھونا واضح طور پر نھیندکھائی دیتا؛ یعنی ان حکومتوں میں اصل یہ ھے کہ حکومت مستقل تین حصوں میں بٹ جاتی ھے اور ایک قدرت کا ایک حصہ قوہ مجریہ (حکومت) میں چلا جاتا ھے اور ایک حصہ قانون گذاری میں اور تیسرا حصہ عدلیہ کا ھوتا ھے؛ اور ان میں نہ قوہ مجریہ دوسری قدرتوں میں دخالت کرتی ھے اور نہ دوسری قدرتیں قوہ مجریہ میں دخالت کرتی ھیں اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا ان قدرتوں میں عملی طور پر استقلال دکھائی نھیں دیتا، اور بھت سے وہ موارد جو اجرائی اور نفاذ کا حکم رکھتے ھیں جن کی وجہ سے ان کو قوہ مجریہ کے تحت ھونا چاھئے لیکن ان کی اھمیت کے پیش نظر قانون گذار پاور کی دخالت کو معتبر سمجھا جاتا ھے مثال کے طور پر بین الاقوامی سطح نیز دو ملکوں کے درمیان ھونے والے مھم معاھدات، حالانکہ یہ چیزیں اجرائی پھلو رکھتی ھیں لیکن ان کے بارے میں پھلے پارلیمنٹ پاس کرے تب وہ معاھدات انجام پاتے ھیں،اور یھیں پر قوہ مجریہ میں پارلیمنٹ کی دخالت دکھائی دیتی ھے۔

دوسری طرف حکومتی کابینٹ "Cabinet" بعض قوانین اور مقررات کو تصویب کرتی ھے، اور ان کو نافذ کرتی ھے اگرچہ ان پر قانون کے عنوان کا اطلاق نھیں ھوتا لیکن قانونی ماھیت رکھتے ھیں اور ان کا طے کرنا پارلیمنٹ کے مخصوص کام میں سے ھے لیکن بنیادی قوانین میں موجود بعض وجوھات کی بنا پر اس کو طے کرنا حکومت کے عھدہ پر ھوتا ھے اسی وجہ سے قانون گذاری کا ایک حصہ حکومت کے سپرد کیا جاتاھے لہٰذا معلوم یہ ھوا کہ حکومت پارلیمنٹ میں دخالت کرتی ھے بھر حال مختلف ممالک میں کم و بیش قدرتیں ایک دوسرے میں دخالت کرتی ھیں، اور یہ محدود دخالت اس وجہ سے بھی ھے کہ چونکہ حکومتیں ایک دوسرے سے مل کر ایک حکومت کو تشکیل دیتے ھیں، اور اگر یہ بالکل ایک دوسرے سے الگ الگ ھوجائیں توگویا اس کا اتحاد ختم ھوجائے گا۔

4- قدرتوں میں هم آهنگ کرنے کے اسباب کا هونا ضروری هے
اگر چہ حکومت تین قدرتوں (قوہ مجریہ، قوہ عدلیہ اور قوہ مقننه) سے تشکیل پاتی هے لیکن ان تینوں قدرتوں میں ایک دوسرے سے رابطہ ضروری هے، اور چونکہ انهیں ان تینوں قدرتوں سے مل کر هی حکومت بنتی هے تو ان قدرتوں کے لئے کچھ ایسے اسباب هونا ضروری هینجن کے درمیان اتحاد اور وحدت قائم رهے لیکن دنیا بھر کے ممالک میں ان قدرتوں میں هم آهنگ کرنے والی قدرت نہ هونے کی بنا پر ان کے درمیان میں نا هماهنگی دکھائی دیتی هے جس کی بنا پر ملک میں بحرانی حالات پیدا هوجاتے هیں اس طرح کے بحران سے بچنے کے لئے بعض حکومتوں میں بهت سی راہ حل پیش کی گئی هیں جن میں سے صدر مملکت کے لئے ”حق وٹو“ "Veto" رکھا جاتا هے: مثال کے طور پر اگرچہ پارلیمنٹ کو قوانین بنانے اور ان کو طے کرنے کا حق هوتا هے ، اور پارلیمنٹ اسی ذمہ داری کے تحت ممبر آف پارلیمنٹ (کسی بھی قانون بنانے کے لئے) بهت بحث وگفتگو کے بعد قوانین بناتے هیں، اس کے بعد وہ قوانین ”مجلس سنا“ "S'enat" کے ذریعہ تائید هوتے هیں لیکن چونکہ صدر مملکت کے لئے حق وٹو هوتا هے(تو اگر وہ قوانین ناقص هوتے هیں تو) صدر مملکت ان کوروک دیتا هے چاهے کچھ هی مدت کے لئے هی کیوں نہ هو اور ان کو نافذ نهیں هونے دیتا اگر قوانین بنانا پارلیمنٹ کا حق هے اور قوہ مجریہ (صدر مملکت) کو پارلیمنٹ میں دخالت کرنے کا حق نهیں هے، تو پھر پارلیمنٹ کے بنائے گئے قوانین کو قوہ مجریہ کسی طرح روک دیتا هے اور ان کو نافذ نهیں هونے دیتا؟ پس معلوم یہ هوا کہ قدرتوں کا استقلال مکمل طور پر عملی نهیں هوتا اور عملی طور پر پارلیمنٹ اور حکومت کے وظائف میں هم آهنگی پائی جاتی هے۔
اسی طرح ان قدرتوں میں هم آهنگ کرنے والے اسباب کے نہ هونے کی وجہ سے بهت سے ممالک میں سیاسی، پارٹی اور گروهی اختلاف پیدا هوجاتا هے جس کی بنا پر قدرتوں میں اختلاف پیدا هوجاتا هے اور ممکن هے کہ بعض مواقع پر حالات اس قدر بگڑ جائیں کہ ملک میں کوئی حکومت هی نہ هو اور عملی طور پر حکومت ختم هوجائے مثال کے طور پراگر کوئی حکومت بنے اور قدرت اپنے هاتھ میں لے لے، لیکن ایک مدت کے بعد پارلیمنٹ میں اس کے لئے اعتماد ختم هوجاتا هے اور حکومت ٹوٹ جاتی هے اور اس کے بعد (جلد) کوئی حکومت نہ بن سکے، کیونکہ جو شخص بھی وزیر اعظم بننا چاهتا هے اور اس کے لئے وزراء کابینٹ "Cabinet" بنانا چاهے تو اگر ممبر آف پارلیمنٹ کا اعتماد کا ووٹ حاصل نہ کرسکے؛ کیونکہ پارلیمنٹی حکومتوں میں صرف وهی پارٹی حکومت بناسکتی هے جس کے پارلیمنٹ میں ممبروں کی اکثریت هو یا دوسری پارٹی کے ممبروں کو شامل کرکے اپنی اکثریت ثابت کردے۔
اور جیسا کہ آپ حضرات جانتے هیں کہ انهیں آخری چند سالوں میں همارے پڑوسی ملک میں کافی مدت تک حکومت نہ تھی؛ کیونکہ جو شخص بھی وزیر اعظم بننا چاهتا تھا اس کو اعتماد کا ووٹ هی نهیں ملتا تھا البتہ کسی نہ کسی طریقہ بهت سے حکومتی امور انجام پاتے هیں لیکن چونکہ جب وزیر یا معاون وقتی (عبوری) هوں تو ان کو کاموں میں زیادہ دل چسپی نهیں هوتی ؛ اور مثال کے طور پر اگر کسی ملک میں چہ ماہ تک بغیر دل چسپی کے کام کیا جائے تو آپ اندازہ لگاسکتے هیں کہ اس ملک کا کتنا نقصان هوگا۔
بعض ملکوں میں صدر مملکت کو یہ حق هوتا هے کہ چاهے وقتی طور پر هی صحیح پارلیمنٹ کو منحل کردے، اور یهیں حکومت کا پارلیمنٹ میں دخالت کرنا ظاهر هوتا هے یهاں تک بعض مواقع پر تو پارلیمنٹ کو منحل کردیا جاتا هے ظاهر سی بات هے کہ اس طرح کی دخالتیں اختلاف ، جھگڑوں اور بعض حالات میں شدید بحرانی حالات پیدا هونے کا باعث هوجاتا هے، اس کی علت یہ هے کہ یا تو ان حکومتوں میں ان بحرانی حالات سے نپٹنے کے لئے کوئی راہ حل پیش نهیں هوتا یا اگر وہ راہ حل پیش بھی کیا گیا هے تو وہ اتنا زیادہ کار آمد نهیں هوتا: مثلاً بعض حکومت میں صدر مملکت کے هاتھوں میں حکومتی نظام نهیں هوتا بلکہ صرف ایک تشریفاتی عهدہ هوتا هے (جیسا کہ خود هندوستان میں هوتا هے) لیکن اگر ملک میں بحرانی حالات پیدا هوجائیں تو پھر صدر هی حکومتی امور کو اپنے هاتھوں میں لے لیتا هے اور اس بحرانی کیفیت کو ختم کرتا هے در حقیقت اپنا کردار بحرانی حالات میں نمایا کرتا هے۔

5- ولایت فقیہ حکومت کو هم آهنگ کرنے والی طاقت
قارئین کرام ! یہ بات معلوم هوچکی هے کہ اس وقت جبکہ بهت سے ممالک میں بحرانی حالات سے نپٹنے کے لئے بعض راہ حل پیش کئے گئے هیں لیکن کوئی بھی ضروری طور پر کار آمد نهیں هے ، اور ان قدرتوں کے درمیان ایک دوسرے میں دخالت کرنے والی جیسی برائی باقی هے لیکن نظام ولایت فقیہ میں (کہ افسوس کے ساتھ کهنا پڑتا هے کہ بعض خود غرض مؤلفین اور بے انصاف زر خرید اهل قلم (اس ولایت فقیہ کو بھی) ارتجاعی(قدیم زمانہ کی طرف لوٹانا) کے نام سے پهچنواتے هیں) اس طرح کے اسباب فراهم هیں تاکہ ملک میں بحرانی حالات سے نجات دے، اور نظام کو هر ممکن پریشانی سے نجات مل جائے اور ملک کو کوئی نقصان نہ پهنچے همارے ملک میں بھی دوسرے ملکوں کی طرح قوہ

مجریہ ھے جس میں صدر مملکت کو مرکزی حیثیت حاصل ھے اسی طرح پارلیمنٹ اورعدلیہ بھی ھے جو ایک دوسرے سے الگ اور مستقل ھے،لیکن یہ تمام (قدرتیں) اس ایک نظام کی قدرتیں ھیں، اور ایک دوسرے سے ربط رکھتے ھیں جو ایک مرکزی نقطہ کی طرف متوجہ ھوتے ھیں اور جو شخص اس نظام میں نقطہ مرکزی اور اصلی ھوتا ھے وہ قدرت کے بلند ترین مقام پر ھوتا ھے وہ ولی فقیہ ھوتا ھے جو تمام قدرتوں میں اتحاد اور وحدت ایجاد کرتا ھے۔
برخلاف دوسری حکومتوں میں کوئی ایسا محور نہیں پایا جاتا جو ان قدرتوں میں ھم آھنگی اور وحدت ایجاد کرے اور اگر ان حکومتوں میں کوئی ایسا راہ حل بھی پیش کیا گیا ھے تو وہ بھت ضعیف اور کمزور ھے، نظام ولایت فقیہ میں مذکورہ تینوں قدرتیں ایک مرکزی نقطہ (ولی فقیہ) کے زیر سرپرستی ھوتی ھیں در حالیکہ وہ بنیادی قانون کا بھی حافظ ھوتا ھے اور اسلامی احکام، اقدار اور انقلابی اھداف کا بھی محافظ اور نگھبان ھوتا ھے؛ اسی طرح مذکورہ تینوں قدرتوں کو متحد اور ھم آھنگ رکھتا ھے اور سبھی کو وحدت، دوستی اور ھمدلی کی دعوت دیتا ھے اور اختلافات سے محافظت کرتا ھے اگر اتفاقی طور پر ملک میں کوئی بحرانی صورت حال پیدا ھوگئی ھے تو یھی اختلافات کو دور کرکے ملک کو بحرانی صورت حال سے نجات عطا کرتا ھے۔
انقلاب اسلامی کے بعد سے بیس سال کے عرصہ میں چاھے حضرت امام خمینی رحمة اللہ علیہ کا زمانہ ھو یا مقام معظم رھبری حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کا زمانہ ھو؛ خواستہ یا نخواستہ معاشرہ میں اختلافات کی وجہ سے ملک میں متعدد بار بحرانی صورت حال پیدا ھونے والی تھی لیکن اگر (ولی فقیہ کی) حکیمانہ تدبیریں نہ ھوتیں تو واقعاً ملک کبھی کا بحران کی نذر ھوجاتا جیسا کہ آج کل ترکی، پاکستان، بنگلادیش اور افغانستان میں بحرانی صورت حال ھے الحمد للہ اس عظیم اور خدا داد نعمت کی برکت سے اور اس لطف ومھربانی اور اس محبت کی وجہ سے جو ان کے اور عوام الناس کے درمیان موجود ھے اس طرح کے بحرانی صورت حال سے نجات ملتی رھتی ھے۔

6۔ دوسری حکومتوں پر ولایت فقیہ نظام کے امتیازات
قارئین کرام ! یھاں پر ھمارا اپنی اس اسلامی حکومت کا دوسری ان ڈیموکریٹک حکومتوں سے مقائسہ (مقابلہ) کرنا مناسب ھے جو آج کل کی پیشرفتہ حکومتیں جانی جاتی ھیں؛ اس اسلامی حکومت کے دوسری حکومت کے مقابلہ میں امتیازات اور خصوصیات بیان کریں:

الف۔ اندورنی انسجام و یگا نگت
ھماری حکومت کا سب سے پھلا امتیاز اور خصوصیت اندورنی انسجام ووحدت ھے جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ تمام ڈیموکریٹک حکومتوں میں ڈیموکریسی کی سب سے بڑی پھچان قدرتوں میں استقلال اور ایک دوسرے میں دخالت نہ کرنا مانا جاتا ھے ھم نے ان حکومتوں کے کچھ اندرونی تعارض اور ٹکراؤ کو بیان کیا اور کھا کہ یہ اس وجہ سے ھے کہ مذکورہ قدرتوں کو ایک دوسرے میں دخالت نہیں کرنا چاھئے لیکن عملی میدان میں کوئی ایک بھی ایسا ملک نہیں ھے جس میں مذکورہ قدرتیں ایک دوسرے سے مکمل طور پر مستقل ھوں اور ایک دوسرے میندخالت نہ کرتی ھوں، اور قانونی طور پر قدرتوں کے لئے ایک دوسرے میں دخالت کا ذرا بھی اختیار نہ ھو ، غیر قانونی دخالت ، خلاف ورزیوں اور تحت فشار قرار دینے کے علاوہ؛ ھم عملی طور پر دیکھتے ھیں کہ (جب) قدرت ایک طاقت کے ھاتھ میں ھوتی ھے اور اپنی تمام تر طاقت کے بل بوتہ پر دوسری طاقت کو تحت فشار قرار دیتی ھے جب پولیس اور فوجی طاقت؛ اسی مالی ،اقتصادی امکانات ،پورے ملک کا خرچ حکومت کے ھاتھ میں ھوتا ھے تو پھر دوسری قدرتیں اس سے متاثر ھوں گی اور صدر یا وزیر اعظم اگر اپنی قدرت سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاھتا ھے تو اس کے لئے آسان ھوجاتا ھے۔
پس معلوم ھوا کہ دنیا بھر کی تمام ڈیموکریسی حکومتوں میں ایک قسم کی تفرقہ اور نا ھماھنگی پائی جاتی ھے، لیکن ھماری حکومت میں در حالانکہ تینوں قدرتوں میں اتحاد اور ھم آھنگی پائی جاتی ھے اور اپنے اپنے اختیارات میں مستقل ھیں اور ان کے درمیان ناھماھنگی اور تفرقہ بھی نہیں پایا جاتا؛ کیونکہ ھماری حکومت میں ایک ایسا وحدت بخش سبب (ولایت فقیہ) پایا جاتا ھے جو تینوں قدرتوں کی سرپرستی کرتا ھے، ان میں انسجام اور وحدت برقرار رکھتا ھے، اور اس نظام اور حکومت کا اصلی محور ھونے کی وجہ سے بحرانی صورت حال پیدا ھونے سے روکے رکھتا ھے یھاں تک کہ ھم نے متعدد بار دیکھا کہ کس طرح مقام معظم رھبری حضرت آیت العظمیٰ خامنہ ای مدظلہ العالی نے کس طریقہ سے مختلف عھدہ داروں کے درمیان ھونے والے اختلافات کا خاتمہ کیا ھے اور اگر کبھی بحرانی صورت حال پیدا ھونے کی راہ ھموار ھوبھی گئی ھے تو قانونی طور پر صدر جمھوری نے مقام معظم رھبری سے درخواست کی کہ اپنی قدرت کے ذریعہ اس بحران سے روک تھام فرمائیں، اور موصوف نے بھترین طریقہ سے بحرانی صورت حال پرکنٹرول فرمایا ھے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ولی فقیہ اگرچہ براہ راست کسی بھی ایک قدرت کا عھدہ دار نھیں ھے لیکن تینوں قدرتوں کے عھدہ دار یا براہ راست اس کے ذریعہ نصب ھوتے ھیں یا بنیادی قانون کے مطابق یھی عوام الناس کی رائے کو نافذ کرتا ھے اور اسی کے نصب اورنافذ کرنے سے تینوں قدرتوں کے عھدہ داران مشروعیت پیدا کرتے ھیں۔

ب۔ روحی اور اندرونی نفاذ کی ضمانت

دوسری حکومتوں پرھماری حکومت کا ایک امتیاز یہ ھے کہ عوام الناس کے درمیان روحی اور اندرونی نفاذ کی ضمانت ھے اور یہ چیز اسلامی حکومت کے قوانین اور مقررات کی اطاعت کرنے کی ذمہ داری کے احساس سے حاصل ھوتی ھے اس طرح کی ضمانت اور کنٹرول دوسری حکومتوں میں موجود نھیں ھے اور تقریباً تمام ھی حکومتوں میں طاقت کے زور پر قوانین کو نافذ کیا جاتا ھے اور جھاں پر عوام الناس میں آزادی کا احساس ھوجائے یا وہ کنٹرول وغیرہ کم ھوجائے تو پھر اس پر عمل کرنے سے گریز کرتے ھیں۔

آپ حضرات نے مکرر سنا ھوگا کہ یورپی ممالک میں قوانین کی رعایت بہت زیادہ کی جاتی ھے، مغربی اور یورپی ممالک میں عوام الناس آٹومیٹک طریقہ سے قوانین اور مقررات کی رعایت کرتے ھیں اور ٹیکس وغیرہ ادا کرتے ھیں اور اس طرح کا یہ ظاھری نظم وانضباط اس ترقی یافتہ حکومت کے کنٹرول کی وجہ سے ھوتا ھے کہ جس کی بنا پر عوام الناس قوانین کی رعایت کرتے ھیں اور مالیات اور ٹیکس وغیرہ ادا کرتے ھیں اور بہت ھی کم لوگ قوانین کی خلاف ورزی کرتے ھوئے نظر آتے ھیں وھاں پر ٹیکس وغیرہ حاصل کرنے کا سسٹم چند صدیوں سے چلا آرھا ھے خصوصاً اس نصف صدی میں خاصا تجربہ ھوا ھے اور کمپیوٹر وغیرہ کے ذریعہ بھترین سسٹم بنایا گیا ھے اور اسی بنا پر مختلف طریقوں سے ٹیکس وغیرہ حاصل کیا جاتا ھے اورعام طور پر عوام الناس آسانی سے ٹیکس ادا کرتے ھیں لیکن بڑی بڑی کمپنیاں جو حکومتی ملازمین سے ساز باز کئے رھتے ھینوہ ٹیکس نہ ادا کرنے کی کوشش کیا کرتے ھیں۔

قارئین کرام ! ھم یھاں پر، جو لوگ مغربی کلچر کے عاشق ھیں اور وھاں کے نظم ومدنیت کا شور مچاتے ھیں ، ان کی خدمت مینیہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ھیں : مغربی ممالک کی بہت سی مدح اور تعریفیں صرف ایک نعرہ سے ھوتی ھیں جن میں حقیقت اور واقعیت نھیں ھوا کرتی مثال کے طور پر یہ کھا جاتا ھے کہ مغربی ممالک میں ڈرائیور قوانین کی بھر پور رعایت کرتے ھیں اور بھترین طور پر نظم وانضباط کا مظاھرہ کرتے ھیں؛ جبکہ یہ صرف ایک دعویٰ ھے ، ھم یھاں پر مذکورہ دعویٰ کو باطل کرنے کے لئے ایک نمونہ پیش کرتے ھیں: ھم امریکہ کی ”فیلڈفیا یونیورسٹی“ کی طرف سے ایک تقریر کے لئے مدعو ھوئے اور جب ھم ”نیویورک“ سے ”فیلڈفیا “ کی طرف چلے تو راستہ میں مختلف شھروں کا دیدار کیا اسی راستے میں ھم نے دیکھا کہ گاڑی کا ڈرائیور اپنی گاڑی کے آگے کوئی چھوٹی سی مشین رکھتا ھے اور کچھ دیر بعد اس کو گاڑی کے داش بورڈ "Dash board" میں رکہ دیتا ھے اور کچھ دیر بعد پھر اسی طرح کرتاھے، ھمارے ذھن میں سوال پیدا ھوا کہ اس سے معلوم کریں کہ یہ کس لئے ھے؟

تو اس نے بتایا کہ امریکہ میں 90 میل فی ساعت کی رفتار سے زیادہ گاڑی چلانا ممنوع ھے اور پولیس نے خلاف ورزی سے روک تھام کے لئے سڑک پر ”راڈار“ لگا دئے ھینجن کے ذریعہ سے جو لوگ غیر مجازرفتار سے زیادہ گاڑی چلاتے ھیں ان کو پکڑکر جرمانہ لگائے اس کے علاوہ خود بھی سڑک کے کنارے کمین لگائے بیٹھے رھتے ھیں تاکہ خلاف ورزی کرنے والوں پر جریمہ لگاسکے اورچونکہ گاڑیوں کی رفتار پولیس کے ذریعہ نصب شدہ راڈار کے ذریعہ کنٹرول ھوتی ھیں اسی وجہ سے بعض ماھرین نے ایسی مشین بنائی ھے جو اس راڈار کو اندھا کردیتی ھیں اور اس وقت یہ مشین بازار میں آسانی کے ساتھ خرید و فروخت ھوتی ھے اسی وجہ سے راستہ میں پولیس لگی ھوئی ھوتی ھے تاکہ جو اس مشین کے ذریعہ ان کے راڈار کو اندھا کرکے بہت زیادہ رفتار سے گاڑی چلاتے ھیں ان کو روک کر جرمانہ لگاسکے ، لھٰذا اس مشین کے لگانے کے بعد کسی بھی رفتار سے گاڑی چلاسکتے ھیں اورجب پولیس کے چک پوسٹ سے نزدیک ھوتے ھیں اس کو اتار کر چھپا دیتے ھیں اور پھر دوبارہ اس کو لگادیتے ھیں!

قارئین کرام ! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ لوگ قوانین پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے اور قوانین کے محافظ پولیس کے کنٹرول کو بے اثر کرنے کے لئے ایک مشین ایجاد کرتے ھیں تاکہ پولیس کے راڈار کو اندھا کردیں اور اس مشین کو امریکی بازاوں میں کافی مقدار میں خرید و فروخت کرتے ھیں اس وقت ھم یہ خیال کرتے ھیں کہ امریکہ میں ایسا ترقی یافتہ کلچر ھے جس کی بنا پر عوام الناس اپنی مرضی اور رغبت سے قوانین پر عمل کرتے ھیں اور وھاں بھترین نظم و انضباط برقرار ھے وارداتیں وھاں پر جو مختلف ھوتی رھتی ھیں اس کی خبر ھم تک پھنچتی رھتی ھیں جو خود ایک بڑا تفصیلی پھلو رکھتی ھے ھمارے ایک دوست جو چند سال امریکہ میں رہ کر ایران واپس آئے ، انھوں نے ھم سے بیان کیا کہ امریکہ کا کوئی بھی کالج ایسا نھیں ھے جس میں پولیس نہ ھو اس کے بعد بھی ھر روز وھاں پر قتل وغارت ھوتا رھتا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ہے، مثلاً ایک اسٹوڈینٹ اسلحہ کے ذریعہ اپنے استاد یا ہم کلاسیوں کی طرف گولی چلاتا ہے اور ان کو قتل کردیتا ہے!! یہ ہے وہاں کا نظم اور انضباط!!

جی ہاں! مغربی ممالک مینقوانین پر اگرعمل ہوتا ہے تو وہ جرمانہ اور قید کے خوف کی وجہ سے ہوتا ہے اور اگر ان کو اس چیز کا خوف نہ ہو اور اس سے کسی بھی طریقہ سے محافظین کے کنٹرول کو بے اثر کرسکتے ہوں تو پھر قوانین کی خلاف ورزی کرنے میں ذرا بھی جھجھک نہیں ہوتی۔

لیکن ہماری اس اسلامی حکومت میں بیرونی کنٹرول کرنے والے اسباب جیسے جرمانہ اور جیل؛ کے علاوہ اندرونی مہم سبب بھی موجود ہے کہ اگر اس کو اور مزید تقویت پہنچائی جائے تو پھر معاشرہ کی بہت سی اجتماعی مشکلات حل ہوجائیں گی اور وہ سبب خود ان کے اندر قوانین پر عمل کرنے کا رجحان موجود ہے، اور اس کی وجہ ان کا اسلامی حکومت کے قوانین پرعمل کرنے کے ایمان کی وجہ سے ہے، درحققت عوام الناس حکومتی قوانین پر عمل کرنا اپنا شرعی وظیفہ سمجھتے ہیں اور یہ ظاہر سی بات ہے کہ اگر ہمارے ملک میں اسلامی حکومت نہ ہوتی اور حضرت امام خمینی (رہ) جیسے رہبر اور مرجع تقلید نے نہ فرمایا ہوتا کہ اسلامی حکومت کے قوانین پر عمل کرنا شرعاً واجب ہے، تو پھر عوام الناس جرمانہ اور دوسری سزاؤں سے بچنے کے لئے قوانین پر عمل کیا کرتے۔

آج اسلامی انقلاب کے طرفدار اور متدین افراد ولی امر مسلمین کی اطاعت کی وجہ سے اسلامی حکومت کے قوانین پر عمل کرتے ہیں؛ اگرچہ بعض موارد میں وہ جانتے ہیں کہ یہ قوانین ہمارے نقصان میں ہیں لہٰذا یہ اندرونی اور معنوی سبب جو ان کے ایمان کی وجہ سے ہے؛ ایک بڑا سبب ہے تاکہ خود عوام الناس قوانین کے پابند رہیں، لہٰذا ایسا بہترین اور مہم سبب ہمارے معاشرہ میں موجود ہے لیکن ہم اس کی قدر نہیں کرتے اسی طرح عوام الناس کو حکومتی قوانین کا پابند بنانے میں دوسرا سبب یہ ہے کہ عوام الناس اسلامی حکومت کے قوانین کو خدا کی خوشنودی کا سبب جانے جس کی بنا پر وہ شرعی وظیفہ سمجھتے ہوئے ان پر عمل کریں اور ان سے خلاف ورزی کو خدائی عذاب سبب شمار کریں اگرچہ ہم اس چیز کا انکار نہیں کرتے کہ ہمارے معاشرہ میں قوانین کی خلاف ورزی ہوتی، لیکن یہ خلاف ورزی؛ قوانین پر عمل کرنے کے مقابلہ میں بہت کم ہیں؛ اور اگر قانون پر عمل ہونے کی نسبت؛ خلاف وزیوں کی تعداد زیادہ ہوتی تو ہمارا یہ نظام کبھی کا ختم ہوگیا ہوتا۔

ج۔ مقام رہبری میں شائستگی اور تقویٰ کے عالی ترین درجات کا ہونا

دوسری حکومتوں پر ہماری حکومت کا تیسرا امتیاز یہ ہے کہ مقام معظم رہبری کو تقویٰ ، اخلاقی شائستگی اور عظمت کے بلند ترین درجات پر فائز ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ یہ ذات پیغمبر اور امام زمانہ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کا جانشین ہوتا ہے اور عوام الناس اس کو امام زمانہ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کی تجلی اور ان کا ایک پرتو سمجھتے ہیں، اسی وجہ سے وہ محبت اور لگاؤ جو پیغمبر اکرم (ص) اور امام زمانہ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) سے رکھتے ہیں اسی کے مشابہ (مقام معظم رہبری) سے بھی محبت اور لگاؤ رکھتے ہیں اگرچہ مقام معظم رہبری سب سے عظیم عہدہ پر فائز ہیں اور سب سے زیادہ قدرت بھی رکھتے ہیں، لیکن اگر (خدا نخواستہ) ان سے کوئی خلاف وزی یا ایسا گناہ جو باعث فسق اور عدالت کے خاتمہ کا باعث ہوجائے تو خود بخود ولایت مسلمین کے عہدہ سے معزول ہوجائیں گے اور کسی عدالت میں جانے یا جرم کو ثابت کرنے اور اس کو معزول کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی، العیاذ باللہ جرم کے مرتکب ہوتے ہی عدالت ساقط ہوجائے گی اور خود بخود اس عہدہ سے معزول ہوجائیں گے، اور ”مجلس خبرگان“ان کی رہبری کی صلاحیت نہ ہونے کا اعلان کرے گی، ان کو معزول نہیں کرے گی؛ کیونکہ عدالت ختم ہوتے ہی عزل حاصل ہوجائے گا!۔

دنیا بھر کے کسی بھی ملک میں بڑے عہدوں پر فائز افراد اتنی اخلاقی صلاحیت اور شائستگی نہیں رکھتے جس قدر ہمارے مالک میں مقام معظم رہبری ہے، یہاں تک کہ بعض ممالک کے رہبروں کا حال یہ ہے کہ وہ سر سے پیر تک اخلاقی فساد میں آلودہ ہوتے ہیں: وہ امریکہ جس کو تمدن کا ترقی یافتہ نمونہ کہا جاتا ہے اس کے صدر پر اخلاقی اور جنسی تعلقات میں ملوث ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے اور اس کے خلاف بہت سے گواہ بھی مل جاتے ہیں اور وہ خود بھی اس چیز کا اعتراف کرتا ہے لیکن جب اس کے خلاف پارلیمنٹ میں عدم اعتماد کا مسئلہ پیش آتا ہے تو اکثر ممبر آف پارلیمنٹ نے اس عدم اعتماد پر ووٹ نہیں دئے اور وہ کمافی السابق صدرات کے عہدہ پر باقی رہ جاتا ہے اور اس کے لئے کوئی بھی مشکل پیش نہیں آتی تمام لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ وہ فاسد ہے لیکن سیاسی ہتھ کنڈونکی وجہ سے عدم اعتماد کے ایک یا دو ووٹ کم رہ گئے اور وہ فاسد صدر اپنے عہدہ پر باقی رہا!! چنانچہ اسی طرح کی بہت سی دوسری مثالیں موجود ہیں اور خلاف ورزی کرنے والے افراد یہاں تک کہ ان کو عدلیہ نے محکوم بھی کیا ہے لیکن سیاسی حربوں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کی بنا پر وہ اپنے عھدہ پر باقی رہتے ھیں اوران کا دوسرے انتخابات میں کامیاب ھوجانے کا امکان ھوتا ھے۔
لہٰذا اسلامی نظریہ کے مطابق اگر مقام معظم رھبری میں بھی کوئی ایک ضروری شرط موجود نہ رھے یا کوئی جرم سرزد ھوجائے تو اپنے عھدہ سے خود بخود معزول ھوجائیں گے، کیونکہ صرف ایک گناہ کے مرتکب ھونے سے عدالت ختم ھوجاتی ھے اور وہ فاسق ھوجاتا ھے، جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی رھبری کرنے کی صلاحیت بھی ختم ھوجاتی ھے؛ اس کے بعد اس کے جرم کو ثابت کرنے یا عدالت میں جانے یا خبرگان کی رائے کی ضرورت نھیں ھوتی پس معلوم یہ ھوا کہ دنیا بھر کے کسی بھی ملک میں ملکی عھدہ داروں خصوصاً بڑے عھدہ دار یعنی رھبری کے لئے اتنی سختی نھیں ھے۔

د۔ انسانی معنوی اور واقعی مصالح کی رعایت
آخر میں دوسری حکومتوں پر ھماری حکومت کا مھم امتیاز انسانیت کے معنوی مصالح کی رعایت کرنا ھے: ھم ایک مسلمان ھونے کے لحاظ سے یہ عقیدہ رکھتے ھیں کہ خداوندعالم دوسروں سے زیادہ انسان کے مصالح اور منافع کو جانتا ھے اور ھم انھیں مصالح کو انسانی معاشرہ میں رائج کرنا چاھتے ھیں جن کو خداوندعالم نے بیان کیا ھے، اور یہ مقصد خداندعالم کے بنائے دینی قوانین پر عمل کرنے کے علاوہ پورا نھیں ھوسکتا روئے زمین پر صرف ایک جمھوری اسلامی ایران ایک ایسا ملک ھے جس کے بنیادی قانون کے چوتھے بند میں یہ بیان ھے کہ ملک کے تمام قوانین اور مقررات کو اسلامی اصول وقواعد کے تحت طے کرکے نافذ کیا جانا چاھئے یھاں تک کہ اگر کوئی قانون دلیل شرعی کے عموم واطلاق کے برخلاف ھوگا تو اس کو معتبر نھیں سمجھا جائے گا اس بنا پر وہ ملک جس میں انسان کے واقعی مصالح ومنافع پورے ھوتے ھیں وہ ھمارا ھی ملک ھے۔
سب لوگوں کو یہ بات معلوم ھے کہ یہ ھمارا نظام اور اس کے تمام نتائج؛ صرف عوام الناس کی قربانیوں اور شھداء کے خون کی برکتوں (منجملہ” شھداء ھفت تیر“) سے وجود میں آئے ھیناور انھوں نے اس انقلاب کی خاطر اپنی جان اور خون کی قربانی پیش کرکے ھمارے لئے عزت، سربلندی اور بلند ترین اقدار کا سامان فراھم کیا ھے لہٰذا ھمیں (ھر وقت) بیدار رھنا چاھئے کھیں ایسا نہ ھو کہ ھم ان عظیم اقدار کو مفت میں بیچ ڈالیں آج کل بھت سی سازشیں چل رھی ھیں جن کی بنا پر اصل اسلام، ولایت فقیہ اور اسلامی حکومت کے قوانین پر اعتراضات کئے جاتے ھیں چونکہ یہ ارزشیں اور اقدار ان کی آنکھوں کاکانٹا بنا ھوا ھے جس کو صاف کرنے کے لئے ھر ممکن کوشش کرتے ھیں اور اپنی تمام خراب کاری کوششوں کو انھیں چند اصلی نقطوں پر صرف کردیتے ھیںتاکہ مختلف طریقوں اور مکاریوں سے ان پر حملہ کریں اور نقصان پھنچائیں۔
کبھی کبھی تقریروں، مقالوں اوربعض کثیر الانتشار اخباروں میں اصل اسلام اور اسلامی احکام پر اعتراض کیا جاتا ھے، اور کھا جاتا ھے کہ آج وہ زمانہ گذر چکا ھے جب لوگوں کو حلال اور حرام کی باتیں بتائی جائیں لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ خود تصمیم گیری کریں اور اپنی مرضی سے انتخاب کریں!! یا متعدد بار دیکھنے میں آیا ھے کہ ولایت فقیہ کی شان میں گستاخی، جسارت اور توھین کرتے ھیں کہ اگر ھمارے عھدہ داروں کے سینہ میں ثقافتی کشادہ دلی نہ ھو تو قانونی طور پر ان کو سزا ملنا چاھئے لیکن یہ حضرات اپنی بزرگی کا احساس نھیں کرتے اور ان کے خلاف کوئی قدم نھیں اٹھاتا لیکن ھماری ایک انقلابی اور امام خمینی (رہ)اور مقام معظم رھبری (حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای مدظلہ العالیٰ) کے پیرو کار ھونے کے لحاظ سے یہ ذمہ داری بنتی ھے کہ ھم اس طرح کی جسارت کرنے والوں کو اس طرح کی گستاخیوں کا مزہ چکھادیں اور شریعت مقدس اسلام اور تشیع، اور اسلامی اقدار جن کی وجہ سے دنیا وآخرت کی کامیابی ھے جو آسانی سے حاصل نھیں ھوتیں ان کو سیاسی مکاروں کے چور باز ار میں کم سے کم قیمت میں بیچ ڈالیں جن کی بنا پر ذلت، خدا ورسول اور فرشتوں ، مومنین اور آئندہ آنے والی نسلوں کی لعنت کے مستحق قرار پائیں ، خدا کرے کہ وہ وقت نہ آئے۔

حوالے:

(1) سورہ حج آیت 78
(2) سورہ بقرہ آیت 185
(3) (سورہ بقرہ آیت 185) ترجمہ: (”لہٰذا جو شخص اس ماہ میں حاضر رھے اس کا فرض ھے کہ روزہ رکھے (لیکن) جو مریض یا مسافر ھو وہ اتنے ھی دن دوسرے زمانہ میں روزہ رکھے خدا تمھارے لئے آسانی چاھتا ھے زحمت نھیں چاھتا “ (اضافہ، مترجم)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

پینتیسواں جلسہ

قوانین اور حکومت سے آزادی کی نسبت

1۔ حاکم کا نصب کرنا آزادی اور ڈیموکریسی سے مطابقت نہیں رکھتا۔ (ایک اعتراض)
ہم نے گذشتہ جلسوں میں عرض کیا کہ قوانین کو براہ راست خداوندعالم بنائے یا اس کی اجازت اور اذن سے بنائے جائیں، اسی طرح قوانین کو جاری کرنے والا شخص بھی یا براہ راست خداوندعالم کی طرف سے معین ہو یا خداوندعالم کی طرف سے اذن یافتہ ہو؛ بھرحال نظام حکومتی (چاھے قوہ مجریہ ہو، یا قوہ قضائیہ ہو یا پارلیمنٹ) خداکے اذن کی طرف مستند ہوں اس کے علاوہ دینی اور شرعی لحاظ سے اس کی مشروعیت نہیں ہوگی ہم نے گذشتہ بحثوں میں قانون گذاری اور قانون کو جاری کرنے کے سلسلہ میں بہت سے اعتراضات کو بیان کرکے ان کے جوابات پیش کئے قانون گذاری کے سلسلہ میں ایک اعتراض یہ تھا کہ عوام الناس کا خداوندعالم کے قوانین کا پابند ہونے کا مطلب انسانی آزادی اور انسان کے اپنے اختیار کے مخالف ھے؛ اور ہم اس کا جواب قانون گذاری کی بحث میںدے چکے ھیں اسی کے مثل بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت لہجہ سے قوانین کو جاری کرنے کے سلسلہ میں بھی ہوتا ھے؛ اور وہ یہ ھے کہ اگر ہم یہ مان لیں کہ قانون کا جاری کرنے والا خدا وندعالم کی طرف سے معین ہونا چاھئے یا اس کی طرف سے اذن یافتہ ہو، تو اس صورت میں عوام الناس سے حق انتخاب کو چھین لیا ھے اور عوام الناس کو اس چیز کی اجازت نہیں ھے کہ خدا کے فرمان اور اس کے معین کردہ کے خلاف اپنی مرضی سے کسی کا انتخاب کریں؛ اور یہ بات در حقیقت ڈیموکریٹک کے خلاف ھے۔
قارئین کرام ! اگرچہ گذشتہ بحثوں میں ہم اس اعتراض کا جواب عرض کر چکے ھیں لیکن چونکہ اسلامی نظام کے مخالف بلکہ در حقیقت اسلام کے مخالفین اس طرح کے اعتراض مسلسل کئے جارھے ھیں اور مختلف صورتوں میں اس طرح کے شبہات اور اعتراضات بیان کررھے ھیں، اس وجہ سے ہم اس سلسلہ میں مزید وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ھیں پہلے آزدای کے سلسلہ میں کچھ چیزیں بیان کریں گے اس کے بعد اسلامی حکومت کی تشکیل کا طریقہ کار اور قوانین اسلامی کو جاری کرنے کا طریقہ بیان کریں گے۔

2۔ تکوینی آزادی اور نظریہ جبر کی تحقیق اور ردّ
ہمارے سامنے آزادی کا مسئلہ ھے جس کو اصطلاح میں تکوینی آزادی کھا جاتا ھے جس کے مقابلہ میں نظریہ جبر ھے جس کو بعض دانشمندوں نے بیان کیا ھے قدیم زمانہ سے انسان کے سلسلہ میں یہ اختلاف چلا آرھا ھے کہ وہ مختار ھے یا مجبور بعض لوگوں کا کہنا ھے کہ انسان مجبور ھے اور اپنی زندگی میں ذرا بھی اختیار نہیں رکھتا اور اگر کوئی انسان یہ تصور کرے کہ وہ اپنے ارادہ سے اپنے امور انجام دیتا ھے تو یہ اس کا خیال خام کے علاوہ کچھ نہیں ھے انسان در حقیقت مجبور ھے وہ جو بھی کام کرتا ھے مجبوراً اور فشار کے تحت انجام دیتا ھے؛ اگرچہ وہ خود اس چیز کا احساس نہ کرتا ہو۔
ہمیشہ اس نظریہ جبر کے طرفدار لوگ پائے گئے ھیں اور بعض اسلامی علماء نے بھی اس نظریہ کی طرفدار ی کی ھے اسلامی فرقوں میں ”فرقہ اشاعرہ“ (جو اھل سنت کا ایک کلامی فرقہ ھے) جبر کا اعتقاد رکھتا ھے؛ البتہ اتنی شدت اور غلظت سے نہیں جتنے دوسرے مانتے ھیں لیکن ھمارے اور اکثر مسلمانوں کے لحاظ سے یہ نظریہ باطل اور مردود ھے، چاھے انسان اپنے اعمال وافعال میں اپنے کو صاحب اختیار اور آزاد تصور کرے اور اگر صرف جبر انسان کے اوپر حاکم ہوتا تو پھر اخلاقی، تربیتی اور حکومتی نظام کی کوئی ضرورت باقی نہ بچتی۔
اخلاقی اور تربیتی سلسلہ میں اگر انسان نیک یا برے کام پر مجبور ہوتا اور اس کا کوئی اختیار ان چیزوں پر نہ ہوتا تو پھر اس کے نیک کاموں پر اس کی تعریف اور تمجید کوئی معنی نہیں رکھتی اور نہ ھی اس کے لئے کوئی جزا یا انعام کی ضرورت ھے، اسی طرح اگر انسان مجبور ہوتا تو برے کاموں پر اس کی مذمت اور سرزنش بھی نہیں ہونا چاھئے،اگر کوئی بچہ اپنے کسی فعل میں مجبور ہو تو پھر اس کی تربیت لا حاصل ھے اور اس کے اخلاقی کردار کو سنوارنے کے لئے برنامہ ریزی کی کوئی ضرورت نہیں ھے جس وقت معلم اور مربیّ ؛ بچے اور شاگرد سب ھی اپنے کردار میں مجبور ہوں تو پھر استاد بچے سے یہ نہیں کھہ سکتا کہ فلاں کام انجام دو یا فلاں کام نہ کرو اسی طرح حقوقی، سیاسی اور اقتصادی مسائل میں جو نصیحتیں کی ھیں ان کا مطلب یہ ھے کہ انسان اپنے اعمال اور افعال میں مختار اور آزاد ھے۔
جب انسان اپنے افعال اور اعمال کے کرنے یا نہ کرنے میں آزاد ہو تو اسی وقت اس کو یہ کہنا درست ھے کہ اس کام کو انجام دے اور اس کام سے پرھیز کرے، لیکن اگر انسان مجبور ہو اور اپنے کاموں کو انتخاب کرنے کا اختیار نہ ہو تو اس

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کے یہ کہنے کا کوئی مطلب نہیں ھے کہ اس کام کو کرے یا اس کام کو انجام نہ دے۔
یہ آزادی اور اختیار جس کو سبھی سمجھتے ھیں یہ ایک ”تکوینی امر“ ھے اور ”نظریہ جبر“ کے مقابلہ میں ھے،اور یہ اختیار اور آزادی خدا داد نعمت ھے جو انسان کی خصوصیات میں سے ھے اور اسی کی بنا پرانسان دوسری موجودات پر فضیلت اور برتری رکھتا ھے وہ تمام موجودات جن کا ھم علم رکھتے ھیں ان میں صرف انسان ھی ایک ایسی مخلوق ھے جو مختلف نظریات بلکہ بعض اوقات متضاد (ایک دوسرے سے ٹکرانے والی) نظریات میں سے کسی ایک کو انتخاب کرنے کی صلاحیت رکھتا ھے، اور وہ اپنے خواھشات کا جواب دینے میں مکمل طریقہ سے صاحب اختیار اور آزاد ھے چاھے وہ خواھشات ”حیوانی خواھشات“ ھوں یا وہ خواھشات ”الٰھی اور معنوی“ خواھشات ھوں بے شک خداوندعالم نے اس انسان کو اپنی اس نعمت سے نوازا ھے تاکہ وہ اپنے اختیار اور انتخاب سے راہ حق یا راہ باطل کا انتخاب کرے، اور انسان کا یھی وہ امتیاز ھے جو دوسری تمام مخلوقات یھاں تک کہ فرشتوں پر رکھتا ھے یھی قدرت انتخاب ھے اگر اس نے اس قدرت کا صحیح استعمال کیا اور الٰھی احکام کا انتخاب کیا اور حیوانی خواھشات کو ترک کیا تووہ کمال کے اس درجہ پر پھنچ جائے گا کہ اس کے سامنے فرشتے خضوع وخشوع کرتے ھوئے نظر آئیں۔
البتہ انسان کے پاس یہ آزادی کا ھونا ایک تکوینی مسئلہ ھے اور آج تقریباً کوئی ایسا نھیں ھے جو اس پر اعتقاد نہ رکھے اور اپنے کو سو فی صد مجبور سمجھے، اور اپنے لئے ذرا بھی آزادی نہ سمجھے ، قرآن مجید نے اس مسئلہ کے واضح ھونے پر زور دیا ھے:
(وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ)(1)
”(اے رسول)تم کھہ دو کہ سچی آیات (کلمہ توحید)تمھارے پروردگار کی طرف سے (نازل ھو چکی)ھے بس جو چاھے مانے اور جو چاھے نہ مانے “
(إِنَّا هَدَيْنَاه السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا)(2)
”اور اس کو راستہ بھی دکھادیا(اب وہ)خواہ شکر گزار ھو یا نا شکرا “
سیکڑوں آیات بلکہ پورا قرآن انسان کے مختار ھونے پر تاکید کرتا ھے، کیونکہ قرآن مجید انسان کی ھدایت کے لئے ھے اور اگر انسان مجبور ھوتا اور اس کی ھدایت جبر کے تحت ھوتی اسی طرح اس کی گمراھی بھی جبر کے تحت ھوتی توپھر انسان کے لئے ھدایت کو اختیار کرنے کا کوئی مقصد نھیں تھا اور اس صورت میں قرآن کریم بے فائدہ اور بے اثر ھوجاتا۔
اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ ھماری گفتگو تکوینی آزادی کے بارے میں نھیں ھے کیونکہ اس میں کسی کو بھی کوئی شک وشبھہ نھیں ھے ا ور اس کی بحث کامقام فلسفہ اور علم کلام ھے ، حقوق اور سیاست میں یہ بحث نھیں کی جاتی۔

3۔ معنوی اور اندورنی اقدار کا آزادی سے کوئی ٹکراؤ نھیں

قارئین کرام ! یھاں پر ایک ضروری گفتگو یہ ھے کہ ھر انسان کے پاس ایک اندرونی طاقت ھوتی ھے جو انسان کے اعمال اور کردار کے لئے دائرہ معین کرتی ھے، اور ایک اصطلاح کے مطابق انسان ایک ارزشی اور اقداری مشین رکھتا ھے جس کی بنا پر ھر انسان یہ طے کرسکتا ھے کہ اس کواخلاقی طور پر کون سے کام انجام دینا چاھئے اور کن چیزوں کو ترک کرنا چاھئے،جن کے طے کرنے کے بعد مخصوص کاموں کو انجام دیتا ھے اور کچھ چیزوں کو ترک کرتا ھے ھمیں کسی ایسے معاشرہ کا علم نھیں ھے جس میں”باید ھا اور نباید ھا“ (کرنا چاھئے اور نہ کرنا چاھئے) نہ ھوں ، اور اچھے کاموں کو بُرا اور برے کاموں کو اچھا سمجھتا ھو۔
چنانچہ انسانی اسی اچھے اور برے کاموں کو سمجھنے والی اندرونی طاقت کو ”عقل عملی“ یا”وجدان“ کھا جاتا ھے جو انسان کو عقلی اور اخلاقی رفتار وگفتار کی ھدایت کرتی ھے، اور یھی وہ طاقت ھے جو ھمیشہ سے تمام انسانوں کے پاس رھی ھے، جس کی بنا پر انسانیت کے لئے ایک راھنما کا کام کرتی ھے ھر انسان کی ”عقل عملی“ یا”وجدان“ اس بات کو سمجھتی ھے کہ عدل، امانت داری اور سچائی نیک کام ھیں، لھٰذا ان پر عمل کرنا چاھئے اسی طرح ھر انسان کی ”عقل عملی“ یا”وجدان“ ظلم اور ستم کو بُرا سمجھتی ھے اور ظلم نہ کرنے کا حکم دیتی ھے، خصوصاً جبکہ اگر کسی ایسے شخص پر ظلم و ستم کرے جو اپنے دفاع پر بھی قادرنہ ھو اسی طرح انسانی عقل جھوٹ اور خیانت کو بُرے کاموں میں سے شمار کرتی ھے اور اس سے دوری کرنے کا حکم دیتی ھے۔
لھٰذا معلوم ھوا کہ انسان کے پاس ایک اندرونی اور باطنی ایسی طاقت ھے جو انسان کے لئے ھر حال میں اقداری مشین کا کام کرتی ھے جس کی بنا پر اچھے اور برے کاموں کی شناخت ھوجاتی ھے، اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ تمام ھی انسان عدالت اور صداقت کو نیک کام شمار کرتے ھیں اور کوئی بھی انسان صداقت کو بُرا نھیں سمجھتا اسی طرح تمام ھی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

انسان اس بات پر عقیدہ رکھتے ھیں کہ ظلم اور جھوٹ برے کام ھیں اور آپ کو کوئی بھی ایسا شخص نہیں مل سکتا جو ان کو اچھا سمجھتا ھو بےشک انسانی اقدار کو معین کرنے والی یہ طاقت اپنے فیصلہ میں مستقل اور آزاد ھوتی ھے اور کسی باھری طاقت کی کوئی ضرورت نہیں ھوتی، اور صرف اپنے نظریہ کے مطابق حکم کرتی ھے۔

انسانی عقل و وجدان کے ذریعہ بیان شدہ باید ھا و نباید ھا (کرنا چاھئے اور نہ کرنا چاھئے) یا امر و نھی کی ماھیت اور حقیقت کی تحقیق وجائزہ (کہ امر ونھی صرف اس کی تشخیص اور درک کی وجہ سے ھوتا ھے یا انسان کے اندر کوئی طاقت ایسی ھوتی ھے جو اس کو امر ونھی کرتی ھے) اخلاقی فلسفہ سے متعلق ھے جو ھمارا موضوع گفتگو نہیں ھے لیکن ھماری عقل کا یہ طے کرنا کہ کون سے کام نیک ھیں اور کون سے کام بُرے؟ یہ ایک طرح سے ھمارے لئے لازمی احکام صادر کرتی ھے جس کی بنا پر ھماری قدرتی آزدای محدود ھوجاتی ھے، یعنی خود ھماری عقل اور وجدان ھمیں حکم دیتی ھے کہ اپنی کچھ آزادی سے فائدہ نہ اٹھاؤ: (مثلاً) ھم دوسروں پر ظلم کرسکتے ھیں لیکن ھماری عقل کھتی ھے کہ کسی پر بھی ظلم نہ کرو، بلکہ عدالت کو برقرار رکھو، اسی طرح ھم جھوٹ بول سکتے ھیں لیکن ھماری عقل یہ حکم کرتی ھے کہ جھوٹ نہ بولو بلکہ صداقت سے کام لو ھماری عقل اس بات کاحکم کرتی ھے کہ اگرچہ تم امانت میں خیانت کرسکتے ھو لیکن (کسی بھی چیز میں) خیانت نہ کرو ، لہٰذا معلوم یہ ھوا کہ انسانی عقل عملی اور اس کا وجدان انسان کی خصوصیت میں اور ان اسباب میں سے ھے جو ھماری آزادی کو محدود کرتی ھے،اور اگر کسی شخص میں ایسی طاقت وقدرت موجود نہ ھو اور اپنے لئے اچھے اور برے کی پھچان نہ کرسکتا ھو تو گویا وہ عقل سے بے بھرہ ھے اور اس کو دیوانہ کھا جائے گا۔

اب جبکہ انسانی عقل اس اپنی رفتار و گفتار کو محدود بنادیتی ھے اور انسان اس کام کو اپنے عقل اور وجدان کی طرف نسبت دیتا ھے لیکن کوئی بھی اس کو آزادی کا مخالف قرار نہیں دیتا یہ کوئی کھتا ھوا نظر نہیں آتا کہ ھماری عقل نے امر ونھی کے ذریعہ سے ھماری آزدای کو محدود کردیا ھے جب حقیقت یہ ھے کہ انسان اپنی اس اندورنی طاقت کی پیروی کرتے ھوئے اپنی آزادی کو محدود کرلیتا ھے جو خود اسی کی عقل کے تحت ھوتی ھیں اور باھر سے کوئی چیز سبب بھی نہیں ھوتی کیونکہ انسانی عقل کے ذریعہ انسان کی رفتار و گفتار کا محدود ھونا بالکل اس ڈاکٹر کی طرح ھے جو ھم سے (مریض ھونے کی صورت میں)یہ کھتا ھے کہ فلاں چیز نہ کھانا کیونکہ وہ تمھارے لئے نقصان دہ ھیں، اور فلاں دوائی استعمال کرو کیونکہ تم اس سے ٹھیک ھوجاؤ گے اس صورت میں نہ صرف یہ کہ انسان ڈاکٹر کے حکم اور پرھیز بتانے سے ناراحت نہیں ھوتا بلکہ اس کو خوشی بھی ھوتی ھے اور اس کے حکم کو اپنی صحت یابی کے لئے راھنمائی اور ھدایت سمجھتا ھے در حقیقت اس صورت میں بھی ھم اپنی آزادی اور اختیار سے استفادہ کرتے ھیں اور ھماری پیدائشی آزدای پر کوئی حرف نہیں آتا اور بعض اخلاقی نظریات کی بنا پر عقل صرف ھمیں ایک راستہ دکھاتی ھے اور ھماری اس راستہ کی طرف راھنمائی کرتی ھے، جس کے بھترین فوائد ظاھر ھوتے ھیں نہ کہ اس میں ڈکٹیٹری "Dictaory" نہیں دکھائی دیتی، (بلکہ دوستانہ اور دلسوزی کی بناپر ھوتی ھیں۔)

یھاں تک کہ اگر ھم اپنی عقل کے حکم کو ڈکٹیٹری کا نام بھی دیدینجس کی بنا پر وہ حکم کرتی ھے، جیسا کہ کھا بھی جاتا ھے کہ اگر کسی شخص نے اپنی عقل و وجدان کی مخالفت کی تو اس عقل ھی اس کو مورد مذمت اور عذاب قرار دیتی ھے ، اور عقل و وجدان کا عذاب ھماری ادبی کتابوں میں مشھور معروف ھے، لیکن ان تمام باتوں کے پیش نظر عقل و وجدان کا حکم آزادی کے مخالف نہیں ھے اور اس کی آزادی ختم نہیں ھوتی، اور جو شخص اپنی عقل اور وجدان کے مطابق عمل کرتا ھے اس کے بارے مینیہ نہیں کھا جاتا ھے کہ یہ مقید ھو گیا ھے اس کی وجہ یہ ھے کہ عقل اور وجدان خود انسان سے متعلق ھے اور یہ اندارونی طاقت کے عنوان سے ھمارے کاموں میں نظارت اور قضاوت کرتی ھے جس کے نتیجہ میں بعض چیزوں کا حکم دیتی ھے اور بعض چیزوں کے انجام دینے سے روکتی ھے پس جس وقت ھماری اندورنی طاقت ھمیں حکم دے تو ھماری آزادی سلب نہیں ھوتی، اور اگر ھم اپنی اس عقل کے فرمان کے مطابق اپنی مرضی سے عمل کریں تو گویا ھم نے اپنی مرضی کے مطابق عمل کیا؛ ھماری آزادی اس وقت سلب ھوتی ھے جب کوئی بیرونی طاقت ھمیں کسی کام کی انجام دھی پر مجبور کرے یا کسی کام سے روکے۔

4- آزادی اور دینی وظائف کی نسبت

قارئین کرام ! یھاں پر یہ سوال پیدا ھوتا ھے کہ دین (اسلام) کے احکام اور شرعی اوامر ونواھی جو خداوندعالم کی طرف سے ھوتے ھیں کیا انسان کی آزادی کو سلب کرتے ھیں؟ مثلاً اگر کوئی شخص صبح اٹھ کر نماز صبح نہ پڑھنا چاھے، لیکن خداوندعالم کا حکم ھے کہ صبح اٹھ کر نماز صبح پڑھو؛ اسی طرح دوسرے احکام جن کے بجالانے کو شریعت مقدس نے انسان کے لئے لازم اور ضروری قرار دیاھے مثلاً روزہ کا حکم، زکوٰة و خمس اور دوسرے واجبات کا حکم، یا وہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

چیزیں جو حرام ھیں ان کو ترک کرنے کا حکم جیسے (الکحل) والی مشروبات کے پینے سے روکنا (وغیرہ وغیرہ).
جواب: یہ احکام اور امر و نہی جب تک نفوذ ھونے کے بارے میں پشت پناھی نہ رکھتی ھوں تو گویا یہ بھی عقل اور وجدان کے حکم کی طرح ھیں اور ان کے ذریعہ سے انسان کی آزادی سلب نہیں ھوتی یعنی جس وقت خداوندعالم ارشاد فرماتا ھے کہ : نماز پڑھو، اگر ھم نے نماز نہ پڑھی ، تو ھم سے کوئی مطلب نہ ھو اور ھمیں عذاب اور سزا میں مبتلا نہ کرے،اسی طرح معاشرہ بھی خداوندعالم کے احکام پر عمل نہ کرنے کی نتیجہ میں ھم سے خفا نہ ھو اور ھمیں ذلیل وحقیر نہ سمجھے تو اس صورت میں اگر شرعی امر ونھی صرف نصیحتی پھلو رکھتے ھوں تو ھماری آزادی سلب نہیں ھوتی کیونکہ ان نصیحت کوباھر سے جاری کرنے والا کوئی ضامن نہیں ھے، اور کوئی بیرونی طاقت ھم پر کوئی دباؤ نہیں ڈالتی جس کی بنا پر ھم بعض کاموں کو انجام دیں اور بعض سے پرھیز کریں؛ اس صورت میں شرعی امر ونھی عقل اور وجدان کے حکم کے ھم پلہ قرار پاتے ھیں جس کی وجہ سے آزادی سلب نہیں ھوتی مسامحہ آمیز (ذو معنی) تعبیر کے مطابق، جس طرح ھم ایک ایسی متصل عقل رکھتے ھیں جو ھمیں ”باید ھا اور نباید ھا“ (کرنا چاھئے اور نہ کرنا چاھئے) کے بارے میں نصیحت اور امر و نہی کرتی ھے لیکن عملی طور پر اس کے احکام پر عمل کرنا لازمی اور ضروری نہیں ھوتا ، اسی طرح ھمارے پاس عقل منفصل (جدا) بھی ھے جو ھمارے وجود سے باھر ھے اور امر و نہی کرتی ھے، یعنی خداوندعالم ”عقل کلّی“ کے عنوان سے ھمارے لئے امر و نہی کرتا ھے اور وہ صرف نصیحت کی حد تک ھوتی ھے اور ارشادی(ونصیحتی) پھلو رکھتے ھیں.
لیکن حقیقت یہ ھے کہ شرعی امر و نہی عملی طور پر لازمی اور ضروری ھوتے ھیں اور ان میں صرف نصیحتی پھلو نہیں ھوتا بلکہ جس وقت خداوندعالم ھمیں حکم دیتا ھے کہ نماز پڑھو تو اگر ھم نماز نہ پڑھیں تو ھمیں جھنم میں ڈال کر عذاب میں مبتلا کرے گا یھاں تک کہ بعض برے کاموں پر اسی دنیا میں سزا اور تازیانے کی حدّ معین فرمائی ھے ، اور اس سے بھی بالاتر گذشتہ امتوں کے لئے آسمانی عذاب نازل کیا ھے اور جب بھی کوئی پیغمبر مبعوث برسالت ھوتا تھا تو عوام الناس کو خدا کے عذاب سے ڈراتا تھا، اور یہ کھتا تھا کہ اگر تم نے خداوندعالم کے احکام کی اطاعت نہ کی توتم پر اسی دنیا میں بھی عذاب نازل ھوسکتا ھے قرآن مجید میں مکرر مسلمانوں کو اس بات سے ڈریا گیا ھے اور ان کو یاد دھانی کرائی گئی ھے کہ گذشتہ امتوں کے حالات پر نظر کرو کہ خدا کے احکام کی نافرمانی اور گناہ کے نتیجہ میں خداوندعالم نے ان پر عذاب نازل کیا لہٰذا تمھیں بھی دنیاوی یا اُخروی عذاب سے ڈرنا چاھئے انبیاء کرام (ع) عذاب الٰھی سے اس قدر ڈراتے تھے جس کی بنا پر تمام انبیا (ع) کا نام نذیر اور منذر (ڈرانے والا) معروف ھوگیا؛ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ھوتا ھے:
(إِنَّا أَرْسَلْنَاکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَنَذِیراً وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلاَ فِیْھاَ نَذِیْرٌ) (3)
”ھم ھی نے تم کو یقینا قرآن کے ساتھ خشخبری دینے والا و ڈرانے والا (پیغمبر)بنا کر بھیجا اور کوئی امت (دنیا میں)ایسی نہیں گزری کہ اس کے پاس (ھمارا) ڈرانے والا (پیغمبر)نہ آیا ھو “
لہٰذا وہ شرعی امر و نہی جن پر ھمیشہ دنیاوی یا اُخروی عذاب سے ڈرایا گیا ھے؛اخلاقی اور عقلی امر ونھی جن پر ھماری عقل اور وجدان کے حکم سے فرق پایا جاتا ھے اور اس سے انسانی آزادی محدود ھوجاتی اور انسان پر دباؤ ڈالتی ھے.
اور اگر ھم نے اس بات کومان لیا کہ تمام انسان مکمل طور پر آزاد ھیں ، اور ”حقوق بشر کے اعلانیھ“ کے مطابق (جو بعض روشن فکر کے نزدیک وحی اور کتاب مقدس کا حکم رکھتا ھے) کسی کو بھی یہ حق نہیں ھے کہ کسی انسان کی آزادی کو محدود کرے، تو کیا خداوندعالم کو بھی انسانوں کی آزادی کو محدود کرنے کا حق نہیں ھے ؟! اور ان کو عذاب اور سزا سے ڈرا کر تحت تاثیر قرار دے، اورزیادہ سے زیادہ خدا بھی عقل اور وجدان کی طرح انسان کو اپنے وظائف اور واجبات کو انجام دینے کے سلسلہ میں ارشاد اور نصیحت نہیں کرسکتا، مثال کے طور پر ھمیں نماز پڑھنے کا حکم دے تو اگر ھم نماز نہ پڑھیں تو ھم نے گویا اپنی آزادی سے استفادہ کیا ھے! اور اگر ایسا ھے تو پھر خداوندعالم نے ھمیں کس لئے ڈرایا ھے اور کھتا ھے : اگر گناہ کرو گے تو تم کو آخرت میں جھنم میں ڈال دو ں گا ، اور مسلسل ھمیں اپنے عذاب سے ڈراتا رھتا ھے، چنانچہ اس نے اپنے انبیاء (ع) کے وظائف میں سے ایک وظیفہ عوام الناس کو عذاب الٰھی سے ڈرانا قرار دیا ھے؟
بےشک مسلمانوں کو اس بات میں کوئی شک نہیں ھے کہ خداوندعالم فرمان اور احکام صادر کرسکتا ھے اور ان کے جاری کرنے کا ضامن بھی ھے اسی طرح انبیاء علیھم السلام کا وظیفہ امر ونھی کا پھنچانا اور عذاب الٰھی سے ڈرانا ھے، (کبھی کوئی مسلمان ان چیزونمیں شک نہیں کرتا) بلکہ وہ ان تمام چیزوں کو دل وجان سے قبول کرتا ھے تمام مسلمان خدا اور رسول کے احکام کے سامنے سر جھکاتے ھوئے نظر آتے ھیں، اگرچہ یہ بھی جانتے ھیں کہ یہ احکام ان کو محدود کرتے ھیں اور ان کی بعض آزادی کوسلب کرتے ھیناور ایک طریقہ سے ان کو تحت تاثیر قرار دیتے ھیں کیونکہ جب

خداوندعالم همیں کسی کام کو انجام دینے کا حکم دیتا ھے تو اگر ھم نے اس کام کو انجام نہ دیا تو پھر ھمارے لئے عذاب کا وعدہ کیا گیا (اور خدا کا وعدہ سچا ھے) تو ھم اس سے متاثر ھوتے ھیں پس معلوم یہ ھوا کہ خدا وندعالم ھم کو بعض کاموں کے انجام دینے اور بعض کاموں سے پرھیز کرنے کا پابند کرسکتا ھے اس میں کوئی شک (بھی) نھیں ھے؛ لیکن خداوندعالم کی طرف سے امر و نھی آنے کی حکمت اور فلسفہ کیا ھے اور کیوں خداوندعالم ھم کو شرعی واجبات ومحرمات کا پابند کیوں بناتا ھے تو اس سلسلہ میں علم کلام میں بحث ھوگی، لیکن خلاصہ کے طور پر عرض کرتے ھیں کہ:
خداوندعالم اپنے تمام تر لطف ومھربانی اور فضل وکرم کی بنا پر انسان کوسعادت مند بنانا چاھتا ھے اسی وجہ سے سعادت مندی کے راستہ کی پھچان بتادی ھے جس کی بنا پر ھمارے لئے احکام اور فرمان معین فرمادئے ھیں تاکہ ھم اپنے ان وظائف پر عمل کرتے ھوئے سعادت مندی کے راستہ پر گامزن رھیںاور جس کے زیر سایہ واقعی سعادت کے راستہ کو پھچان لیں ظاھر سی بات ھے کہ خداوندعالم کے ڈرانے اور دھمکانے سے ھم ھوشیار ھوجاتے ھیں جس سے سعادت کے راستہ سے منحرف نھیں ھوتے، اور اگر یہ احکام ھمارے لئے ضروری اور لازمی نہ ھوتے تو پھر ھم اپنے وظائف کو اچھے طریقے سے انجام نہ دیتے اور اپنے غلط کردار اور گناھوں کی وجہ سے راہ سعادت سے بھٹک جاتے لھٰذا خداوندعالم نے اپنے لطف وکرم کی بنا پر شرعی وظائف پر عمل کرنے کی وجہ سے ھم کو برائیوں اور برے کاموں سے روکا ھے جس کے نتیجہ میں خدا کی رحمت واسعہ ھمارے شامل حال ھوجائے۔
اس بنا پر حقیقت یہ ھے کہ دین انسان کو محدود کرتا ھے اور اس کی بعض آزادی سلب ھوجاتی ھیں انبیاء علیھم السلام عوام الناس کو ڈرانے کا وظیفہ رکھتے تھے اور دینی احکام کی مخالفت اور عذاب الٰھی سے ڈراتے تھے بے شک اس سلسلہ میں ظاھری اور روحانی دونوں طرح کا دباؤ ھوتا ھے ظاھری دباؤ اس شخص پر ھوتا ھے جس پر بعض گناھوں کے ارتکاب کی وجہ سے حدّ جاری ھوتی ھے اور روحانی دباؤ ان لوگوں پر ھوتا ھے جو کسی پر حدّ جاری ھوتے ھوئے دیکھتے ھیںجس کے نتیجہ میں وہ اس سزا سے ڈرتے ھیں، اور ان لوگوں پر بھی جو ھمیشہ آخرت کے عذاب سے ڈرتے رھتے ھیں۔
ھم اس وقت جو مطلق آزادی کے طرفدار ھیں لوگوں سے یہ سوال کرنا چاھتے ھیں کہ کیا تم اس ظاھری اور روحانی دباؤ کو محکوم کرتے ھو؟ یعنی کیا تم یہ کھتے ھو کہ خداوندعالم کو اس طرح کی محدودیت اور مشکل میں قرار نھیں دینا چاھئے؟ اور اس کو دنیاوی اوراخروی عذاب سے ڈرانے کے لئے پیغمبر نھیں بھیجنا چاھئے؟ تو کیا ان چیزوں کا محکوم کرنا اسلام اور تمام آسمانی ادیان کے انکار کے برابر نھیں ھے؟ (لیکن کیا کسی کو دین کے انکار کرنے کا حق ھے یا نھیں یہ ایک الگ بحث ھے اس وقت ھم انبیاء علیھم السلام کی اتباع کی حقانیت کو ثابت نھیں کررھے ھیں(
جو شخص کھتا ھے کہ انسان مکمل طور پر آزاد ھے اور اس پر کسی طرح کی محدودیت اور دباؤ نھیں ھونا چاھئے، تو کیا وہ محدودیت بھی جو خداوندعالم کی طرف سے اپنے بندوں پر ایجاد ھوتی ھے مثلاً گناہ کرنے پر جھنم میں جانا ھوگا یا بعض گناھوں کی اسی دنیا میں سزا ملے گی تو کیا ایسا شخص اس بات کو محکوم کرتا ھے؟(اور اگر ایسا ھے) تو گویا اس نے دین اور بعثت انبیاء (ع) اور الٰھی شریعتوں کا انکار کیا ھے اور اس وقت ھماری بحث ان سے نھیں ھے ھماری بحث تو ان لوگوں سے ھے جو دین کو قبول رکھتے ھیں اور دین اسلام کو حق جانتے ھیں اور یہ عقیدہ رکھتے ھیں کہ خداوندعالم نے اپنی حکمت اور لطف وکرم کی بنا پر ھدایت کے لئے انبیاء علیھم السلام کو بھیجا ھے اور اسی وجہ سے اس کا شکر ادا کرتے ھیں۔

5- حدود اور سزاؤں میں آزادی کی نسبت
اب جبکہ ھم نے یہ قبول کرلیا ھے کہ نہ صرف خداوندعالم کو یہ حق ھے بلکہ اس کے لطف و کرم اور فضل کی بنا پر ھمیں جھنم سے ڈرائے تاکہ ھم صحیح راستہ پر چلیں اور برے راستے سے پرھیز کریں، یھاں پر یہ سوال پیدا ھوتا ھے کہ خداوندعالم نے بعض گناھوں پر حدّ کس لئے اور کیوں قرار دی ھے اور حدود وتعزیرات کو اصلاً کس لئے رکھا ھے؟
خداوندعالم ھمیں عذاب آخرت سے ڈرناصحیح ھے کیونکہ عذاب سے ڈرانا ھمارے فائدہ میں ھے جوھمارے لئے جھنم کے عذاب سے ڈرتے ھوئے سعادت اور نیک بختی کے راستے کو اپنانے کا سبب بنتا ھے بلکہ ایک معنی کے لحاظ سے یہ ڈرانا ایک قسم کا ارشاد اور ھدایت ھے اور خداوندعالم ھمیں یہ بتانا چاھتا ھے کہ دیکھو تمھارے برے کاموں کا نتیجہ آخرت میں جھنم ھے، اور عذاب بھی وہ جو حقیقی ھے اور باھمی مفاھمت (ریزولیشن "Resolution") نھیں ھے بلکہ تمھارے دنیاوی برے اعمال کا مجسمہ ھے لیکن خدا نے کیوں فرمایا کہ اگر کوئی عظیم گناہ جیسے زنا کا مرتکب ھوا تو اس کو لوگوں کے سامنے کوڑے لگائیں جائیں تاکہ اس کی عزت وآبرو ختم ھوجائے؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ارشاد ہوتا ہے:

(الزَّانِيَةُ وَالزَّانِی فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلاَتَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِی دِينِ اللهِ إِنْ كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهدْ عَذَابَهمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ((4)

” زنا کار عورت او رزنا کار مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگائیں اور خبردار ! دین خدا کے معاملہ میں کسی مروت کا شکار نہ ہوجانا اگر تمھارا ایمان اللہ اور روز آخرت پر ہے اور اس سزا کے وقت مومنین کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہئے۔“

یہ سوال صرف دین سے متعلق نہیں ہے بلکہ سزائی قوانین اور ہر ملک کے قوانین سے متعلق ہے دنیا بھر کی تمام حکومتوں میں حقوقی اور سزائی قوانین ہوتے ہیں حقوقی قوانین ان لوگوں کے بارے میں ہوتے ہیں جو دوسرے کے مال اور حقوق پر تجاوز اور دست درازی کرتا ہے مثلاً کسی کامال کھاجاتاھے یا کسی کے بدن کو زخمی کردیتا ہے یا کسی کو قتل کردیتا ہے تو اس صورت میں اگر کوئی مخصوص شکایت کرنے والا موجود ہے تو وہ مجرم کی شکایت کرتا ہے جس کے نتیجہ میں مجرم کو سزا ہوتی ہے یا جرمانہ دینا ہوتا ہے اور اگر کسی کے حق کو غصب کیا تھا تو اس کو واپس کرے اور اگر کسی ظلم اور جنایت کا مرتکب ہوا تو اس سے قصاص (بدلہ) لیا جاتا ہے یا اسی طرح کی دوسری سزائیں معین کی جاتی ہیں لیکن تمام سزائی قوانین میں مجرم کو سزا دینے کے لئے کسی خاص شکایت کرنے والے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ خود د عدالت اور مدعی العموم قوانین کی خلاف ورزی کرنے والے اور ملکی مصالح کو پامال کرنے والے کے خلاف مقدمہ دائر کرسکتا ہے اور اگر ملزم کا جرم اثبات ہوجائے تو اس کو سزا ملتی ہے۔

جہاں تک ہم جانتے ہیں دنیا بھر میں کوئی بھی ملک ایسا نہیں ہے جس میں حقوقی اور سزائی قوانین موجود نہ ہوں اور مجرموں کو سزا اور جریمہ نہ ہوتا ہو خلاصہ یہ ہے کہ یا مجرم کو جریمہ دینا پڑتا ہے یا اس ک جیل بھیج دیا جاتا ہے یا اس کے لئے دوسری سزائیں معین کی جاتی ہیں؛ چنانچہ اسلام بھی اس قاعدہ سے مستثنی نہیں ہے اور اسلام کے بھی حقوقی اور سزائی قوانین ہیں یہاں تک کہ بعض موارد میں تو سخت سے سخت سزائیں ہیں لہٰذا یہ سوال یہ ہے کہ تمام ہی حکومتوں کو مجرموں کو سزا دلانے کا حق ہے تو کیا یہ چیز انسان کی آزادی کے مخالف نہیں ہے تویہ بات مسلم ہے کہ تمام ہی لوگ حکومت کو حقوقی اور سزائی قوانین بنا نے کا حق دیتے ہیں اورمجرمین کے لئے خاص سزائی قوانین مترتب کرکے نافذ کرانا چاھتے ہیں اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں کسی ایسے ملک کے بارے میں اطلاع نہیں ہے جس میں مجرموں کے لئے حقوقی سزائی قوانین نہ ہوں یا ان کے لئے جرمانہ یا قید یا دوسری سزائیں نہ ہوں اور کسی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہے البتہ بحث وگفتگو میں یہ بحث کی جاسکتی ہے اور یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ کیا کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ اس دنیا میں کسی شخص کو سزا دی جاسکتی ہے اور اس کی آزادی کو محدود کرنا یا اس کی آزادی کو سلب کرنے کا اختیار کسی کو ہے یا نہیں؟

6۔ حکومت اور قوانین کے زیر سایہ مطلق طور پر آزادی نہیں ہوسکتی

جو لوگ کہتے ہیں کہ کسی بھی حکومت کو عوام الناس کی آزادی کو محدود کرنے اور ان کے لئے سزا معین کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، (کیونکہ اس صورت میں عوام الناس سزا وغیرہ کے ڈر سے کسی خلاف ورزی کو انجام نہیں دیتے ؛ لیکن اگر سزا وغیرہ نہ ہوتی تو پھر انسان اپنی مرضی سے جو بھی چاھتا انجام دیتا چاھے وہ کام اچھا ہوتا یا بُرا،) تو اگر ایسا شخص دنیا بھر کی حکومتوں پر اعتراض کررھا ہے تو اس کا ایک دوسرے طریقہ سے جواب دیا جائے اور اگرصرف اسلام پر اعتراض کرتا ہے تو پھر اس کا جواب ایک دوسرا ہوگا لیکن چونکہ اس کا اعتراض دنیا بھر کی عام حکومتوں پر ہے اور تمام حکومتی نظام منجملہ اسلامی حکومت پر بھی اعتراض کرتا ہے کہ کیوں مجرموں کے لئے سزائیں اور محدودیت قرار دی ہیں ان پر دباؤ ڈالا گیا ہے؟تو اس صورت میں ھمارا جواب بھی ایسا ہوگا جو سب کو شامل ہوجس میں تمام حکومتوں اور اسلامی حکومت کے حقوقی اور سزائی قوانین کے بارے میں جواب دیا جائے۔

جواب:

مذکورہ اعتراض ”مطلق آزادی“ کی بنیاد پر ہے اور ان کا یہ خود ساختہ نظریہ ہے جس کی بنا پر ان کا تصور یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں مکمل طور پر آزاد ہونا چاھئے اور کسی بھی طرح اس پر کوئی دباؤ نہیں ہونا چاھئے، اور کوئی بھی شخص اس کو کسی کام کے کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا اور نہ ہی کسی کام سے روک سکتا ہے۔

بے شک یہ اصل اور بنیاد غیر منطقی اور ہر صاحب عقل وشعور کے نزدیک باطل اور غلط ہے کوئی بھی انسان مطلق اور بغیر کسی حد وقید کی آزادی نہیں رکھتا کہ جو کچھ بھی کرنا چاھے کوئی بھی قانون اس کو نہ روکے (یہاں پر قوانین

سے مراد اخلاقی قوانین اور مستقلات عقلیہ نہیں ھیں جن کی اجرائی ضمانت نہیں ھے بلکہ ھماری مراد عام معنی میں قوانین حقوقی مراد ھیں جن کو نافذ کرنے کی حکومت ذمہ دار ھوتی ھے) لہٰذا قوانین اور مقررات ھونا چاھئے اور عوام الناس کو ان پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کیا جائے تاکہ عوام الناس کے حقوق کو ادا کریں ٹریفک قوانین ھونا چاھئے اور جو لوگ کبھی کبھی بھت سے لوگوں کی جان جانے کے باعث بنتے ھیں ان کے لئے سزائیں اور جرمانہ ھونا چاھئے۔
اس کے علاوہ کہ ھمیشہ سے پوری تاریخ میں اور ھر جگہ پر عوام الناس موجودہ قوانین کو قبول کرتے آئے ھینجس کی بنا پر کسی کو بھی مطلق آزادی کا حق نہیں ھے اور نا ھی کسی دوسرے پر کسی طرح کا کوئی دباؤ ڈالنے اور اس کی آزادی کا ایک حصہ ختم کرنے کا حق ھے؛ اور عملی طور پر کوئی شخص بھی ایسا عقیدہ نہیں رکھتا ، کیونکہ مطلق آزادی کا مطلب مدنیت کا انکار کرنا اور وحشیانہ جنگل راج کو قبول کرناھے اگر انسان ایک اجتماع پسند موجود ھے تو اس کے لئے اجتماعی نظام کی ضرورت ھے اور عوام الناس کو ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کرنا چاھئے اور اس سلسلہ میں قوانین ھونا ضروری ھیں نیز مجرموں کے لئے سزائی قوانین مد نظر رکھے جائیں، اور حکومت بھی ان کو نافذ کرنے کی ضامن ھو واقعاً مطلق آزادی (اور یہ کہ کسی شخص کوکسی دوسرے کو کسی کام پر مجبور کرنے یا کسی کام سے روکنے کا کوئی حق نہیں ھے) کا نعرہ لگانے کا مطلب یہ ھے کہ پھر حکومت کی کوئی ضرورت نہیں ھے بلکہ انسان جو کچھ بھی کرنا چاھے کرسکے؛ کیونکہ حکومت بھی عوام الناس کی رائے سے بنتی ھے اور قوانین کا نافذ کرنا اس کی ذمہ داری ھوتی ھے لہٰذا اس طرح کا نظریہ قانون مداری، جامعہ مدنی، تمدن اور قوانین کی اتباع کی ضرورت سے ھم آھنگ نہیں ھے کیونکہ انسانی معاشرہ اور تمدن بشریت کی بنیاد یہ ھے کہ اس میں قوانین اور ان کو نافذ کرنے والی قدرت کا ھونا ضروری ھے، اور ظاھر سی بات ھے کہ حکومت قوانین کو نافذ کرنے کے لئے ان پر دباؤ ڈالے گی۔
حکومت کی ذمہ داری یہ ھے کہ ضرورت کے وقت مجرموں کو قوانین پر عمل کرنے پر مجبور کرنے کے لئے اپنی طاقت کا استعمال کرے اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دے، اور اگر صرف کھنے اور نصیحت کرنے پر کفایت کرے تو پھر وہ معلم اور مربیّ ھوگی حکومت نہیں ھوگی علماء اور واعظین کا وظیفہ عوام الناس کو اجتماعی اخلاق اور انسانی آداب کی رعایت کرنے کے لئے وعظ و نصیحت کرنا ھے، لیکن وہ ان وعظ ونصیحت کو نافذ کرنے کے لئے قدرت کا استعمال نہیں کرسکتے، اور قدرت کے زور پر لوگوں کو انسانی اخلاق کی رعایت پر مجبور کرنا بھی ان کی ذمہ داری نہیں ھے لیکن حکومت کی ذمہ داری ھے کہ وہ اگر ضرورت پڑے تو اپنے قدرت کے زور پر قوانین پر عمل کرائے اور اگر کوئی خلاف ورزی کرے تو اس کو سزائے اعمال تک پھونچائے اور یا اس پر جرمانہ کرے یا اگر کوئی خلاف ورزی کر کے بھاگ نکلناچاھے تو اس کا تعقب کرے اور اس کو پکڑکر اس پرحدود اور سزا جاری کرے اس بنا پر حکومت اور قوہ مجریہ کا وجود خود اس بات پر دلیل ھے کہ انسان مکمل اور مطلق طور پر آزاد نہیں ھے اور مطلق آزادی کا نظریہ باطل اور مردود ھے نیز انسانی تمدن اور اجتماعی زندگی کے ساتھ ھم آھنگ نہیں ھے اس میں کوئی فرق نہیں ھے کہ چاھے حکومت شھری قوانین جو خود شھریونکی خواھش کے مطابق مرتب ھوتے ھیں یا اسلامی حکومت الٰھی قوانین جاری کرے۔

7۔ حاکمیت کا خدا سے متصل ھونا
قارئین کرام ! گذشتوں بحثوں میں ھم نے اس بات کو ثابت کیا کہ قوانین کو نافذ اور جاری کرنے والا یا خود خداوندعالم کی طرف سے منصوب ھو یا خدا کی طرف سے اذن یافتہ ھو، کیونکہ قوانین کو جاری کرنے سے عوام الناس پر دباؤ ڈالا جاتا ھے اور ان کی آزادی کو محدود کیا جاتا ھے اور عوام الناس خداوندعالم کے مملوک اور بندے ھیں لہٰذا صرف خدا ھی ان میں تصرف کرسکتا ھے، اور ”ربوبیت تشریعی“ اور حاکمیت الٰھی کی بنا پر کسی بھی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ھے کہ وہ خدا کی اجازت او رمرضی کے بغیر اس کے بندونپر فشار ڈالے اور ان میں تصرف کرے لہٰذا حکومت کو خدا کے بندوں میں تصرف کرنے یا ان پر دباؤ ڈالنے کے لئے ان مالک (خداوندعالم) سے اجازت لےنا چاھئے لیکن جو لوگ عوامی ڈیموکریٹک کے قائل ھیں اور معاشرہ کو ادارہ کرنے کے لئے قوانین مدنی کو کافی جانتے ھیں اور حکومت کو انھیں قوانین کو جاری اور نافذ کرنے کی ضامن مانتے ھیں، چنانچہ کھتے ھیں کہ قوانین کو نافذ کرنے والے کا خدا کی طرف سے اذن یافتہ ھونا ضروری نہیں ھے؛ بلکہ عوام الناس سے ووٹ دیتے ھی وہ قوانین کو جاری کرسکتا ھے اور ضرورت کے وقت حکومت اپنی طاقت کو بروئے کار لاسکتی ھے، اور لوگوں پر دباؤ بھی ڈال سکتی ھے۔
یہ لوگ حکومت کے عوام الناس پر دباؤ ڈالنے کے سلسلہ میں کیا دلیل پیش کرتے ھیں؟ ڈیموکریٹک اصول کے تحت اس طرح جواب دیا جاتا ھے کہ عوام الناس چونکہ حکومت کو ووٹ دیتی ھے چاھے وہ ممبر آف پارلیمنٹ کے انتخاب ھوں یا خود حکومت کے صدراتی انتخاب ھوں، اور یہ ووٹ دینا ھی گویا حکومت کے قوانین اور حکومت کی طرف سے ان کو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

نافذ کرنے کو قبول کرنا ھے؛ چاھے حکومت ان کو جاری اور نافذ کرنے کے سلسلہ میں اپنی طاقت کا استعمال ھی کیوں نہ کرے لہٰذا حکومت کی طرف قوانین کو نافذ کرنے کے سلسلہ میں جو دباؤ دیا جاتا ھے وہ آزادی سے منافات نہیں رکھتا؛ کیونکہ اس حکومت اور نظام کو خود انھوں نے قبول کیا ھے، اور اس کے سامنے اپنا سر تسلیم کیا ھے اور یہ بالکل عقل اور وجدان کے اس حکم کی طرح ھے جو انسان کو بعض چیزوں کو انجام دینے اور بعض چیزوں سے پرھیزکرنے کا حکم دیتی ھے اور وہ آزادی سے مخالفت نہیں رکھتا، اور اس سے آزادی سلب نہیں ھوتی، کیونکہ یہ احکام خود ان کی اندرونی طاقت کی بنا پر ھوتے ھیں اور خود انھیں سے متعلق ھے اور ان پر تھونپا نہیں گیا ھے۔

البتہ ڈیموکریسی حکومتی نقشے، ان کی کار کردگی اور اختیارات نیز اپنی حقانیت اور مشروعیت کے لئے جو دلیل پیش کرتے ھیں؛ ان تمام چیزوں پر بھت سے اشکالات ھوتے ھینجو فلسفہ سیاست اور فلسفہ حقوق سے متعلق کتابوں میں بیان کئے گئے ھیں ھم یھاں پر کچھ اعتراضات بیان کرتے ھیں جو اس وقت مناسب ھیں ان میں سے ایک یہ ھے کہ: دنیا میں کوئی بھی جگہ ایسی نہیں ھے جھاں پر قوانین کو اتفاقی طور پر قبول کیا جاتا ھے، یا متفق طور پر کسی کو وزیر اعظم یا صدر مملکت منتخب کیا جاتا ھو یھاں تک کہ خود جمھوری اسلامی (ایران) جو دنیا میں عوامی ملکوں میں بے نظیر ھے ، جس میں 89/2 فی صد لوگوں نے اس اسلامی نظام کو ووٹ دئے اور ۱/8 فی صد لوگوں نے اس نظام کو ووٹ نہیں دئے جو اس وقت کی مردم شماری کے لحاظ سے وہ تعداد تقریباً دس لاکہ سے بھی زیادہ ھے جس وقت دنیا بھر میں رائج ڈیموکریسی اور عوامی نظام میں دس لاکہ سے زیادہ افراد اس نظام کے حق میں ووٹ نہ دیں تو حکومت کو عوام الناس کو اپنے قوانین اور احکام پر عمل کرنے پر مجبور کرنے کا کیا حق ھے؟ جبکہ کچھ لوگ کھتے ھیں کہ ھم اس نظام حکومتی کو نہیں مانتے تو پھر صرف عوام الناس کے اکثریت کا ووٹ حاصل کرنے سے حقانیت اور مشروعیت حاصل کرکے کس طرح اپنے قوانین کو اپنے مخالفوں پر نافذ اور جاری کرسکتی ھے؟

ڈیموکریسی اور عوامی نظام کے طرفدار افراد اس طرح کے سوالات کا جواب دیتے ھیں اور ایسا نہیں ھے کہ اس سلسلہ میں گفتگو اور بحث نہ ھوئی ھو لیکن ان کے جوابات اطمینان بخش نہیں ھیں، اور بھت سے حل نہ ھونے والے اعتراض باقی رھتے ھیں، مثال کے طور پر کھتے ھیں کہ وہ نظام حکومتی جو اکثریت کے ووٹوں سے وجود میں آیا ھے اور اس نظام کو اقلیت نے ووٹ نہیں دیا ھے ان کے بھی کچھ حقوق ھیں اور ان کے حقوق کا لحاظ رکھا جائے اور وہ لوگ اپنے شخصی اور ذاتی احوال میں اپنی مرضی کے مطابق عمل کرسکتے ھیں۔

ھم کھتے ھیں کہ یہ کافی نہیں ھے کس دلیل کی بنا پر عام قوانین اور حکومت کے اجتماعی قوانین کو ان لوگوں پر تھونپاجاسکتا ھے؟ نیز اسے مختلف ٹیکس اور دوسرے اخراجات کس دلیل کی بنا پر لئے جاتے ھیں؟

ان میں سے بعض لوگ یہ کھتے ھوئے نظر آتے ھیں کہ آخر کار ھمیں معاشرہ کو آگے بڑھانے کے لئے کچھ تو کرنا ھی ھوگا اور ھمارے پاس معاشرہ کو چلانے کے لئے ڈیموکریسی حکومتی نظام سے بھتر کوئی نظام نہیں ھے۔

لیکن مذکورہ اعتراض کا جواب اسلامی نقطہ نظر سے یہ ھے کہ قانون گذاری کا حق خداوندعالم سے متعلق ھے یا جو افراد خداوندعالم کی طرف سے اذن یافتہ ھوں وہ خداوندعالم کے مقرر کردہ قوانین کے تحت قوانین بناسکتے ھیں اسی طرح عوام الناس پر حکومت کرنے اور ان کے لئے قوانین جاری کرنے کا حق اس شخص کو ھے جو خداوندعالم کی طرف سے منصوب ھو یا اس کی طرف سے اذن یافتہ ھو اس صورت میں وہ شخص خدا کے نمائندہ ھونے کے عنوان سے اور وہ شخص جو خداوندعالم کی طرف عوام الناس پر حکومت کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ھے اس بات کا حق رکھتا ھے کہ قوانین کومعاشرہ میں نافذ کرے اگرچہ اس کو اپنی طاقت کا بھی استعمال کرنا پڑے اس کو حکومت کے مخالف لوگوںاور قانون توڑنے والوں کو بھی قوانین پر عمل کرنے پر مجبور کرنے کا حق ھے بےشک جو شخص خدا اور دین کا اعتقاد رکھتا ھے یہ تھیوری قابل قبول، منطقی اور عقلی اشکالات سے خالی ھے جو ڈیموکریسی حکومت پر وارد ھوتے ھیں لیکن جو شخص دین اور خدا کو نہیں مانتا اور الٰھی حکومت سے روگرانی کرتا ھے وہ کبھی بھی اس جواب کو بھی قبول نہیں کرے گا لیکن وہ عوام الناس جو مسلمان ھیں اور خداپر ایمان رکھتے ھیں،الٰھی حاکمیت ایک عظیم تمنا ھے جو ان کی منطق عقل، خواھش وجدان اور انسانی اصول سے ھم آھنگ ھے اسی وجہ سے وہ تناقص اور ٹکراؤ جو ڈیموکریسی اور عوامی نظام میں پایا جاتا ھے جس کی وجہ سے یہ (ڈیموکریسی) نظریہ باطل ھوجاتا ھے،لیکن (وہ تناقض اور ٹکراؤ) اسلامی حکومت میں نہیں پایا جاتا؛ اور اس تھیوری اور نظریہ میں مکمل طور پر معاشرہ کی وحدت اور نظم و ضبط کا خیال رکھا جاتا ھے۔

اگر ھم اسلامی نظام حکومتی کا آج کل کی دنیا میں رائج ڈیموکریسی جو صرف عوام الناس کے ووٹوں کی بنیاد پر ھوتی ھے؛مقابلہ کریں تو ھمیں معلوم ھوجائے گا کہ اسلامی نظام حکومت جو ھمارے عقیدہ کی بنا پر خداوندعالم سے نسبت رکھتا ھے اور عوام الناس کی حمایت اور ان کے رائے کا بھی لحاظ رکھا جاتا ھے؛ اس میں مزید اعتبار پایا جاتا ھے؛

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کیونکہ ہم عوام الناس کے ووٹوں سے انکار نہیں کرتے اور ان کا احترام کرتے ہیناور جمہوری اسلامی ایران کے بہت سے ادارے، سازمان وغیرہ عوام الناس کے ووٹوں سے تشکیل پاتے ہیں؛ مثال کے طور پر صدر مملکت کا انتخاب، ممبر آف پارلیمنٹ کا انتخاب، خبرگان رہبری اور شوریٰ اسلامی شہر وروستا جو تمام عوام الناس کے ووٹوں سے بنائے جاتے ہیں اسی وجہ سے ہم عرض کرتے ہیں کہ ہمارا حکومتی نظام خداکی اجازت کی وجہ سے ہوتا ہے اور عوام الناس کی حمایت بھی اس میں شامل ہوتی ہے ، لیکن عوامی اور ڈیموکریسی نظام جو صرف عوام الناس کے ووٹوں پر استحکام پیدا کرتا ہے اگر ہمارے سامنے ڈیموکریسی تھیوری کو لایا جائے تو ان سے یہ کہیں گے کہ جو کچھ تمہاری حکومتونمیں ہے ہمارے یہاں بھی ہے اور ہم بھی عوام الناس کے ووٹوں کے معتقد ہیں اور ان کااحترام کرتے ہیں اس کے علاوہ منطقی اور عقلی لحاظ سے اسلامی حکومت کی تھیوری ڈیموکریسی تھیوری پر برتری اور فضیلت رکھتی ہے، اور جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ ڈیموکریسی نظام اندرونی اتحاد اور صحیح منطقی اور عقلی دلیل نہیں رکھتی،اور اس میں تناقض اور ٹکراؤ پایا جاتا ہے، لیکن ولایت فقیہ کی تھیوری عقلی اور منطقی لحاظ سے بھی مستحکم اور مضبوط ہے جس میں کسی بھی طرح کا کوئی تناقض نہیں پایا جاتا۔

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ بعض روشن فکر اور غلط فکر رکھنے والے کی طرف سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کیوں خداوندعالم نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرکے، آسمانی کتابوں ، اور آسمانی شریعتوں کو نازل کرکے نیز فوجداری قوانین جیسے ہاتھ کاٹنا، جرمانہ کرنااور دوسری حدود وتعزیرات وغیرہ کو پیش کرکے عوام الناس کی آزادی کو سلب کرلیا ہے اور ان کوآزاد نہیں چھوڑا تاکہ جو کرنا چاہیں کرسکیں اور ان کو تحت فشار قرار دیا ہے؛ جبکہ اصل انسانیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ مکمل طریقہ سے آزاد ہو ، کیونکہ آزادی انسانی کی اہم خصوصیات میں سے ہے؟

قارئین کرام ! جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ مطلق آزادی ؛ انسانی حقیقت اور اس کے اجتماعی ہونے سے ہم آہنگ نہیں ہے اگر ہم نے یہ مان لیا کہ انسان کی زندگی اجتماعی ہے تو پھر اس کی اجتماعی زندگی اس بات کی تقاضا کرتی ہے کہ عوام الناس کے نظم و ضبط کے لئے لازم الاجراء قوانین اور مقررات کا ہونا ضروری ہے اور ان کو نافذ کرنے کے لئے ایک حکومت کا ہونا ضروری ہے۔

مذکورہ دلیل دنیا بھر کی تمام حکومتوں میں مقبول ہے اور اسلام بھی اس کو قبول کرتا ہے، اور ہمیشہ سے عوام الناس اس کا اعتقاد رکھتے تھے نیز اس پر کسی طرح کا کوئی اعتراض بھی نہیں ہوتا تھا لیکن جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ حکومت کی ضرورت، قوانین اور مقررات کا جاری کرنا، اور بعض حالات میں اپنی طاقت کو بروئے کار لانے کے سلسلہ میں ڈیموکریسی اور عوامی حکومت میں بحد کافی منطقی دلیل موجود نہیں ہے اور ان کی حکومتی تھیوری اندرونی اتحاد و انسجام نہیں رکھتی اور اس میں تناقض اور ٹکراؤ پایا جاتا ہے۔

لیکن اسلامی حکومتی نظام میں دلیل جَدلی بھی موجود ہے کیونکہ ہم بھی ڈیموکریسی اصول پر عمل کرتے ہیں اور عوام الناس کے ووٹوں کواہمیت دیتے ہیں اور بہت سے حکومتی ادارے عوام الناس کے ووٹوں ہی سے چلتے ہیں، اسی طرح منطقی اور عقلی برہانی اصول پر مبنی ہوتی ہے؛ منجملہ یہ کہ اصل حاکمیت خدا کا حق ہے کیونکہ عوام الناس خدا کے بندے ہیں ، دوسروں کی حکومت اس وقت صحیح اور حق ہوسکتی ہے جب خدا کی مرضی اور اس کی اجازت سے ہو یعنی صرف خدا کی اجازت سے خدا کے بندوں پر حکومت کی جاسکتی ہے ، وہ حکومت جس میں الٰہی منشاء نہ ہو اور خداوندعالم کی طرف نسبت نہ ہو؛ تو ایسی حکومت باطل اور حق اور عقلی اصول کے برخلاف ہے۔

حوالے

(1)سورہ کہف آیت 29
(2) سورہ انسان (دہر) آیت 3
(3)سورہ فاطر آیت 4 2
(4)سورہ نور آیت 2

چھتّیسواں جلسہ

اسلامی قوانین قطعی طور پر جاری ہونے چاہئیں

1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قارئین کرام! اس سے پہلے جلسہ میں ہم نے عرض کیا کہ انسانی عقل و وجدان "باید ھا اور نباید ھا" (کرنا چاھئے اور نہ کرنا چاھئے) انسان کے لئے معین کرتی ھے اور بہت کاموں کے بارے میں یہ فیصلہ کرتے ھیں کہ کیا کام نہیں کرنا چاھئے اور کیا کام نہ کرنا چاھئے جس کے نتیجہ میں انسان کی آزادی محدود ہوکر رہ جاتی ھے؛ لیکن چونکہ آزادی کی محدویت انسان کی اندرونی طاقت کے ذریعہ ہوتی ھے لہٰذا اس کی آزادی سلب ہونے کا سبب نہیں بنتا اور کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا ھے کہ انسانی عقل کی نصیحتوں سے اس کی آزادی سلب ہوجاتی ھے انسانی عقل اور وجدان کی اندرونی نصیحتونکی طرح مسلمانوں کے لئے خداوندعالم کے اوامر اور احکام ہوتے ھیں جو خدا اور رسول کے ذریعہ صادر ہوتے ھیں جس طرح ھماری عقل کسی کام کو انجام دینے کا حکم کرتی ھے اسی طرح خداوندعالم نے بھی ھمارے لئے کچھ وظائف قرار دئے ھیں وہ وظائف جو واقعی مصالح (و فوائد)کی بنا پر صادر ہوتے ھیں چونکہ خداوندعالم ان کے بارے میں لامحدود علم رکھتا ھے اور ان کا سمجھنا ھماری عقل سے بالاتر ھے۔

گویا یہاں پر اندرونی عقل متصل کے علاوہ خداوندعالم عقل منفصل اور بے نہایت ؛ انسان کے کامل مصالح اور اس کے خطرات سے مکمل طور سے معین کرتا ھے اسی وجہ سے ہم سے یہ چاھتا ھے کہ فلاں کام کو انجام دیں کیونکہ یہ کام ھمارے حق میں ھے اور فلاں کام کو انجام نہ دیں چونکہ ھمارے لئے باعث ضرر ھے۔

انسانی آزادی کی یہ محدودیت جو خدا اور بندے کے درمیان موجود رابطہ کی بنا پر پیدا ہوتا ھے سیاسی یا حقوقی فلسفہ سے متعلق نہیں ھے اور سیاسی لحاظ سے بھی مشکل ساز نہیں ھے کیونکہ خدا پر ایمان رکھنے والے افراد اپنے عقیدہ کی بنا پر اس بات کو قبول کرتے ھیں کہ کچھ کاموں کو انجام دیا جائے اور کچھ کاموں سے پرھیز کیا جائے، اور یہ لازمی عقیدہ اور کار کردگی معاشرہ سے متعلق نہیں ھے بلکہ انسان کے خدا سے رابطہ کی بنا پر ھے جیسا کہ انسان اپنی عقل سے رابطہ رکھتا ھے۔

2۔ حکومت کی ضرورت اور انسان کی اجتماعی زندگی کا عکس العمل

قارئین کرام ! یہاں پر بحث یہ ھے کہ بہت سے کام خود انسان کے ذات اور اس کی دنیا و آخرت سے متعلق نہیں ہوتے بلکہ دوسروں کے لئے بھی مؤثر ہوتے ھیں اور ان کا فائدہ یا نقصان عوام الناس اور معاشرہ تک بھی پہونچتا ھے چنانچہ اس موقع پر دنیا بھر کے دانشور حضرات معتقد ہوجاتے ھیں کہ ایک ایسے نظام کا ہونا ضروری ھے جو معاشرہ کے لئے نقصان دہ چیزوں کی روک تھام کرسکے اور جو لوگ خلاف ورزی کریں ان کو سزائے اعمال تک پہونچائے۔

لہٰذا حکومت کی ضرورت اور یہ کہ ھمیں ایک طاقت کی ضرورت ھے جو معاشرہ کے نقصان کو روک سکے ، سماج کا نقصان نہ ہو اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا مل سکے، اسی وجہ سے حکومت کی ضرورت ہوتی ھے اسی بنا پر "انارشیسٹ" "Anarchiste" (فساد طلب) کے علاوہ دنیا بھر کے تمام صاحب علم سیاست اور حقوق کے رکھوالے حکومت کو ضروری سمجھتے ھیں؛ لیکن اخلاقی اقدار اور وہ اچھائیاں اور برائیاں جن کو خود انسانی عقل اپنی ذاتی زندگی میں معین کرتی ھے ان کا سیاست اور حکومت سے کوئی تعلق نہیں ھے۔

یہاں پر ایک دوسری بحث یہ ہوتی ھے کہ عقل انسانی انفرادی ، ذاتی اور معنوی مسائل کے علاوہ آزادی کے ایک حصے کو محدود کرتی ھے توکیا حکومت بھی انسان کی آزادی کو محدود کرسکتی ھے؟

تو اس کا جواب یہ ھے کہ اجتماعی زندگی کے لحاظ سے حکومت کی خصوصیت اور اس کا تقاضا ھی آزادی کو محدود کرنا ھے، کیونکہ اگر کوئی حکومت کی ضرورت کو مانتا ہو لیکن آزادی کو محدود کرنے کو قبول نہ کرتا ہو تو اس کی بات تناقض گوئی پر مشتمل ھے حکومت قوانین اور مقررات مرتب کرتی ھے اور بعض کاموں کو جائز اور بعض کاموں کو ممنوع قرار دیتی ھے اور اگر کوئی ان کی خلاف ورزی کرے تو بعض کو مالی جرمانہ بعض کو زندان اور بعض کو دوسرے طریقوں سے سزائیں دیتی ھے۔

یہاں تک کہ بعض حکومتوں میں مثلاً اسلامی حکومت میں جسمانی سزائیں جیسے سزائے موت بھی قرار دی گئی ھے لہٰذا اس مقدمہ کو قبول کرنا ضروری ھے کہ بنیادی طور پر حکومت کا وجود اجتماعی آزادی کو محدود کرنے کے لئے ھی ہوتا ھے اور آزادی کے محدود نہ ہونے کا مطلب حکومت کا نہ ہونا ھے ھمیں یہ قبول کرنا چاھئے کہ اجتماعی زندگی کے لئے حکومت کی ضرورت ھے یعنی یہ قبول کریں کہ انسان کی سیاسی اور اجتماعی آزادی محدود ہو، یا یہ قبول کریں کہ انسانی اجتماعی زندگی کے لئے حکومت کی ضرورت نہیں ھے اور کسی کو دوسروں پر مختلف طریقوں سے دباؤ ڈالنے کا بھی حق نہیں ھے؛ جس کے نتیجہ میں عوام الناس سیاسی اور اجتماعی مسائل میں مطلق آزادی سے بہرہ مند ہوسکیں۔

قارئین کرام ! ھماری گذشتہ گفتگو کے پیش نظر یہ بات روشن ہوجاتی ھے کہ جو لوگ یہ نعرہ لگاتے ھیں کہ "آزادی

حکومت اور قانون سے بالاتر ھے“ صرف ایک مغالطہ ھے حکومت کو چاھئے کہ آزادی کو محدود کرے اور اگر کوئی اس بات کاقائل ھوجائے کہ کوئی بھی حکومت انسانوں کی سیاسی اور اجتماعی آزادی کو محدود نھیں کرسکتی؛ تو اس کا مطلب یہ ھے کہ حکومت کی کوئی ضرورت نھیں ھے ، اور حکومت بے کار، نامشروع اور غیر قانونی اور طاقت کے بل بوتے پر ھے۔

3۔ حکومت کی مشروعیت کے منشاء کی طرف ایک اشارہاور ڈیموکریسی پر اشکالات

قارئین کرام ! اب جبکہ ھم نے یہ قبول کرلیا ھے کہ معاشرہ میں ایک قانونی اور مشروع حکومت کا وجود ضروری ھے جس سے سیاسی اور اجتماعی آزادی محدود ھوجائے، اس کے بعد ایک اساسی اور بنیادی مسئلہ ھمارے سامنے ھے: اول یہ کہ حکومت کس وجہ سے قانونی اور مشروعیت پیدا کرتی ھے اور حکومت کس حق کی بنا پر آزادی کو محدود کرتی ھے؟ دوسرے یہ کہ حکومت کس حد تک آزادی کو محدود کرسکتی ھے؟

گذشتہ بحث میں یہ بات واضح اور روشن ھوچکی ھے کہ ھمارے عقیدہ کی بنا پر اسلامی سیاسی نظریہ کے علاوہ حکومت کے لئے کوئی قابل قبول اور عقل پسند دلیل نھیں ھے کیونکہ اگر ھم یہ کھیں کہ حکومت کے زیر سایہ عوام الناس خود اپنی آزادی کو محدود کرتے ھیں البتہ اس چیز سے قطع نظر کہ اگر کوئی چاھے تو اپنی آزادی پر کنٹرول کرسکتا ھے اور پھر اس صورت میں حکومت کی کوئی ضرورت نھیں ھے تاکہ اس کی آزادی کنٹرول کی جاسکے،یہ نظریہ تناقض گوئی پر مشتمل ھے؛ کیونکہ جو شخص آزاد رھنا چاھتا ھے وہ کبھی بھی اپنی آزادی کو محدود کرنا نھیں چاھتا۔

سب سے آخری اور بھترین نظریہ جو دنیا بھر میںحکومت کی مشروعیت اور قانونی ھونے کے بارے میں بیان کیا جاتاھے اور دنیا بھر کے لوگ اس نظریہ کو قبول (بھی) کرتے ھیں یہ ھے کہ عوام الناس اپنے بعض حقوق حکومت کے حوالے کردیتے ھیں یعنی یہ انسان جو اپنی زندگی کا حاکم ھے اور اپنی زندگی کے لئے (مخصوص) قوانین بنا سکتا ھے اور اپنی آزادی کو محدود کرسکتا ھے، لیکن اپنے اس حق کو حکومت کے حوالے کردیتا ھے تاکہ اس کی اجتماعی زندگی کے لئے (بھترین) قوانین بنائے اور ان کو نافذ کرے یہ حکومت کو حاکمیت کا حق حوالے کرنا آج کل کی دنیا میں ڈیموکریسی کے نام سے مشھور و معروف ھے۔

قارئین کرام ! آج کل کی ڈیموکریسی تھیوری پر بھت سے اشکالات وارد ھوتے ھیں ، ھم ان میں سے صرف تین اشکالات پر اکتفاء کرتے ھیں:

پھلا اشکال:

کیا انسان کو اپنے اندر ھر طرح کا تصرف کرنے، اپنی آزادی کو محدود کرنے اور اپنے پر دباؤ ڈالنے کا حق ھے؟ یعنی کیا انسان کو حق ھے کہ خود اپنے کو سزا دے؟ اس میں کوئی شک نھیں ھے کہ دنیا بھر میں آج کل کی تمام حکومتیں خلاف ورزی کرنے والوں کی سزا معین کرتی ھیں اور بعض جرائم کے لئے قید با مشقت قرار دیتی ھے اور بعض جرائم کے لئے جسمانی سزا، شکنجہ اور سزائے موت قرار دیتی ھے تو کیا انسان کو خود کُشی کا حق ھے کہ جس کے نتیجہ میںاپنے لئے سولی کا حکم حکومت کے حوالے کردے؟ اگر انسان خود کُشی کا حق رکھتا ھو تو وہ دوسرے کو اس طرح کے قانون بنانے کا حق دے سکتا ھے کہ اگراس نے بعض ایسے جرائم کو انجام دیا جن کی سزا سولی ھو اور حکومت اس کے حق میں جاری کرسکے بے شک انسان خود کُشی کا حق نھیں رکھتا کیونکہ انسان کو اپنی جان کا اختیار نھیں ھے تاکہ جب بھی چاھے ختم کردے، انسان کی جان خداوندعالم کی طرف سے ھے، اور کسی کو اپنی جان کو نقصان پھونچانے کا حق حاصل نھیں ھے حد تو یہ ھے کہ اسلامی نظریہ کے مطابق انسان اپنے بدن کو نقصان بھی نھیں پھونچا سکتا کسی شخص کو یہ حق حاصل نھیں ھے کہ وہ اپنے بدن کو زخمی کرلے مثلاً اپنے ھاتہ یا انگلی کو کاٹ لے کیونکہ انسان کا بدن خداسے متعلق ھے اور انسان اس کا مالک اور صاحب اختیار نھیں ھے اس صورت میں کس طرح انسان حکومت کو سزائی اور فوجداری قوانین بنانے کا حق دے سکتا ھے اور حکومت کو مجرموں کو سزا دینے کی اجازت دے اور چور کے ھاتہ کاٹ دئے جائیں اور بعض مجرموں کو سزائے موت دیدی جائے؟

دوسرا اشکال:

فرض کرلیں کہ انسان اپنی جان اور بدن میں ھر طرح کا تصرف کرسکتا ھے اور اپنے بدن کو نقصان اور ضرر پھونچاسکتا ھے اور اپنی زندگی کو ختم کرسکتا ھے اور اس صورت میں اپنا یہ حق حکومت کے حوالے کردیتا ھے در حقیقت جو شخص پارلیمنٹ کو ووٹ دیتا ھے گویا قانون گذاری کے سلسلہ میں پارلیمنٹ کو اپنا وکیل بنادیتا ھے کہ اس کی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اجتماعی زندگی کے لئے قوانین اور مقررات بنائے جن میں سے حقوقی اور سزائے قوانین (بھی) ھیں؛ اسی طرح حکومت کو بھی اپنا وکیل بناتا ھے کہ اس پر قوانین نافذ کرے لیکن اس صورت میں صرف حکومت کو اپنے اوپر تصرف کا حق دیتا ھے، لیکن یہ حق نھیں دیتا کہ حکومت دوسروں پر بھی تصرف کرے اور ان کے حقوق اور ان کی آزادی کو سلب کرے بالفرض اگر انسان اپنے کو سزا دینے کاحق رکھتا ھو اور یہ حق حکومت کو دیدے کہ اگر اس نے خلاف ورزی کی تو اس کو سزا دے، تو اس صورت میں (بھی) صرف اپنا وکیل بنا سکتا ھے کہ اس کی طرف سے تصمیم گیری کرے اور اس پر عمل کرے لیکن دوسرووں کو سزا دینے کا حق (اسے نھیں ھے تاکہ یہ حق) حکومت کے حوالے کردے۔
ڈیموکریسی نظریہ کی رائج اصطلاح کا مطلب یہ ھے کہ عوام الناس حکومت کو وکالت دیتے ھیں اور اس کو اپنا وکیل اور نمائندہ قرار دیتی ھیں تاکہ وہ مختلف قوانین بنائے اور ان کو جاری کرے آج دنیا بھر میں رائج ڈیموکریسی حکومت اگر اکثریت سے جیت جائے یعنی 51% یا اس سے زیادہ ووٹ حاصل کرلے تو پھر اسے حق حاصل ھوتا ھے کہ وہ پورے معاشرہ کے لئے منجملہ ان لوگوں کے لئے (بھی) جنھوں نے حکومت کو ووٹ نھیں دیا ھے؛ قوانین بنائے اور ان کو لاگو کرے در حقیقت جب آدھے لوگوں نے نہ کہ سب نے حکومت کو ووٹ دئے ھیں صرف وھی لوگ حکومتی قوانین کو قانونی مانیں گے اور معاشرہ کے وھی لوگ ان قوانین کے سامنے اپنا سر تسلیم کریں گے لیکن یھاں پر ایک اھم سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ تقریباً آدھے لوگوں نے حکومت کو ووٹ ھی نھیں دیا اور حکومت کو اپنا وکیل ھی قرار نھیں دیا کہ ان کی طرف سے قوانین بنائے اور ان کو جاری کرے، تو پھر اس صورت میں حکومت کو کیا حق حاصل ھے کہ وہ ان کی اجتماعی زندگی کے لئے قوانین بنائے ، اور کس وجہ سے وہ ان پر حکم چلائے؟ اور اگر انھوں نے خلاف ورزی کی ھو تو ان کو سزائے اعمالتک پھونچائے؟ لہٰذا طے یہ ھوا کہ حکومت کے لئے اپنے مخالفین اور جن لوگوں نے اس کو ووٹ نھیں دیا ھے ؛ ان پر حکومت کرنے، اپنی طاقت کے بل بوتے پر اپنی اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے کوئی (بھی) عقل پسند راستہ موجود نھیں ھے۔

تیسرا اشکال:
قارئین کرام ! موکل کو اپنے وکیل کو معزول کرنے کا حق ھوتا ھے، یا اس کے بنائے ھوئے منصوبوں کو لغو اور بے اثر کرنے کا حق ھوتا ھے لہٰذا اگر کوئی شخص ممبر آف پارلیمنٹ کو ووٹ دے کر انتخاب کرلے لیکن اس کے بعد اپنی رائے سے پلٹ جائے تو وہ اپنے نمائندہ کو اس مقام سے معزول کرسکتا ھے اس کے علاوہ وکیل کو صرف موکل کی مرضی کے مطابق ووٹ دینے کا حق ھوتا ھے اور یہ حق نھیں ھوتا کہ اپنے موکلوں کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھائے اب اگر تمام عوام الناس یا ان میں آدھے افراد کسی قانون کے مخالف ھوں ، تو حکومت اس قانون کو کس حق کے تحت جاری کر سکتی ھے؟
خلاصہ یہ ھے کہ ڈیموکریسی حکومت کی مشروعیت اور قانونی ھونے کے لئے کوئی عقل پسند راستہ موجود نھیں ھے!
اور اس سلسلہ میں ڈیموکریسی نظریہ کے طرفدار لوگ یہ کھتے ھیں کہ ملک اور معاشرہ کوچلانے کے لئے ڈیموکریسی نظریہ سب سے بھترین نظریہ ھے کیونکہ اگر اقلیت کی مرضی کے مطابق حکومت بنے اور ان کی مرضی کے مطابق عمل کرے تو پھر اکثر عوام الناس کا حق ضایع ھوجائے گا جس کا نتیجہ یہ ھوگا کہ عوام الناس کی اکثریت مظاھرہ کرنے لگیں گے اور اس صورت میں ان کی شورش اور انقلاب کو روکنا مشکل ھوجائے گا یھی وجہ ھے کہ حکومت عوام الناس کی اکثریت سے انتخاب ھو اور ان کی مرضی کے مطابق عمل کرے؛ نہ یہ کہ حکومت عقل پسند مشروعیت رکھتی ھے۔

4۔ اسلام میں حکومت کی مشروعیت اور اس کا قانونی ھونا
اسلامی نظریہ کے مطابق، وہ عقل جو انسان سے کھتی ھے کہ فلاں کام اچھا ھے اور فلاں کام بُرا ھے، وھی عقل جو انسان سے کھتی ھے کہ ماں باپ، استاد اور عوام الناس تم پر حق رکھتے ھیں لہٰذا ان کے حقوق کو ادا کرنا چاھئے، وھی عقل انسان سے کھتی ھے کہ وہ خدا جس نے تمام دنیا، تجھے او ر تمام مخلوقات کو پیدا کیا ھے اس کے حقوق دوسروں سے بھت زیادہ اور عظیم ھیں اور انسان کو چاھئے کہ ان کو ادا کرنا چاھتے اب چونکہ خداوندعالم نے ھمیں پیدا کیا ھے اور ھمارے وجود بلکہ تمام کائنات کا مالک ھے اور تمام چیزیں اس کے ارادہ سے وجود میں آتی ھیں، اور اگر وہ ارادہ کرلے تو تمام چیزیں نابود ھوجائیں گی، اس نے اگر کسی کو قوانین نافذ کرنے کے لئے معین کیا ھے تو اس کا حکومت کرنا قانونی اور مشروعیت رکھتا ھے اور پھر عوام الناس کے قبول کرنے یا نہ کرنے کی ضرورت نھیں ھے جس وقت وہ خدا جو ھم پر سب سے زیادہ حقوق رکھتا ھے(بلکہ تمام ھی حقوق اسی کی طرف سے ھیں) اس نے حکومت اور ولایت کا حق پیغمبر، ائمہ معصومین علیھم السلام یا امام معصوم (ع) کے جانشین کو دیا ھے ، اس کو حق ھے کہ معاشرہ میں خدائی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

احکام نافذ کرے، کیونکہ یہ شخص اس ذات کی طرف سے منصوب ہوا ھے کہ کل ھستی، تمام اچھائیاں اور تمام حقوق وخوبصورتی اسی کی طرف سے ھے۔
اس بنا پر اسلامی حکومتی نظریہ میں جس میں حاکم اسلامی خداوندعالم کی طرف سے قوانین اور احکام الٰھی جاری کرنے کاحق حاصل ھوتا ھے،لہٰذا وھی مجرموں اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سزائے اعمال تک پھونچا سکتا ھے، اور اس میں کسی بھی طرح کا کوئی تعارض نھیں ھے اور یہ نظریہ عقلی اصول پر (بھی) منطبق ھے البتہ یہ نظریہ ان لوگوں کے نزدیک قابل قبول ھے جو خداوندعالم پر ایمان رکھتے ھیں ورنہ اگر کوئی شخص خدا کو قبول نہ رکھتا ھو تو پھر وہ شخص اس نظریہ کو بھی قبول نھیں کرے گا، اور ھم پھلے اس کے لئے خداوندعالم کے وجودکا اثبات کریں اور اگر وہ خدا پر ایمان لے آتا ھے تو پھر اس موقع پر اس سے بیٹھ کر حکومت کے سلسلے میں اسلامی سیاسی نظریہ کے بارے میں بحث کریں لہٰذا جو افراد جو خدا ، رسول اور دین کو مانتے ھیں ان کے لئے بھترین راہ حکومت کی مشروعیت اور قانونی ھونے کے لئے یھی ھے کہ کل کائنات کا مالک خدا؛ معاشرہ کے مصالح کی رعایت کے لئے حق حکومت اپنے کسی (خاص) بندے کو عنایت کرتا ھے (تاکہ ا نسان معاشرہ کی خیر وبھلائی کے ساتھ آخرت کی سعادت بھی حاصل ھوجائے (
اسلامی معرفت کے پیش نظر اسی طرح اسلامی سیاسی نظریہ کی شناخت کی بنا پر معلوم یہ ھوتا ھے کہ انسانوں کے ایک دوسرے پر حقوق سے بالاتر خدا وند عالم حق ھے خداوندعالم کا، اس بنا پر اگر خداوندعالم اپنے کسی بندے کو کوئی کام کرنے کا حکم دے چاھے اس کے نقصان میں ھی کیوں نہ ھو تو اس کو انجام دینا چاھئے؛ البتہ خداوندعالم اپنے بے انتھا لطف وکرم اور مھربانی کی وجہ سے اپنی مخلوقات کے ضرر اور نقصان میں امر ونھی صادر نھیں کرتا، وہ کسی کا نقصان نھیں چاھتااور اس کے اوامر ونواھی انسان کی دنیا وآخرت کی مصلحت اور اس کی بھلائی میں ھوتے ھیں اور اگر خداوندعالم کے احکام کی تعمیل کی بنا پر انسان کو اس دینا میں کچھ نقصان بھی ھوتا ھے مثال کے طور پر اگر چند روزہ دنیا میں بعض لذتوں اور نعمتوں سے محروم رھتا ھے تو خداوندعالم اس کو آخرت میں جبران کردے گا اوردنیا میں ھوئے اس کے نقصان کے ھزاروں برابر اس کو ثواب اور اجر عنایت فرمائے گا۔

5۔ انبیاء علیھم السلام اور عوام الناس کی ھدایت کا طریقہ

خدا وندعالم نے اپنی طرف سے انبیاء علیھم السلام کو بھیجا تاکہ عوام الناس کو دین اور دنیا کے خیر وبھلائی کی ھدایت کریں خدا کی طرف سے بھیجا ھوا نبی پھلے تو حق (خدا) کی طرف دعوت دیتا ھے اور خدا کی آیات کو لوگوں کے سامنے تلاوت کرتا ھے اور جب ان کو خدا کی شناخت اور معرفت ھوجاتی ھے اور وظائف اور تکالیف قبول کرنے کا زمینہ فراھم کرتا ھے در حقیقت اس مرحلہ میں نبی یا پیغمبر عقل منفصل کا کردار ادا کرتا ھے ، اور اس سلسلہ میں کسی بھی طرح کا کوئی زور اور دباؤ نھیں دیا جاتا اور ان کی آزادی سلب کئے بغیر ان کی عقل وفھم کو بلند کرتا ھے تاکہ ان میں آزادانہ طور پر انتخاب کا زمینہ فراھم ھوجائے اور آزادانہ طور پر اسلام اور اس کے عظیم احکام کو قبول کرنے کا مادہ پیدا ھوجائے۔
پیغمبر اس لئے مبعوث ھوتا ھے تاکہ لوگوں کو حق و باطل کی شناخت کرائے اور ان کو حق و باطل کے راستہ پر لاکر کھڑا کردے تاکہ اپنی مرضی اور آزادی سے یا راہ حق وحقیقت کا انتخاب کرلے یا باطل کا راستہ اپنالے اس کے لئے وہ اپنی طاقت کے ذریعہ رسالت کو قبول نھیں کراتا یا دباؤ ڈال کر اپنے نظریات لوگوں سے قبول نھینکراتا،(کیونکھ) یہ ارادہ الٰھی کے برخلاف ھے، خداوندعالم کا ارادہ یہ ھے کہ عوام الناس حق وباطل کے راستہ کو پھچان کر آزادانہ طور پر کسی ایک کا انتخاب کریں لہٰذا معلوم یہ ھوا کہ خدا کا بھیجا نبی پھلے مرحلہ میں عوام الناس سے رابطہ برقرار کرتا ھے اور ان کو اپنے سے مانوس کرتا ھے ان سے گفتگو کرتا ھے نیز عقل دلائل ، معجزات اور آیات الٰھی کے ذریعہ اپنا پیغام ان تک پھونچاتا ھے، اور حق (وحقیقت) کی پھچان کراتا ھے۔
انبیاء علیھم السلام خداوندعالم ، اس کی آیات اور الٰھی نظام کو مستقر ھونے کے سلسلہ میں عوام الناس پر کسی طرح کا کوئی سختی اور دباؤ نھیں ڈالتے تھے، ان کے اھداف میں لوگوں کی آزادی اور آگاھانہ انتخاب پر خاص توجہ رکھی جاتی تھی ، در حقیقت عوام الناس کی آزادی کا خیال دوسرے نظاموں سے زیادہ رکھا جاتا تھا، ان کی کوشش یہ ھوتی تھی کہ عوام الناس دعوت خدا اور نظام کو قبول کرنے میں مکمل طور پر آزاد ھوں اس کی وجہ بھی یہ ھے کہ انسان کو خلق کرنے سے خداوندعالم کا ھدف اور مقصد یہ ھے کہ انسان آزاد اور خود انتخاب کرنے والا ھو اور اپنے مکمل اختیار اور آزادانہ طریقہ سے راہ حق کا انتخاب کرے اور اسی کی ھدایت حاصل کرے، انبیاء علیھم السلام کا دعوت خدا اور نظام الٰھی کا قیام کے لئے اپنی طاقت اور زور کا استعمال کرنا؛ خداوندعالم کے ھدف اور مقصد سے ھم آھنگ نھیں ھے اگر طے یہ ھو کہ انسان کسی راستہ کو مجبوری کی حالت میں یا طاقت کے زور پر قبول کرے تو ھوسکتا ھے کہ وہ اس راستہ کی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

حقانیت کو نہ پھچانے، یھاں تک کہ شاید اس راستہ کے صحیح (بھی) نہ مانتا ھو؛ کسی بھی راستہ کی حقانیت اور اس کے صحیح ھونے کومعین کرنے کے لئے پھلے اس کے بارے میں شناخت اور معرفت ضروری ھے اور آزاد طور پر اس راستہ کو انتخاب کرنے کا زمینہ ھموار کیا جائے اور پھر خداوند عالم کے اس ھدف کے تحت کہ انسان علم و آگاھی کے ساتھ آزادانہ طور پر حق و حقیقت کا راستہ انتخاب کرے، خداوندعالم نے معجزہ کے ذریعہ راہ حق کو عوام الناس پر نھیں تھونپا ھے اور اس کی مرضی بھی یہ نھیں ھے کہ معجزہ کے ذریعہ لوگوں کو آزادنہ انتخاب سے روک دے اور ان کی مرضی میں تصرف کرے تاکہ غیر اختیاری طور پر راہ حق کوقبول کرلیں، اوراس کے مقابلہ میں سست پڑجائے، اسی وجہ سے خداوندعالم نے ارشاد فرمایا ھے:

(لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ أَلاَّ یَکُونُوا مُؤْمِنِینَ إِنْ نَشَأْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ آیَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَها خَاضِعِینَ) (1)

”(اے رسول)شاید تم (اس فکرمیں) اپنی جان ھلاک کر ڈالوگے کہ یہ (کفار)مو من کیوں نھیں ھو جاتے اگر ھم چاھیں تو ان لوگوں پر آسمان سے کوئی ایسا معجزہ نازل کر یں کہ ان لوگوں کی گر دنیں اس کے سامنے جھک جائیں “

6- عوام الناس کی ھدایت میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے کی ضرورت

قارئین کرام ! اس بات پر توجہ رھے کہ خداوندعالم نے عوام الناس کی ھدایت کے لئے اپنی طرف سے انبیاء بھیجے تاکہ راہ حق و باطل میں شناخت کرائیں ، تاکہ وہ صحیح راہ کی شناخت اور معرفت کے بعد آزادانہ طور پر اس صحیح راستہ کا انتخاب کریں؛ بعض مستکبر اور منفعت طلب لوگ جو لوگوں کی جھل و نادانی سے ناجائز فائدہ اٹھاکر بھت زیادہ مال و دولت اکھٹا کرلیتے ھیں وہ لوگ انبیاء علیھم السلام کی دعوت حق اورلوگوں کی ھدایت میں اپنے شیطانی اھداف کی بنا پر مانع ھوتے ھیں، اور انبیاء علیھم السلام سے مقابلہ کے لئے کھڑے ھوجاتے ھیں، اور انبیاء علیھم السلام کو عوام الناس سے گفتگو بھی نھیں کرنے دیتے یا ان کو آیات الٰھی بھی نھیں سنانے دیتے تاکہ کھیں ایسا نہ ھوں کہ یہ لوگ ھدایت پاجائیں یہ لوگ اپنی طاقت کے بل بوتے پر عوام الناس کو بھت زیادہ آزار واذیت پھونچاتے ھیں اور ان کے لئے بھت سی مشکلیں پیدا کردیتے ھیں تاکہ عوام الناس ھدایت سے فیضیاب نہ ھوسکیں یہ لوگ جو عوام الناس کی ھدایت میں مانع ھوتے ھیں خداوندعالم نے ان کوقرآن مجید میں ”ائمہ کفر“ اور فتنہ وفساد کی جڑ کھا ھے ، اور حکم دیا کہ پیغمبر اور ان کے ساتھی ان سے مقابلہ کریں اور ان کو اپنے راستہ سے ھٹا دیں؛ کیونکہ ان کا وجود اور ان کی شیطانی اور باطل حرکتیں خدائی اھداف میں مانع ھوتی ھیں کیونکہ خداوندعالم تو یہ چاھتا ھے کہ تمام انسان ھدایت سے سرفراز ھوجائیں اور راہ حق و باطل کو پھچان لیں، لیکن یہ لوگ مانع ھوتے ھیں:

ارشاد رب العزت ھوتا ھے :

(فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْکُفْرِ إِنَّهمْ لاَ أَیْمَانَ لَهمْ لَعَلَّهمْ یَنتَهونَ) (2)

”تو تم کفر کے سربر آ وردہ لوگوں سے خوب لڑائی کرو ان کی چار قسموں کا ھرگز کوئی اعتبار نھیں ھے تاکہ یہ لوگ اپنی شرارت سے باز آجائیں“

مثال کے طور پر اگر کوئی شخص سڑک پر گاڑی چلارھا ھے اور اس کے راستہ میں ایک بڑا سا پتھر موجود ھو تو اس کو اپنا راستہ طے کرنے کے لئے اس پتھر کو سڑک سے اٹھاکر دور پھیکنا پڑے گا، اور اس سلسلہ میں اپنی تمام تر کوششوں کو اس میں لگادے گا تاکہ اس پتھر کو اپنے راستہ سے ھٹا دے اصولی طور پر ھر صاحب عقل انسان اپنے راستہ میں آنے والی رکاوٹ کو دور کرتا ھے خداوندعالم بھی اپنے اس ھدف کے تحت کہ انسان ھدایت یافتہ ھوجائے؛ حکم دیا ھے کہ پیغمبر اور ان کے اصحاب ، بلکہ دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کو یہ حکم دیتا ھے کہ ھدایت کے سلسلہ میں موجود دنیا بھر کے استکبار ، بادشاہ، ستمگر، دولت پرست اور تمام شیطانی قدرتوں کے ساتھ جنگ کریں اور ان کو نابود کردیں۔

خلاصہ یہ کہ : خداوندعالم کا فرمان یہ ھے کہ انسانوں کی ھدایت میں جو لوگ مانع ھوں (اھل کفر وباطل)ان کے ساتھ طاقت کے ذریعہ مقابلہ کیا جائے اور شدت پسندی کو ان کے حق جائز قرار دیا گیا ھے خداوندعالم نھیں فرماتا کہ ان کے ساتھ بیٹہ کر مسکرائیں اور خوش لھجہ، تبسم ، التماس اور التجا کریں کہ آپ حضرات اجازت دیں تاکہ ھم عوام الناس کی ھدایت کریں! اگر وہ اس درخواست کو قبول کرنے والے ھوتے اور اپنی خوش لھجہ زبان سے اپنی برے چال چلن سے رکنے والے ھوتے تو پھر وہ مستکبر ھی کیوں ھوتے ان میں بنیادی طور پر استکبار ، حیوانیت اور سرکشی ان کے اندر شامل ھے، وہ تو یہ چاھتے ھیں کہ دوسرے انسانوں کو اپناغلام بنا نا چاھتے ھیں اور ان کاخون پی لینا چاھتے ھیں ، وہ اس چیز کی اجازت نھیں دیتے کہ ان کے منافع خطرہ میں پڑجائیں،اسی وجہ سے یہ لوگ نھیں چاھتے کہ عوام الناس ھدایت یافتہ ھوجائیں اور انبیاء (علیھم السلام) کے فرمانبردار بن جائیں مومنین اور ھدایت کے طلبگاروں کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ باقی نھیں ھے کہ ان لوگوں سے شدت اور تشدد کے ساتھ برتاؤ کیا جائے، اسی وجہ سے خداوندعالم اپنے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

پیغمبر اکرم (ص) کو قرآن مجید میں حکم دیتا ھے کہ ان لوگوں سے جنگ کریں اور تشدد اور غصہ کے ساتھ ان کا مقابلہ کریں وھی پیغمبرجس کی صفت خداوندعالم یوں بیان فرماتا ھے:

(فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنْ اللهِ لِنْتَ لَهمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لاَنْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ) (3)

”(تو اے رسولیہ بھی)خدا کی ایک مھربانی ھے کہ تم (سا) نرم دل)سردار) ان کو ملا اور تم اگر بد مزاج اور سخت دل ھوتے تب تو یہ لوگ(خدا جانے کب کے)تمھارے گروہ سے تتر بتر ھو گئے ھوتے “

دوسری جگہ پیغمبر اکرم (ص) کو حکم ھوتا ھے کہ کفار (مشرکین اور منافقین) سے شدت کے ساتھ مقابلہ کریں اور ان سے جنگ کریں، اور شدت پسندی کو ان کے حق میں جائز جانتا ھے، ارشاد ھوتا ھے:

(يَاأَيُّها النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهمْ جَهنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ)(4)

”اے رسول کفار کے ساتھ (تلوار سے)اور منافقوں کے ساتھ (زبان سے) جھاد کرواور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکا نا تو جھنم ھی ھے اور وہ(کیا)جگہ ھے “

ایک دوسری جگہ خداوندعالم اپنے پیغمبر (ص) کوحکم دیتا ھے کہ جو لوگ مسلمانوں کی جان اور مال کے لئے خطرہ بنے ھوئے ھیں ان کے سات شدت پسندی سے برتاؤ کریں، اور جیسے وہ کریں ان کو ویسا ھی جواب دیں، اور بھت زیادہ شدت کے ساتھ جنگ کریں، ارشاد ھوتا ھے:

(وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَاقْتُلُوهمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهمْ وَأَخْرِجُوهمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنْ الْقَتْلِ وَلاَتُقَاتِلُوهمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيه فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ) (5)

”اور جو لوگ تم سے لڑیں تم (بھی) خدا کی راہ میں ان سے لڑو اور زیادتی نہ کرو (کیونکہ) خدا زیادتی کرنے والوں کو ھرگز دوست نھیں رکھتا ۔اور تم ان مشرکوں) کو جھاں پاؤ مار ھی ڈالو اور ان لوگوں نے جھاں (مکہ سے)سے تمھیں شھر بدر کیا ھے تم بھی انھیں باھر نکال دو۔اور فتنہ پر دازی (شرک) خونریزی سے بھی بڑھ کے ھے اور جب تک وہ لوگ (کفار) مسجد حرام (کعبہ) کے پاس تم سے نہ لڑیں تم بھی ان سے اس جگہ نہ لڑو پس اگر وہ تم سے لڑیں تو (بے کھٹک) تم بھی ان کو قتل کرو۔کافروں کی یھی سزا ھے۔“

7- الٰھی اقدار کی حفاظت اور مغربی کلچر سے روک تھام ضروری ھے

دشمنوں سے مقابلہ اور جھاد، شجاعت، غیرت، حمیت، دینی تعصب، دین سے رغبت، فداکاری اور ایثار وغیرہ بھترین اور عظیم ترین اسلامی اقدار ھیں جن کی وجہ سے مسلمانوں میں دینی پھچان، حیات، استقلال اور آزادی وجود میں آتے ھیں لیکن اس کے مقابلہ میں مغربی کلچر (والے) یہ چاھتے ھیں کہ کچھ جھوٹے اور خود ساختہ اقدار جیسے مطلق طور پر شدت پسندی کو منع کرنا (وغیرہ) کے ذریعہ ھماری سلامی اقدار کو ھم سے چھینا چاھتے ھیں؛ اسی وجہ یہ کھتے ھیں کہ شدت پسندی مطلق طورپر مذموم اور محکوم ھے!!

جی ھاں ھم بھی مانتے ھیں کہ ابتداء میں کسی کے ساتھ شدت پسندی مذموم اور محکوم ھے ، لیکن کیا شدت پسندی کے مقابلہ میں شدت پسندی یا ظلم وستم، قتل وغارت، جان و مال اورناموس پر تجاوز ، اور ان سب سے مھم اسلام (جس کے لئے مسلمانوں کی جان بھی قربان ھے) ؛ سے خیانت کرنے والوں کے مقابلہ میں بھی شدت پسندی بری اور محکوم ھے؟ مسلّم طور پر اس طرح کی شدت پسندی نہ صرف یہ کہ مذموم اور محکوم نھیں ھے بلکہ ضروری اور ھر مسلمان کی خواھش ھے۔

تو پھر کیوں ھم سے یہ چاھتے ھیں کہ ھم اپنے دینی اقدار کو پامال ھوتے ھوئے دیکھیں جو کہ ھمیں جان سے بھی زیادہ عزیز ھے ان کو تمھارے ھاتھوں برباد ھوتا ھوا دیکھیں اور اپنے منہ پر ھاتہ رکہ لیں اور کچھ نہ کریںاور ان کے ساتھ بیٹھ کر مسکرائیں؛ پس خداوندعالم نے انسان میں غضب کو کس لئے پیدا کیا ھے؟ کس لئے ھمارے اندر قھر وغضب کے احساس کو پیدا کیا؟ آیا کچھ شدت پسند، خائن اور زر خرید غلاموں کے مقابلہ میں کچھ بھی اقدام نہ کریں یھاں تک کہ اگر ھمارا دین بھی خطرہ میں پڑ جائے کچھ بھی نہ بولیں اور شدت پسندی کو نہ اپنائیں؛ بلکہ آرام سے بیٹھے ھوئے مسکراتے رھیں، پس یہ آیت کریمہ کس کے لئے ھے:

(وَاقْتُلُوهمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهمْ)

کس لئے خداوندعالم نے یہ ارشاد فرمایا ھے:

(مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَه أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهمْ)(6)

”محمد (ص) اللہ کے رسول ھیں اور جو لوگ انکے ساتھ ھینوہ کفار کے لئےسخت ترین اور آپس میں انتھائی رحم دِل ھیں “

کھتے ھیں کہ اسلام تشدد اور شدت پسندی کا مخالف ھے، توآپ حضرات کھیں کہ اسلام کس شدت پسندی کا مخالف ھے؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

بعض مبھم چیزوں کو مطلق اقدار کے عنوان سے پیش کرتے ھیںتاکہ حقیقت کو چھپاسکیں، تاکہ شھادت طلبی، ایثار اور شجاعت وغیرہ کو لوگوں سے چھین لیں، اور ان کی جگہ بے توجھی، دین سے لاابالی اور دینی اور ملّی غیرت وغیرہ جیسے چیزوں کو عوام الناس میں رائج کریں۔
ھمیشہ تساھل(سستی) اور تسامح (ذو معنیٰ باتیں کرنا)کی باتیں کرتے ھیں ، کیا جو شخص ھماری جان کے لئے خطرہ ھو اس کے مقابلہ میں تساھل اور تسامح سے کام لیا جاسکتا ھے؟! کیا وہ شخص جو انسانی ناموس میں خیانت کرے اس کے ساتھ تساھل اور تسامح سے کام لیا جاسکتا ھے؟ کیا وہ شخص جو ھمارے دین کو جو ھماری جان سے بھی زیادہ عزیز ھے ؛ ھم سے چھین لینا چاھتا ھو اس کے مقابلہ میں تساھل اور تسامح سے کام لیا جاسکتا ھے؟!
اس بنا پر ، اسلامی حکومت کی تشکیل سے پھلے عوام الناس کی ھدایت کرنا ضروری ھے ، اور اس مرحلہ میں عوام الناس سے سخت لھجہ میں گفتگو نھیں ھونا چاھئے، اور سختی اور طاقت کے بل بوتے پر اسلامی حکومت کے تحقق کے لئے قدم نہ اٹھایا جائے اسی طرح اس مرحلہ میں لوگوں سے جھوٹے وعدے، فریب کاری اور گمراہ کنندہ وسائل کے ذریعہ عوام الناس کی صحیح ھدایت میں مانع ھونا صحیح نھیں ھے اس مرحلہ میں بھر پور سنجیدگی، بردباری، حوصلہ، صبر اور بھرپور وضاحت ، صداقت اور منطق اور عقل کی بنیاد پر عوام الناس سے گفتگو کی جائے تاکہ وہ حقیقت تک پھونچ جائیں اور غفلت وجھالت سے نجات پیدا کرلیں البتہ اس سلسلہ میں پیش آنے والی تمام تر رکاوٹوں کو راستہ سے ھٹایا جائے، اور جو لوگ عوام الناس کی ھدایت میں مانع ھوتے ھوں ان سے مقابلہ کیا جائے تاکہ عوام الناس کے لئے حق وحقیقت کے راستے کو انتخاب کرنے کا راستہ فراھم ھوجائے۔
جس وقت عوام الناس کا ایک گروہ حق کی طرف ھدایت پاجائے تو پھر اس حق کے پیروکاروں میں اضافہ کرنے کے لئے اور االسلامی اور الٰھی معاشرہ کی وسعت کے لئے عوام الناس مینثقافتی کارکردگی اور راھنمائی صبر وتحمل کے ساتھ ھوتی رھیں؛ جیسا کہ خداوندعالم بھی اپنے پیغمبر کو قرآن کریم میں اپنی رسالت کے پھونچانے میں صبر وتحمل کی طرف دعوت دیتا ھے اور آپ سے یہ چاھتا ھے کہ سختیوں، بری بھلی باتوں، گالیوں، سخت برتاؤ اور اذیتوں کے مقابلہ میں صبر وتحمل سے کام لیں تاکہ عوام الناس ھدایت یافتہ ھوجائیں:
(فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ أُوْلُوا الْعَزْمِ مِنْ الرُّسُلِ) (7)
” اے رسول)پیغمبروں میں سے جس طرح اولوالعزم (عالی ھمت)صبر کرتے رھے تم بھی صبر کر۔

8۔ قوانین کو جاری کرنے اور دشمن نظام سے بھر پور مقابلہ
قارئین کرام ! جس وقت خداوندعالم کی مرضی کے مطابق اسلامی حکومت تشکیل پائے، تو معاشرہ میں اسلامی احکام اور قوانین جاری ھوں اور دوسری حکومتوں کی طرح اس میں قوہ قھریہ (پولیس یا فوج) سے استفادہ کیا جائے، نیز حکومت کے پاس خلاف ورزی کرنے والوں سے مقابلہ کے لئے کافی اسباب و وسائل موجود ھوں، اور مجرموں اور خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے زندان، جرمانہ اور دوسری سزائیں معین کی جائیں، اور بیرونی دشمنوں نیز اندرونی فتنہ وفساد سے روک تھا م کے لئے پولیس اور فوج کا انتظام کیا جائے؛ کیونکہ حکومت صرف اخلاقی طور پر وعظ ونصیحت سے اپنا کام نھیں چلا سکتی وہ حاکم جس کے پاس طاقت اور قدرت نہ ھو اور فقط وعظ ونصیحت اور تذکر پر اکتفاء کرے وہ اخلاقی معلم تو ھوسکتا ھے حاکم نھیں ھو سکتا!!
پس جس قوت اسلامی حکومت اور قانونی حکومت تشکیل ھوجائے اور عوام الناس اس حکومت کو قبول کرلیں اور اس کی بیعت کرلیں، نیزحکومت بھی اسلامی قوانین اور احکام کو جاری کرنے اورملکی مسائل میں رسیدگی کرنے مینمشغول ھوجائے، تو اگر کوئی گروہ فتنہ وفساد اور آشوب برپا کرے تو اس سے مقابلہ ضروری ھے جیسا کہ ھماری اسلامی فقھی کتابوں میں وارد ھواھے کہ فتنہ وفساد اور آشوب برپا کرنے والوں (جن کو اصطلاحاً ”اھل بغی“ (بغاوت کرنے والے) کھا جاتا ھے) سے جھاد واجب ھے جس طرح حضرت علی علیہ السلام نے فتنہ وفساد پھیلانے والوں سے مقابلہ کیا ھے اور ان کو اپنی جگہ بٹھا دیا ھے۔
حضرت رسول اکرم (ص) کی وفات غم ناک کے بعد عوام الناس حضرت علی علیہ السلام کی بیعت پر آمادہ نھیں ھوئی جس کے نتیجہ میں حکومت دوسروں کے ھاتھوں میں چلی گئی، (اس وقت بھی) حضرت علی علیہ السلام نے لوگوں کی ھدایت فرمائی اور ان کی راھنمائی کی ھے ، اور حضرت نے 25/ سال سے اپنے اس وظیفہ کو انجام دیا اور حکومت (وقت) سے کنارہ کشی اختیار کرلی لیکن جس وقت اسلامی ممالک مثل مصر، عراق اور مدینہ منورہ کے ایک بڑے مجمع نے آپ کی خدمت میں حاضری دی اور آپ کی بیعت کی ، اور آپ کو اپنا امام اور مقتدا تسلیم کرلیا، اس وقت حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اوپر حجت تمام دیکھی اور عوام الناس پر حکومت کرنے کا اپنا فریضہ سمجھا کیونکہ اس عظیم مجمع کی بیعت

کے پیش نظر جس کا وجود تاریخ میں بے نظیر ھے ؛ حکومت سے دور رھنے کی کوئی دلیل باقی نھیں رھی ، لہٰذا آپ حکومت قبول کرنے پر مجبور ھوگئے؛ حالانکہ آپ کو حکومت سے ذرا بھی دلچسپی نہ تھی ، اور صرف عوا م الناس کی بیعت کے ذریعہ الٰھی وظیفہ کا احساس کرتے ھوئے حکومت کی باگ ڈور اپنے ھاتھوں میں سنبھالی، جیسا کہ آپ نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ھیں:

”اَمَا وَ الَّذِی فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَأَ النَّسَمَةَ لَوْلَا حُضُورُ الْحَاضِرِ وَ قِیَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُوْدِ النَّاصِرِ، وَمَا اَخَذَ اللّٰہُ عَلَی الْعُلَمَاءُ اَنْ لَا یُقَارُّوْا عَلٰی کَظَّةِ ظَالِمٍ وَلاٰ سَغَبِ مَظْلُوْمٍ لَاَلْقَیْتُ حَبْلَھا عَلَی غَارِبِھا وَلَسَقَیْتُ آخِرَھا بِکَاْسِ اَوَّلِھا وَلَاَلْفَیْتُمْ دُنْیَاکُمْ ھٰذِہ اَزْھدَ عِنْدِیْ مِنْ عَفَطَةِ عَنْزٍ “ (8)

دیکھو! اس ذات کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور ذی روح چیزیں پیدا کیں ،اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی اور مدد کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ھو گئی ھوتی ، اور خدا وندعالم نے علماء سے یہ عھد و پیمان نہ لیتا کہ وہ ظالم کی شکم پری اورمظلوم کی گرسنگی پر سکون وقرار سے نہ بیٹھیں تو میں خلافت کی باگ ڈور اسی کے کندھے پر ڈال دیتا اور اس کے آخر کو پھلے والے کے کاسہ سے سیراب کرتا اور میری نظر میںتمھاری دنیا کی قیمت بکری کی ناک سے بھتے پانی کی طرح ھے۔

لیکن ابھی حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کو صرف چند ھی دن گذرے تھے کہ دنیا پرست اور تبعیض اور بے عدالتی چاھنے والوں نیز اپنے کو دوسروں سے بھتر جاننے والے حضرت علی علیہ السلام کی عدالت کو برداشت نہ کرسکے اسی طرح وہ لوگ جو حضرت علی علیہ السلام کی حکومت میں اپنی شیطانی تمناؤں اور غاصب اور غیر قانونی حکومت کو خطرہ میں دیکہ رھے تھے ، اسی طرح وہ سادہ لوح مسلمان جو صحیح اسلامی نظریہ کو سمجھنے سے قاصر تھے نیز ان کی فکر پست اور ھٹ دھرمی کی وجہ سے حضرت علی علیہ السلام کی عظیم حکمت عملی کو نھیں سمجھ رھے تھے، یہ تمام لوگ ایک کے بعد ایک فتنہ وفساد اور آشوب برپا کرنے لگے ، چنانچہ جنگ جمل، جنگ صفین اور آخر کار جنگ نھروان رونما ھوئیں اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام ایک اسلامی حاکم کے عنوان سے ؛ جب آپ نے الٰھی اور اسلامی قوانین و احکام کو خطرہ میں دیکھا تو آپ کا کیا وظیفہ تھا؟ کیا آپ ھاتہ پر ھاتہ رکھے تماشا دیکھتے رھتے!! اور فتنہ وفساد اور آشوب کی روک تھام نہ کرتے؟! کیونکہ تشدد اور شدت پسندی محکوم اور مذموم ھے؟!!

لیکن حضرت علی علیہ السلام نے اس وقت اسلامی حکومت اور اس کے ارکان کی حفاظت کے خاطر تلوار اٹھالی اور باغی اور سرکش لوگوں کے ساتھ جنگ کی ، جنگ جمل میں بھت سے صحابی رسول یھاں تک کہ طلحہ و زبیر جو مدتوں تک رسول اکرم (ص) کے ساتھ مل جھاد کرتے تھے؛ کو قتل کیا حالانکہ زبیر آپ کا پھوپھی زاد بھائی تھا اور اس کی جانفشانی اور آنحضرت (ص) کے بزم میں اپنے صلاحیت کی وجہ سے آنحضرت (ص) نے اس کے لئے دعا فرمائی ھے، لیکن حضرت علی علیہ السلام نے نھیں فرمایا: کہ اے زبیر ! تو میرا پھوپھی زاد بھائی ھے اور دونوں دوستی کرلیں، اور میں تجھ سے نرم رویہ اختیار کروں گا اور تیری چاھتوں کو پورا کردو ں گا بلکہ آپ نے اس عقیدہ کے ساتھ کہ چونکہ میری حکومت حق ھے لہٰذا جو لوگ اس کے مقابلہ میں سرکشی کریں گے ان کو پسپا کردیا جائے لہٰذا آپ نے پھلے ان کو وعظ اور نصیحت فرمائی لیکن جب انھوں نے نہ مانا تو پھر تلوار کا سھارا لیا اور ان کو پسپا کردیا اور بھت سے لوگوں کو قتل کر ڈالا کیونکہ آپ کی نظر میں خدا اور مسلمانوں کا حق ذاتی مفاد سے کھیں بالاتر تھا اور اسلامی نظام کو باقی رکھنے کے لئے تشدد اور شدت پسندی کو ضروری سمجھا؛ کیونکہ اسلامی نظام کی حفاظت کے لئے تشدد اور شدت عمل کو واجب سمجھتے تھے۔

9۔ سازش کرنے والوںاور زر خرید غلاموں کے مقابلہ میں عوام الناس کی ھوشیاری

قارئین کرام ! اسلامی انقلاب سے پھلے جب اسلامی حکومت تشکیل نھیں ھوئی تھی حضرت امام خمینی رحمة اللہ علیہ اپنی تقاریر اور مکاتبات کے ذریعہ عوام الناس کی ھدایت اوررا ھنمائی کرتے تھے اور حکومت کو نصیحت فرمایا کرتے تھے؛ لیکن جس وقت لوگوں نے امام خمینی (رہ) کی بیعت کی اور اسلام پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ھوگئے اور اسلام دشمن طاقتوں کو ملک سے باھر نکالنا چاھتے تھے اور اس ملک میں اسلامی و الٰھی حکومت کے خوھاں تھے، اس وقت حضرت امام خمینی (رہ) نے حکومت کی ذمہ داری قبول کی اور فرمایا:

”میں اس ولایت کی مشروعیت کی بنا پر جس کو خداوندعالم نے مجھے عطا فرمائی ھے نیز آپ حضرات کی مدد اور کمک کے ذریعہ اس حکومت کا جنازہ نکال دونگا اور خود حکومت بناؤں گا۔“

یعنی امام خمینی (رہ)ولی فقیہ کے عنوان سے عوام الناس پر حکومت کا حق رکھتے تھے اور آپ کی ولایت الٰھی مشروعیت اور قانونیت رکھتی تھی، لیکن جب تک عوام الناس میدان میں نہ آئی اور آپ کی بیعت نہ کی ، اس وقت تک اس ولایت نے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

عینی تحقق پیدا نہ کیا؛ لیکن عوام الناس کے میدان میں آنے اور انقلابی صحنوں کم نظیر حاضر ہونے اور راہ اسلام و رہبری کی اتباع کرنے میں وفاداری اور جانفشانی کے اعلان کے بعد ، وہ الٰھی ولایت عینی تحقق موجود ھوگئی اور اسلامی حکومت تشکیل ھوگئی۔
بے شک کہ اس اسلامی حکومت کو لاکھوں شھیدوں کا خون دینا پڑا ھے جس کی وجہ سے آج بھی باقی ھے اور بھت عظیم فدارکار اور انقلاب کے فداکاروں کے ذریعہ اس ملک کی سر حد اور انقلابی اقدار کی حفاظت میں مشغول ھیں لٰھذا چند زر خرید غلاموں کے ذریعہ اس کو کوئی نقصان نھیں پھونچنا چاھئے ھمارے عوام الناس اس چیز کی کبھی اجازت نھیں دیں گے کہ چند خود فروش مزدوروں کے ذریعہ ؛ اسلامی مصالح، لوگوں کی جان ومال اور ناموس خطرہ میں پڑ جائیں جو لوگ اس مرحلہ میں (18 تیر ماہ 1378ھجری شمسی کے بعد سے(9) کچھ آشوب بپا کرنے والے مزدوروں اور دوسروں کی روٹیوں پر پلنے والے سڑکوں پر نکل کر آشوب بپا کرنے لگے اور لوگوں کے گھروں، دکانوں وغیرہ کو آگ لگائیں اور بھت زیادہ لوٹ مار کریں، لوگوں کی ناموس اور عزت کو پامال کریں ، تو کیا ان تمام لوگوں کا سختی کے ساتھ مقابلہ نہ کیا جائے؟!! اور کیا اسلام تشدد کی اجازت نھیں دیتا؟! یا یہ کہ ان لوگوں نے اسلام کو نھیں پھچانا ، یا پھر وہ مسلمانوں کے ساتھ خیانت کرنا چاھتے ھیں!!
ھنسی اور لوریاں دے کر تو آشوب گری سے روک تھام نھیں کی جاسکتی، ان کے مقابلہ میں پولیس، تشدد اور شدت عمل کے ذریعہ برتاؤ کیا جائے اور طاقت کے بل بوتے پر ان کی روک تھام ھوسکتی ھے، جس کے بعد پھر کبھی ملک میں اس طرح کے درد ناک حوادث رونما نہ ھونے پائیں کیونکہ ھمارے برادران ان لوگوں کے فریب میں نھیں آئیں گے جو کھتے ھیں کہ تشدد اور شدت پسندی ھمیشہ اور مطلقاً ممنوع ھے، ان کی باتوں کو نھیں مانیں گے اور اگر آج تک صبر کیا اور خون جگر پیا ھے تو وہ مقام معظم رھبری حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای مد ظلہ کی طاعت اور فرمانبر داری کی وجہ سے ھے، ورنہ تو جب ھمارے فداکار لوگوں کو یہ احساس ھوجائے کہ مقام معظم رھبری فلاں کام پر دل سے راضی نھیں ھیں تو پھر ان کی مرضی کے لئے اپنی جان کی بازی بھی لگاسکتے ھیں چنانچہ پوری دنیا نے دیکھا کہ جب مقام معظم رھبری نے ساکت رھنے اور آرام سے رھنے کے لئے کھا تو سبھی لوگ آپ کی اطاعت اور عمومی مصالح کی بنا پر سب بیٹھے دیکھتے رھے اور خون جگر پیتے رھے اور جب تک آپ کا اشارہ نہ ھوا سڑکوں پر نہ آئے اور مظاھرے نہ کئے، لیکن جیسے ھی انقلاب سے وفاداری کے اعلان کا وقت آپھنچا تو دشمنونکو دکھادیا کہ ھم ھمیشہ اسلام اور انقلاب سے دفاع کرنے کے لئے حاضر ھیں، پورے ملک میں وہ عظیم مظاھرے ھوئے جن پردنیا بھر کے لوگوں اور خود دشمنوں نے تعجب کیا۔

حوالے

(1)سورہ شعراء آیت 3 تا 4
(2) سورہ توبہ آیت 12
(3)سورہ آل عمران آیت 159
(۴) سورہ توبہ آیت 73
(5) سورہ بقرہ آیت 1950 تا 191
(6) سورہ فتح آیت 29
(7)سورہ احقاف آیت 35
(8(نھج البلاغہ خطبہ نمبر 3
(9)یہ تھران یونیورسٹی میں ھونے والے حادثہ کی طرف اشارہ ھے جس کی آگ وھاں سے شروع ھوکر شھر کے مختلف مقامات تک پھنچی اور جس میں امریکہ غلاموں نے قتل وغارت اور بربریت کا وہ کھیل کھیلا جس سے انسانیت لرز اٹھی یھاں تک کہ عبادت گاھوں اور مساجد میں آگ لگادی گئی (مترجم(

سینتیسواں جلسہ

تشدد کے سلسلہ میں ایک تحقیق

1- گذشتہ مطالب پر ایک نظر
ھم نے عرض کیا کہ اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ھوتی ھے کہ معاشرہ میں اسلامی قوانین نافذ کرے اور امن وامان

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

برقرار رکھے نیز ملک کو اندرونی اور بیرونی خطرات سے محفوظ رکھے ظاھر سی بات ھے کہ اس سلسلہ میں پولیس ، طاقت اور تشدد سے کام لیا جائے گا اور جو لوگ اسلامی ملک سے دشمنی اور عناد کی بنا پر جنگ وجدال کرتے ھیں؛ ان سے پیار ومحبت اور نرمی کے ساتھ مقابلہ نہیں کیا جاسکتا، یا وہ لوگ جو اندرون ملک شیطانی حرکتوں کے تحت فساد کرتے ھیں ؛ ان سے پیار ومحبت کے ذریعہ ان سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

ھم نے یہ بھی عرض کیا کہ جس طرح سے اسلامی قوانین رحمت ومحبت اور مہربانی پر مبنی ھوتے ھیں اور اسلام پیام دوستی ومحبت دیتا ھے؛ اسی طرح خاص مواقع پر طاقت، سخت رویّےاور خشونت (شدت پسندی)سے بھی کام لیا جاتا ھے، اور اسلام مجرموں اورفساد کرنے والوں کے ساتھ مقابلہ کرنے اور سزا دینے کا بھی حکم دیتا ھے لیکن چونکہ یہ بحث ایک فرعی تھی اور اس بحث کا شمار ھماری اصلی بحث میں نہیں ھوتا، لہٰذا مختصر طور پر اس سلسلہ میں گفتگو ھوئی لیکن حق مطلب ادا نہیں ھوسکا لیکن اس سلسلہ میں اخباروں اور جرائد میں ھونے والے عکس العمل (ری ایکشن) سے اندازہ ھوتا ھے کہ محبت اور تشدد کے سلسلہ میں مزید تفصیلی بحث کی ضرورت ھے، لہٰذا اس جلسہ کے لحاظ سے اس موضوع پربعض چیزیں بیان کرتے ھیں۔

2۔ دشمنوں کی طرف اسلام کے خلاف پروپیگنڈا اور کارکردگی

ایک زمانہ سے اسلام کے دشمنوں نے دین اسلام کو تشدد اور شدت پسندی کا دین قرار دے رکھا ھے اور کھتے ھیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ھے، کیونکہ اسلام نے دشمنوں سے جھاد اور مقابلہ کو قابل ستائش قرار دیا ھے، چنانچہ قرآنی بھت سی آیات جھاد کے بارے میں موجود ھیں، اور جھاد کو فروع دین قرار دیا گیا ھے۔

چنانچہ بعض لوگ اس مسئلہ سے نا جائز فائدہ اٹھاتے ھوئے کھتے ھیں کہ اسلام، تشدد اور شدت پسندی کا دین ھے ، اور اسلام پھیلانے کے لئے طاقت اور تلوار کا استعمال کیا گیا ھے، یعنی لوگوں نے ڈر کر اسلام کوقبول کیا ھے ان کے مقابلہ میں بعض لوگوں نے اس نظریہ سے متاثر ھوتے ھوئے دفاعی لھجہ اختیار رکرتے ھوئے کھا کہ اسلام میں تشدد نہیں ھے، اسلام ھمیشہ پیار ومحبت کی دعوت دیتا ھے، اور جھاد یا شدت پسندی کے مسائل ایک خاص زمانہ اور خاص مقام سے مخصوص تھے ، عصر حاضر میں ان مسائل سے کوئی سروکار نہیں ھے، اور ان کو (آج کل) بیان بھی نہیں کرنا چاھئے، آج کل صرف پیار محبت اور جھک کر باتیں کرنا چاھئے!

ھماری ملت جانتی ھے کہ دشمن کن اغراض ومقاصد کے تحت اسلام کے خلاف پروپیگنڈاکررھا ھے لہٰذا ھماری ملت دشمن کے پروپیگنڈے سے متاثر نہیں ھوتی لیکن توجہ رھے کہ مسئلہ یھی پر ختم نہیں ھوتا بلکہ اس سے آگے قدم رکھا جاتا ھے ، اور جیسا کہ آپ حضرات جانتے ھیں کہ آج اسلامی دشمن طاقتیں نئے نئے طریقوں سے اسلام کے خلاف پروپیگنڈاکررھی ھیں اور ھر روز مختلف طریقوں؛ جیسے ادبی، ھنری اور دیگر طریقوں سے اسلامی معارف میں شبھات و اعتراضات وارد کررھی ھیں، تاکہ ھماری ثقافت میں خطرناک برے آثار پھیلادیں تاکہ عوام الناس دینی سلسلہ میں کمزور ھوجائیں یہ وہ چیز ھے جس کے بارے میں نفسیاتی اور ذاتی تجربات شھادت دیتے ھیں۔

ھم نے اپنی آنکھوں سے اپنے اسلامی معاشرہ اور دوسرے اسلامی ملکوں کو دیکھا ھے کہ جس وقت اسلام دشمن طاقتیں اپنے مختلف طریقوں سے مسلسل پروپیگنڈاکرتی ھیں اور کسی ایک معاشرہ کو تحت تاثیر قرار دیتی ھیں ، یھاں تک کہ آنے والی نسل (جودشمن کے مد نظر ھوتی ھے) دشمن کی تبلیغ سے متاثر ھوجاتی ھے، اور جوان طبقہ دشمن کے پروپیگنڈے کی زد میں آکر اپنی دینی اور قومی حیثیت بھول جاتا ھے اور جیسا کہ دشمن چاھتا ھے اپنی اصلی حیثیت کو بھول کر دشمن کی پیش کردہ صورت اپنالیتا ھے۔

اگر ھم عصرِ حاضر کی ثقافت خصوصاً روشن خیال رکھنے والوں کے یھاں رائج ثقافت کو دیکھیں تو دشمن کے پروپیگنڈے کے آثار واضح طور پر دکھائی دیں گے، اور ان چیزوں کا بھی مشاھدہ کرلیں گے جو دشمن نے ھماری یھاں رائج کی ھیں ھماری ثقافت میں دشمن کی رائج کردہ چیزوں میں سے آزادی اور ڈیموکریسی ھینجس کو مطلق اقدار کی صورت میں ھمارے معاشرہ میں رائج کردیا گیا ھے، اور ان چیزوں کے بارے میں اس قدر پروپیگنڈا کیا جاتا ھے کہ گویا ایک بت ھے کہ کوئی اس ڈیموکریسی کے خلاف بولنے کی جرائت نہیں کرتا اور نہ ھی اس کے نقائص کو بیان کرسکتا ھے حالانکہ خود مغربی دانشور وں نے ڈیموکریسی کے سلسلہ بھت زیادہ اور سخت تنقید کی ھے، اور آج بھی بھت سے سیاسی فلاسفہ اور سماج ماھرین مختلف مواقع پر ڈیموکریسی کے برخلاف گفتگو کیا کرتے ھیں نیز اس سلسلہ میں کتابیں بھی لکھی جاتی رھی ھیں، اور یھی نہیں بلکہ ان میں سے بعض (بھترین) کتابوں کا دنیا کی مختلف مشھور زبانوں میں ترجمہ ھوتا ھے منجملہ فارسی (و اردو) ، ان کو عوام الناس پڑھتے ھیں؛ لیکن اس زمانہ میں دشمنوں کی طرف سے ڈیموکریسی کے اس طرح مقدس جلوہ دکھائے جاتے ھیں کہ جھان سوم میں کوئی اس کے خلاف بولنے کی جرائت نہیں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کرتا اور اس سلسلہ میں تنقید نہیں کرسکتا، اگر کوئی مغربی ممالک میں رائج ڈیموکریسی اور آزادی کے بارے میں زبان کھولے تو اس کو بیک ورڈ اور ظلم واستبداد جیسی تہمتوں سے نوازا جاتا ھے۔

3- مغربی ممالک میں حقوق بشر کا جھوٹا دعویٰ

بے شک مغربی باشندے اپنے پروپیگنڈوں کے پیچھے ایک خاص مقصد چھپائے ہوئے ھیں، اور اپنے منافع کے خاطر نیز انقلابی ممالک کو اپنے تحت لانے کے لئے ھمیشہ ڈیموکریسی، آزادی اور حقوق بشر کا دم بھرتے ھیں، اور اگر کوئی ان کی مخالفت کرتا ھے تو اس پر ڈیموکریسی کی مخالفت اور حقوق بشر کی پامالی کی تہمت لگاتے ھیں حالانکہ ھم دیکھتے ھیں کہ ظالم ترین اور ڈکٹیٹر "Dictaor" حکومتونکے ظلم وستم کے مقابلہ میں کوئی عکس العمل (ری ایکشن) نہیں دکھایا جاتا، کیونکہ اس حکومت کے ذریعہ ان کے مقاصد پورے ہوتے ھیں بلکہ خود وہ حکومتیں انھیں کی پٹھو ہوتی ھیں۔
قارئین کرام ! ان کے جھوٹے دعوں کا پول تو اس وقت کھلتا ھے جب کسی ملک میں ڈیموکریسی اصول وضوابط کے تحت انتخابات ہوتے ھینلیکن اسلام پسند پارٹی اکثریت میں آجاتی ھے اور وہ پارٹی کامیاب ھوجاتی ھے تو اس وقت ان انتخابات کو باطل قرار دیدیا جاتا ھے؛ اور فوجی بغاوت کے ذریعہ فوجی حکومت قائم کردی جاتی ھے اور ھر روز ھزاروں بے گناہ لوگوں کا خون بھایا جاتا ھے، اور آزادی خواہ مسلمانوں کو سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا جاتا ھے اور حقوق بشر کے یہ جھوٹے نعرے لگانے والے نہ صرف یہ کہ اس حکومت کو حقوق بشر پامال کرنے اور آزادی کی رعایت نہ کرنے کا الزام نہیں لگاتے بلکہ جلد ھی اس حکومت کو تسلیم بھی کرلیتے ھیں اور ان کے کارناموں کی تائید کرتے ھیں اور بہت ھی وسیع پیمانے پر ان کی حمایت کرتے ھیں۔
یا جس وقت صھیونیزم ”سر زمین فلسطین“ پر قبضہ کرتے ھیں اور لوگوں کو اپنے گھروں سے باھر نکال دیتے ھیں اور ھزاروں بے گناہ لوگوں کا خون بھاتے ھیں اور لاکھوں لوگوں کو اپنے ملک سے باھر نکال دیتے ھیں،اس وقت کوئی نہیں کھتا کہ ان کا یہ کام حقوق بشر کے خلاف ھے بلکہ طاقتور ممالک اور سوپر پاور ممالک اس غاصب اور قابض حکومت کو تسلیم کرلیتے ھیں، جبکہ یہ ظالم اور غاصب حکومت اس سر زمین کے اصلی مالکوں کا قتل عام کرتی ھے اور ان کے گھروں کو مسمار کر رھی ھے، لیکن ان سب کو دیکہ حقوق بشر کا نعرہ لگانے والے کوئی اعتراض نہیں کرتے صرف کبھی کبھار اقوام متحدہ اپنی سیاست کے تحت کوئی بے معنی اور غیر موثر حکم صادر کرتی ھے اور عملی طور پر اس غاصب وظالم حکومت کو گرین لائٹ دکھاتی ھے کہ اگر اس حکم نامہ پر عمل نہ بھی کیا تو کوئی بات نہیں کوئی مشکل پیش آنے والی نہیں ھے اور کسی طرح کا کوئی ایکشن نہیں لیا جائے گا۔
جب کہ ھم دیکھتے ھیں کہ دسیوں حکم نامہ اسرائیل غاصب کے خلاف دئے جاچکے ھیں لیکن اس نے کسی پر بھی عمل نہیں کیا ھے اورھمیشہ ان کی مخالفت کرتا رھا ھے ، لیکن نہ یہ کہ کبھی اس کو سزا دی گئی بلکہ انعام کے طور پر اس کو کروڑوں ڈالر کی (بلا عوض) امداد کی جاتی ھے اور بڑے بڑے اسلحے، مھلک ھتھیار (آئیٹم بم) بنانے کی ٹکنالوجی دی جاتی ھے توکیا کوئی حکومت اور حقوق بشر کا دفاع کرنے والوں نے اس غاصب اسرائیل کے بارے میں جو انسانوں کے روز مرہ کے حقوق بھی پامال کر رھا ھے اور اقوام متحدہ کے حکم ناموں کو بھی نہیں مانتا او رھمیشہ ان کی مخالفت کرتا ھے، کیا اس کو کبھی کسی نے ڈیموکریسی اور حقوق بشر کا مخالف قرار دیا؟!!

4- اسلامی نظام پر تشدد طلب ہونے کا الزام اور اس کے خلاف سازشیں

ھمارے ملک میناسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد (اسلام دشمن طاقتوں نے) تشدد کے سلسلہ میں بہت زیادہ پروپیگنڈا کیا ھے، سب سے پھلے یہ کھا کہ شاہ پھلوی کی قانونی حکومت کے سامنے قیام کرنا تشدد ھے اور انقلاب کی کامیابی کے بعد، جب منافقین گروھوں نے عوام الناس کو اپنے غیر اسلامی اھداف سے ھم آھنگ نہ پایا تو انھوں نے انقلاب اور عوام الناس سے مقابلہ شروع کردیا اور دینی اور سیاسی مھم شخصیتوں کو قتل کرنے لگے یھاں تک کہ بے گناہ لوگوں پر بھی رحم نہ کیا، جس کے بعد عوام الناس نے بھی ان سے مقابلہ شروع کردیا اور ان کو ملک سے بھگادیا؛ اس روز سے آج سے مغربی ممالک ھمارے خلاف پروپیگنڈا کرتے ھیں اور کھتے ھیں کہ منافقین سے ایسا برتاؤ کرنا تشدد ھے! کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ ان منافقین کے گروھوں نے کس قدر ھمارے ملک کو نقصانات پھونچائے ھیں کوئی مھم شخصیتوں کے قتل کی مذمت نھینکرتا ھے، لیکن جس وقت ایک ملت اپنے دین اور ملک سے دفاع کرنے کے لئے قیام کرتی ھے اور ٹرورسٹوں "Terroristes"کو پسپاکرتی ھے اور ان میں سے بعض لوگوں کو سزائے اعمال تک پھنچاتی ھے اور بعض کو ملک بدر کرتی ھے تو اس وقت شور و غل مچاتے ھیں کہ یہ سب کچھ حقوق بشر کے خلاف ھے!!
اسی طرح جب 18 تیر ماہ 1378ئہ شمسی کے بعد بعض فتہ وفساد برپا کرنے والے بیت المال، عوامی مال دولت، بینک،

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ذاتی اور سرکاری گاڑیوں یھاں تک کہ مسجدوں میں بھی آگ لگادیتے ھیں اور عورتوں کو بے آبرو کرتے ھیں عورتوں کے سروں سے چادر چھین لیتے ھیں؛ اس وقت کوئی نھیں کھتا کہ یہ کام حقوق بشر کے خلاف ھے ، بلکہ ان لوگوں کو اصلاح طلب اورڈیموکریسی و آزادی کا طرف دار کھا جاتا ھے! لیکن اگر اسلامی جمھوری ایران اور فدا کار بسیجی (عوامی رضاکار فوج) بے خوف وخطر ان سے مقابلہ کرتی ھے اور دین و شرف اور اپنے محبوب نظام سے دفاع کے لئے اٹھ کھڑی ھوتی ھے اور فتنہ وفساد پھیلانے والوں کا قلع وقمع کرتی ھے تو اس موقع پر یہ لوگ فلک شگاف نعرے لگاتے ھیں کہ ایران میں آزادی نھیں ھے، اور ایرانی نظام حکومت ڈکٹیٹر شپ"Dictaorship" ھے!!

مغربی ممالک اپنے دعوی کے باطل ھونے کو جانتے ھیں لہٰذا انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد سے اسلامی نظام کو درھم و برھم کرنے کے لئے اس طرح کے پروپیگنڈے کیا کرتے ھیں اگرچہ ھم ان کے نحس مقاصد اور ارادوں سے بے خبر نھیں ھیں، لیکن وہ اپنے تجربات کی بنا پر اچھی طرح جانتے ھیں کہ کس طرح ایک نظام کو سرنگوں کیا جاتا ھے چاھے پچاس سال کے بعد ھی کیوں نہ ھو، (اگرچہ ان کا یہ خیال باطل اور بے ھودہ ھے) لہٰذا وہ ابھی سے اس سلسلہ میں مختلف طریقوں سے بھت زیادہ کارکردگی کر رھے ھیں ان کا مقصد یہ ھے کہ انقلاب کی ایک دو نسل گذرنے کے بعد جنھوں نے انقلاب کو نھیں سمجھا ھے اور انقلاب سے پھلے مفاسد اور شاہ پھلوی کے ظلم و جور کو نھیں دیکھا ھے اور اسلامی نتائج سے آگاھی نھیں رکھتے نیز حضرت امام خمینی (رہ) اور ان کے ساتھیوں کے تربیت یافتہ نھیں ھے، یہ سبب ان کے پروپیگنڈونسے متاثر ھوجائیں گے؛ تاکہ اسلامی حکومت کو سرنگون کرکے اپنی مرضی کی حکومت تشکیل دیں جس کو آج کی اصطلاح میں ڈیموکراٹک "Democratic"کھا جاتا ھے۔

5۔ لوگوں میں انتخابات سے بائیکاٹ کا راستہ ھموار کرنا

یہ لوگ اپنے نحس مقاصد تک پھنچنے کے لئے حساب شدہ منصوبہ بندی کرتے ھیں اور ثقافتی بنیادی فعالیت انجام دیتے ھیں اور موثر و کارگر وسائل کو بروئے کار لاتے ھیں انقلاب کی کامیابی کے بعد سے (خصوصاً آخری چند سالوں سے) جن الفاظ سے استفادہ کرتے ھیں ، ان میں سے تساھل (سستی) تسامح (لاپرواھی) اور مدارا(تال میل) ھیں جن کو مطلق اقدار کے عنوان سے پیش کرتے ھیں، اور اس کے مقابلہ مینقاطعیت اور تشدد کی مطلق طور پر مذمت کرتے ھیں۔

اس نظریہ کی دلیل یہ ھے کہ انھوں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا ھے کہ جو چیز نظام اسلامی کے بقاء کی ضامن ھے وہ ھے عوام الناس خصوصاً جوانوں اور بسیجیوں کا اسلام اور رھبری سے لگاؤ اور محبت ھے ؛ یھاں تک کہ ان اقدار کی حفاظت (جو کہ لاکھوں شھیدوں کے خون کی برکت سے حاصل ھوا ھے) ؛ کے لئے اپنی جان سے کھیلنے کے لئے حاضر ھیں یہ لوگ علم و ادب اور ثقافتی پروپیگنڈوں سے عوام الناس کی شجاعت، ایثار، بھادری، معنوی طاقت اور دینی غیرت کو چھین لینا چاھتے ھیں اسی وجہ سے منفی ، غیر انسانی اور ظالمانہ تشدد جو دنیا بھر میں ھوتی رھتی ھے، اور جس کے تباہ کن نتائج ھر روز دیکھنے میں آتے رھتے ھیں؛ اس کو ھمارے سامنے بیان کرتے ھیں تاکہ یہ سمجھائیں کہ تشدد کے یہ برے نتائج ھوتے ھیں؛ لہٰذا کسی بھی طرح کی کوئی تشدد صحیح نھیں ھے بلکہ مذموم ھے یھاں تک کہ اگر کوئی غیظ وغضب مینکچھ کھے، یا” امریکہ مردہ باد“ کے نعرہ لگائے یا فساد پھیلانے والوں سے مقابلہ کرے اوران کو کچل دے ، تو ان کا یہ کام تشدد ، شدت پسندی اور محکوم و مذموم ھے۔

ان لوگوں مقصد یہ ھے کہ اس طرح انقلابی اقدار کا دفاع کرنے والوں کو شدت پسندی کانام دے کر عوام الناس کو سست کردیں تاکہ کوئی ان کی خطرناک سازشوں سے مقابلہ کے لئے کھڑا نہ ھو ، اور اپنے خیال ناقص میں 28 مرداد 1332ھجری شمسی کی بغاوت کی طرح ایک دوسری بغاوت کرادیں اور جیسا کہ ان لوگوں کا کام ھے 28 مرداد میں مٹھی بھربد معاش، لچّے لفنگے لوگوں کے ذریعہ بغاوت کرادی اور انھوں نے لوگوں کی جان ومال اور ناموس پر حملہ کیا اور دشمن کے نقشہ کو عملی جامہ پھنادیا؛ اسی طرح 18 تیر ماہ 1378ئہ شمسی کو بھی اپنے ناپاک منصوبہ کے لئے مناسب پایا اور ملک میں بغاوت پھیلادی چنانچہ ان لوگوں نے اس سلسلہ میں بھت زیادہ مطالعہ اور تحقیق ، بھت زیادہ خرچ کرکے سادہ لوح افراد کو فریب دینے کے لئے اس کام کے مقدمات پھلے سے تیار کررکھے تھے جیسا کہ اس حادثہ میں ملوث افراد نے خود اپنے انٹر یو میں اس بات کا اقرار کیا کہ انھوں نے امریکہ سے پیسہ اور فکری امداد حاصل کی تھی ، یہ سب اسی حقیقت کی عکاسی ھے تاکہ جب موقع پائیں تو بد معاش اور لچّے لفنگے لوگوں کو میدان میں اتار دیں تاکہ یہ لوگ اندرونی اور بیرونی میڈیا کی امداد اور مختلف طریقوں سے کمک کے ذریعہ بدامنی پھیلائیں اور دکانوں ، گھروں اور دفتروں کو آگ لگائیں خلاصہ بغاوت کے نقشہ کو عملی جامہ پھنادیں۔

جی ھاں، یہ لوگ شدت پسندی کو برا اور مذموم کھہ کھہ کر عوام الناس میں مقابلہ کے حوصلوں کمزور کرنا چاھتے تھے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

نیز انقلاب سے دفاع کے سلسلہ میں ان کے حوصلے پست کرنا مقصود ہے،تاکہ جب ضد انسانی اور ضد انقلابی کارناموں کا نظارہ کریں اور عوام الناس کے مال و دولت کو غارت ہوتے دیکھیں نیز سرکاری ملکیت کو نابود ہوتا ملاحظہ کریں اور خود فروش لوگوں کے ذریعہ بلوا ہوتے دیکھیں تو سب کے سب خاموش بیٹھے تماشا دیکھتے رہیں اور فتنہ و فساد پھیلانے والوں کو کچلنے کی فکر نہ کریں بلکہ صرف تباھی پھیلانے والوں سے آرام کے ساتھ گفتگو کرنے کی دعوت دیں اور ان کے مطالبات کو سنیں اور ان سے کھیں کہ ھاں تمھیں اعتراض کرنے کا حق ہے، تم واقعاً پریشان ہو، لہٰذا تم اپنی طرف سے کسی کو نمائندہ بنا کر بھیجو تاکہ آپس میں بیٹھ کر آرام کے ساتھ گفتگو کریں، تمھارے مطالبات کو پورا کیا جائے گا، آؤ اور آپس میں سمجھوتہ کرلیں کچھ تم لوگ اپنے مطالبات کم کرو اور کچھ ھم اپنی سیاست سے پیچھے ہٹیں۔
جب کہ یہ بات ظاھر ہے کہ ان کے مطالبات قوانین اسلامی کو ختم کرنے، اسلامی شعارکو حذف کرنے ، اور اسلام کا دفاع نہ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہوں گے، اور ان سب مطالبات کو مان لینے کے بعدملکی پیمانہ پر ایک بھت بڑی بغاوت رونما ہوجائے گا جس کے نتیجہ میں اسلامی اقدار کا خاتمہ ہوجائے گا، اور اگر دوسرے ممالک کی امداد کی ضرورت ہوگی (جیسا کہ پھلے سے طے ہوچکا تھا) مشرقی اور مغربی سرحدپار سے ملک پر حملہ کرکے اس نظام کا خاتمہ کر دیا جائے گا اور پھر اپنی مرضی کے مطابق کسی کو حاکم بنادیا جائے گا۔

6- اسلامی مقدسات کی توھین کرنے والوں اور ثقافتی سازشوں سے مقابلہ کی ضرورت
المختصر : ان آخری چند سال سے تشدد اور شدت پسندی کے مسئلہ کو مطلق طور پر اقدار کے مخالف قرار دیتے ھیں اور اس کے مقابلہ میں سستی، لاپرواھی اور تال میل کو مطلق اقدر کے عنوان سے بیان کرتے ھیں،اور مختلف میڈیا کے ذریعہ یہ پروپیگنڈے اس قدر وسیع پیمانے پر حساب شدہ ہوتے ھیںکہ بعض اوقات تو بعض خواص (خاص الخاص افراد) بھی دھوکہ کھاجاتے ھیں، اور دشمن کے جال میں پھنس جاتے ھیں جب کہ ان لوگوں کا ھدف مسلمانوں سے دینی غیرت کو چھین لینے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، تاکہ ضرورت کے وقت اسلام کے دفاع کے لئے کھڑے نہ ہونے پائیں اس بات پر گواہ ابھی کے تازہ ہونے والے واقعات ھیں اور بھت سی سازشیں تو ابھی تک فاش نہیں ہوئی ھیں اور(انشاء اللہ) آھستہ آھستہ معلوم ہوجائیں گی۔
اسی وجہ سے حقیر نے اپنی تشخیص کے مطابق یہ احساس کیا کہ نظام اسلامی کو درھم وبرھم کرنے کے لئے ایک بھت بڑی سازش ثقافتی خطرہ در پیش ہے،لہٰذا یہ طے کیا کہ دشمنوں کی طرف سے ہوئے اعتراضات اور شبھات کا جواب دے اور ان کی ثقافتی سازشوں کو فاش کیا جائے، اور اپنے برادران کو ھوشیار کروں نیز جو لوگ دشمن کے پروپیگنڈوں کی زد میں آکر خواب غفلت میں سوئے ہوئے ھیں ان کو بیدار کروں، اور کم سے کم دشمن کی طرف سے ہوئے پروپیگنڈوں کی وجہ سے پیدا ہونے والے جھوٹے عقائد اور نظریات میں شک وتردید پیدا کریں، اوردینی اور ثقافتی عھدہ داروں کو در پیش عظیم خطرات سے آگاہ کروناور اپنے سوالات کو پیش کرکے معاشرہ کو متوجہ کروں تاکہ دشمن کے غلط پروپیگنڈوں کا اثر کم سے کم ہو۔
حقیر نے اپنا وظیفہ سمجھتے ہوئے یہ طے کیا کہ ”مطلق تشدد کے نفی“ کے بت کو توڑ ڈالوں، اور ھر تشدد کو برا نیز ھر نرمی اور پیار محبت کو اچھا کھنے والے تصور کی نفی کروں اسی وجہ سے ھم نے اس سے پھلے بھی جلسہ میں عرض کیا تھا کہ ھر مطلق تشدد او رشدت پسندی محکوم او رمذموم نہیں ہے اور ھر نرمی اور پیار و محبت اچھا نہیں ہے، بلکہ ھر ایک کے لئے مخصوص موقع و محل ہوتا ہے جیسا کہ یھی گفتگو آزادی کے سلسلہ میں بھی کی اور عرض کیا کہ مطلق آزادی اچھی نہیں ہے بلکہ مطلق آزادی باطل اور مردود ہے ، ھم اس آزادی کی قدر کرتے ھیں جو قوانین اسلامی اور دینی اقدار کے تحت ہو حالانکہ ھماری یہ باتیں سن کر بعض لوگ غضب ناک ہوگئے کہ فلاں صاحب آزادی کے خلاف گفتگو کررھے ھیں لیکن جب ان کو آزادی کے نعرے لگانے والوں کی سازشوں کا پتہ چل گیا تو ان پر یہ بات واضح ہوگئی کہ بعض لوگ اس آزادی کا پرچم بلند کرکے دین اور اسلامی اقدار اور مقدسات کی نابودی چاھتے ھیں؛ یھاں تک ھماری حکومت کے ایک بڑے عھدہ دار جو کہ ایک سیاسی شخصیت مانی جاتی ہے اپنی ایک تقریر میں کھتے ھیں:
”ھماری عوام الناس آزاد ہے یھاں تک خدا کے خلاف بھی مظاھرہ کرسکتے ھیں“ !!
چنانچہ (بعض) دوستوں نے واضح طور پر کھا کہ وہ آزادی مطلوب اور مقصود ہے جو اسلامی قوانین اور دینی اقدار کے تحت ہو اور اگر اس طرح کی باتیں بیان نہ کی جاتی تو معاشرہ کو وہ جھٹکا نہ لگتااور شایدحکومتی عھداران بھی یہ احساس نہ کرتے کہ ھم ”اسلامی قوانین اور دینی اقدار کے تحت آزادی“ کی طرف داری کریں نہ کہ مطلق آزادی کی۔
اور آج اگر ھم یہ کھتے ھیں کہ تشدد مطلقاً مذموم نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ مطلق تشدد کے نفی کے پرچم کے نیچے اسلام اور اسلامی اقدار کے دفاع میں ھر اٹھنے والے قدم کو تشدد کا نام دےتے ہوئے اس کی مذمت کرتے ھیں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اور یہ ایک حقیقت ھے نہ صرف یہ کہ ھمارے ذھن کی ایک پیداوار ، تاکہ بعض لوگ یہ کھیں کہ فلاں کی باتیں تو خیال خام اور ھوائی گولیاں ھوتی ھیں اتفاق سے ھمارے پاس اس بات پر بھت سے شواھد بھی ھیں ، اگرچہ سب کو بیان کرنے کی فرصت نھیں ھے، صرف ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ھیں: ایک موقع پر بعض لوگوں نے جھاد کے سلسلہ میں اعتراض کیا اور اس کو تشدد اور شدت پسندی کا نام دیدیا ، جن میں سے ایک صاحب نے تھران یونیورسٹی میں محرم کے پھلے عشرہ میں اپنے تقریر کے دوران کھا: حضرت امام حسین علیہ السلام کا میدان کربلا میں قتل ھونا ؛جنگ بدر میں رسول اکرم (ص) کی تشدد کا ایک عکس العمل تھا!

یعنی یہ شخص حضرت رسول اکرم (ص) کی اسلامی جنگوں اور غزوات کو بھی محکوم کرتا ھے اور کھتا ھے کہ جب پیغمبراکرم (ص) نے مشرکین کو قتل کیا تو ان کی آل و اولاد پیغمبر کی آل و اولاد کو قتل کرتی، اور اگر پیغمبر ان کو قتل نہ کرتے تو ان کی اولاد بھی قتل نہ کی جاتی!! درحقیقت وہ یزیدوں کو بری الذمہ اور اسلام وپیامبر اسلام (ص) کو محکوم کرتا ھے اور افسوس کا مقام یہ ھے کہ ان باتوں کو سن کرجو کہ پیغمبر اکرم (ص) کی توھین ھے اور امام حسین علیہ السلام کی شخصیت نیز واقعہ کربلا میں تحریف ھے اور ضروریات دین کا انکار ھے، نہ صرف یہ کہ کوئی کچھ نھیں کھتا بلکہ بعض اخباروں اور جرائد میں اس شخص کی پوری تقریر چھپتی ھے اور وہ بھی صفحہ اول پر!! افسوس کہ ھمارے حکومتی عھدہ داران اس سلسلہ میں کوئی حساسیت نھیں دکھاتے حضرت امام حسین علیہ السلام کے نام پر انقلاب برپا ھونے والے اور امام حسین (ع) کے نام سے باقی رھنے والے اسی ملک میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے قیام کو تحریف کرکے پیش کیا جاتا ھے اور یہ نتیجہ لیا جاتا ھے کہ اگر ھم چاھتے ھیں کہ اس طرح کے واقعات دوبارہ پیش نہ آئیں اور ھمارے زمانہ کے حسین قتل نہ ھوں تو ھمیں بھی تشدد آمیز برتاؤ اور شدت پسندی کو ترک کرنا ھوگا!!

اور اب ھم اس مقالہ نگار سے مخاطب ھے جس کا مقالہ ایک کثیر الانتشار اخبار میں چھپ چکا ھے ، چنانچہ وہ لکھتا ھے کہ فلاں صاحب موضوع سے الگ اورھوا میں باتیں کرتے ھیں اور ھم سے خطاب کیا ھے کہ اپنی گفتگو پر تجدید نظر کریں کیا ھم ھوا میں باتیں کرتے ھیں یا عصرِ حاضر کے اپنے معاشرہ وسماج کی؟ کیا ھماری باتیں اسی موضوع سے متعلق نھیں ھیں جو ھمارے ملک میں رائج ھے، اور کیا ھماری باتیں اسی حقیقت سے متعلق نھیں ھے جو ھر روز ھمارے ملک میں رونما ھوتی جارھی ھے؟ آیا ھم اپنی باتوں میں تجدید نظر کریں یا آپ کہ ایک وقت آپ ”بین الاقوامی اسلامی“ پارٹی کے عضو تھے اور فدائیان اسلام کی حمایت کو ایک افتخار سمجھتے تھے؟

قارئین کرام! یھاں پر ھم ضروری سمجھتے ھیں کہ حضرت امام خمینی علیہ الرحمۃکا نورانی اور مشکل کشا کلام کی طرف اشارہ کریں جس میں موصوف نے آزادی کے پرچم کے نیچے پوشیدہ کن کن ثقافتی خطرات کو بیان کیا ھے:

” اب میری وصیت ھے حال حاضر اور آئندہ کی مجلس شورای اسلامی (پارلیمنٹ) اور اس وقت کے رئیس جمھور(صدر مملکت) اور ان کے بعد والے صدر، شورای نگھبان، شورای قضائی اور ھر زمانہ کی حکومت؛ سب کو چاھئے کہ میڈیا، جرائد اور مجلات کو اسلام اور ملکی مصالح سے منحرف نہ ھونے دیں، اور سب کو یہ معلوم ھونا چاھئے کہ مغربی ممالک کی طرح کی آزادی جوانوں، لڑکوں اور لڑکیوں کو تباہ و برباد کردے گی اسلام ، ملکی مصالح اور عمومی عفت کے بر خلاف تبلیغات، مقالات، تقاریر، کتابیں اور جرائد کا وجودحرام ھے ھم سب پر اور تمام مسلمانوں پر ان کی روک تھام کرنا واجب ھے اور فساد برپا کرنے والی آزادی کی روک تھام کرنا ضروری ھے، اور جو چیزیں شرعی طور پر حرام ھیں یا وہ چیزیں جو ملت و اسلامی ملک کے برخلاف ھیں، یا جمھوری اسلامی کی حیثیت کے مخالف ھے، لھٰذا اگر ان کے خلاف سخت کاروائی نہ کی جائے تو تمام کے تمام لوگ ذمہ دار ھیں اور ھمارے عوام الناس اور حزب اللّٰھی جوان اگر ان چیزوں کو دیکھیں تو متعلق اداروں کو مطلع کردیں، اور اگر وہ اس سلسلہ میں کوتاھی کریں تو وہ خود روک تھام کی ذمہ داری پر عمل کریں۔“(1)

7۔ خداوندعالم کی رحمت اور غضب کے بارے میں اسلامی تصویر کشی

اسلام اور قرآن کے سلسلہ میں مغربی افراد کے شبھات اور اعتراض میں سے ایک یہ بھی ھے کہ مسلمانوں کا خدا جیسا کہ قرآن میں بیان ھوا ھے ،بد خُلق، غصہ والا، اھل غضب اور انتقام لینے والا ھے، جبکہ خدائے انجیل بخشنے والا، مھربان، سعہ صدر(کشادہ دل) والا، تحمل کرنے والا اور بھت زیادہ مھربان اورلوگوں سے اس قدر دلسوزی کرنے والا ھے کہ نعوذ باللہ اس نے اپنے بیٹے (عیسیٰ) کو قربانی کے لئے بھیج دیا تاکہ تمام لوگوں کی بخشش ھوسکے اور اس کا خون تمام لوگوں کے گناھوں کا کفارہ بن جائے!! تو کیا قرآن مجید میں بیان شدہ خدا غصہ ور اور بد خلق ھے یا رحیم اور رؤف ھے؟

قارئین کرام! گذشتہ اعتراض کا جواب یہ ھے کہ ھمارا خدا صفت رحمت بھی رکھتا ھے اور صفت غضب بھی، وہ ”ارحم الراحمین“ (بھت زیادہ رحم کرنے والا) بھی ھے اور ”اشد المعاقبین (سخت عذاب دینے والا)بھی، قرآن مجید کے 114

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

سوروں میں سے 113 سورے (بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ) سے شروع ھوتے ھیں جس میں خداوندعالم کی دو صفات یعنی ”رحمن“ اور ”رحیم“ کا ذکر ھوتا ھے اور صرف ایک سورہ کی شروعات ”بسم اللھ“ سے نہیں ھوئی ھے، جبکہ سورہ نمل مینشروع کے علاوہ خود سورہ کے اندر بھی (بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ) تکرار ھوئی ھے؛ جب ملکہ سبا (بلقیس) حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کو اپنی قوم کے سامنے پڑھتی ھے تو اس کا آغاز (بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ)سے ھوتا ھے، بھر حال پورے قرآن مجید میں 114 بار (بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ) کی تکرار ھوئی ھے جس میں خداوندعالم کی دو رحمتی صفات کا ذکر ھے لیکن قرآن مجید میں خداوندعالم کی اسی رحمت واسعہ کے ذکر کے ساتھ ساتھ خدا کے خشم (غصہ) اور غضب بھی ذکر ھوا ھے؛ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ھوتا ھے:

) وَاللّٰهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ)(2)

” اور خدا سخت انتقام لینے والا ھے “

(إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ)(3)

”ھم یقینا مجرمین سے انتقام لینے والے ھیں “

(فَبَاءُ وْا بِغَضَبٍ عَلَى غَضَبٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ) (4)

” ا ب یہ غضب بالائے غضب کے حقدار ھیں اور ان کے لئے رسوا کن عذاب بھی ھے “

اگر یورپی لوگ (اپنے الفاظ میں) اپنے خدا کو صرف مھربان اور رحیم بتاتے ھیں اور کھتے ھیں کہ ھمارا خدا غصہ وغضب والانھیں ھے، لیکن حقیقت یہ ھے کہ جس طرح قرآن نے خدا کی توصیف کی ھے ، ان لوگوں نے اس کو صحیح طریقہ سے بیان نھیں کیا ھے؛ کیونکہ جس خدا پر ھم اعتقاد رکھتے ھیں وہ صرف اھل غضب ھی نھیں ھے بلکہ صاحب رحمت اور مھربان بھی ھے اور صاحب قھر و غضب بھی، لیکن اس کی رحمت اس کے غضب پر چھائی ھوئی ھے، اسی وجہ سے ارشاد ھوتا ھے:

"كَتَبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ " (5)

” اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم قرار دے لیا ھے “

اور یہ معنی سنی شیعہ متواتر روایات میں بیان ھوئے ھیں، جیسا کہ ھماری دعاؤں میں وارد ھوا ھےیا مَنْ سَبَقَتْ رَحْمَتُہ غَضَبَہ اے وہ جس کی رحمت اس کے غضب پر مقدم ھے۔

یعنی خدا کی رحمت اس کے غضب کی نفی نھیں کرتی بلکہ اس کی رحمت اس کے غضب پر مقدم ھے اور جھاں تک اس کا لطف وکرم اور اس کی حکمت تقاضا کرے وھاں تک بندوں پر اپنے لطف وکرم اور رحمت کی بارش کرتا ھے اور اپنے غضب کا مظاھرہ نھیں کرتا؛ مگر یہ کہ اس کی ضرورت ھو اور خداوندعالم کچھ لوگوں کو قھر وغضب میں گرفتار کرے اسی وجہ سے ھم دیکھتے ھیں خداوندعالم نے بعض گذشتہ اقوام جیسے قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود پر اپنا غضب نازل کیا ھے اور اپنا عذاب بھیج کر ان کو نیست و نابود کردیا ھے (جیسا کہ ان اقوام کے مفصل واقعات قرآن مجید میں بیان ھوئے ھیں) لیکن اس کی وجہ یہ ھے کہ ان کی قوم میں بھیجے گئے انبیاء (ع) ھمیشہ ان کو راہ ھدایت کی دعوت دیتے تھے اور راہ ھدایت کو واضح اور روشن کرنے کے لئے معجزات اور الٰھی نشانیاںدکھاتے رھتے تھے ؛ لیکن ان لوگوں نے ان تمام چیزوں کے باوجود بھی کفر وضلالت کا راستہ اختیار کیا اور ان کی رفتار و گفتار میں ذرا بھی تبدیلی واقع نہ ھوئی، اور یھی نھیں بلکہ پھلے سے زیادہ فتنہ و فساد، گناہ عصیان اور احکام الٰھی کی مخالفت میں جری ھوتے چلے گئے تو اس موقع پر خداوندعالم کی حکمت او راس کی مشیت کا تقاضا تھا کہ ان کو اپنے غیظ و غضب اور عذاب میں گرفتار کرے تاکہ فتنہ و فساد پھیلانے والوں، لجاجت کرنے والوں، خدا سے دشمنی کرنے والوں، اور متکبرین کے لئے بھترین عبرت حاصل ھوجائے۔

لھٰذا معلوم یہ ھوا کہ قرآن کریم میں ذکر شدہ خدا غیظ وغضب والا نھیں ھے بلکہ خدائے رحمت و لطف وکرم ھے، اور صرف بعض مقامات پر جب اس کی حکمت اور مشیت کا تقاضا ھوتا ھے،اپنے غیظ وغضب کا اظھار کرتا ھے۔

لھٰذااس سوال(کہ کیا اسلام میں رحمت ومھربانی پائی جاتی ھے یا غیظ وغضب اور شدت پسندی؟)؛ کے جواب میں ھم عرض کرتے ھیں: اسلام میں رحمت اصل چیز ھے اوراس کی بنا یھی ھے کہ معاشرہ میں رحمت ومحبت کا رواج ھو، لیکن خاص موارد میں (جیسا کہ قرآن مجید نے بھی اشارہ کیا ھے) پیار محبت اور مھربانی سے کام نھیں لینا چاھئے بلکہ وھاں پر غیظ وغضب ، تشدد اور شدت پسندی کا مظاھرہ ھونا چاھئے خداوندعالم صفت رحمت بھی رکھتا ھے، اور صفت غیظ وغضب اور انتقام بھی۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

8- ہدایت کے موانع کو بر طرف کرنے ،دشمنوں اور منافقین سے مقابلہ کی ضرورت
اسلام ، اس کی نشر واشاعت اور اس کے دفاع سے متعلق عرض کرتے ھیں کہ اسلام پھلے مرحلہ میں انسانوں کو ہدایت کی دعوت دیتا ھے، لیکن اگر کوئی دعوت انبیاء (ع) کی نشر واشاعت میں رخنہ ڈالنا چاھے تو پھر قرآن حکم دیتا ھے کہ ان سے جنگ کی جائے، اور ہدایت کے راستے میں بچھے کانٹوں کو ہٹا پھینک دیا جائے اسی وجہ سے خود پیغمبر اکرم (ص) اور معصومین علیھم السلام کے زمانہ میں ”جھاد ابتدائی“ (یعنی اپنی طرف سے جھاد کی شروعات کرنا)واجب تھا، تاکہ لوگوں کی ہدایت کے موانع بر طرف کئے جاسکیں اسی بنیاد پر جب پیغمبر اکرم (ص) مبعوث برسالت ھوئے ، بات یہ نھیں کہ آنحضرت (ص) روم اور ایران جیسے ملکوں کے داخلی امور میں دخالت کر نے کا حق رکھتے ھیں یا نھیں؛ بلکہ حقیقت یہ ھے کہ پیغمبر اکرم (ص) روئے زمین کے تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ھوئے ھیں، لہٰذا اگر کوئی یھاں تک کہ بادشاہ ایران اور قیصر روم بھی پیغمبر اکرم (ص) کی دعوت اسلام کی مخالفت کریں تو اس صورت میں پیغمبر اکرم (ص) کا وظیفہ بنتا ھے کہ وہ ان سے جنگ کریں اسی وجہ سے آنحضرت (ع) نے (مختلف) ملکوں کے بادشاھوں کو خطوط لکھے اور ان کو اسلام کی دعوت دی اور ان سے یہ چاھا کہ اپنے اپنے ملکوں کی عوام الناس کے لئے رسول خدا اور ان کے نمائندوں کے ذریعہ ہدایت کا راستہ ھموار کریں؛ ورنہ جنگ کے لئے تیار ھوجائیں۔
اور چونکہ جھاد ؛ اسلام کے مسلم اصول میں سے ھے اور تمام شیعہ سنی فرقے اس سلسلہ مینمتفق ھیں اور کسی نے کوئی مخالفت نھیں کی ھے، (اور کفر وشرک کے سرداروں سے جھاد اس وجہ سے واجب تھا کہ وہ اپنے تحت لوگوں کی ہدایت وارشاد اور پیغمبروں کی دعوت کی تبلیغ مینمانع ھوتے تھے، اسی وجہ سے رسول خدا (ص) کا یہ وظیفہ تھا کہ ان لوگوں کو ہدایت کے راستہ سے ہٹانے اور عوام الناس کی ہدایت کے راستہ صاف کرنے کے لئے ان سے جنگ کریں) ان تمام چیزوں کے پیش نظر یہ بات کیسے کھی جاسکتی ھے کہ اسلام مطلقاً جھاد اور جنگ کو لازم اور جائز نھیں جانتا ھے؟ کیا ھم ان آیات قرآن جو کفار ومشرکین اور منافقین نیز دشمنان اسلام سے جھاد کے بارے مینازل ھوئی ھیں ان کو نظر انداز کردیں اور ان کو چھپادیں؟
قارئین کرام ! ھم (یہ بات علی الاعلان) کھتے ھینکہ دشمنان خدا سے مقابلہ کرنا اسلامی اصول کے تحت ھے او ر اسلام نے احکام جھاد کے سلسلہ میں انسانی بھترین اصول کو مد نظر رکھا ھے، اور ان کی رعایت کرنے پر زور دیا ھے، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی زور دیا ھے کہ جب دشمنان (اسلام) اور وہ لوگ جو دانستہ طور پر حق و حقیقت کے خلاف کھڑے ھوجائے اور دین خدا سے مقابلہ کرنے لگے اور اپنے عھد و پیمان کو توڑ ڈالیں؛ تو ان سے جنگ کرو:
(وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهم مِنْ بَعْدِ عَهدِهمْ وَطَعَنُوا فِی دِینِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهمْ لاَأَيْمَانَ لَهمْ لَعَلَّهمْ يَنتَهونَ) (6)
” اگر یہ عھد کے بعد بھی اپنی قسموں کو توڑدیں اور دین میں طعنہ زنی کریں، تو کفر کے سربراھوں سے کُھل کو جھاد کرو کہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نھیں ھے شاید اسی طرح اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔“
اسی طرح خداوند عالم سورہ تحریم اور سورہ توبہ میں فرمان دیتا ھے کہ پیغمبر اور مسلمان؛ کفار ومنافقین سے جنگ کریں اور ان کے ساتھ غیظ و غضب اور شدت پسندی کا برتاؤ کرو:
(يَاأَيُّها النَّبِیُّ جَاهدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهمْ وَمَأْوَاهمْ جَهنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ) (7(
” اے پیغمبر ! کفار اور منافقین سے جھاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے کہ ان کا انجام جھنم ھے جو بد ترین ٹھکانہ ھے۔“
(وہ مذکورہ مقالہ نگار جس نے لکھا تھا کہ جھاد سے متعلق قرآنی آیات کفار سے مخصوص ھیں ، اس نے اس آیت پر غور فکر نھیں کیا کہ اس آیۂ مبارکہ میں خداوندعالم نے کفار سے جھاد کے علاوہ داخلی منافقوں سے بھی جھاد او رمقابلہ کا حکم دیا ھے۔)
اسی طرح سورہ توبہ میں ایک دوسری جگہ ارشاد رب العزت ھوتا ھے:
(يَاأَيُّها الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنْ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ) (8)
” اے ایمان لانے والو ! اپنے آس پاس کفار سے جھاد کرو تاکہ وہ تم میں سختی اور طاقت کا احساس کریں اور یاد رکھو کہ اللہ صرف پرھیز گار افراد کے ساتھ ھے۔
مذکورہ آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ھے کہ وہ کفار جو تمھارے نزدیک زندگی گذار تے ھیں ؛ ان سے جنگ کرو اور ان سے غافل نہ ھو جانا اور اپنے غیظ وغضب کا مزہ اپنے پڑوسی کفار کو چکھا دو تاکہ وہ (مسلمانوں سے) ڈریں اور ان کے خلاف کوئی خیانت اور سازش نہ کریں۔
اسی طرح خداوندعالم فرماتا ھے:
(وَأَعِدُّوا لَهمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهبُونَ بِہ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهمْ لاَتَعْلَمُونَهمْ اللهُ يَعْلَمُهمْ وَمَا تُنفِقُوا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

مِنْ شَیْءٍ فِی سَبِیلِ اللهِ یُوَفَّ إِلَیْکُمْ
وَأَنْتُمْ لاَتُظْلَمُونَ) (9)
” اور تم سب ان کے مقابلہ کے لئے امکانی قوت اور گھوڑوں کی صف بندی کا انتظام کرو جس سے اللہ کے دشمن، اپنے دشمن اور ان کے علاوہ جن کو تم نہیں جانتے ھو اور اللہ جانتا ھے سب کو خوفزدہ کردو ، اور جو کچھ بھی راہ خدا میں خرچ کرو گے سب پورا پورا ملے گا اور تم پر کسی طرح کا ظلم نہیں کیا جائے گا۔“
(وہ حضرات جو عربی ادبیات (زبان) جانتے ھیں ؛ ھم ان کو اس بات کی تاکید کرتے ھیں کہ وہ لفظ ”ارھاب“ کے ھم معنی لفظ دوسری زبانوں میں تلاش کریں؛ اور اگر ھم عرض کردیں تو کل ھی اخباروں کی سرخی بن جائے گی کہ فلاں صاحب تو ٹروریزم "Terrorisme"کے طرفدار ھیں۔)
بھر حال قرآن مجید نے حکم دیا ھے کہ جن لوگوں سے منطق اور اصول کے ساتھ گفتگو نھیں کی جاسکتی اور انھوں نے جرأت او ردلیری کے ساتھ راہ ھدایت کو بند کردیا ھے اور بغض و عناد اور دشمنی کی بنا پر اسلام اورمسلمانوں کے ساتھ جنگ کرتے ھیں، ان کے ساتھ تو تشدد اور غیظ وغضب سے مقابلہ کرنا چاھئے اور مسلمانوں کو چاھئے کہ ان کے درمیان رعب و دھشت ایجاد کردیں تاکہ ان کے اندر مسلمانوں کے ساتھ خیانت کرنے اور اسلام کو نقصان پھونچانے کا تصور بھی پیدا نہ ھو ان سے یہ نہیں کھا جاسکتا کہ : ”تم اپنے دین پر ھم اپنے دین پر، آؤ مل جل کر ایک ساتھ اطمینان کی زندگی بسر کریں۔“

9۔ اسلامی سزا کے احکام کی مخالفت
بعض مقالہ نگاروں نے اپنے مقالات میں ھم پر یہ اعتراض کیا کہ اسلام نے کفار و مشرکین کے سلسلہ میں تشدد اور شدت پسندی کے برتاؤ کا حکم دیا ھے ، اور ان کواپنا ھمشھری ماننے سے انکار کیا ھے، حالانکہ یہ لوگ اس بات سے غافل ھیں کہ اسلام نے بعض جرائم پر خود مسلمانونکے لئے سخت سے سخت سزا معین کی ھے، اور اپنے قوانین میں ایسے لوگوں کے لئے کڑی سزا مقرر کی ھے مثال کے طور پر چوری کے مسئلہ میں اسلام کا حکم ھے کہ چور کے ھاتہ کاٹ دئے جائیں یا زنا، عفت اور عزت کے دوسرے مسائل میں مجرموں کے لئے حد اور سزا معین کی ھے مثلاً زنا کرنے والے کو سو تازیانے لگانے کی سزا معین کی گئی ھے، اور بعض عفت کے منافی جرائم کے سلسلہ میں سزائے موت بھی رکھی گئی ھے در حقیقت اس طرح کے مجرموں کے لئے اسلامی سزا بھت سخت اور ناقابل برداشت ھیں لیکن اس چیز پر توجہ رکھی جائے کہ اسلام نے بعض عفت کے منافی جرائم جیسے زنا؛کوثابت کرنے کے لئے سخت شرائط معین کئے ھیں جس کی بنا پر بھت ھی کم یہ جرم ثابت ھوپاتے ھیں تاکہ ان پر حد جاری ھوسکے۔
بعض شرعی اور اسلامی حدود اور سزا کی بنا پر اسلام دشمن افراد کو اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کا ایک بھانہ مل گیا ھے جس کی بنا پر یہ لوگ کھہ دیتے ھیں کہ اسلام میں حقوق بشر کی رعایت نہیں کی جاتی، اور اسلام کی سزا میں تشدد پائی جاتی ھے نیز انسانی شرافت کو نظر انداز کیا جاتا ھے جی ھاں! دشمن اور حقوق بشر کے جھوٹے مدعی کھتے ھیں: ”ایک مسلمان چور کے ھاتھوں کو کاٹنا غیر انسانی عمل اور تشدد آمیز ھے اور انسانی شرافت کے مخالف ھے؛ کیونکہ جس شخص کے ھاتہ کاٹے جاتے ھیں تو وہ انسان پوری زندگی کے لئے اس مفید عضو سے محروم ھوجاتا ھے اور ھمیشہ معاشرہ میں ایک چور کے عنوان سے پھچانا جاتا ھے“ ۔
جبکہ اس کے مقابلہ میں بعض اسلام کا دعویٰ کرنے والوں نے اسلام کا دفاع کرتے ھوئے اس طرح کا نظریہ پیش کرتے ھیں: اسلام کے یہ سزا کے احکام گذشتہ زمانہ سے متعلق تھے اور ایک خاص زمانہ سے مخصوص تھے ، آج کل تو امنیت کے تحفظ اور چوری سے روک تھام کے لئے نئے نئے طریقے موجود ھیں لھٰذا کسی چور کے ھاتہ کاٹنے کی ضرورت نھیں ھے اگر امنیت کے تحفظ اور دوسرے جرائم سے روک تھام کے لئے بھتر طریقے موجود ھوں تو پھر امریکہ ؛ جس میں جرائم سے روک تھام کے لئے نئے نئے طریقے نافذ کئے جاتے ھیں، لیکن پھر بھی روزانہ ھزاروں جرائم ھوتے ھیں، اور وھاں کے کالجوں میں مسلح پولیس کا رھنا ضروری ھے۔
جولوگ جو نھایت بے شرمی کے ساتھ کھتے ھیں کہ یہ اسلامی سزائیں نا قابل قبول ھیں اور ان کو تشدد اور شدت پسندی کا عنوان دیتے ھوئے یہ کھتے ھیں کہ یہ سزائیںچودہ سو سال پھلے سے متعلق تھیں عصر حاضر میں کوئی ان کو قبول نھیں کرسکتا، کیا وہ لوگ یہ بھول گئے کہ جن لوگوں نے قصاص (بدلا) کے قوانین کو غیر انسانی کھہ کر اس کے خلاف مظاھرے شروع کردئے تھے، اس موقع پر حضرت امام خمینی (رہ) نے ان کو مرتد قرار دیتے ھوئے فرمایا تھا کہ ان کا خون مباح اور ان کی بیویاں ان لوگوں پر حرام ھیں اور ان کا مال ان کے مسلمان ورثہ میں تقسیم کر دیا جائے۔
جی ھاں امریکن حقوق بشر کے طرفداروں نے اسلامی سزاؤں کو غیر انسانی اور تشدد آمیز کا عنوان دے کر ان کو محکوم

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

و مذموم قرار دیا ھے لیکن ھم ان سے یہ کھتے ھیں کہ اگر اسلامی سزائیں تشدد آمیز ھیں، مان لیتے ھیں کہ بعض مواقع پر اسلامی حدود اور سزائیں تشدد آمیز ھیں، لیکن ھم اسلامی قوانین کا دفاع کرنے والے ھیں اور اس کے خلاف ھر طرح کی سازش کا مقابلہ کرنے کے لئے دل و جان سے آمادہ ھیں، ھم یہ نھیں مانتے کہ احکام منسوخ ھوگئے ھیں، بلکہ ھمارا تو عقیدہ یہ ھے کہ:

”حَلاٰلُ مُحَمَّدٍ حَلاٰلٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَحَرَامُ مُحَمَّدٍ حَرَامٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ “

) آنحضرت (ص) کی حلال کردہ چیزیں قیامت تک حلال اور آپ کی حرام کردہ چیزیں قیامت تک حرام ھیں۔)

ھم نے انقلاب اسی وجہ سے برپا کیا ھے کہ ھمارے معاشرہ میں اسلامی احکام نافذ ھوں، ورنہ تو شاہ پھلوی بھی کھتا تھا: ”جو کچھ میں کھتا ھوں وہ اسلام کے مطابق ھے،اور علماء غلطی پر ھیں، اور یہ لوگ بیک ورڈ ھیں“!

ھمارے معاشرہ میں قرآن مجید کے اندر بیان شدہ اسلامی مسائل اور احکام کو نافذ ھونا چاھئیں یہ وھی اسلام ھے جس کی سرفرازی اور بلندی نیزاسلامی حکومت کے لئے ھم نے اپنے رشتہ داروں کی قربانی پیش کی ھے اور اب بھی جانفشانی کرنے کے لئے تیار ھیں ، اسی اسلام کی پھچان مقام معظم رھبری (حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مد ظلہ العالی)نے فرماتے ھوئے کھا ھے : ” اسلام ناب وھی اسلام ھے جو قرآن اور سنت میں بیان ھوا ھے ، جس کے احکام اور قوانین مناسب اور اجتھادی طریقہ سے انھیں دو عظیم الٰھی منبع و مرکز (قرآن و سنت) سے استنباط (حاصل) کئے جاتے ھیں اور جو لوگ اس اسلام کو نھیں مانتے، انھوں نے گویابنیادی طور پر اسلام کو قبول ھی نھیں کیا ھے، کیونکہ اسلام (صرف ایک ھی ھے) دو نھیں ھیں۔“

10۔ تشدد ، اسلامی سزائی قوانین میں محدود نھیں ھے

ایک مقالہ نگار نے اپنے مقالہ میںیہ بیان کیا کہ ” اسلام نے جن قوانین میں تشدد کو جائز قرار دیاھے وہ جزائی اور سزائی قوانین ھیں اور ھم بھی اس بات کو مانتے ھیں کہ اسلام نے فتنہ گروں اور تباہ کارو ں کے لئے جو سزائیں معین کی ھیں ان میں کم و بیش تشدد پائی جاتی ھے لیکن جس تشدد کے بارے میں ھماری بحث ھے اور ھم جس کو محکوم کرتے ھیں، وہ اسلام کے سزائی قوانین سے متعلق نھیں ھے اور اصولی طور پر سزائی قوانین ھماری تشدد کی بحث سے متعلق نھیں ھیں۔“

اور یہ لکھا کہ میں موضوع سے ھٹ کر گفتگو کرتا ھوں اور اسی بات کو کئی اخباروں نے سرخی بنایا کہ کیوں فلاں صاحب موضوع سے ھٹ کر گفتگو کرتے ھیں! لھٰذا ھم عرض کرتے ھیں کہ ھمارا موضوع معاشرہ میں ھونے والے ثقافتی کج روی ھے ، جیسا کہ اخباروں نے لکھا تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا قتل ھونا ؛ آپ کے جد (رسول اللہ (ص)) کی جنگ بدر میں تشدد کا عکس العمل تھا!!

ھم اس مقالہ نگار کی خدمت میں عرض کرتے ھیں کہ اے قاضی اور حقوقدان آپ ھمارے بارے میں لکھتے ھیں کہ فلاں صاحب موضوع سے ھٹ کر گفتگو کرتے ھیں ، لیکن کیا آپ کو معلوم ھے کہ جو بات حضرت امام حسین علیہ السلام کی شھادت کے بارے میں کھی گئی ھے اس میں کس تشدد کی بات ھے اور کس طرح کی تشدد کی نفی کی گئی ھے؟ ھم تو معاشرہ میں پیدا ھونے والی انھیں چیزوں کے بارے میں گفتگو کرتے ھیں ھم تشدد، آزادی اور میل جول جیسے الفاظ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے بارے میں گفتگو کرتے ھیں، یھاں تک یہ بھی کھہ دیا گیا کہ ”جنگ بدر ایک تشدد تھی“ لھٰذا اسلام تشدد کادین ھے! لھٰذا ھم اپنے موضوع سے خارج نھیں ھوئے ھیں۔

ھوسکتا ھے کوئی شخص یہ کھے: ”ھم اس طرح کے ناجائز فائدہ اٹھانے والی فکر کو جائز کو ردّ کرتے ھیں اور اسلام کو تشدد کا دین نھیں مانتے۔“ ھمارا اس سے کھنا یہ ھے کہ حکومتی قوانین ، سزائی قوانین اور وہ عدالت جس میں سزائی احکام بنائے جاتے ھیں ان تمام چیزوں سے صرف نظر کرتے ھوئے ؛کیا عوام الناس بھی تشدد کا برتاؤ کرسکتے ھیں، اور وارد میدان ھوسکتے ھیں اور کیا حکومتی اداروں سے ھٹ کر خود عوام الناس تشدد سے کام لے سکتی ھے؟ ھم یہ سوال کرتے ھیں کہ تم لوگ اسلامی انقلاب کو تشدد سمجھتے ھو یا نھیں؟ جن لوگوں کو 17/ شھریور 1357ئہ شمسی اور اس کے بعد کے حادثات یاد ھیں وہ جانتے ھیں کہ ھمارے غیرت مند جوانوں اور بھارد قوم نے شاہ پھلوی کے خلاف کیا کیا اقدامات کئے تو کیا شاہ پھلوی کے خلاف مظاھرے اور اقدامات تشدد تھا، یا نھیں؟ کیا یہ کام صحیح تھے یا نھیں؟ اور کیا اسلام اس طرح کے اقدامات پر راضی ھے یا نھیں؟ اگر اسلام نے اس طرح کے اقدامات کو جائز قرار نھیں دیا ھے تو آپ کا یہ انقلاب غیر قانونی ھے، کیونکہ (آپ کے نظریہ کے مطابق تو) اسلام میں تشدد نھیںپائی جاتی اور اسلام تشدد آمیز اقدامات کو جائز ھی نھیں مانتا! اسی طرح وہ مقدس کارنامے جو مرحوم نواب صفوی اور فدائیان اسلام نے شاہ کی حکومت کے خلاف کئے ،(جن کے مھم کارناموں کی بنا پر ان کا نام ھمیشہ ھمارے ملک میں زندہ رھے گا، اور ھم ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

دیکھتے هیں، اور آج کل تھران اور دوسرے شھروں کی بهت سی سڑکوں کا نام انهیں حضرات کے ناموں پر هے)تو کیا ان کے یہ اقدامات صحیح تھے یا نهیں؟ اسی طرح ”هیئت مؤتلفہ اسلامی“ کے اعضاء ؛ یعنی شهید محمد بخارایی اور ان کے ساتھی جنھوں نے شاہ پهلوی کے جلاّد وزیر اعظم کو واصل جهنم کیا۔
هوسکتا هے کہ کوئی شخص یہ کهے کہ واقعاً اس طرح کے تشدد والے اقدامات نهیں کرنا چاهئے تھے ، بلکہ قانونی طور پر صلح و صفائی کی ایک پارٹی بنانا چاهئے تھی جس کے ذریعہ شاہ پهلوی کے سامنے اپنے مطالبات کو رکھا جاتا اور اس سے گفتگو کی جاتی“ لیکن کیا ان کی باتوں کو سنا جاتا اور وہ حساب شدہ باتوں کو سنتے تویہ لوگ اس طرح کے غیظ وغضب کے ساتھ قدم نہ اٹھاتے، جب انهوں نے دیکھ لیا کہ ان کی جائز باتیں اس طرح گفتگو کے ذریعہ نهیں سنی جاتی تب جاکے انهوں نے اس طرح کے اقدامات شروع کئے۔
ممکن هے وہ قاضی صاحب فرمائیں: هماری نظر میں وہ اقدامات محکوم او رمذموم هیں ، ان کو چاهئے تھا کہ آرام و سکون اور مکمل حوصلہ کے ساتھ برتاؤ کرتے، اور اپنی مشکلات کو حل کرنے نیز اپنے مطالبات کوپورا کرانے کے سلسلہ میں کوشش کرتے!
هم ان کی خدمت میں عرض کرتے هیں کہ :
جب 18 تیر ماہ 1378ئہ شمسی اور اس کے بعد بعض فسادی اور بد معاش لوگوں نے بیت المال، عمومی اموال ، بینک، ذاتی اور سرکاری گاڑیوں یهاں تک کہ مسجدوں میں بھی آگ لگادی اور عورتوں کو بے آبرو کےا عورتوں کے سروں سے چادر چھین لیں اور اسلام کے خلاف نعرہ لگائے، تو کیا آپ نے ان لوگوں کے ساتھ پیار ومحبت اور هنسی خوشی سے اپنی آغوش میں بٹھاکر ان کو خاموش کردیا ، یا یہ کام همارے ان بسیجیوں نے انجام دیا جو اپنے جان کو هتھیلی پر رکہ کر آگے بڑھے اور تمام تر خطرات سے نپٹنے کے لئے میدان عمل میں وارد هوئے اور ان کو کچل دیا،(بهت افسوس کے ساتھ یہ عرض کرتے هیں کہ ان مظلوم بسیجیوں کے حق کو آج تک نهیں پهنچانا گیا اور اس کا شکریہ ادا نهیں کیا جاتا؛ جبکہ یہ جوان انقلاب اور اسلام کے دفاع کے لئے قربة الی اللہ حاضر هوئے تھے اور خدا هی ان کو بهترین اجر و ثواب عنایت کرے گا۔)
ممکن هے وہ جناب کهیں: کہ هم فتنہ وفساد پھیلانے والوں کے سلسلہ میں بسیجیوں کے اقدامات کو محکوم کرتے هیں ، اور ان کو اس طرح کا اقدام نهیں کرنا چاهئے تھا، کیونکہ ان کو لوگوں کو بھی یہ حق تھا کہ وہ اپنی بات کهیں اور اعتراض کریں وہ بھی آزاد هیں جیسا کہ امریکائیوں کا کهنا هے: جن لوگوں نے قیام کیا اور مظاهرے کئے اور مساجد میں آگ لگائی یہ آزادی خواہ تھے لہٰذا ان لوگوں کو یہ کهنے کاحق تھا کہ هم آزادی چاهتے هیں، اور دین نهیں چاهتے! (جیسا کہ ایک صاحب اپنی تقریر مینکهتے هیں کہ لوگوں کو خدا کے خلاف مظاهرے کرنے کا بھی حق هے۔ (
لیکن اگر وہ یہ کهیں : جب ان لوگوں نے دیکھ لیا کہ اگر خوش رفتاری سے اپنی بات کو علی الاعلان کهتے هیں کہ همیں دین و اسلام نهیں چاهئے تو حکومت ان کی بات کو نہ مانتی؛ اسی وجہ سے یہ لوگ مجبور هوگئے کہ ذاتی اور سرکاری عمارتوں اور مساجد میں آگ لگادیں اور اسلام کے خلاف نعرے لگائیں، تاکہ وہ کسی نتیجہ پر پهنچ پائیں؛ اوریہ لوگ ایسا کرنے میں حق بجانب تھے، نہ کہ ان لوگوں کو کچلنے والے ۔
هم اس کے جواب میں صرف اتنا عرض کرتے هیں: آخر کار تم لوگ بھی تشدد اور شدت پسند ی کو مانتے هو کیونکہ اس حادثہ کے سلسلہ میں دو باتوں میں سے کسی ایک کو تو ضرور قبول کروگے، یا فتنہ فساد برپا کرنے والوں اور مساجد میں آگ لگانے والوں کا اقدام صحیح تھا ؛ اس صورت میں تم خود تشدد کی تائید کر رهے هو، چونکہ ان کا اقدام تشدد پر مبنی تھا، یا تم یہ کهوکہ بسیجی، عوام الناس اور پولیس کا رویہ صحیح تھا؛ تو اس صورت میں بھی تم نے تشدد کی تائید کی ، لہٰذا آپ بتائیں کہ کس تشدد کو جائز قرار دیتے هو؟
هم اس طرح کے لوگوں کی باتوں کو نهینمانتے بلکہ همارے لئے معیار بانی انقلاب حضرت امام خمینی رحمة اللہ علیہ کا کلام هے هم انهیں کے تابع هیں هم نے حکومتی اور ولایتی احکام انهیں سے سیکھے هیں چنانچہ موصوف نے فرمایا:
” اگر همارے جوان اور حزب اللّٰهی عوام الناس نے اس چیز کا مشاهدہ کیا کہ بعض تبلیغات، مقالات ، تقاریر، کتابوں اور جرائد میں اسلام اور حکومتی مصالح کے خلاف قدم اٹھایا جارها هے، تو ان کا وظیفہ هے کہ وہ اس سلسلہ میں متعلقہ اداروں کو رپورٹ دیں اور ان اداروں کی ذمہ داری هے کہ اس سلسلہ میں قدم اٹھائیں لیکن اگر متعلقہ اداروں نے کوتاهی کی اور قانونی طریقہ سے اس طرح کے انحرافات اور فاسد تبلیغات کا سد باب نہ کیا تو اس کے علاوہ کوئی راستہ نهیں هے کہ همارے دیندار جوان میدان عمل میں گود پڑیں اور هر مسلمان پر واجب هے کہ اس سلسلہ میں اپنا قدم آگے بڑھائے۔“(10)
تمام لوگ اس بات کے گواہ هیں کہ جس مرتد سلمان رشدی نے ”شیطانی آیات“ نامی کتاب لکھی جس میں قرآن کریم اور

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

پیغمبر اکرم (ص) کی توھین کی گئی، توحضرت امام خمینی (رہ) نے اس کے قتل کا فتویٰ صادر کردیا،” اور ھر مسلمان پر واجب قرار دیدیا کہ اگر کوئی سلمان رشدی کو قتل کرسکتا ھے تو اس پر قتل کرنا واجب ھے“ اور یہ فتویٰ صرف امام خمینی (رہ) ھی کا نھیں تھا بلکہ تمام اسلامی فقھاء نے اسی طرح کا فتویٰ دیا اور تمام اسلامی ملکوں نے اس فتویٰ کی تائید کی اب سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ کیا امام خمینی (رہ) کا یہ فتویٰ تشدد پر مبنی نھیں تھا؟ (کیوں نھیں) لھٰذا معلوم یہ ھوا کہ حضرت امام خمینی (رہ) نے بھی اس شخص کے بارے میں تشدد کا رویہ اختیار کیا جس نے ضروریات دین اور اسلامی مسلم اصول کی توھین کی اور اسلامی مقدسات کو حرمت کو پامال کرنا چاھا ، امام خمینی (رہ) نے اس طرح کی تشدد کو جائز قرار دیا بلکہ ضروری سمجھا اور ایسے شخص کو مرتد اور واجب القتل قرار دیا۔

11- ھر موقع پر علمی شبھات اور اعتراضات کا جواب دیا جائے (اسلامی نظر یہ)

لیکن اگر کوئی شخص سازش یا کسی نقصان پھنچانے کا قصد نہ رکھتا ھو اور دین، ضروریات دین اوراحکام اسلام کے بارے میں کوئی شبہ یا اعتراض اس کے ذھن میں ھو تو وہ اس کو بیان کرسکتا ھے، بھر پور ادب و احترام کے ساتھ اس کی باتوں کو سنا جائے گا اور منطق و استدلال کے ساتھ اس کو جواب دیا جائے گا، کیونکہ دین اسلام دین منطق ھے ، اس کی بنیاد استدلال اور برھان پر قائم ھے، اور جب مسلمانوں اور علماء اسلام سے جب بھی کسی نے کسی اعتراض کا جواب طلب کیا ھے تو انھوں صبر و بردباری اورکشادہ دلی کے ساتھ بھترین دلائل پر مبنی عقلی اور شرعی جوابات پیش کئے ھیں اور اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا ھے اسی وجہ سے قرآن مجید کا حکم ھے کہ اگر کوئی شخص اگرچہ میدان جنگ میں دشمن کا سپاھی کیوں نہ ھو؛ سفید پرچم کو اٹھائے ھوئے اسلام کی حقانیت کے بارے میں تحقیق وجستجو کرنے کے لئےمسلمانوں کے پاس آئے اور اپنے سوالات کا جواب تلاش کرے، تواس وقت مسلمانوں کو چاھئے کی اس کو تحفظ دیں حفاظت کریں اور اس کو کسی طرح کا کوئی نقصان نہ پھنچائیں، آرام وسکون اور پیار محبت سے اس کی باتوں کو سنیں،اور اسلام کی حقانیت اور بر حق ھونے کو دلیل اور برھان کے ذریعہ ثابت کریں؛ اس کے بعد اس کو تمام تر حفاظت کے ساتھ دشمن کے لشکر میں واپس کردیں۔

خداوندعالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ھے:

(وَإِنْ أَحَدٌ مِنْ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْه حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللهِ ثُمَّ أَبْلِغْه مَأْمَنَه ذَلِكَ بِأَنَّهمْ قَوْمٌ لاَيَعْلَمُونَ) (11)

” اور اگر مشرکین میں کوئی تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو تاکہ وہ کتاب خدا سنے اس کے بعد اسے آزاد کرکے جھاں اس کی پناہ گاہ ھو وھاں تک پھونچا دو اور یہ مراعات اس لئے ھے کہ یہ جاھل قوم حقائق سے آشنا نھیں ھے۔ “

قرآن کا حکم ھے کہ اگر کوئی شخص اسلام کی حقانیت کے بارے میں سوال اور تحقیق کے لئے آتا ھے، لیکن تحقیق کے بعد بھی مسلمان نہ ھو تو اس کو مکمل حفاظت کے ساتھ اس امن کی جگہ پھونچادو اور کسی کو یہ حق حاصل نھیں ھے کہ اس کو کسی طرح کا کوئی گزند پھونچائے؛ کیونکہ وہ اپنے سوالات کا جواب لینے کے لئے آیا تھا لھٰذا اس کی حفاظت ضروری ھے، اس کے سوالات کا جواب دیدیا گیا ھے۔

قارئین کرام! اب ھم سوال کرتے ھیں کہ دنیا کے کس گوشہ اور کس مذھب میں اسلام کی طرح اس بلندترین برتاؤ پر زور دیا گیا ھے؟

لیکن اگر کوئی شخص عناد و دشمنی اور سازش کے تحت ، نظام اسلام کو نقصان پھنچانے کے لئے کوئی شبہ یا اعتراض کرتا ھے اور مسلمانوں کے عقائد، اصول اور اسلامی اقدار میں شک و تردید ایجاد کرنا چاھتا ھے تو پھر اس کا مقابلہ کرنا ضروری ھے ، اور اس شخص کا مسئلہ اس مسئلہ سے الگ ھے جو اپنے سوالات کا جواب چاھتاھو اور اس کے دل میں اسلام کو نقصان پھنچانے کا کوئی ارادہ نھیں ھو۔

12- دشمن کی سازشوں سے مقابلہ کی ضرورت

ھمیں ثقافتی امور میں وسیع پیمانے پراسلامی اصول اور عقائد کے خلاف سازشیں کرنے والوں کے مقابلہ میں خاموش نھیں رھنا چاھئے ، اوراسیی طرح ان لوگوں کے سامنے جو اندرون ملک زر خرید قلم کے ذریعہ اسلام کو نقصان پھنچانے کے درپے ھیں؛ خاموش بیٹھے تماشا نھیں دیکھنا چاھئے واقعاً ان لوگوں نے سازش کا پروگرام بنا رکھا ھے جبکہ بعض لوگ اس کو ثقافتی ردّ وبدل کا عنوان دیتے ھیں،اور اخباروں میں لکھتے ھیں کہ کسی طرح کی کوئی سازش نھیں ھے ، اور سازشوں کے دعویٰ کو خیال خام قرار دیتے ھیں ، لیکن کچھ مدت پھلے ھوئے حادثہ نے ان سازشوں سے پردہ اٹھادیا ۔

وہ سب اسلامی نظام کے خلاف مظاھرے اور عمومی اور سرکاری اموال پر حملہ اور فتنہ وفساد؛ یہ سب اسی بات کی عکاسی کرتے ھیں کہ واقعاً اسلامی نظام کے خلاف ایک بھت بڑی سازش تھی، جیسا کہ مقام معظم رھبری (حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مد ظلہ العالی)نے بھی بیان فرمایا کہ اسلام دشمن طاقتوں کی طرف سے اسلامی نظام کے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

خلاف سازش تھی اور اسی حقیقت کے پیش نظر جب فتنہ گروں کو اپنے جگہ بٹھادیا گیا اور فتنہ کی لگائی ھوئی اس آگ کو فدا کار بسیجیوننے بجھادیا تو اس وقت ان کی حمایت اور اسلامی نظام کی محکومیت میں دنیا میں شور ھونے لگا یھاں تک کہ خود امریکہ کے ممبر آف پارلیمنٹ نے یہ نعرہ لگایا کہ اسلامی جمھوری ایران کو محکوم ھونا چاھئے اور اس کے خلاف قوانین بنائیں جائیں؛ کیونکہ اسلامی حکومت نے بیرونی زر خرید نوکروں کو فتنہ وفساد پھیلانے کی اجازت نھیں دی!!

دنیا بھر میں ھر روز ھڑتال ، مظاھرے اور توڑ پھوڑ ھوتی رھتی ھے اور بھت سے لوگ قتل اور زخمی ھوتے رھتے ھیں ھم ھر روز یہ دیکھتے ھیں کہ صھیونیزم بے گناہ فلسطینی مسلمانوں کا خون بھاتے ھیں جو صرف اپنے پامال شدہ حقوق کا مطالبہ کر رھے ھیں، یھاں تک کہ امریکہ سے وابستہ حکومتوں کے ذریعہ سینکڑوں لوگوں کا قتل ھوتا ھے لیکن کوئی کچھ نھیں کھتا ، کھیں سے یہ آواز نھیں اٹھتی کہ یہ حقوق بشر کی پامالی ھے، یا ان لوگوں کا کچلنا آزادی کے خلاف ھے بلکہ اس حکومت کی حمایت کی جاتی ھے اور کھتے ھیں کہ یہ قانونی حکومت کے خلاف قیام تھا اور حکومت کو بھی اپنے دفاع کا حق ھے لیکن جب ایران کی کسی یونیورسٹی میں مشکوک طریقہ سے کسی کا قتل ھوجاتا ھے جس کا قاتل بھی ابھی تک پتہ نہ چل سکا (اگر چہ یہ بھی دشمن کے زر خرید نوکروں اور فساد پھیلانے والوں کا کام ھے) یا کسی شخص کی کسی حادثہ میں موت ھوجاتی ھے ، اسی طرح جب فتنہ وفساد پھیلانے والوں کے ذریعہ مساجد میں آگ لگائی جاتی ھے، ناموس پر حملہ کیا جاتا ھے ، اور بسیجی ان کا مقابلہ کرتے ھیں ؛ تو اس وقت مغربی ممالک خصوصاً امریکہ میں ھمارے ملک کے خلاف ھنگامہ ھوتا ھے، اور ھماری حکومت کو محکوم کیا جاتا ھے، اور ھمارے ملک کو آزادی اور ڈیموکریسی کا مخالف قرار دیا جاتا ھے دعویٰ یہ کیا جاتا ھے کہ مظاھرہ کرنے والے اپنے حقوق اور آزادی کے خواھاں تھے، لیکن ایرانی حکومت نے ان کو کچل دیا ، جس کے نتیجے میں ایرانی حکومت کو محکوم کرنے کے علاوہ کوشش یہ ھوتی ھے کہ اسلامی جمھوری ایران سے مقابلہ کے لئے قوانین بنائے جائیں!

13۔ دشمنان اسلام سے مقابلہ اور اعلان برائت ضروری ھے (قرآن کریم)

قارئین کرام ! نتیجہ یہ ھوا کہ جس خدا کی پھچان قرآن کریم نے فرمائی ھے وہ خدا صاحب رحمت بھی ھے اور صاحب غضب بھی، اگرچہ اس کی رحمت اس کے غضب سے کھیں زیادہ ھے، اور اس کے غضب سے آگے آگے رھتی ھے ، اور یہ کہ خدا کی رحمت اس کے غضب کی نفی نھیں کرتی، جیسا کہ خداوندعالم نے گناھوں پر اصرار کرنے والی بعض گذشتہ اقوام پر اپنا غیظ وغضب کا مظاھر ہ کیا، اور ان پر اپنا عذاب نازل کیا ھے۔

دوسرے یہ کہ اسلام نے ؛ اپنے سے دشمنی اور عداوت رکھنے والوں کے لئے سخت سے سخت قوانین مرتب کئے ھیں اور مسلمانوں کو حکم دیا ھے کہ اسلام دشمن افراد سے واضح طور پر برائت اور نفرت کا اعلان کریں۔

اس سلسلہ میں آپ حضرات سورہ ممتحنہ کی تلاوت کریں جس میں کفار اور مشرکین سے مسلمانوں کے طور طریقہ کو بیان کیا گیا ھے اور جو لوگ دشمنان خدا سے دوستی کا نقشہ پیش کرتے ھیں ان کی سخت مذمت کی گئی ھے ، نیز خداوندعالم دشمنان اسلام سے مخفی طور پر دوستی کرنے سے ڈراتا ھے۔ اس سورہ مبارکہ میں خداوندعالم مسلمانوں کو حکم دیتاھے کہ ابراھیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب سے پند حاصل کریں اور دشمنان خدا کے مقابلہ میں ان کے رویہ کو اپنے لئے نمونہ عمل قرار دیں، نہ یہ کہ جو لوگ اسلام اور مسلمین کی نابودی کے لئے ظاھری اور مخفی طریقہ سے فعالیت کرتے ھیں؛ ان کے سامنے بیٹھے مسکراتے رھیں!

چنانچہ ارشاد رب العزت ھوتا ھے:

(يَاأَيُّها الَّذِينَ آمَنُوا لاَتَتَّخِذُوا عَدُوِّی وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَائَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهاداً فِی سَبِيلِی وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِی تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْه مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ) (12)

” ایمان والوں خبر دار ! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بنانا کہ تم ان کی طرف دوستی کی پیش کش کرو جب کہ انھوں نے اس حق کا انکار کردیا ھے جو تمھارے پاس آچکا ھے اور وہ رسول کو او رتم کو صرف اس بات پر نکال رھے ھیں کہ تم اپنے پروردگار (اللھ) پر ایمان رکھتے ھو، اگر واقعاً ھماری راہ میں جھاد اور ھماری مرضی کی تلاش میں گھر سے نکلے ھو تو ان سے خفیہ دوستی کس طرح کر رھے ھو؟ جب کہ میں تمھارے ظاھر و باطن سب کو جانتا ھوں، اور جو بھی تم میں سے ایسا اقدام کرے گا وہ یقینا سیدھے راستہ سے بھک گیا ھے۔“

(قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِی إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَه إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِكَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّی تُؤْمِنُوا بِاللهِ وَحْدَه)(13)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

" تمھارے لئے بھترین نمونۂ عمل ابراھیم (علیہ السلام) اور ان کے ساتھی ھے جب انھوں نے اپنے قوم سے کھہ دیا کہ ھم تم سے اور تمھارے معبودوں سے بےزار ھیں ھم نے تمھارا انکار کردیا ھے اور ھمارے تمھارے درمیان بغض اور عداوت بالکل واضح ھے یھاں تک کہ تم خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان لے آؤ "
ھم سے کھا جاتا ھے کہ زندگی کی باتیں کیجئے اور "امریکہ مردہ باد" کے نعروں کو چھوڑئیے، جی نھیں، "امریکہ مردہ باد" کے نعرے پورے زور وشور سے لگائے جائیں گے ، اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کی طرح ان سے یہ بات واضح طور پر کھہ دی جائے کہ جب تک حق کے سامنے سر تسلیم نہ کروگے، خدا کے سامنے اپنا سر نہ جھکائیں اور دوسروں پر اپنی حکومت جتانا نھیں چھوڑتے اور استکبارکی حالت سے اپنے کو نھیں نکالتے اور اپنے اپنائے ھوئے راستہ کو نھیں بدلتے،دنیا بھر کے لوگوں کے منافع کو پامال کرنا نھیںچھوڑتے اور آزاد ملتوںپر ستم کرنا ترک نھیں کرتے، ھم تمھارے دشمن ھیں۔
حالانکہ ان لوگوں نے ھمارے اور دوسرے اسلامی ملکوں کے منافع کو غارت کیا اور بھت زیادہ نقصانات پھنچائے، ھماری عزت و آبرو کو پامال کیااور ھمارے بھت سے رشتہ داروں کا خون بھایا، ھم بھلا کس طرح ان سے دوستی اور محبت کا مظاھرہ کریں؟ کیا دنیا بھر میں سیکڑوں بار کا تجربہ ھمارے لئے کافی نھیں ھے کہ ھم یہ سمجھ لیں کہ ان کے اندر مفاد پرستی اور استکبار کے علاوہ کچھ نھیں ھے، ھم پھر ان کے مکر وفریب کے جال میں پھنس جائیں؟!
قارئین کرام! قرآن مجید نے ھمیں یہ حکم دیا ھے کہ خدا ورسول اور اسلام کے دشمنونکے سامنے واضح طور پر برائت اور دشمنی کا اظھار کریں اور اگر ھم اسی اسلام اور قرآن کے ماننے والے ھیں جو کروڑوں کی تعداد میں ھر مسلمان کے پاس موجود ھے اور دشمنان خدا سے برائت پر زور دیتا ھے، اور یہ برائت اور دشمنی کا اعلان صرف جزائی (سزائی) قوانین کے تحت نھیں ھے بلکہ اس سے بھی آگے ھے؛ تو پھر یہ کس طرح کھا جاسکتا ھے کہ سب کے سامنے بیٹھے مسکراتے رھیں اور سب کے ساتھ مھربان رھیں؟

حوالے

(1)وصیت نامہ سیاسی الٰھی امام خمینی (رہ) ، بند دوم
(2)سورہ آل عمران آیت4
(3)سورہ سجدہ آیت22
(4) سورہ بقرہ آیت90
(5) سورہ انعام آیت 12
(6) سورہ توبہ آیت12
(7) سورہ توبہ آیت73،سورہ تحریم آیت نمبر 9
(8)سورہ توبہ آیت123
(9) سورہ انفال آیت60
(10(وصیت نامہ حضرت امام خمینی (رہ)، بند دوم
(11)سورہ توبہ آیت6
(12) سورہ ممتحنہ آیت نمبر 1
(13) سورہ ممتحنہ آیت نمبر 4

اڑتیسواں جلسہ

اسلامی قوانین کے ساتھ مغربی نظریات کا ٹکراؤ

۱۔ تحریک مشروطیت اور مغربی کلچر کا رواج
قارئین کرام! ھم نے "اسلامی سیاسی نظریات" کی بحث کے دوران بعض ان مشکلات کی طرف اشارہ کیا جو مغربی ثقافت کے نفوذ کی وجہ سے ھمارے ملک میں پیدا ھوگئی ھیں، اور ھم نے ان اسباب کی طرف بھی اشارہ کیا جن کی وجہ سے یہ مشکلات پیدا ھوئی ھیں تاکہ ھمارے برادران خصوصاً جوانانِ عزیز اور آئندہ انقلاب کے وارث ان مشکلات میں گرفتار نہ ھوں منجملہ ان مشکلات کے جس کو گذشتہ بحث میں بیان کیا آزادی اور ڈیموکریسی کی بحث تھی۔
"تحریک مشروطیت"(۱) کے آغاز سے اس وقت تک ھمارے رابطہ مغربی کلچر سے زیادہ ھوتا گیا ھے، فرامانسون ("Francmaconne"۲) اور مغرب پرست (مغربی کلچر سے متاثر افراد) نے مغربی ممالک میں رائج مختلف کلچر کو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اپناتے ہوئے ان کو اسلامی معاشرہ میں رائج کرنا شروع کردیا اگرچہ مختلف وجوھات کی بنا پر بعض چیزوں (جیسے آزادی اور ڈیموکریسی) کے رائج ہونے کا راستہ فراھم تھا، کیونکہ شاہ کے ظلم وستم سے ھمارا معاشرہ پریشان ھوچکا تھا، لہٰذا آزادی کی آواز پر فوراً لبیک کہا اور جب بھی کسی نے آزادی کا نعرہ لگایا اس کا بھت زیادہ استقبال ھوا، جس کا نتیجہ یہ ھوا کہ اس طرح کے نعرے سب کی زبان پر آنے لگے، اور آزادی اور آزادی خواھی کے بھت زیادہ طرفدار بن گئے البتہ اسلامی اقدار کے مخالف ان قید و بند اور ظلم و ستم سے عوام الناس آزادی چاھتے تھے لیکن مغربی تمدن سے متاثر حضرات نے آزادی کا دوسرا رخ پیش کیا یعنی اسلام سے آزادی در حقیقت وہ اس نعرے کے ذریعہ عوام الناس کو اسلام سے دور کرنا چاھتے تھے تاکہ وہ اسلامی قوانین اور اسلامی اقدار کی پابندی نہ کرپائیں۔
اسی طرح وہ عوام الناس جو خان، راجہ اور فیوڈل(اشرافی حکومت، یا جاگیر داری)کی ظالم حکومت سے پریشان تھے، لہٰذا ان کو ڈیموکریسی کا نعرہ اچھا لگا اور ڈیموکریسی حکومت بنانے کی کوشش کرنے لگے، نہ یہ کہ اس طرح کے ظالم و جابر افراد ان کی سر نوشت اور زندگی کے بارے میں منصوبہ بندی بنائیں اسی وجہ سے یہ نظریہ عوام الناس میں قابل قبول تھا لیکن جن لوگوں نے اس معنی کو عام طور پر رواج دیا اور اس مغربی تحفہ کی عبادت وپرستش کرتے ھوئے دوسروں کو بھی اس کی پرستش کی دعوت دی، تو ان کا مقصد ڈیموکریسی کے اس نعرہ سے اسلامی اقدار کو بالائے طاق رکہ دینا تھااور دین کو معاشرہ کی سیاسی زندگی سے ھٹانا تھا، نیز عوام الناس کے نظریات اور ان کی مرضی کو اسلامی اور مذھبی اقدار کی جگہ قرار دینا ان کا مقصد تھا لیکن جو لوگ مغرب پرستوں کے ان ناجائز اھداف سے واقف نہ تھے وہ اس طرح کے مطلق شعار کو قبول کرلیتے تھے؛ لیکن جو لوگ دور اندیش اور ھوشیار تھے انھوں نے اس کے خلاف عکس العمل دکھایا، اور عوام الناس پر اس حقیقت کو واضح کرنے اور دشمن کی سازش کو برملا کرنے کے لئے انھوں نے اپنی جان تک کی بازی لگادی، اور اپنے تمام تر وجود کے ساتھ یہ اعلان کردیا کہ وہ مطلق آزادی اور ڈیموکریسی جو اسلام اور اسلامی قوانین کے مخالف ھو؛ وہ اسلامی لحاظ سے قابل قبول نھیں ھے۔
شھید بزرگوار شیخ فضل اللہ نوری رحمۃ اللہ علیہ کا جرم یہ تھا کہ انھوں نے ڈیموکریسی اور مشروطۂ غربی کی مخالفت کی جو کہ اسلامی اور الٰھی اقدار کے مخالف تھی، اور موصوف نے ”مشروطۂ مطلقھ“ کے مقابلہ میں ”مشروطہ مشروعہ“ (۱) پیش کی چنانچہ موصوف فرماتے تھے: ھم مشروطۂ کو مطلق طور پر قبول نھیں کرتے، بلکہ ھم اس مشروطہ کو قبول کریں گے جو اسلام اور قوانین اسلامی کے موافق ھو ، لیکن دوسرے لوگ مشروطہ مطلقہ کا نعرہ لگاتے تھے، کیونکہ ان کی نظر میں اس کا موافق شریعت ھونا یا نہ ھونا کوئی اھمیت نھیں رکھتا تھا؛ لہٰذا اپنے ناپاک اھداف کے تحت اس عالی قدر عالم روحانی کو ظلم و استبداد کی طرف داری اور مشروطہ مطلقہ کی مخالفت کے جرم میں پھانسی پر لٹکا دیا اور ان کو شھید کردیا اگرچہ ایک طرف سے ”اصول گرایان“ اور ”اسلام خواھان“کے درمیان اور دوسری طرف دگر اندیشان اور مغرب پرستوں میں یہ جنگ و جدال اور کشمش ابھی تک جاری و ساری ھے۔

۲۔ اسلام میں مطلوب اور مقصود آزادی کے نقشہ پر بعض مؤلفین کی نا رضا مندی
قارئین کرام ! ھم نے گذشتہ سال آزادی اور ڈیموکریسی کے سلسلہ میں بحث وگفتگو کی جس میں ھم نے بیان کیا کہ ھمارے معاشرہ میں مطلق آزادی قابل قبول نھیں ھے، اور جیسا کہ اسلامی تمدن اور بنیادی قوانین میں مشروط آزادی مقبول ھے بنیادی قوانین کی اصل نمبر ۴ کی بنا پر : بنیادی قوانین کے اصول، قوانین موضوعہ، پارلیمنٹ کے بنائے ھوئے قوانین،یا دوسرے اداروں کے ذریعہ بنائے جانے والے قوانین اس وقت معتبر ھیں جب وہ دلیل شرعی کے عموم اور اطلاق سے کسی طرح کی کوئی مخالفت اور مغایرت نہ رکھتے ھوں لہٰذا اگر بنیادی قوانین کی ایک اصل بھی آیات و روایات کے عموم اور اطلاق سے مخالفت رکھتے ھوں تو وہ غیر معتبر ھے! ھماری ملت نے اسی بنیادی قوانین کو ووٹ دیا ھے جو اس قدر اسلامی مضبوط پشت پناھی رکھتا ھے لہٰذا اسلام کے احیاء اور زندگی کے لئے انقلاب برپا کرنے والے ھماری ملتبنیادی قوانین میں اسلامی احکام اور اسلامی منزلت کے تحفظ کے طلب گار ھیں، تو پھر وہ غیر اسلامی تمدن کو کیسے قبول کرسکتی ھے؛ لہٰذا ھماری ملت کے نزدیک (جو اسلامی

…………………………

()یعنی وہ مشروطیت جس میں شرعی قوانین کے تحت کام کیا جائے (مترجم)

نظریہ ھے)؛وہ آزادی قابل قبول ھے جو اسلامی احکام اور اقدار کے تحت ھو۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لیکن ھماری اس بحث کے بعد بھت سے اخبار وں کے مالکان نے ھماری مخالفت شروع کردی، اور بھت سے مقالات ھماری مخالفت میں چھپنے لگے، اور ھم کو آزادی اور ڈیموکریسی کا مخالف اور ظلم وستم کا طرف دار بتایا جانے لگا، یھاں تک کہ بعض لوگوں نے تو یہ بھی کھہ ڈالا کہ فلاں صاحب تو ایران کو پیچھے کی طرف لے جارھے ھیں! اور آخر کار ایک مسلمان اور انصاف پسند مقالہ نگار نے ھماری باتوں کا اعتراف کیا اور کھا: ھمارا معاشرہ اس آزادی کا دفاع کرسکتا ھے جو اسلامی احکام اور قوانین شریعت کے دائرہ میں ھو؛ جبکہ ھمارے حکومتی عھدہ داران نے بھی بارھا اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ھے اور کرتے رھتے ھیں۔

۳۔ مفسد فی الارض کے بارے میں اسلامی حکم

ھم نے گذشتہ بحث میں بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ عدلیہ کو طاقتور ھونا ضروری ھے تاکہ خلاف ورزی کرنے والوں کو ان کی سزائے اعمال تک پھنچایا جاسکے، اور مجرموں کو سزا مل سکے، اور اس کام کے لئے پولیس اور قدرت کا استعمال کرنا ضروری ھے اور اگر اس طرح کی طاقت اسلامی حکومت میں نہ ھو تو پھر وہ معاشرہ میں اسلامی قوانین کو نافذ کرنے کی ضامن نھیں ھوسکتی اس چیز کو دنیا بھر کی حکومتوں میں قبول کیا جاتا ھے سوائے ”آنارشیسٹوں“"Anarchistes" (فساد طلب) اور حکومت کا انکار کرنے والوں کے، اور سبھی افراد حکومتوں کے لئے طاقت اور پولیس کو لازمی اور ضروری جانتے ھیں لھٰذا اسلامی حکومت کے لئے امن وامان قائم کرنے، معاشرہ میں نظم وضبط برقرار رکھنے،الٰھی احکام اور حدود نیز اسلام کے سزائی قوانین کو نافذ کرنے کے لئے قدرت اور طاقت کا استعمال ضروری ھے اسی طرح اگر کچھ لوگ اسلامی نظام کے خلاف مظاھرہ کرنے لگیں اور معاشرہ میں بد امنی پھیلانے لگیں تو اس وقت اسلامی حکومت کی ذمہ داری ھے کہ وہ اپنی قدرت اور پولیس کے ذریعہ ان کو اپنی جگہ بٹھادے۔

قارئین کرام ! ھم نے عرض کیا کہ بغیر کسی حد اور قید کے مطلق آزادی کو ایک ناقابل انکار ارزش اور اقدار کے عنوان سے بیان کرنے والے اور اس کے مقابلہ میں تشدد اور شدت پسندی کو مطلق طور پر ضدِّ اقدار قلمبند کرنے والے افراد کھتے ھیں : ”یھاں تک کہ نظام اسلامی کے مقابلہ میں قیام کرنے والوناور تشدد اور شدت پسندوں کے مقابلہ میں ؛ تشدد اور شدت پسندی کا مظاھرہ نھیں کرنا چاھئے، بلکہ پیار و محبت اور الٰھی و اسلامی رحمت کے ساتھ برتاؤ کیا جانا چاھئے۔“ بے شک ان لوگوں کا یہ نظریہ صحیح نھیں ھے، کیونکہ اگر مجرموں اور خلاف ورزی کرنے والوں کے مقابلہ میں سخت رویہ نہ اپنایا جائے اور ضروری مواقع پر تشدد اور پولیس کا سھارا نہ لیا جائے تو اس طرح کے فتنہ وفساد دوبارہ بھی ھوسکتا ھے یھاں تک کہ ممکن ھے اس طرح کے برتاؤ سے دوسرے بھی ناجائز فائدہ اٹھائیں، کیونکہ اگر اس طرح کا فتنہ وفساد بپا کرنے والوں، مساجد میں آگ لگانے والوں، عورتوں کے سروں سے چادر چھینے والوں اور مختلف مقامات پر آگ لگانے والوں نیزدھشت گردی پھلانے والوں کے مقابلہ میں اگر بیٹھے مسکراتے رھیں اور نرمی کے ساتھ برتاؤ کرتے رھیں تو گویا یہ فتنہ وفساد پھلانے والوں کے لئے ایک سبز چراغ ھوگا اور وہ یہ سوچ سکتے ھیں کہ اس طرح کا کام دوبارہ بھی کیا جاسکتا ھے!! لھٰذا یہ نظریہ بالکل نا درست اور اسلام کے مخالف ھے کیونکہ اسلام کا حکم یہ ھے کہ محارب (لڑائی جھگڑا کرنے والا) اور مفسدفی الارض کے لئے سخت سے سخت سزائیں دی جائیں۔

عام طور پر حکومتی قوانین کی خلاف ورزی کرنا اور تشدد کا استعمال کرنا دو طریقہ پر ھوسکتا ھے: کبھی تو انفرادی طور پر ھوتا ھے اور کبھی اجتماعی طور پر اجتماعی طور پر اس طرح سے کہ ایک گروہ منصوبہ بندی کے ساتھ حکومت کے خلاف مسلحانہ حملہ کرتا ھے اسلامی فقہ میں اس گروہ کو ”بُغاۃ“ اور ”اھل بَغی“ (بغاوت کرنے والا) کھا جاتا ھے اسلامی جھاد کی ایک قسم اسی طرح کے لوگوں سے جھاد کرنا ھے اگر کچھ لوگ کسی گروہ کے تحت اسلامی حکومت کے خلاف مسلحانہ قیام کریں توان سے جنگ کرنا ضروری ھے، یھاں تک کہ اسلامی حکومت کے سامنے تسلیم ھوجائیں اور ان سے کسی طرح کی کوئی سازش نھینکرنا چاھئے لیکن کبھی حکومت کے خلاف اس طرح کا قیام کسی خاص گروہ کے تحت نھیں ھوتا بلکہ ایک یا دو آدمی مسلحانہ حملوں کے ذریعہ معاشرہ میں بد امنی پھیلاتے ھیں اور عوام الناس کی جان ومال او رناموس پر حملہ ور ھوتے ھیں اور دھشت گردی پھیلاتے ھیں شریعت اسلام میں ایسے افراد کو ”محارب“ کھا گیا ھے ایسے افراد کے مقابلہ میں لشکر کشی کی ضرورت نھیں ھوتی، بلکہ ان لوگوں کو اسلامی عدالت کے حوالہ کیا جاتا ھے تاکہ قاضی شرع ان کے بارے میں فیصلہ کرے۔

اور قاضی شرع بھی محارب اور مفسد فی الارض کے سلسلہ میں چار احکام میں سے کوئی ایک حکم لگا سکتا ھے، اور وہ چار حکم درج ذیل ھیں:

۱۔ پھانسی دینا۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۲۔ تلوار یا بندوق کے ذریعہ موت کے گھاٹ اتار دینا۔
۳۔ مختلف سمت سے ھاتہ پیر کاٹ دینا ،(یعنی داھنا ھاتہ اور بایاں پیر ،یا بایاں ھاتہ اور داھنا پیر)۔
۴۔ اسلامی ملک سے نکال دینا۔
چنانچہ اس سلسلہ میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ھے:
(إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللهَ وَرَسُولَہ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلاَفٍ أَوْ يُنفَوْا مِنْ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۳)
”بس خدا و رسول سے جنگ کرنے والے اور زمین میں فساد کرنے والوں کی سزا یھی ھے کہ انھیں قتل کردیا جائے یا سولی پر چڑھا دیا جائے یا ان کے ھاتہ پیر مختلف سمت سے قطع کردئے جائیں یا انھیں ارض وطن سے نکال باھر کیا جائے، یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ھے اور ان کے لئے آخرت میں عذاب عظیم ھے۔“
لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ جو لوگ اسلامی حکومت اور نظام اسلام کے خلاف فتنہ وفساد برپا کریں وہ محارب اور مفسد فی الارض ھیں اور ان کو اسلام کے مطابق سزا دی جائے، کسی بھی صورت میں اسلامی سزا اٹھائی نھیں گئی ھیں اسلامی تمدن کے مخالف افراد کھا کرتے ھیں کہ اسلامی سزائیں اور اسلام کے احکام تشدد آمیز ھیں اور عام طور پر کسی بھی طرح کی تشدد مذموم ھے اور جیسا کہ ھم نے تشدد کی بحث میں بیان کیا کہ جس طرح مطلق آزادی صحیح نھیں ھے اسی طرح مطلق تشدد بھی محکوم اور مذموم نھیں ھے بلکہ بعض موقع پر تشدد اور غیظ وغضب کا مظاھرہ کرنا جائز اور لازم ھے، اور جو لوگ تشدد اور غیظ وغضب کے ساتھ آگے بڑھتے ھیں ان کے ساتھ میں ویسے ھی تشدد اور قھر و غضب کے ساتھ جواب دیا جائے، ورنہ اگر ان کے ساتھ پیار و محبت کا برتاؤ کیا جائے تو واقعاً یہ ان کے لئے ایک سبز چراغ دکھانے کی طرح ھوگا اور وہ پھر دوبارہ بھی اس طرح کا آشوب برپا کرسکتے ھیں، اور اس طرح دوبارہ فساد پھیلانے کا راستہ ھموار ھوجائے گا۔

۴۔ سخت رویہ نہ اپنانے کا نتیجہ
گذشتہ سال ملک کے بعض مقامات پر مختصر طور پر بدامنی پھیلی ، اور بعض دلائل کی بنا پر حکومتی عھدہ داروں نے یہ مصلحت دیکھی کہ بد امنی پھیلانے والوں کے ساتھ تھوڑی نرمی کے ساتھ برتاؤ کیا جائے، اور سخت رویہ نہ اپنایا جائے؛ چنانچہ آپ حضرات نے دیکھا کہ اسی نرم رویہ اپنانے کا نتیجہ تھا کہ ایک بار پھر بد امنی پھیل گئی، جس کے درد ناک نتائج ناقابل برداشت تھے لہٰذا اگر بد امنی پھیلانے والوں اور مفسد فی الارض کے ساتھ سخت برتاؤ نہ کیا جائے اور اسلامی سزائیں ان کے حق میں جاری نہ کی جائیں تو پھر دوبارہ بدامنی نہ پھیلنے کی کوئی ضمانت نھیں ھے اور یہ بھی ضمانت نھیں ھے کہ ایک بار پھر یونیورسٹی کے ماحول سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جائے گا بے شک ھمارے یونیورسٹی کے طلباء مسلمان، ھوشیار اور موقع شناس ھیں اور بدامنی اور آشوب پھیلانے سے بری ھیں لیکن بعض افراد ایسے بھی موجود ھیں جو انھیں طلباء کے پاکیزہ احساسات سے ناجائز فائدہ اٹھاکر پھر دوبارہ بد امنی پھیلانا چاھتے ھیں۔
لہٰذا گر بد امنی پھیلانے والوں کے ساتھ سخت رویہ نہ اپنایا جائے اور بعض لوگوں کے مطابق؛ ان کے ساتھ تشدد اور شدت پسندی کا برتاؤ نہ کیا جائے تو پھر دوبارہ اس طرح کی بد امنی نہ پھیلانے کی کیا ضمانت ھے؟ لہٰذا توجہ رھے کہ اگر اسلامی سزائیں سخت ھیں جیسا کہ چور کے ھاتہ کاٹنے کا حکم ھے یا دوسرے جرائم؛ خصوصاً محارب اور مفسد فی الارض کے لئے سخت سے سخت سزائیں معین کی ھیں، تو وہ اس وجہ سے ھیں تاکہ پھر کوئی بد امنی پھیلانے کی جرائت نہ کرسکے ، اور اس طرح کے مجرم سخت سزا سے خوف زدہ رھیں کیونکہ دشمن اور مجرم کو ڈرانے کا مسئلہ اسلام کی ایک بھت بڑی حکمت ھے جس کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ھے، مسلمانوں اور سیاسی مسلمانونکو اس آیت پر توجہ کرنا چاھئے، ارشاد رب العزت ھوتا ھے:
(وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِہ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لاَتَعْلَمُونَهُمْ اللهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لاَتُظْلَمُونَ) (۴)
” اور تم سب ان کے مقابلہ کے لئے امکانی قوت اور گھوڑوں کی صف بندی کا انتظام کرو جس سے اللہ کے دشمن، اپنے دشمن اور ان کے علاوہ جن کو تم نھیں جانتے ھو اور اللہ جانتا ھے سب کو خوفزدہ کردو، اور جو کچھ بھی راہ خدا میں خرچ کرو گے سب پورا پورا ملے گا اور تم پر کسی طرح کا ظلم نھیں کیا جائے گا۔“
جن مواقع پر عوام الناس کی طرف سے تشدد جائز ھے وہ اس وقت ھے جب عوام الناس کو یہ احساس ھوجائے کہ اسلامی عھدہ داران خطرہ میں ھیں ، اور اسلامی نظام کے خلاف سازش ھورھی ھے ، اور صرف اسلامی حکومت اسلامی نظام کا دفاع کرنے پر قادر نھیں ھے کیونکہ جب اسلامی حکومت کو نظام کے سلسلہ میں کسی سازش کا پتہ چل جاتا ھے تو وہ

خود اپنی ذمہ داری پر عمل کرتی ھے، لیکن اگر اسلامی حکومت تنھا کافی نہ ھو تو عوام الناس کا وظیفہ بنتا ھے کہ اسلامی حکومت کی مدد کریں اور اسلامی حکومت کے عھدہ داروں کا دفاع کریں جیسا کہ آپ حضرات نے دیکھا کہ اس سال (تیر ماہ ۱۳۷۸ئہ شمسی) کے درد ناک حادثہ میں کس طرح کا ماحول پیدا ھوگیا، اس وقت واقعاً اسلامی نظام خطرہ میں تھا، اس وقت حکومتی قدرت اس فساد کی آگ کو بجھانے کے لئے کافی نہ تھی، لہٰذا عوام الناس اور بسیجی (عوامی رضاکار فوج) اس آگ کو بجھانے کے لئے آگے بڑھے اور اس کو خاموش کردیا؛ جیسا کہ بعض حکومتی بڑے عھدہ داروں نے بھی اس بات کی وضاحت کی کہ اس شعلہ ور آگ کو ھمارے بسیجیوں نے بجھایا ھے۔

لہٰذا اگر اسلامی نظام کے خلاف کوئی سازش ھو (جبکہ بعض لوگ اس سازش سے بے خبر رھتے ھیں) اور ھم واضح اور قطعی طور پر اس سازش کا احساس کرلیں اور اس سازش کو ختم کرنے کے لئے تشدد کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ ھو،تو اس صورت میں تشدد او رشدت پسندی کا اظھار کرنا واجب اور ضروری ھے جیسا کہ حضرت امام خمینی (رہ) نے فرمایا کہ ”اس موقع پر تقیہ کرنا حرام ھے، اور قیام کرنا چاھئے، ھرچہ بادا باد “(چاھے کچھ بھی ھو) جس وقت خود اسلام خطرہ میں ھو اس موقع پر کسی طرح کا کوئی تقیہ جائز نھیں ھے، اور اسلام کے دفاع کے لئے اٹھ کھڑا ھونا چاھئے، یھاں تک کہ اگر ھزاروں لوگ بھی قتل ھوجائیں، اگرچہ دوسرے افراد کسی وجہ سے اس خطرہ کی طرف متوجہ نہ ھوں یا وہ اس کام میں مصلحت نہ سمجھتے ھوں، لیکن جب یقینی دلائل کے ساتھ واضح ھوجائے کہ واقعاً اسلامی نظام اور اسلامی عھدہ داروں کے لئے خطرہ ھے تو پھر عوام الناس کو ان کا دفاع کرنا واجب ھے؛ لہٰذا یھاں پر تشدد اور غیظ وغضب کا ظاھر کرنا واجب ھے۔

ھماری باتوں کا مطلب یہ نھیں ھے کہ ھر موقع پر تشدد سے کام لیا جائے ، ھم تشدد کے طرفدار نھیں ھیں بلکہ ھمارا اعتقاد تو یہ ھے کہ پیار و محبت اور مھربانی اصل ھے ، اور صرف ضروری مواقع پر تشدد سے کام لیا جائے ھماری عرض تو اتنی ھے کہ جب اسلامی حکومت موجود ھو تو پھر حکومتی متعلق اداروں اور عدلیہ کے فیصلہ کے مطابق کام ھو؛ لیکن اگر کوئی مسئلہ حکومت کے ھاتھوں سے نکل جائے اور اسلام اور اسلامی نظام کی حفاظت کے لئے تشدد کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ بچے تو اس وقت تشدد کا مظاھرہ کرنا واجب ھے۔

۵۔ تشدد کی بحث کے مقابلہ میں غیر ذمہ دارانہ رویہ

گذشتہ جلسہ میں تشدد کے سلسلہ میں مطالب بیان کرنے کے بعد بعض مغرب پرست اخباروں نے ھمارے اوپر اعتراضات کئے اور بھت سے مقالات اخباروں میں چھپے حقیر اس سلسلہ میں ان تمام افراد کا شکر گذار ھے جنھوں نے ھماری موافقت یا مخالفت میں گفتگو کی یا مقالہ لکھا کیونکہ ھمارا تو یہ نظریہ ھے کہ اخباروں میں اس طرح کی باتوں پر نقد وتنقید کوئی نقصان دہ نھیں ھوتی؛ بلکہ اس طرح سے بات بالکل صاف ھوجاتی ھے تاکہ عوام الناس اپنے عقائد کو راسخ تر کرلیں، اور اپنے وظیفہ کو بھتر طور پر سمجھ لیں لیکن شرط یہ ھے کہ ایک طرف کی بات سن کر فیصلہ نہ کیا جائے اور دونوں طرف کی مکمل باتوں کو پیش کیا جائے لیکن افسوس کے ساتھ عرض کیا جاتا ھے کہ بعض لوگوں نے ھماری باتونکو کاٹ چھانٹ کر بعض عھدہ داروں تک پھنچائی جن کی وجہ سے وہ پریشان ھوگئے اور جلد بازی مینھمارے خلاف فیصلہ کرنے لگے۔

ھمیں ددسروں سے یہ امید نھیں ھے کہ وہ ھماری باتوں کی تائید کریں اسی طرح ان سے کسی طرح کا کوئی خوف بھی نھیں ھے ھم اپنی شرعی اور الٰھی ذمہ داری پر عمل کرتے ھیں، اگر کسی کو اچھا لگے تو بھتر، ورنہ ھم نے اپنی ذمہ داری پر عمل کردیا ھے اور خدا پر بھروسہ کیا ھے، ھمیں کسی کی توھین یا دھمکی کا کوئی خوف نھیں ھے لیکن جو لوگ دعویٰ کرتے ھیں کہ سب کی باتوں کوکشادہ دلی کے ساتھ سننا چاھئے؛ ان سے یہ امید تھی کہ ھماری باتوں کو سنتے اور شاید ھماری پوری بات کو سننے کے بعد ان کو مان بھی لیتے اور اگر ھماری بات کو قبول بھی نہ کرتے تو اس کا جواب دلیل و منطق اور اصول کے تحت دیتے، نہ یہ کہ نامناسب الفاظ سے ھمیں نوازا جاتا۔

افسوس کہ ھمارے پاس اتنا وقت نھیں ھے کہ ھم ان تمام لوگوں کو تحریری جواب دیں جنھوں نے تقریروں، اخباروں اور مقالوں میں اظھار محبت کی اور ھمارے نفع یا ھمارے نقصان میں کچھ بیان کیا اوران دو ھفتوں میں سیکڑوں مقالے لکھے، اسی طرح ان سب کو الگ الگ زبانی جواب دینے کی بھی فرصت نھیں ھے لہٰذا ان کو جواب نھیں دیتے ، ھمیں امید ھے کہ ان سب کا یہ کام خوشنودی خدا کے لئے ھوگا۔

ھم اپنی ذمہ داری سمجھتے ھیں کہ اسلامی معاشرہ کے لئے ضروری چیزوں کو دلائل اور برھان کے ساتھ بیان کریں ، لیکن اگر کسی کو اچھا نہ لگے تووہ منطق اور دلیل کے ساتھ اس کا جواب دے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۶۔ قرآن مجید میں لفظ " تشدد" کے ھم معنی لفظ کی تحقیق

قارئین کرام ! ھم یھاں پر ضروری سمجھتے ھیں کہ تشدد کے سلسلہ بیان شدہ باتوں کا خلاصہ کریں: "تشدد" عربی لفظ ھے اور فارسی زبان میں بھی استعمال ھوتا ھے، جس کے معنی سختی سے پیش آنے کے ھیں، اس کے مقابلہ میں لفظ "لیّن" ھے جس کے معنی "نرمی " کے ھیں قرآن مجید میں لفظ "لیّن"کے مقابلہ میں لفظ "تشدد" کا استعمال نھیں ھوا ھے، بلکہ لفظ "غلظت" استعمال ھوا ھے؛ جب کہ حقیقت یہ ھے کہ یہ دونوں (تشدد اور غلظت) مترادف (ھم معنی) الفاظ ھیں جیسا کہ فارسی (یا کسی دوسری زبان) میں مترادف الفاظ ھوتے ھیں، اسی طرح عربی زبان میں بھی بھت سے مترادف الفاظ ھوتے ھیں، قرآن مجید میں کبھی ان دو مترادف الفاظ میں سے ایک لفظ استعمال ھوا ھے اور کبھی کبھی دونوں الفاظ استعمال ھوئے ھیں، اور کبھی دو الفاظ میں سے ایک خاص معنی میں استعمال ھوا ھے، مثال کے طور پر لفظ "قلب" سے ایک معنی مراد ھوتے ھیں اور لفظ "فؤاد" سے دوسرے معنی، (جبکہ دونوں کے معنی "دل" کے ھیں) اور کبھی کبھی ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ استعمال ھوا ھے قرآن مجید میں لفظ "لیّن" (نرمی) کے مقابلہ میں لفظ "غلظت" استعمال ھوا ھے، جیسا کہ خداوندعالم نے پیغمبر اکرم سے خطاب فرماتا ھے:

(فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ) (۵)

" پیغمبر یہ اللہ کی مھربانی ھے کہ تم ان لوگوں کے لئے نرم رھو ورنہ اگر تم بد مزاج اور سخت دل ھوتے تو یہ لوگ تمھارے پاس سے بھاگ کھڑے ھوتے "

فارسی میں لفظ" غلظت " سختی کے معنی میںاستعمال نھیں ھوتا، بلکہ ھماری زبان میں اس لفظ کو "بھنے والی " چیزوں میں استعمال کیا جاتا ھے، مثلاً کھا جاتا ھے کہ خرمے کا رس "غلیظ" ھے ، یعنی سخت ھے، اور لفظ "غلظت" جس کے مقابلہ میں لفظ " لیّن" ھے؛ اس کے ھم معنی لفظ "تشدد" ھے جس کے سلسلہ میں ھم نے بحث کی ھے،اور کھاکہ تشدد مطلق طور پر مذموم نھیں ھے، بلکہ بعض مواقع پر نہ صرف یہ کہ مذموم نھیں ھے بلکہ ضروری اور واجب بھی ھے۔

۷مغربی اور اسلامی نظر میں تحمل اور ٹولرانس کے معنی

قارئین کرام ! ھم نے آزادی کے سلسلہ میں عرض کیا کہ ھمارے سیاسی اور ادبی معاشرہ مینکئے جانے والے آزدای کے معنی لفظ لبرلیزم " Liberalism" کا ترجمہ ھے جس کا رواج مغربی ممالک میں بھت زیادہ ھے اسی طرح لفظ "تحمل" (کسی کی بات کو برداشت کرنا) جو لفظ "تشدد" کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ھے یہ انگلش لفظ ٹولرانس "Toleranec" کے ھم معنی ھیں جس کے معنی تحمل اور برادشت کرنا ھیں بھر حال چونکہ یہ دونوں الفاظ مغربی ممالک میں بھت زیادہ رائج ھیں البتہ اس چیز میں کوئی ممانعت بھی نھیں ھے کہ اگر کسی دوسری زبان کا لفظ واضح اور شفاف معنی رکھتا ھو تو اس کو "ھو بھو" یا اس کے ھم معنی کوئی دوسرا لفظ اپنی ادبیات میں شامل کرلیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں البتہ اس نکتہ پر توجہ رھے کہ کبھی کبھی دوسری زبان کے یہ الفاظ بھت سی حد و قید رکھتے ھیں اور خاص الخاص معنی رکھتے ھیننیز اسی زبان کے ماحول سے اس کے معنی کئے جاتے ھیں یعنی جب کسی زبان میں کوئی لفظ استعمال ھوتا ھے تو اس کے مثبت یا منفی معنی ھوتے ھیں لیکن اگر اسی کو کسی دوسری زبان میں لے جاکر معنی کئے جائیں تو اس کے معنی بدل جاتے ھیں یا اس کے معنی بالکل برعکس ھوجاتے ھیں، مثال کے طور پر:

یھی لفظ " آزادی"جو مغربی تمدن سے ھماری زبان میں وارد ھوا ھے ؛ مغربی ممالک میں اس کے بھت زیادہ وسیع معنی ھیناور جنسی مسئلہ میں کسی قسم کی روک ٹوک نہ ھونے کے معنی میں بھی استعمال ھوتا ھے جب کہ ھمارے معاشرہ میں ایسا نھیں ھے، ا ور یہ معنی ھمارے معاشرہ بلکہ دوسرے اسلامی معاشرہ میں بھی قابل قبول نھیں ھیں، لھٰذا ھم اسلامی اور قومی اقدار کی بنا پر مجبور تھے کہ اس آزادی میں کچھ قید وشرط کا اضافہ کریں اور جائز آزادی نیز اسلامی قوانین کے مطابق آزادی کو قبول کرلیں، لھٰذا واضح طور پر یہ اعلان کرتے ھیں کہ ھم "مطلق آزادی" کو نھینمانتے اسی طرح "تشدد" کے وہ معنی جو ھماری زبان میں وارد ھوگئے ھیں اور مغربی ممالک میں اس کو مطلقاً قابل مذمت گردانتے ھیں؛ جب کہ ھم اس کو بطور مطلق ضدّ اقدار نھیں سمجھتے، جس طرح سے مطلق آزادی کو نھیں مانتے بلکہ ھم منطق اور اصول سے خالی تشدد جوانسانی اخلاق کے مخالف ھو؛اس کو مذموم مانتے ھیں ، اور ھمارا عقیدہ یہ ھے کہ بعض مواقع پر تشدد ؛ عقل کا تقاضا اور معاشرہ کے منافع کو پورا کرنے والی ھے، لھٰذا اس وقت اس میں کوئی نقصان بھی نھیں ھے۔

لھٰذا جب لفظ ٹولرانس "Toleranec" انگلش سے نکل کر ھماری زبان میں داخل ھوا ، تواس کو مطلق طور پر قبول کرنے سے پھلے اس کے صحیح معنی پر توجہ کریں اور یہ دیکھیں کہ مغربی ممالک میں اس کے کیا کیا مثبت یا منفی پھلو ھیں، اور اس کے پشت پردہ کیا راز پوشیدہ ھے اور کس مقصد کے تحت ھماری سیاسی ادبیات میں داخل ھوا ھے؟ نیز یہ دیکھیں کہ اس کے منتقل ھونے کے بعد اس کے معنی میں کیا کچھ تبدیلی پیدا ھوئی ھے یا نھیں؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لفظ ٹولرانس کا مفھوم مغربی ماڈرن تمدن کا ایک تحفہ ھے جو " رنسانس"کے زمانہ بعد سے آھستہ آھستہ رائج ھوتا چلا گیا ھے اور آج کل مغربی ممالک میں بے دینی تمدن کی ایک واضح پھچان ھے (توجہ رھے کہ ھم نے اس سے پھلے بھی عرض کیا ھے کہ جب ھم مغربی تمدن کا نام لیتے ھیں تو اس سے مراد ان ممالک میں رھنے والے تمام لوگوں کا تمدن نھیں ھے؛ کیونکہ وھاں پر بھت سے دیندار مسلمان بھی موجود ھیں، بلکہ ھماری مراد مغربی ممالک میں حکمراں تمدن ھے جس کے مخالف بھی خودانھیں ممالک میں بھت زیادہ پائے جاتے ھیں۔)

اس لفظ ٹولرانس "Toleranec" کی تحقیق کے سلسلہ میں مزید عرض کرتے ھیں:

اولاً: مغربی ممالک میں حکمراں تمدن میں تمام اقدار (چاھے وہ اخلاقی اقدار ھوں یا اجتماعی اقدار یا حقوقی اور سیاسی) اعتباری امور ھیں اور ان کی کوئی عقلائی اور واقعی حقیقت نھیں ھے دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیجئے کہ اقدار کا تعلق عوام الناس کی مرضی اور ان کے سلیقہ پر ھوتا ھے کیونکہ کسی چیز پر اعتقاد رکھنا سب کے لئے اور سب جگہ پر اقدار نھیں کھلاتا بلکہ مغربی ممالک کی نظر میں اقدار اس وقت اقدار ھے جب معاشرہ اس کو قبول کرے، لیکن اگر ایک زمانہ میں عوام الناس کا سلیقہ بدل جائے تو یھی اقدار ضد اقدار میں بدل جائے گا۔

ثانیاً : یہ لوگ اسلامی اعتقاد کو اسی اعتباری اقدار کے ھم پلہ قرار دیتے ھیں، اورانسان کو یہ اختیار دیتے ھیں کہ چاھے وہ ان کو قبول کرے یا ترک کردے، گویا دینی عقائد کو بھی ایک سلیقہ کی طرح قرار دیتے ھیں:

جس طرح انسان اپنے سلیقہ کی بنا پر اپنے لباس کا رنگ اختیار کرتا ھے مثلاً کوئی نیلا رنگ پھننا چاھتا ھے اور کوئی کالا رنگ ، جبکہ کسی کو یہ نھیں کھا جاسکتا کہ تم اس رنگ کو کیوں انتخاب کرتے ھو؟! اور نہ ھی اس کے اس کام پر مذمت کی جاسکتی ھے کیونکہ ھر شخص اپنے سلیقہ میں مختار اور آزاد ھے، اسی طرح یہ لوگ دین کوبھی اپنے سلیقہ کی بنا پر اختیار کرتے ھیں، اس کے بارے میں یہ نھیں کھا جاسکتا کہ تو نے اس دین کو کیوں انتخاب کیا اور اس دین کو کیوں انتخاب نھیں کیا، اور کیوں فلاں دینی عقیدہ کی توھین کرتے ھواور اس کو نفی کرنے کی کوشش کرتے ھو اور اس سے بھی بالاتر اگر کسی نے اپنے دینی اعتقادات کوبالائے طاق رکہ دیا اور کسی دوسرے مذھب میں داخل ھوگیا تو اس کی بھی مذمت نھیں کی جاسکتی ، کیونکہ عقیدہ بدلنا بھی ایک سلیقہ کی طرح ھے جو کسی بھی وقت بدلا جاسکتا ھے!

لیکن اسلامی نقطہ نظر سے دینی مقدسات اور اسلامی اقدار ؛جان ومال اور ناموس سے بھی زیادہ مھم ھے وہ اسلام جو ھمیں اس بات کی اجازت دیتا ھے کہ مال کی حفاظت کے لئے جان کی حد تک دفاع کرسکتے ھیں (یعنی جب تک جان جانے کا خطرہ نہ ھو اس وقت تک اس کی حفاظت ضروری ھے، لیکن اگر مال کی خاطر جان جانے کا خطرہ ھو تو اس وقت اس مال کو جان پر قربان کردیا جائے) کیا وہ اسلام دینی مقدسات کے دفاع کی اجازت نہ دے گا؟ (اگر چہ شوراٰئ شھر تھران کے ایک نمائندہ نے اس بات کی بھی اجازت دیدی ھے کہ خدا کے خلاف بھی مظاھرہ کیا جاسکتا ھے) لیکن تمام مراجع تقلید کے فتواٰ کی بنا پر اور شیعہ و سنی اجماع کی بنا پرتمام مسلمان اس بات پر متفق ھیں کہ اگر کوئی شخص ایک جنگل اور بیابان میں کہ جھاں پر کوئی موجود نہ ھو ؛خدا، رسول ، مقدسات اسلامی اور دین اسلام کی ضروریات کی توھین کرے ، اوراس کو پولیس یا عدلیہ کے حوالہ کرنے کا کوئی امکان نہ ھو تو ھر مسلمان پر واجب ھے کہ اس کو اسلامی مقدسات کی توھین کی بنا پر قتل کردے اور اسی اسلامی نظریہ کی بنا پر حضرت امام خمینی (رہ) نے مرتد سلمان رشدی کے قتل کا فتوٰ صادر فرمایاجس کی تمام شیعہ سنی علماء نے تائید کی مغربی تمدن سے ھمارا نقطہ اختلاف یھی ھے جس کو اسلام قبول کرتا ھے لیکن مغربی کلچر نھیں مانتا۔

ھمارا دینی وظیفہ اور دینی غیرت اس بات کی اجازت نھیں دیتی کہ ھم اسلامی مقدسات کی توھین ھوتے ھوئے خاموش بیٹھے دیکھتے رھیں، اسلام نے دینی مقدسات کی توھین کے مقابلہ کے لئے تشدد کو جائز قرار دیا ھے جب اسلام ھمارے نزدیک اپنی جان و مال اور اولاد سے بھی زیادہ عزیز ھے تو ھم اس کی حفاظت اور دفاع کے لئے اپنی جان کو بھی خطرہ میں ڈال سکتے ھیں لھٰذا اگر کوئی اسلامی مقدسات کی توھین کرے تو ھر انسان اس کو سزا دے سکتا ھے یھاں تک کہ اگر اس کو یہ بھی احتمال ھو کہ کل اسے (اسی قتل کی بنا پر) گرفتار بھی کیا جاسکتا ھے اور اس کے خلاف کاروائی کی جاسکتی ھے کہ تجھے اس قتل کا کوئی حق نھیں تھا ، اور وہ مقتول کے "مھدور الدم" (یعنی قتل جائز)ھونے کو ثابت نہ کرسکتا ھو جس کے نتیجہ میں اس پر قصاص یا سزائے موت کا فیصلہ دیا جائے، تو اس صورت میں بھی وہ اپنے دینی وظیفہ پر عمل کرسکتا ھے اور اسلام کی توھین کرنے والے کو سزائے اعمال تک پھنچا سکتا ھے ، مگر یہ کہ اس کے قتل کرنے سے مزید فساد پھیلنے کا خطرہ ھو۔

حوالے:

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(۱) مشروطیت اس شاهی حکومت کو کهتے هیں جس میں قوانین کے تحت کام کیا جائے (مترجم)
(۲) طرفداران انسانیت، تهذیب ، اخلاق اور انسانی فکری رشداور مذهبی اختلافات کو دور کرنے والوں کو فرامانسون کها جاتا هے (مترجم)
(۳(سوره مائده آیت۳۳
(۴) سوره انفال آیت ۶۰
(۵)سوره آل عمران آیت ۱۵۹

انتالیسواں جلسه

دینی عقائد و اقدار کے نسبی هونے کے نظریه کی تحقیق و بررسی

۱۔ دینی مسائل کو مطلق یا نسبی قرار دینا
قارئین کرام! هم نے گذشته دو سال میں ”اسلامی سیاسی نظریات“ کے بارے میں گفتگو کی گذشته سال اسلامی نقطه نظر سے ”قانون اور قانون گذاری“ کے سلسله میں بحث کی اور اس سال میں ”کشور داری“ (حکومت او راس کی ذمه داریوں) کے بارے میں بحث کررهے هیں اور هم نے اپنی بحث کو آگے بڑهاتے هوئے کها که بعض چیزوں کے لئے عقلی دلائل کا هونا ضروری هیں اور اکثر چیزیں آیات وروایات کی طرف مستند هونا چاهئیں اسی وجه سے هماری بحث ایک ”تلفیقی“ بحث هیں یعنی هماری بحث میں نه صرف عقلی دلائل هیں اور نه صرف شرعی اور تعبدی، بلکه قارئین کرام کے لحاظ سے جو طریقه بهی مناسب هوتا هے جس سے بات کو آسان طریقه سے سمجهایا جاسکتا هے؛ اسی لحاظ سے بیان کرتے هیں، چاهے وه عقلی دلائل هوں یا شرعی۔
چاهے هم عقلی دلائل کے ذریعه کسی چیز کو ثابت کریں اور چاهے شرعی دلائل کے ذریعه کسی چیز کے بارے میں بحث کریں، دونوں میں یه سوال پیدا هوتا هے که جن چیزوں کو هم اپنی بحث میں ثابت کرتے هیں کیا وه سب کے نزدیک معتبر اور حجت هیں؟ یعنی مطلق طور پر اعتبار رکهتے هیں، یا مطالب اور اقدار نسبی هوتے هیں اور صرف کهنے والے کے نظریه کو بیان کرتے هیں، اور ممکن هے که اس سلسله میں دوسروں کا ایک الگ نظریه هو جو اس کے مطابق نه هو؟
دوسرے الفاظ میں یوں عرض کیا جائے که ایک مسلمان ، یا شیعه اور مکتب اهل بیت علیهم السلام کا تابع شخص همارے دلائل کے ساته بیان پیش کرده مطالب کو قبول کرتے هیں اور ان کو مطلق طور پرمانتے هیں یا نهیں؟ کیونکه یه صرف ایک خاص نظریه کو بیان کرنے والے هیں جس کے مقابله میں دوسرے بهی نظریات پائے جاتے هیں جو اعتبار کے لحاظ سے ان کے برابر یا اس سے بالاتر هوسکتے هیں؟
بعض اخباروں اور تقریروں میں کها جاتا هے که ان مطالب اور نتائج کو مطلق طور پر بیان نهیں کرنا چاهئے اور یهاں تک بهی کهه دیتے هیں که ان مطالب کی نسبت اسلام کی طرف نهیں دینا چاهئے؛ اور صرف کهنے والے کا نظریه ماننا چاهئے یعنی کهنے والا کهتا هے که اسلام سے میرا حاصل کرده نتیجه یه هے ، نه یه که اپنے حاصل کرده نظریه کو اسلامی نظریه کے عنوان سے بیان کریں اس طرح کی گفتگو خصوصاً گذشته هفته میں آپ حضرات نے بهت سنی هوگی که: کسی بهی شخص کو اپنی سمجه کو مطلق قرار نهیں دینا چاهئے، کیونکه بعض افراد ایسے بهی هیں جو اس کے علاوه بهی فهم اور نتیجه رکهتے هیں اور ان کا ایک الگ اعتبار اور اهمیت هے۔

2۔ معرفت کے نسبی هونے کے سلسله میں تین نظریات
یهاں پر چند مهم سوال پیدا هوتے هیں که ”مطلق“ اور ”نسبی“ الفاظ کے معنی کیا هیں؟ مثلاً ”فلانمطلب اعتبارِ مطلق نهیں رکهتا“ یعنی چه؟ کیا اس کا مطلب یه هے که کوئی بهی معرفت اعتبارِ مطلق نهیں رکهتی؟ اور اس صورت میں مطلق اور نسبی معرفت میں کیا فرق هے؟ اور کیا معرفت کا نسبی هونا یا اعتبارِ معرفت کا نسبی هونا صرف دینی مسائل سے متعلق هے؟ یا کسی بهی علم کا کوئی بهی مطلب اور واقعه نسبی هوتا هے؟

الف: معرفت کے نسبی هونے پر پهلا نظریه
معرفت کے مطلق یا نسبی هونے کی تحقیق ایک فلسفی مسئله هے جس کو اپیسٹمولوجی "Epistemology"(معرفت شناسی) کها جاتا هے قدیم زمانه سے تقریباً ۲۵ صدی پهلے دانشوروں کے درمیان یه اختلاف تها که انسانی معرفت، اس کے اعتقادات اور اس کی قضاوت (فیصلے) کیا ”اعتبارِ مطلق“ رکهتے هیں یا ”اعتبارِ مطلق“ نهیںر کهتے یه سوفسطائی لوگ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے یونان میں زندگی بسر کرتے تھے اور لفظ ”سفسطه“ (یعنی مغالطه) انهیں کے نام سے لیا گیا هے، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان کو کسی بھی بات پر کوئی جزم ویقین حاصل هو هی نهیں سکتا، اور هر چیز قابل شک وتردید هے لهٰذا ان کے بعد سے تمام شکّاک فرقے اور آگنوسٹیسٹ "Agnostist" ، نسبی گرایان اور رلٹویسٹس "Relatists" اس طرح کا نظریہ رکھتے هیں المتخصر: معرفت کے نسبی هونے کا نظریہ کوئی نیا نظریہ نهیں هے ، بلکہ قدیم زمانہ سے فلسفہ کی تاریخ میں موجود هے اگرچہ آج کل جهان اسلام میں بهت هی کم شکّاک افراد هوں گے، لیکن امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک میں شکّاک اور نسبت گرا لوگوں کی بھر مار هے بلکہ وهاں پر شکاک هونا انسانی افتخار میں سمجھا جاتا هے!

اور اگر هم معرفت کے نسبی هونے (یعنی انسان کو کسی بھی چیز کے بارے میں یقین حاصل نهیں هوسکتا) اور شکّاکیت کے بارے میں اکیڈمیک طریقہ پر تحقیق کریں تو اس وسیع بحث کی تحقیق کے لئے ایک طولانی زمانہ درکار هے لیکن هم یهاں پر مختصر طور پر ایک اشارہ کرتے هیں۔

جو لوگ هم سے کهتے هیں کہ آپ اپنی سمجھ اور نظریہ کو مطلق تصور نہ کریں، تو کیا ان کا مطلب یہ هے کہ کسی بھی چیز کے بارے میں یقینی طور پر اعتقاد پیدا نهیں هوسکتا، اور حقیقت میں انسان کے لئے معرفت حاصل کرنے کا دروازہ بند هے ، اور همارے پاس کوئی ایسی چیز نهیں هے کہ منطقی اور اصولی طور پر اس پر یقین حاصل هوسکے، یا ان کا مطلب یہ هے کہ بعض عقائد اور بعض چیزوں کی یقینی طور پر معرفت حاصل کرسکتے هیں؟ ”منطقی“ کی قید لگانے کی وجہ یہ هے کہ کبھی انسان کسی چیز کے بارے میں یقین رکھتا هے اور کسی طرح کا کوئی شک ا س کے ذهن میں نهیں هوتا، لیکن ایک مدت کے بعد متوجہ هوتا هے کہ اس نے غلطی کی هے؛ ایسا یقین جس کی کوئی حقیقت نهیں هوتی ”نفسیاتی یقین “ کها جاتا هے یعنی انسان یونهی کسی چیز پر یقین کرلیتا هے اور اس میں کسی طرح کا کوئی شک نهیں هوتا، اگرچہ اس کا یقین غلط هو اور جهل مرکب (نہ جاننے کے بارے میں نہ جاننا) کا شکار هو ، جس کا نتیجہ یہ هوتا هے کہ اس طرح کا اعتقاد و یقین باطل ختم هوجاتا هے مثال کے طور پر دو اور دو کا چار هونا ایک صحیح منطق هے کیونکہ دنیا کے کسی بھی گوشہ میں دو اور دو پانچ یا چھ نهیں هوتے پس اس حساب کا اعتبار مطلق هے اور منطقی طور پر صحیح هے، یہ ایک ذاتی نظریہ نهیں هے، بلکہ سبھی اس کو تسلیم کرتے هیں۔

اگر ان لوگوں کا مطلب یہ هے کہ انسان کو کسی بھی چیز اور واقعہ میں یقینی اعتقاد حاصل نهیں هوسکتا، اگرچہ اس فلسفی بحث میں بهت زیادہ نظریات پائے جاتے هیں اور اس جلسہ کی وسعت سے باهر هیں، بس مختصر طور پر عرض کرتے هیں کہ ان کا نظریہ نہ صرف یہ کہ انسانی فطرت سے هم آهنگ نهیں هے اور نہ هی دنیا کے کسی بھی مذهب میں اس کو قبول کیا جاتا هے اصولی طور پر یہ بات قابل یقین نهیں هے کہ دنیا بھر میں کوئی عاقل انسان کهے: میں نهیں جانتا کہ کرۂ زمین موجود هے یا نهیں؟ شاید اس کے بارے میں صرف خیال کے علاوہ کچھ نہ هو! یا کهے کہ میں نهیں جانتا کہ کرہ زمین پر کوئی انسان زندگی بسر کرتا هے یا نهیں؟ یا مجھے شک هے کہ یورپ مینکوئی ملک فرانس بھی هے یا نهیں، اور آیا میرا بھی کوئی وجود هے یا نهیں، اور یہ تمام چیزیں کسی بھی طریقہ سے قابل اثبات نهیں هیں! اور اگر هماری ملاقات اس طرح کے آدمی سے هو تو هم اس کے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے؟ یقینا اس سے کهیں گے کہ کسی نفسیاتی ڈاکٹر کے پاس جاؤ ، کیونکہ ایسا شخص عقلی لحاظ سے صحیح و سالم دکھائی نهیں دیتا پس اگر ان لوگوں کا مطلب یہ هے (جو کهتے هیں: اپنی سمجھ اور اپنے نظریہ کو مطلق نہ سمجھیں) کہ کسی بھی عقیدہ اور یقین کو مطلق نهیں سمجھنا چاهئے اور کسی بھی واقعہ کے بارے میں دقیق قضاوت اور مطلق نظریہ قائم نهیں کیا جاسکتا تو ان کا مختصر جواب یہ هے کہ ان کا اس طرح کا دعویٰ کرنا عقل اور تمام ادیان کے بالکل خلاف هے اور همارے گمان کے مطابق همارے قارئین میں اندرون ملک یا بیرون ملک کوئی ایسا شخص نہ هوگا جو اس طرح کا احتمال دے؛ لهٰذا اس سلسلہ میں بحث وگفتگو کرنا بے کار اوربے فائدہ هے۔

ب۔معرفت کے نسبی هونے پر دوسرا نظریہ

البتہ معرفت کے نسبی هونے کے سلسلہ میں دوسرے نظریات بھی پائے جاتے هیں جو مذکورہ بالا نظریہ کی طرح مضحکہ خیز نهیں هے، انهی نظریات میں سے ایک نظریہ یہ هے : جو افراد اس طرح کا نظریہ رکھتے هیں وہ یہ نهیں کهتے کہ کسی بھی علم میں یقینی اور مطلق چیزیں موجود نهیں هیں؛ بلکہ ان کے عقیدہ کے لحاظ سے علوم تجربی، علوم عقلی اور ریاضیات میں ایک حد تک یقینی ، قطعی اور مطلق چیزیں موجود هیں ، اور صرف علوم عملی (یعنی اقداری علوم، احکامات اور وظائف) نسبی هیں یعنی جهاں پر خوب و بد اور ”باید ها ونباید ها“ (کرنا چاهئے اور نہ کرنا چاهئے)بیان هوتے هیں، تو یہ چیزیں نسبی هوتی هیں چنانچہ اقدار اور وظائف کو نسبی قرار دینے والوں نے اپنی بات کو ثابت کرنے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کے لئے دل فریب اور گمراہ کن چیزیں بیان کیں ھیں مثال کے طور پر کہتے ھیں: ھم دیکھتے ھیں کہ کسی ایک ملک میں کسی کام کو اچھا سمجھا جاتا ھے جبکہ دوسرے ملک میں اسی کام کو ناپسند اور برا سمجھا جاتا ھے دنیا بھر کے ممالک میں کسی ایک ملک کے آداب و رسوم کو اسی ملک میں اچھا سمجھا جاتا ھے اور ھوسکتا ھے دوسرے ملک میں انھیں ناپسند اور برا سمجھا جائے، اور ان سے عوام الناس نفرت کرتے ھوں۔

کسی کے احترام واکرام کے بارے میں (جیسا کہ ھم نے سنا ھے کہ) مشرقی ایشیاء کے بعض ممالک میں جب کسی کا بھت زیادہ احترام واکرام کرتے ھیں تو ایک دوسرے کو بُو کرتے ھیں، جبکہ یھی کام دوسرے ملکوں میں ناپسند اور برا سمجھا جاتا ھے، اسی طرح مغربی ممالک خصوصاً امریکہ میں جب کسی کی تقریر یا باتیں سننے کے بعد اس کا احترام کرتے ھیں تو اس کے چھرے کے بوسے لئے جاتے ھیں اوراس میں فرق نھیں ھے کہ چاھے وہ عورت ھو یا مرد جبکہ ھمارے اسلامی معاشرہ میں کسی نامحرم عورت کے بوسے لینا بھت بُرا سمجھا جاتا ھے پس ممکن ھے کہ بعض معاشرہ میں کسی ایک کام کو اچھا سمجھاجاتا ھو لیکن دوسرے معاشرہ میں اسی کام کو ناپسند اور بُرا سمجھا جاتا ھو، یھاں سے معلوم ھوجاتا ھے کہ خوب وبد اور بایدھا و نبایدھانسبی ھیں ، اوران کے بارے میں مختلف ممالک اور معاشروں میں الگ الگ حکم لگایا جاتا ھے، یھاں تک کہ یہ بھی ممکن ھے کہ ایک ھی معاشرہ میں بعض چیزیں ایک زمانہ میں اچھی مانی جاتی ھو ں اور ایک زمانہ میں ناپسند اور بُری سمجھی جاتی ھوں۔

بعض مغربی ممالک میں ثقافتی اور اخلاقی برائیاں روز بروز بڑھتی جارھی ھیں ، حالانکہ تقریباً تیس یا چالیس سال پھلے اگر کوئی شخص ٹی شرٹ میں باھر نکلتا تھا تو پولیس اس کو روکتی تھی ھم سے ایک صاحب نے نقل کیا کہ کناڈا کے ایک شھر میں تقریباً ۴۰ سال پھلے ایک شخص گرمی کی وجہ سے اپنا کوٹ اتاکر ٹی شرٹ میں چھل قدمی کرنے لگا ، تو فوراً گھوڑ سوار پولیس نے اس پر اعتراض کیا کہ تم اپنا کوٹ اتار کر کیوں گھوم رھے ھو، عام مقامات پر ٹی شرٹ میں آنا " شرم وحیا" کے خلاف ھے! لیکن آج اسی کناڈا میں اگر عورت مرد نیم عریاں بھی سڑکوں پر دکھائی دینے لگیں تو کوئی کچھ نھیں کھتا اور اس کام کو برا نھیں سمجھا جاتا لھٰذا خوب و بد اور اچھائی برائی؛ زمانہ کے لحاظ سے بھی مختلف اور نسبی ھیں لھٰذا نتیجہ یہ نکلتا ھے کہ وہ علوم جن میں خوب وبد اور بایدھا اور نبایدھا کو بیان کیا جاتا ھے؛ جیسے علم اخلاق، علم حقوق یا اجتماعی اور انفرادی زندگی سے متعلق دوسرے علوم سب نسبی ھیں اور ان کے درمیان کوئی مطلق معیار موجود نھیں ھے، اور یہ نھیں کھا جا سکتا کہ فلاں چیز ھر جگہ مطلقاً اچھی ھے یا فلاں چیز ھر موقع پر مطلقاً بُری ھے۔

قارئین کرام! ان لوگوں کی پیش کی جانی والی دلیل یھی ھے جس کو ھم نے بیان کیا، البتہ بعض دوسری دلیلیں بھی بیان کرتے ھیں جن کو یھاں پر بیان کرنے کی فرصت نھیں ھے۔

۳۔ بعض اقدار کا مطلق اور ثابت ھونا

مطلب کی وضاحت کے لئے عرض کرتے ھیں کہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ ھر اقداری مفھوم ، حلال و حرام اور بدی اور خوبی مطلق ھے، تو اس کے دعویٰ کو باطل کرنے کے لئے یہ کھنا کافی ھے کہ یہ کیسے ھوسکتا ھے کہ ایک چیز ایک معاشرہ میں اچھی ھو اور وھی چیز دوسرے معاشرہ میں بری ھو ایک جگہ اس کواقدار میں شمار کیا جاتا ھو اور دوسری جگہ ضد اقدار حساب کیا جاتا ھے دوسرے الفاظ میں یوں کھا جائے کہ وہ گذشتہ دعویٰ جس کو "موجبہ کلیہ" کے عنوان سے بیان کیا جاتا ھے یعنی تمام اچھائیاں اور برائیاں ؛ مطلق اور کلی ھیں، اسی چیز کو "سالبہ جزئیہ" کے عنوان سے بھی پیش کیا جاسکتا ھے، جس کی بنا پر وہ دعویٰ اور "حکم کلی" نقض ھوجاتا ھے یعنی جب ھم نے ان اقداری چیزوں کو دیکہ لیا جو مطلق نہ تھے، اور بعض معاشرہ میں وہ اچھی اور بعض دوسرے معاشرہ میں ناپسند اور بری سمجھی جاتی ھوں، تو ھم کھہ سکتے ھیں کہ ایسا نھیں ھے تمام اقدار اور قضایا مطلق ھوں، بلکہ بعض اقداری قضایا نسبی ھیں بے شک یہ فیصلہ صحیح اور درست ھے، اور ھم بھی یہ نھیں کھتے کہ تمام اقداری مسائل اور تمام بایدھا اور نبایدھا مطلق اور کلی ھیں اور ھر معاشرہ کے لئے ھمیشہ ثابت اور غیر قابل تبدیلی ھیں ھم بھی اس بات کومانتے ھیں کہ بعض احکام متغیر اور موقع و محل کے لحاظ سے ھیں؛ لیکن اس کے معنی یہ نھیں ھیں کہ کوئی بھی اقدار مطلق نھیں ھے یعنی اقداری نسبیت کا اثبات "سالبہ جزئیہ" ھے نہ کہ "سالبہ کلیہ" لھٰذا اس بنیاد کی بنا پر ھم کم ھی اقداری مسائل کے بارے میں مطلق یا نسبی ھونے کو ثابت کرسکتے ھیں۔

ھمارا دعویٰ یہ ھے کہ ھمارے پاس مطلق اقداری چیزیں موجود ھیں اوربھت سے اقداری مسائل پر مطلق اعتقاد رکہ سکتے ھیں اور اگر یہ نظریہ ثابت ھوجائے، تو پھر ھم اس کی سیکڑوں مثال پیش کرسکتے ھیں، چونکہ عقلی بحث اورعقلی نظریات کا دار و مدار عدد اور اگنتی پر نھیں ھوتا کیا آپ حضرات کو کوئی ایسا شخص مل سکتا ھے جو یہ کھے کہ عدالت

ایک معاشرہ میں پسندیدہ اور دوسرے معاشرہ میں ناپسند اور بری ھے؟ اور کیا کوئی ایسا عاقل انسان مل سکتا ھے جو کھے کہ ظلم بعض مقامات پر صحیح اور پسندیدہ ھے ؟ ھاں یہ ھوسکتا ھے کہ ظلم اور عدل کے مصداق میں غلطی ھوجائے اور الفاظ کا غلط استعمال کریں مثال کے طور پر کوئی یہ ھے کہ کسی بھی شخص کو مارنا ظلم ھے، جبکہ بعض لوگوں کو سزا کے عنوان سے مارا جاتا ھے اور اس کو قصاص کی بنا پر مارنا بُرا نھیں ھوتا، بلکہ حق و عدل کے عین مطابق ھے نکتہ یہ ھے کہ اگر واقعاً کوئی کام ظلم ھو ، تو پھر وہ دوسرے مقام پر اچھا نھیں کھلایا جاسکتا، یا اگر کوئی کام واقعاً عدل کے مطابق ھو تو وہ بعض مقامات پر بُرا نھیں ھوسکتا اور بعض مقامات پر عدل کو برا نھیں سمجھا جاسکتا اور یہ مسئلہ اس قدر واضح اور سبھی کو معلوم ھے کیونکہ جب قرآن مجید عوام الناس کو شرک سے پرھیز کرنے کے لئے کھتا ھے تو آوزا دیتا ھے:

(إِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیمٌ) (١)

”بے شک کہ شرک بھت بڑا ظلم ھے۔“

یعنی اس کبریٰ (کہ ”ھر وہ چیز جو ظلم ھے اس سے دوری اور اجتناب کیا جائے“) ؛ میں کوئی شک وتردید نھیں ھے، اور یہ قضیہ؛ مطلق، کلی، ثابت اور غیر قابل تبدیلی ھے، کیونکہ شرک ظلم کا ایک مصداق ھے، جو ھمیشہ برا ھے اور اس سے پرھیز کیا جائے۔

ھمارا دعویٰ یہ نھیں ھے کہ تمام اقداری مسائل بطور مطلق ھیں بلکہ ھم تو یہ کھتے ھیں کہ بعض اقدار مطلق ھیں اسی طرح معرفت کے باب میں؛ ھم ھر معرفت کو مطلق نھیں مانتے، اور یہ بھی نھیں مانتے کہ ھر شخص کو حاصل ھونے والی معرفت اور شناخت صحیح اور مطلق ھے کیونکہ بعض لوگوں کو حاصل ھونے والی شناخت اور معرفت نادرست ھے پس معلوم یہ ھوا کہ بعض معرفت اور شناخت نسبی ھیں اور بعض چیزوں میں نسبیت پائی جاتی ھے: مثال کے طور پر آپ سے یہ سوال کیا جائے کہ تھران یونیورسٹی بڑی ھے یا چھوٹی؟ تو چونکہ اگر آپ اس کواپنے گھر سے مقابلہ کریں گے تو آپ کا جواب ”بڑی“ ھوگا اور کھیں گے کہ تھران یونیورسٹی بھت بڑی ھے لیکن اگر اسی یونیورسٹی کو کرہ زمین سے مقابلہ کریں گے تو اس وقت آپ کا جواب یہ ھوگا کہ تھران یونیورسٹی بھت چھوٹی ھے؛ یھاں تک کہ دریا کے ایک قطرہ کی مانند شمار کی جائے گی۔

پس معلوم یہ ھوا کہ چھوٹا یا بڑا ھونا نسبی چیزوں میں سے ھے اور اسی طرح کے معنی ومفاھیم پر نسبی اطلاق کیا جائے گا لیکن کسی چیز کے چھوٹے یا بڑے ھونے سے یہ نتیجہ نھیں لیا جاسکتا ھے کہ تمام چیزیں نسبی ھیں، یھاں تک کہ خدا بھی نسبی ھے انسانی وجود، کرہ زمین اور عالم ھستی بھی نسبی ھیں چھوٹائی اور بڑائی؛ نسبی اور اضافی ھوتی ھیں اور ”مقولہ اضافہ“ سے تعلق رکھتی ھیں؛ لیکن بعض ایسے معنی اور مفاھیم ھیں جو نسبی نھیں ھیں اور ان کے ذریعہ تشکیل پانے والے قضایا مطلق ھوسکتے ھیں۔

اس بنا پر ھمارا کھنا یہ نھیں ھے کہ ھر اقدار چاھے کسی بھی جگہ ھو یا کسی بھی زمانہ میں ھو اس پر اعتقاد رکھنا مطلق ھے بلکہ ھمارا کھنا تو یہ ھے کہ ”موجبہ جزئیہ“ کے حد تک ھمارے پاس ”مطلق اقدار“ موجود ھیں، یعنی ھمارے پاس ایسے چیزیں موجود ھیں جو مطلق اقدار کھی جاسکتی ھیں اور موقع ومحل اور زمان و مکان کے لحاظ سے تبدیل نھیں ھوتی ، اور نہ ھی ان چیزوں میں کسی استثناء کا قائل ھوا جاسکتا بے شک ھمارے سامنے دو طرح کے اقدار موجود ھیں ایک مطلق ھوتے ھیں اور دوسرے وہ جو مطلق نھیں ھوتے ھمارے عقیدہ کے لحاظ سے ظلم ھمیشہ اور ھر جگہ اور ھر ایک کے لئے بُرا ھے اور عدل ھمیشہ اور ھر جگہ اور ایک کے لئے حَسن، اچھا اور پسندیدہ ھے ھمارے پاس واقعی قضایا اور علوم توصیفی سے متعلق قضایا مطلق اور یقینی ھیں مثال کے طور پر ھم یقین اور جزم کے ساتھ یہ کھہ سکتے ھیں کہ آسمان و زمین اور انسان موجود ھیں، خداوندعالم موجود ھے، وحی اور قیامت کا وجود ھے؛ بے شک یہ تمام چیزیں مطلق ھیں، نسبی نھیں ۔

بعض اقدار کے مطلق ھونے کا معیار

قارئین کرام! یھاں پر ایک سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ ھمیں یہ کیسے معلوم ھو کہ یہ چیز مطلق ھے یا نسبی؟ تو اس کا مختصر جواب یہ ھے کہ ھر وہ واضح اور روشن قضیہ یا وہ قضیہ جو صحیح طور پر واضح چیزوں سے حاصل ھو وہ مطلق ھے لیکن وہ قضایا جو واضح نھیں ھیں یا صحیح طریقہ پر واضح و روشن چیزونسے حاصل نہ ھو وہ نسبی ھے، جس کا نتیجہ بھی واضح اورروشن نھیں ھوگا اور بالکل یھی تقسیم اقدار کے سلسلہ میں بھی ھے: احساسات، محبت، خیالات اور عادات کی بنیاد پر حاصل شدہ اقدار، نسبی ھیں؛ لیکن جن اقدار کی بنیاد عقل پر ھوتی ھے اور جن پر عقلی دلائل قائم کئے جاسکتے ھیں اور ان کے اقداری ھونے پر دلیل پیش کی جاسکتی ھے؛ وہ مطلق ھیں مثال کے طور پر ھم عبادت خدا

کوایک اقدار کے عنوان سے مانتے هیں جو همیشہ بطور مطلق مقصود اور پسندیدہ هے، اور کبهی بهی اس میں استثناء نهیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس کی بنیاد یہ هے کہ انسان کے لئے واقعی اور حقیقی راہ تکامل (ترقی) عبادت خدا هے اسی طرح اجتماعی اقدار میں عدالت همیشہ اچهی هے ، جس کے بارے میں کبهی بهی کوئی استثناء نهیں کیا جاسکتا، اس کے مقابلہ میں ظلم همیشہ اور هر جگہ ناپسند اور بُرا هے لهٰذا معلوم یہ هوا کہ مطلق اقدار بهی موجود هیں۔

۴۔ مغربی تمدن میں تمام دینی عقائد نسبی هیں
آج کل مغربی ممالک میں بهت سے فلسفی مکاتب پیدا هوگئے هیں جن میں کها جاتا هے کہ اقدار کے سلسلہ میں عقلی اور واقعی پشت پناهی نهیں هے، ان کا عقیدہ هے کہ تمام اقداری مسائل نسبی اور قرار دادی(باهمی مفاهمت) هیں ، یعنی جس کو عوام الناس اچها کهیں وہ اچها هے اور جس کو بُرا طے کرلیں وہ برا هے انهیں فلسفی مکاتب میں سے ایک مهم اخلاقی مکتب بنام ”پوزیٹیزم“ "Positivism" هے، جس میں معاشرہ کی پسند کو اقدار کا ملاک قرار دیا جاتا هے اسی بنا پر اس مکتب کے ماننے والے کهتے هیں کہ خوب و بد اور اقدار و ضد اقدار طے کئے جانے والے معاملات میں سے هیں اگر آج عوام الناس کسی چیز کو اقدار اور اچهی مانتے هیں تو وہ اچهی اور قابل قدر دانی هے، لیکن اگر لوگوں کا نظریہ بدل جائے تو پهر وهی چیز جس کو اچها سمجها جارها هے اس کو بُرا کها جانے لگے گا،اور وہ ضد اقدار شمار هونے لگی گی۔
لیکن همارا عقیدہ یہ هے کہ تمام اقداری مسائل نسبی نهیں هے اور تمام اقداری مسائل قرار داد کے تحت نهیں هیں ٹهیک هے کہ کسی بهی معاشرہ کے آداب و رسوم قرار دادی اور موقع ومحل کے لحاظ سے قابل تبدیلی هوتے هیں، لیکن بهت سے ایسے اقدار هیں جو انسان کی فطرت میں پائے جاتے هیں، وہ فطرت جو ثابت اور غیر قابل تبدیلی هے:
جیسا کہ قرآن مجید میں خداوندعالم کا ارشاد هوتا هے:
(فَأَقِمْ وَجْهكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللهِ الَّتِی فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْها لاَتَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ) (2)
”آپ اپنے رخ کو دین کی طرف رکهیں اور باطل سے کنارہ کش رهیں کہ یہ دین وہ فطرت الٰهی هے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا هے، اور خلقت الٰهی میں کوئی تبدیلی نهیں هوسکتی “
چونکہ فطرت الٰهی میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نهیں هو سکتی، لهٰذا وہ اقدار جو فطرت پر مبنی هوں گے وہ بهی غیر قابل تبدیلی هوں گے لهٰذا همارے پاس مطلق اقدار هوسکتے هیں جو لوگ هم سے کهتے هیں کہ آپ اپنے نظریہ کو مطلق نہ سمجهے، اگر ان کا مطلب یہ هے کہ اپنے اقداری افکار کو مطلق نہ کهیں کیونکہ هم ایسے عقائد اور اقدار پر یقین رکهتے هیں جن پر دوسرے لوگ اعتقاد نهیں رکهتے، اور همارے مقابلہ میں دوسری چیزوں کا اعتقاد رکهتے هیں؛ لهٰذا همیں اپنے عقائد ان لوگوں پرتحمیل نهیں کرنا چاهئے، کیونکہ همارا اقداری نظریہ همارے سلیقہ کے تحت هے اور دوسروں کی اقداری نظر ان کے اپنے سلیقوں کے تحت هے، اور کسی کو یہ حق حاصل نهیں هے کہ وہ دوسروں کے سلیقے کو غلط کهے بے شک اگر کوئی شخص اس طرح کا نتیجہ پیش کرتا هے تو یہ اسی اخلاقی مکتب ” پوزیٹیزم "Positivism" “کی بنیاد پر هے جس کی بنیاد عوام الناس کا سلیقہ اور ان کی مرضی هے، جبکہ یہ نظریہ فاسد اور باطل هے، اور اسلام اور فلسفہ اخلاق کے صحیح مکتب سے هم آهنگ نهیں هے۔
اسی پوزیٹیزم اخلاقی مکتب کے طرفدار هم سے کهتے هیں کہ ”اپنے نظریات کو مطلق قرار نہ دیں“؛ وہ لوگ واقعاً بهت بڑے دهوکے میں هیں هم مطلق اقدار کی حفاظت کی خاطر اپنی جگہ پر اٹل هیں اور کوشش کرتے رهیں گے تا کہ اسلامی ثابت اقدار معاشرہ میں زندہ رهیں اور ان کی تبلیغ هوتی رهے ، اور ان کے بارے میں کسی طرح کا کوئی اشکال اور اعتراض باقی نہ رهے۔
مغربی افراد ”رنسانس“ کے زمانہ کے بعد سے دینی معنی و مفاهیم کو اقدار کے دائرہ میں قرار دیتے هیں خصوصاً وہ دینی مسائل جو دینی مناسک اور احکام سے متعلق هیں اور چونکہ دوسری طرف سے یہ لوگ اقدار کو نسبی قرار دیتے هیں، اسی وجہ سے دینی اقدار کو بهی نسبی شمار کرتے هیں،اور ان کے لئے مطلق اقدار کے قائل نهیں هیں چنانچہ اسی بنیاد پر کهتے هیں کہ تمام ادیان اور مذاهب اچهے اور برحق هوسکتے هیں: اور یہ دین اپنے ماننے والوں کے لئے اچها اور برحق ، اور وہ دین اس کے ماننے والوں کے لئے اچها اور برحق هے، اور کسی شخص کو بهی یہ حق حاصل نهیں هے کہ وہ اپنے دینی نظریہ کو مطلق قرار دے ، اسی طرح یہ بهی کهنے کا حق نهیں هے کہ صرف اور صرف دین اسلام صحیح اور برحق هے اور دوسرے ادیان عالم باطل اور بے بنیاد هیں چاهے دین اسلام ایک طرح کے اقداری احکام سے تشکیل هوا هے مثلاً دینی حلال و حرام چیزیں جیسے نماز پڑهیں، روزہ رکهیں، یا جهوٹ نہ بولیں، یا نامحرم کو نہ دیکهیں اور لوگوں کے مال اور ناموس پر تجاوز نہ کریں جب کہ یہ بات ظاهر هے کہ اگر اقدار مسائل نسبی اور قرار دادی (باهمی مفاهمت) هوں تو دینی مسائل بهی نسبی هوں گے ، جس کا نتیجہ یہ هوگا کہ دین اسلام اعتبارات اور قرارداد کادین بن جائے

گا۔
اس پوزیٹیزم نظریہ اور دینی مسائل کواقدار کے دائرہ میں قرار دینے کی بنا پر بعض لوگ ہم سے کہتے ہیں کہ آپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اپنے دین کو دوسروں پر تحمیل کریں،اور ان کو مسلمان کرنا چاہیں دین اسلام تمام مسلمان کے لئے محبوب اور پسندیدہ ہے، اسی طرح دین یہودیت یہودیوں کے لئے پسندیدہ ہے، چونکہ یہ ادیان نسبی ہیں اور ان میں سے کوئی بھی مطلق نہیں ہے اور چونکہ یہ ادیان اور اقدار نسبی اور قراردی ہیں اسی لحاظ سے مختلف معاشروں مینان کا حکم بھی مختلف ہے: چودہ سو سال پہلے اسلام؛ سعودی عرب کے لئے مناسب اور اچھا تھا لیکن عصر حاضر میں ماڈرن دنیاکے لئے ایک دوسرا دین مناسب اور مطلوب ہے! لہٰذا اسلام کو مطلق قرار نہیں دینا چاہئے اور مسلمانوں کو بھی اپنے دینی نظریات کو دوسروں پر نہیں تھونپنا چاہئے اسلام ان لوگوں کے اچھا ہے جن کے سلیقے ان سے میل کھاتے ہیںلیکن دوسروں کے لئے یہ دین اچھا نہیں ہے کیونکہ وہ اس دین کو پسند نہیں کرتے اور اپنے سلیقہ کے لحاظ سے دوسرا دین اختیار کئے ہوئے ہیں لہٰذا ہمیں اپنے اسلامی سلیقہ کو دوسروں پر تحمیل نہیں کرنا چاہئے اور دوسرونکے سلیقوں کونظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔
قارئین کرام! گذشتہ نظریہ کا جواب یہ ہے کہ ہم مان لیتے ہیں کہ اسلام کے بعض احکام (جیسے احکام ثانوی) نسبی اور متغیر ہیں اور بعض احکام موقع و محل کے لحاظ سے ہوتے ہیں، لیکن اسلامی تمام احکام متغیر نہیں ہیں؛ بلکہ بہت سے اسلامی احکام ثابت، مطلق اور غیر قابل تبدیلی ہیں اس کے علاوہ یہ بھی عرض کردیا جائے کہ اسلام کا کوئی بھی حکم عوام الناس کے سلیقہ کے تابع نہیں ہے ، اور متغیر احکام کے لئے بھی خاص دلائل ہوتے ہیں پس اولاً: ہم اس نظریہ کو نہیں مانتے کہ تمام اقدار عوام الناس کے سلیقہ اور ان کی پسند کے تابع ہیں بلکہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ بعض اقدار اور بعض ضد اقدار مطلق چیزیں؛ مصالح ومفاسد کے تابع اور نفس الامری ہیں، لہٰذا وہ ثابت اور غیر قابل تبدیلی ہیں دوسرے: اسلام کے ثابت اقدار اسی قسم کے ہیں (یعنی مصالح و مفاسد کے تابع اور نفس الامری ہیں) لہٰذا وہ مطلق ہیں اور ہم ان کو ہمیشہ اور ہر جگہ کے لئے معتبر جانتے ہیں اور اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہمارے اسلامی نظریات مطلق ہیں ، اور صرف یہی اسلامی نظریات مطلق ، صحیح اور بر حق ہیں پس نتیجہ یہ نکلا کہ مغربی ممالک میں نسبی گرایی نظریہ اسلامی نظریات کے مطابق نہیں ہے۔

ج۔ معرفت کے نسبی ہونے پر تیسرا نظریہ(معرفت دینی میں نسبیت کا وجود)
نسبی نظریات میں سے ”معرفت دینی میں نسبیت“کا نظریہ بھی ہے، چنانچہ اسی نظریہ کے تحت بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم بھی یہ مانتے ہیں کہ دین ثابت اور مطلق ہے، اور دینی اقدار بھی مصالح ومفاسد کے تابع، واقعی اور نفس الامری ہیں، ہم بھی حقیقت دین کو مطلق اور ثابت مانتے ہیں لیکن ہمارے پاس کوئی واقعی اور مطلق دین نہیں ہے، جس سے ہم رابطہ برقرار کریں صرف ہمارے اختیار میں دین کی معرفت اور اس کی شناخت ہے اور جو کچھ بھی ہم دوسروں کو دین کے عنوان سے بتاتے ہیں، درحقیقت وہ دین سے حاصل کردہ ہمارا ایک نتیجہ اور شناخت ہوتی ہے جبکہ دوسرے افراد دین سے ایک دوسرا نتیجہ حاصل کرتے ہیں اگرچہ ہم اصلِ دین کو ثابت اور مطلق مانتے ہیں لیکن دینی معرفت اور دینی شناخت کو قابل تغیر اور نسبی مانتے ہیں ، ہمارے نظریہ کے مطابق کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے نتیجہ اور شناخت کو مطلق مانے، اور اپنے اس نظریہ کو دوسروں پر تھونپے۔
یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ ہماری بعض دینی شناخت مطلق ہو، اور سبھی لوگ دین سے یہی نتیجہ اخذ کریں اور سبھی اسی کو قبول کریں یا نہ ، دینی کوئی بھی معرفت مطلق نہیں ہے بلکہ دینی ہر موضوع کی ہر شناخت نسبی ہے؟ جس کے نتیجہ میں دو دینی شناختوں میں سو فی صد اختلاف ہوسکتا ہے کہ ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہو؛ یعنی کوئی شخص کسی چیز کو دینی مسائل میں شمار کرے جبکہ کوئی دوسرا شخص اس کا انکار کرے، حالانکہ دین سے حاصل کردہ دونوں شناخت مقبول اور معتبر ہوں ؟!
قارئین کرام! نسبت کے سلسلہ میں یہ تیسرا نظریہ جو ”معرفت دینی میں نسبیت“ کے نام سے شہرت پیدا کرتا جارہا ہے اور اس نظریہ کے طرفدار اس کو ”قبض وبسط شریعت“ (شرعی مسائل میں کمی وزیادتی) کے عنوان مانتے ہیں، اور یہ نظریہ تقریباً بیس سال سے رائج ہوتا جارہا ہے اور ہر روز مزید پھیلتا جارہا ہے نیز اخباروں اور جرائد میں بیان ہوتا ہے،اس کی بنا پر ایسا ظاہر کیا جاتا ہے کہ دین کے متعلق تمام لوگوں کی شناخت برابر نہیں ہے: ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے اعتقاد کی بنا پر کہے کہ نماز صبح دو رکعت ہے، لیکن کوئی اپنے نظریہ کی بنا پر یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ نماز صبح تین رکعت ہے؛ حالانکہ دونوں نظریات معتبر او رمقبول ہیں! اور اگر ہم اپنے عقیدہ کی بنا پر نماز صبح کو دو رکعت سمجھیں تو ہمیں یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے افراد کو بھی نماز صبح دو رکعت پڑھنے کے لئے کہیں اس بنیاد پر

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ھمارے عقیدہ کی بنا پر نماز صبح دو رکعت ھے، ھوسکتا ھے کہ کوئی دوسرا شخص دین سے یہ نتیجہ حاصل کرے کہ نماز صبح تین رکعت ھے اور وہ بھی دین کی شناخت اور ایک قرائت کھلائے گی، اور اقداری لحاظ سے دو قرائت کے درمیان کوئی فرق نھیں ھے اور ھر شخص کا حاصل کردہ نتیجہ اس کے لئے محترم ھے، نیز کسی کویہ حق نھیں ھے کہ دین سے حاصل کردہ اپنے نتیجہ کو مطلق قرار دے،چونکہ شناخت اور معرفت قبض وبسط رکھتی ھینیعنی ان میں کمی یا زیادتی ھوسکتی ھے، یھاں تک کہ ایک شناخت اور قرائت ایک طرف ھو او ردوسری شناخت اور قرائت اس کے بالکل مخالف ھو،اور یہ بھی ممکن ھے کہ کسی ایک دینی عقیدہ کو آج ثابت کریں اور کل اسی عقیدہ کی ردّ کریں اس کی وجہ یہ ھے کہ واقعی دین ھمارے پاس نھیں ھے، بلکہ صرف دینی معرفت ھمارے پاس ھے، جبکہ یہ دینی معرفت قابل تبدیلی ھے اور بعض افراد کے لحاظ سے مختلف ھو جاتی ھے۔

۵۔ قرائت نسبی اور قرائت مطلق دونوں جدا جدا ھیں

بے شک ”معرفت دینی میں نسبیت“ کے نظریہ (جو کافی مدت سے ھمارے ملک میں جاری ھے اور اس کے بارے میں بھت سی کتابیں اور مقالات بھی چھپ چکے ھیں)؛ کی تحقیق و بررسی کے لئے کافی مدت درکار ھے ، لیکن ھم اس وقت مختصر طور پر عرض کرتے ھیں: ھم یھاں پر سب سے پھلے یہ سوال کرتے ھیں کہ کیا ”قبض وبسط شریعت“ کے ماننے والوں کے نزدیک ھر دینی مسائل کی چند تفسیر اور چند قرائت ھوسکتی ھیں؟ یا صرف بعض دینی مسائل کی مختلف تفسیر اور معنی ھوسکتے ھیں؟ اس سلسلہ میں ان کی پیش کردہ دلائل کے پیش نظر صرف بعض دینی مسائل میں مختلف تفسیر اور قرائت کا ھونا ثابت ھوتا ھے؛ لیکن وہ لوگ اس دلیل کو عام قرار دیتے ھوئے یہ نتیجہ نکالتے ھیں کہ تمام دینی مسائل میں مختلف تفسیر اور نتائج ھوسکتے ھیں منجملہ ان کے بعض مجتھدین اور فقھاء کے اختلافی مسائل ھیں۔

ان کا دعویٰ یہ ھے کہ اسلامی فقہ میں (بعض) مجتھدوں کا فتویٰ مختلف ھے چنانچہ ایک کھتا ھے کہ نماز جمعہ واجب ھے اور دوسرا کھتا ھے کہ نماز جمعہ واجب نھیں ھے، ایک کھتا ھے کہ ”شطرنج“ کھیلنا حرام ھے لیکن دوسرا اس کو حلال قرار دیتا ھے پس معلوم یہ ھوا مجتھدین کا فتویٰ اور اسلام سے ان کا حاصل کردہ نظریہ نسبی اور متغیر ھے، ثابت نھیں، یھاں تک کہ بعض مجتھدین میں خود ان کا فتویٰ مختلف ھے ، جیسا کہ بعض مجتھدین کا ایک زمانہ میں کچھ فتویٰ تھا لیکن بعد میں اپنا فتویٰ بدل دیا اور ایک نیا فتویٰ صادر کردیا لھٰذا معلوم یہ ھوا کہ یہ فتاویٰ اور نتائج کا اختلاف اس بات کی دلیل ھے کہ دینی معرفت اور قرائت نسبی اور قابل تغیر ھے، اور ممکن نھیں ھے کہ دینی معرفت اور شناخت ثابت اورمطلق ھو۔

قارئین کرام ! مذکورہ مسئلہ کے جواب میں ھم عرض کرتے ھیں کہ اس بات کو تو ایک دور دراز کے علاقے میں رھنے والا جاھل انسان بھی جانتا ھے کہ فروع دین کے بعض مسائل میں مجتھدین کا فتویٰ مختلف ھے لیکن فتووں کا یہ اختلاف دلیل نھیں ھے کہ آپ لوگ یہ دعویٰ کرنے لگیں کہ وحی کے ذریعہ پیغمبر اسلام (ص) کی معرفت تک مطلق نھیں ھے؛ چونکہ پیغمبر اکرم (ص) کی معرفت بھی انسانی معرفت کی طرح ھے جس میں خطا کا امکان پایا جاتا ھے! یعنی جس وقت خداوندعالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ھے:(قُلْ ھوَ اللهُ اَحَدٌ) (۳) یا (وَاِلٰھکُمْ اِلَہ وَاحِدٌ لاَاِلَہ اِلاّٰ ھوَ الرَّحْمَانُ الرَّحِیمُ) (۴)کھتا ھے تو ھمیں یہ نہ معلوم ھو کہ خدا کی وحی کیا ھے ھم پیغمبر اکرم کے فرمان کے مطابق جس میں آپ نے فرمایا کہ خداوندعالم مجھ پر وحی نازل کرتا ھے؛ آگاہ ھوجاتے ھیں کہ پیغمبر اکرم (ص) پر وحی نازل ھوتی ھے، لیکن وحی الٰھی کی حقیقت کے بارے میں نھیں جانتے اور پیغمبر اکرم (ص) نے وحی کے سلسلہ میں جو کچھ چیزینھمیں بتائی ھیں وہ وحی خدا نھیں ھے بلکہ وحی سے اپنی معرفت اور فھم کو پیش کیا ھے؛ اور چونکہ آپ کی فھم و سمجھ بھی انسانی اور قابل خطا ھے،تو ھوسکتا ھے کہ انھوں نے وحی حاصل کرنے میں غلطی کی ھو خداوندعالم بیان کچھ کرنا چاھتا تھا لیکن آپ نے اس کے سمجھنے میں غلطی کردی اور اپنی معرفت اور سمجھ کو وحی خدا کے عنوان سے بیان کردیا چنانچہ اس نظریہ کا نتیجہ یہ ھوا کہ قرآن مجید کی کسی بھی آیت کے بارے میں کسی کی فھم اور سمجھ معتبر نھیں ھے اور ان سب میں خطا اور غلطی کا احتمال پایا جاتا ھے!

قارئین کرام! کیا یہ بھی دین اسلام کی ایک نئی قرائت ھے؟ کیا قرائت کا میدان اس قدر لا محدود اور وسیع ھے؟ ھم یہ مانتے ھیں کہ مجتھدین کے فتووں میں اختلاف پایا جاتا ھے لیکن کیا خداوندعالم کے وجود میں بھی شک و تردیدپیدا ھوسکتا ھے ؟ اور کیا اس بات کو قبول کیا جاسکتا ھے کہ اسلامی نقطہ نظر اور قرآنی آیات کے تحت کوئی شخص خدا کے وجود کو ثابت کرے اور دوسرا (انھیں قرآنی آیات کے ذریعھ) وجود خدا کی نفی کرے، اور دونوں کو دو دینی معرفت کے نام سے معتبر سمجھا جائے؟ اور کیا ۱۴۰۰ سال سے تمام شیعہ سنی اسلامی فرقوں کے علماء کے بیان کے مقابلہ مینکوئی یہ دعویٰ کرسکتا ھے کہ ان سبھی نے غلطی کی ھے اور غلط سمجھا ھے ، انھوں نے اپنے نتائج کو بیان کیا ھے اور ھم بھی اپنا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

نتیجہ بیان کرتے ھیں؟
دین میں کس حد تک مختلف قرائت ھوسکتی ھیں؛اس سوال کا جواب یہ ھے کہ مختلف قرائت کا وجود صرف فروع دین میں قابل تصور ھیں، نہ کہ اصول دین میں اور وہ بھی ان ظنی مسائل میں جن میں اختلاف کا امکان موجود ھے، نہ کہ قطعی، اجماعی اور اتفاقی مسائل میں اس کے علاوہ فروع دین میں صرف دینی صاحب نظر اور متخصص (ماھرین علماء) کی نظر معتبر ھیں، نہ یہ کہ ھر کس و ناکس کے نظریہ کا کوئی اعتبار ھے ان لوگوں کی نظر معتبر ھے جنھوں نے تقریباً پچاس سال تک بڑے بڑے اساتیذ جیسے مرحوم آیت اللہ بروجردی، مرحوم آیت اللہ امام خمینی اور علامہ طباطبائی (رحمۃ اللہ علیھم)سے درس پڑھا ھے اور اس راستہ میں آنے والی تمام تر سختیوں کو برداشت کیا ھے نیز اپنی رفتار، فھم، تحقیق اور استنباط میں تقویٰ الٰھی سے مزین ھوں، نیز ھوا پرستی کا شکار نہ ھوں دینی معاملات میں مغربی تمدن سے متاثر چند بول پڑھنے والے (خود کو دینی ماھر کھلانے والے)؛ کی نظر معتبر نھیں ھے۔
نتیجہ یہ ھوا کہ اختلاف نظر اور مختلف قرائت صرف دین کے ظنّی اور متشابہ مسائل میں قابل قبول ھے، اور اسلام کے قطعی مسائل، محکمات، ضروریات اور بینات میں صرف ایک ھی قرائت موجود ھے اور وہ بھی خدا وپیغمبر کی قرائت ھے، لھٰذا اس سلسلہ میں کسی طرح کے اختلاف نظر، شک وتردید اور مختلف قرائت کی کوئی گنجائش نھیں ھے، جیسا کہ اسلام کو ۱۴۰۰ سال گذر چکے ھیں ان کے بارے میں کسی طرح کا کوئی اختلاف نھیں ھوا ھے ھم نے دیکھا کہ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے مرتد سلمان رشدی کے قتل کا فتویٰ صادر کیا تو اس وقت تمام علماء اسلام نے تائید کی اوراس حکم کے بارے میں کسی طرح کی کوئی مخالفت سنائی نہ دی، اور سب نے یہ اتفاقی طور پر کھا کہ حضرت امام خمینی (رہ) کا بیان کردہ فتویٰ حکم اسلام ھے اگرچہ بعض مغرب پرست نو وارد جنھوں نے اسلام کی بو بھی نھیں سونگھی ھے اس فتویٰ کی مخالفت کی اور کھا: اسلام سے ھماری قرائت یہ نھیں ھے لیکن یہ بات روز روشن کی طرح واضح ھے کہ دنیا بھر کے صاحب عقل صرف اسی شخص کے نظریہ کو اھمیت دیتے ھیں اور صرف اسی کے نظریہ کو معتبر جانتے ھیں جو متعلق علم میں صاحب نظر اور محقق ھو اور صحیح طریقہ اور اس علم سے مناسب تحقیق کے بعد اپنی رائے کا اظھار کرے۔

حوالے

(۱) سورہ لقمان آیت۱۳
(2) سورہ روم آیت ۳۰
(3) سورہ اخلاص (توحید) آیت ۱، ترجمہ :" اے رسول کھہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ھے "
(4) سورہ بقرہ آیت ۱۶۳ ترجمہ: "اور تمھارا خدا بس ایک ھے ، اس کے علاوہ کوئی خدا نھیں ھے وھی رحمن بھی ھے اور وھی رحیم بھی ھے "

چالیسواں جلسہ

دینی معارف افسانہ ھیں یا حقیقت نما آئینہ

۱۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
"اسلامی سیاسی نظریات کی وضاحت" کے سلسلہ میں ھماری بحث یھاں تک پھنچی تھی کہ اگر اسلامی منابع کے لحاظ سے قوانین اور ضوابط بنانا چاھیں اور ان کو اسلامی اقدار کے مطابق نافذ کرنا چاھیں، تو اس کے لئے ھمارے پاس قرآن وسنت(جو ھمارے اصلی منابع ھیں)؛ کی گھری شناخت اور قابل اعتماد پھچان ھونا ضروری ھے، تاکہ قانون گذاری کے وقت اسلامی نظریہ کو مدّ نظر رکھیں، اور وہ قوانین وضوابط اسلام کے کلی قوانین کے تحت قرار پائیں، اور اسی طرح قرآن وسنت سے الھام لیتے ھوئے ان کو نافذ کرنے کا طریقہ اپنائیں اس سلسلہ میں کبھی کبھی آیات و روایات سے ھونے والا نتیجہ مختلف ھوجاتا ھے اور بعض آیات و روایات کی مختلف تفسیر و معنی کئے جاتے ھیننیز بعض روایات سے مختلف استنباط ھوتے ھیں لیکن اس سلسلہ میں بعض لوگ اس قدر آگے بڑہ گئے ھیں کہ انھیں اختلاف کے پیش نظر یہ کھتے ھیں کہ تمام دینی مسائل میں اختلاف جائز ھے، اور کھتے ھیں کہ ھر شخص اسلام سے مخصوص قرائت اور مخصوص نتیجہ حاصل کرسکتا ھے، اور کسی شخص کو یہ حق نھیں ھے کہ وہ اپنے نظریہ کو دوسروں پر تحمیل کرے جیسا کہ اخباروں اور جرائد میں مکرر یہ شعار دیا جاتا ھے کہ کسی کو بھی یہ حق نھیں ھے کہ وہ دین سے اپنے حاصل

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کردہ نتیجہ کو مطلق گردانے، بلکہ توجہ رھے کہ دوسرے افراد بھی آراء اور نظریات رکھتے ھیں ، اور یہ کہ اسلام کی صرف ایک قرائت نھیں ھے، نیز اسلام کے بارے میں مختلف قرائت کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ دین کی ھر ایک قرائت معتبر اور محترم ھے۔

۲۔ واقع نما اور غیر واقع نما زبانوں کی اھمیت

قارئین کرام ! ھم نے گذشتہ جلسہ میں دینی سلسلہ میں مختلف نظریات کے مطلق نہ ھونے نیز دین کی مختلف قرائت نہ ھونے کے بارے میں بحث کی، اور نظریات کے نسبی ھونے نیز مختلف قرائت کا سر چشمہ تلاش کرتے ھوئے ”نسبیت معرفت“ کے مسئلہ کو بیان کیا اور عرض کیا کہ ”نسبیت معرفت“ کے سلسلہ میں تین نظریات پائے جاتے ھیں اس جلسہ میں دینی نظریات کے مطلق نہ ھونے کے شعار اور دین کی مختلف ھونے کے بارے میں دوسرے دو نظریات کی طرف اشارہ کرتے ھیں، اور وہ دو نظریہ یہ ھیں: ”دین کی زبان“ اور ”ھرمنوٹیک“ "Hermeneutics" کی بحث اور علم تفسیر متون (تحریر کی شرح وتفسیر کرنا) جو کہ عصرِ حاضر میں معرفت کا ایک مھم باب کھلاتا ھے، اور دنیا کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں مخصوص ڈیپارٹمینٹ اور مخصوص علمی گروہ اس میں مشغول ھیں لھٰذا ھم اس جلسہ میں انھیں دو چیزوں کے بارے میں گفتگو کرتے ھیں۔

دین کی زبان کے سلسلہ میں بحث، اور دینی معرفت مطلق نہ ھونے والے مسئلہ کا سرچشمہ یہ ھے کہ ان آخری چند صدیوں کے دوران یورپی ممالک میں ”فلسفہ دین اور کلام جدید“ کے سلسلہ میں ایک نئی بحث یہ کی گئی ھے کہ کیا دین کی زبان واقع نما ھے یا دین کی زبان سمبلیک "Symbilec" (رمزی)اور قصہ کھانی اورافسانہ کی زبان ھے اس سلسلہ وضاحت کے طور پر یوں عرض کیا جائے کہ انسان اپنی بات کو سمجھانے کے لئے زبانی اور عرفی محاورات یا علمی اور فلسفی اصطلاحات ، نیز الفاظ اور ان کی ترکیبات کا استعمال کرتا ھے تاکہ دوسروں کو خارجی یا عینی چیزوں کی واقعیت کی طرف متوجہ کرسکے اور کبھی انسان ان الفاظ کے ذریعہ خارجی اور عینی واقعیات کے طرف متوجہ کرتا ھے اور کبھی ان الفاظ کے ذریعہ منطق اور فلسفہ جیسے علم میں ذھنی اور تصوری حقائق کی طرف متوجہ کرتا ھے، مثال کے طور پر کوئی شخص یہ کھے کہ ”فضا روشن ھے“ اس جملہ سے کھنے والے کی مراد یہ ھوتی ھے کہ سننے والے کو اس بات کی خبر دے کہ فضا روشن ھے، اورچراغ کے ذریعہ روشنی کرنے کی ضرورت نھیں ھے بے شک یہ زبان واقع نما ھے اور ایک بیرونی حقیقت کی عکاسی کرتی ھے اور اسی طرح کی زبان ریاضیات ، منطق اور فلسفہ میں بھی استعمال کی جاتی ھے، البتہ یہ زبان علوم دقیقہ (منطق وفلسفھ) اور تجربی علوم میں تھوڑے دخل وتصرف کے ساتھ استعمال کی جاتی ھے اسی وجہ سے کھا جاتا ھے کہ زبان علم اور زبان فلسفہ واقع نما ھوتے ھیں اور بیرونی حقیقت یا ذھنی حقیقت کی عکاسی کرتی ھے۔

لیکن کبھی کبھی کسی بھی زبان کے الفاظ بیرونی یا ذھنی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے استعمال نھیں کئے جاتے اگرچہ الفاظ کی ترتیب وھی ھوتی ھے جس کو علوم میں حقیقت نما طریقہ پر استعمال کیا جاتا ھے ، لیکن کھنے والے یا لکھنے والے کا مقصد حقیقت سے باخبر کرنا نھیں ھوتا، مثال کے طور پر افسانہ اور قصہ کی زبان، جس میں کسی بھی طرح کی کوئی واقعیت کا پتہ نھیں دیا جاتا ، لھٰذا اس طرح کی زبان واقع نما نھیں ھے جس وقت قصہ اور کھانیوں کی کتابوں میں ”کلیلہ ودمنھ“ کی داستان بیان کی جاتی ھے تو ھم دیکھتے ھیں کہ ان قصوں میں استعمال ھونے والے الفاظ کسی طرح کی حقیقت کی حکایت نھیں کرتے اگر ان میں جنگلی حیوانات مثلاً شیر، بھیڑیا اور لومڑی وغیرہ کا کے بارے میں باتیں بتائی جاتی ھیں تو مؤلف کا مقصد یہ نھیں ھوتا کہ جنگلی حیوانات میں اس طرح کی گفتگو ھوتی ھے؛ بلکہ مؤلف اس داستان کے ذریعہ حیوانات کی زبان میں غیر مستقیم طور پر بعض مھم باتوں کی طرف متوجہ کرنا چاھتا ھے لھٰذا افسانہ اور قصہ کی زبان غیر واقع نما زبانوں کا ایک حصہ ھے۔

انھی غیر واقع نما زبانوں میں سے: زبان سمبلیک "Symbilec" (رمزی) ھے جو بھت سے علوم میں استعمال کی جاتی ھے ، اسی طرح انسانی معارف کی بھت سی قسموں میں حکایت اور حقائق کے بیان کرنے کے لئے اس زبان سے استفادہ کیا جاتا ھے، جس کا واضح نمونھ؛ علم ھندسہ اور ریاضی کی مثالیں اور فارمولے نیز اختصار کی علامتیں ھوتی ھیں جیسے "x" , "y" ،کیونکہ یہ مثالیں اور فارمولے کسی حقیقت کی حکایت نھیں کرتے، بلکہ بعض علمی حقائق کے لئے صرف ایک علامت ھوتی ھیں، اسی طرح شاعروں کی زبان بھی غیر واقع نما ھوتی ھیں جب شاعر؛ مئے، ساغر اور ساقی جیسے الفاظ کو اپنے شعر میں استعمال کرتا ھے توحقیقت میں اس کی مراد واقعی ساقی اورشراب نھیں ھوتی بلکہ ان الفاظ کو کنایۃً استعمال کرتا ھے جب کہ اس کے ذھن مینحقیقی مطلب کچھ اور ھوتا ھے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۳۔ دین کی زبان کو غیر واقع نما قرار دینے کا سبب

چنانچہ بعض لوگ کہتے ھیں کہ دین بھی اپنی خاص زبان رکھتا ھے، اور دین کی زبان غیر واقع نما زبانوں میں سے ھے پہلے تو دین کی زبان کا مسئلہ یورپ میں یھودیت اور عیسائیت کے عقائد کے بارے میں بیان ھوا، اسی وجہ سے دانشوروں اور متفکروں نے اپنے نظریہ کی تائید میں یھودیوں اور عیسائیوں کی کتاب مقدس سے مثالیں پیش کیں، اور یہ کھا کہ جب ھم کتاب مقدس کا مطالعہ کرتے ھیں اور اس کے اندر بعض چیزوں کے بارے میں دیکھتے ھیں ، تو ھمارا تصور یہ نھیں ھونا چاھئے کہ یہ مقدس کتاب ھم کو علمی (اور سائنسی) کتابوں کی طرح بیرونی حقائق سے آشنا کر رھی ھے، بلکہ دین نے جو زبان استعمال کی ھے وہ ایک افسانہ کی زبان اور سمبلیک "Symbilec" زبان ھے، (واقع نما نھیں ۔)

عام طور پر زبان کی دو قسم بیان کی جاتی ھے: ایک واقع نما زبان اور دوسری غیر واقع نمازبان،اور بعض لوگ دین کی زبان کو غیر واقع نما زبانوں میں قرار دیتے ھیں، یعنی دین کی زبان حقائق اور واقعیت پر مشتمل نھیں ھوتی بلکہ افسانہ ، قصہ وکھانیوں کی طرح ھوتی ھے لیکن یھاں پر سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ دین کی زبان کو زبان افسانہ قرار دینے کی علت اور وجہ کیا ھے؟ تو اس کا جواب یہ ھے کہ جب یورپ میں سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کے پیش نظر ھر روز نئی نئی چیزیں کشف ھوئی، اور زمین ، سورج اور دیگر ستاروں کے بارے میں مغربی دانشورونجیسے ”کلپر“، ”کپرنیک“، ”گالیلہ“ ؛ نے نئے نئے فرضیہ قائم کئے جو یھودیوں اور عیسائیوں کی مقدس کتاب (توریت اور انجیل) سے ھم آھنگ نہ تھے، جس کی وجہ سے انھوں نے یہ اندازہ لگالیا کہ عصرِ حاضر میں سائنس کی نئی تھیوری اور نظریات؛ کتاب مقدس میں بیان شدہ بعض عقائد کو جھوٹاثابت کرتے ھیں، جس کی بنا پر یھودیت اور عیسائیت کا چراغ گُل ھوجائے گا،کیونکہ جب توریت اور انجیل میں بیان شدہ چیزیں نادرست، بے بنیاد اور جھوٹی ثابت ھوجائیں گی تو پھر یہ دین کیسے باقی رہ سکتا ھے خصوصاً عیسائیت جس کے پیروکاروں کی تعداد بھت زیادہ ھے۔

خصوصاً ”رنسانس“ کے زمانہ کے بعد سے ؛ کتاب مقدس کی اھمیت کو بچانے اور یھودیت و عیسائیت کی دیواریں ھلنے سے روکنے کے لئے راہ حل تلاش کرنے کی فکر ھوئی ، (اور کافی مدت کے بعد اس نتیجہ پر پھونچے کہ) توریت اور انجیل میں بیان شدہ عقائد اور دوسری چیزیں؛ سائنس کے جدید نظریات اور ٹکنالوجی سے اس وقت ھم آھنگ نہ ھوں گی جب ھم دین کی زبان کو واقع نما اور حقائق کی عکاسی کرنے والی زبان کھیں لیکن اگر دین کی زبان کو غیر واقع نما زبان قرار دیدیں اور یہ کھیں کہ دین کی زبان؛ شعراور افسانہ کی زبان ھے جو حقائق اور واقعیت کی عکاسی نھیں کرتی اور توریت و انجیل میں بیان شدہ چیزیں گویا افسانہ اور قصہ کھانیوں کی طرح ھیں اور خاص اغراض ومقاصد کے تحت تنظیم ھوئی ھیں ، تو اس صورت میں سائنس اور دینی باتوں میں کسی طرح کا کوئی اختلاف پیش نھیں آئے گا؛ کیونکہ بنیادی طور پر دونوں زبانوں کا مقصد مختلف ھے اس نظریہ کا خلاصہ یہ ھے کہ توریت اور انجیل میں خدا، وحی، قیامت اور جنت وجھنم کے بارے میںذکر شدہ مطالب صرف عوام الناس کو اچھائیوں اور برائیونکے سمجھنے کے لئے بیان ھوئے ھیں، تاکہ دیندار افراد نیک کام کرنے اور برے کاموں سے پرھیز کرنے کی کوشش کریں جھوٹ نہ بولیں، غیبت نہ کریں اور دوسرے پر ظلم وستم کو جائز نہ مانیں مثلاً اگر ان میں کھا جاتا ھے کہ جو شخص کسی پر ظلم کرے گا تو آخرت میں اس پر عذاب ھوگا ، تو در حقیقت اس قول سے ظلم کی بُرائی کو مزید مجسم کیا گیاھے ، ایسا نھیں ھے کہ واقعاً آخرت میں کوئی جنت و جھنم موجود ھے، لہٰذا ھمیں دینی مسائل سے اس طرح کا کوئی تصور اور نتیجہ حاصل نھیں کرنا چاھئے۔

کتاب مقدس (توریت اور انجیل) سے عام فھم عوام الناس یھی نتیجہ حاصل کرتے ھیں کہ ان کتابوں میں ذکر شدہ دینی مسائل حقائق پر مبنی ھیں اور بیرونی حقائق کی عکاسی کرتی ھیں، لیکن روشن خیال رکھنے والوں اور دانشوروں کے نزدیک توریت و انجیل میں بیان شدہ مطالب صرف عوام الناس کے لئے تربیتی پھلو رکھتے ھیں یعنی ان کے پیش نظر عوام الناس میں نیک کام کرنے اور بُرے کاموں سے پرھیز کا جذبہ پیدا ھوتا ھے، اس کے علاوہ ان مقدس کتابوں میں بیان شدہ مطالب میں کوئی پیغام نھیں ھے یھاں تک کہ دین کی افسانوی زبان میں خدا کا کوئی وجود ھی نھیں ھے، چنانچہ اگر توریت اور انجیل میں خدا کا ذکر ھے یا انبیاء (علیھم السلام) اور وحی کے بارے میں بیان ھوا ھے، تو اس افسانوی زبان میں یہ صرف خدا کا ایک عکس ھے ورنہ (نعوذ باللّٰہ) نہ تو خدا ھے اور نہ جنت وجھنم اور وحی اور اس عکس کو اس افسانوی زبان میں اس قدر بھترین سلیقہ سے بیان کیا گیا ھے تاکہ عوام الناس میںنیک کام کرنے اور بُرے کام سے پرھیز کرنے کا شوق پیدا ھو،اور انسانی اقدار کا پاس و لحاظ رکھا جائے ان کی یہ کوشش رھے کہ اسی دنیا میں بھترین زندگی گذاریں اور دوسرے کو آزار و اذیت نہ دیں؛ ورنہ تو توریت و انجیل کی ”کلیلہ ودمنہ“ داستان سے زیادہ اھمیت نھیں ھے جس طرح سے یونانی قدیم تمدن اور دوسرے قدیمی معاشروں میں افسانوی خدا ھوتے تھے، یھاں تک کہ ان کی بعض داستانوں میں یھاں تک بیان ھوا ھے کہ وہ خدا ایک دوسرے سے شادی کیا کرتے ھیں، اور کبھی تال میل کرتے ھیں اور کبھی ایک دوسرے سے ناراض ھوجاتے ھیں، اسی طرح دوسرے ادیان کی کتابوں منجملہ توریت اور انجیل میں بھی صرف خیالی اور افسانوی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

عکس ھوتا ھے جس میں کسی بھی طرح کی کوئی حقیقت نھیں ھوتی۔
قارئین کرام! جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ یھودیت اور عیسائیت کو نابودی سے بچانے کے لئے توریت اور انجیل میں بیان شدہ دینی مسائل کے بارے میں یہ تھیوری اور نظریہ پیش کیا گیا ھے اور یہ نظریہ آھستہ آھستہ مغربی ممالک کے دیندار لوگوں میں بھی رائج ھوتا چلا گیا، اورکتاب مقدس کی توجیہ (اور دلیل) کے عنوان سے اس نظریہ کو بھترین راہ حل مانا جانے لگا لیکن ”رنسانس“ کے زمانہ سے پھلے یھودی اور عیسائی متدین لوگ دینی عقائد اور مسائل کو صادق، حق اور واقع کے مطابق مانتے تھے،اور انھوں نے جب نئی نئی کشفیات اور سائنس کے نظریات کو اپنی کتاب مقدس کے بر خلاف پایا تو کتاب مقدس کے دفاع کرتے ھوئے بعض دانشوروں کی سخت مخالفت کی یھاں تک کہ بعض دینی مسائل کے مخالف دانشوروں کو پھانسی دے دی گئی اور بعض کو زندہ آگ میں جلادیا گیا اسی طرح بعض بھت سے دانشوروں کو منجملہ ”گلیلہ“ کو توبہ پر مجبور کیا جس کی بنا پر اس نے اپنے نظریات واپس لے لئے۔

۴مغربی نسبی گرائی نظریہ کی ترویج (وتبلیغ)کرنے والے مغرب پرست روشن خیال
قارئین کرام ! مغربی ممالک میں پھلے یہ نظریہ پیش کیا کہ دین کی زبان؛ سائنس کی زبان سے مختلف ھے اور دین کی زبان کسی بھی طرح کے حقائق پر مبنی نھیں ھے، بلکہ دین کی زبان قصہ کھانی اور افسانہ کی زبان ھے، لیکن مشرقی ممالک سے مغربی ممالک کے تعلقات اور علمی تبادلہ خیالات اور مغربی ممالک میں اسٹوڈینٹ کا تعلیم حاصل کرنے وغیرہ جیسے امور کی وجہ سے یہ نظریہ مشرقی ممالک میں بھی آگیا مغرب پرست اور مغربی کلچر کے عاشق اور دلدادہ نیز مغربی ممالک میں تعلیم یافتہ اسٹوڈینٹ وغیرہ مغربی تمدن کے شیدائی بن گئے ، اور وھاں کی تعلیم اور وھاں کی زبان سے آشنائی کو اپنے مھم افتخارات میں شمار کرنے لگے، اور اس الحادی تھیوری اور نظریہ کے حصول کو اپنے لئے باعث سرفرازی سمجھنے لگے، نیز اس نظریہ کو کار گر اور بھترین تحفہ کے عنوان سے عالم اسلام میں داخل کردیا، اور کھا کہ جس طرح مغربی ممالک میں توریت اور انجیل کے ماننے والے اپنے دین کی زبان کو غیر واقع نما زبان قرار دیتے ھیں اور اس کو صرف قصہ کھانی کی زبان مانتے ھیں جو کسی بھی طرح کے حقائق کو بیان نھیں کرتی، اسی طرح قرآن کریم کی زبان بھی قصہ کھانی اور افسانہ کی زبان ھے جس میں حقائق سے کوئی سرو کار نھیں ھے۔!!
عالم اسلام میں بعض عربی ممالک جو اھل بیت علیھم السلام کی تعلیم سے آشنائی نھیں رکھتے تھے لھٰذا انھوں نے اس تھیوری اور نظریہ کو قبول کرلیا اور بعض عربی اھل قلم نے اس سلسلہ میں کتابیں بھی لکھ ڈالیں اور اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے شواھد یا ”مستندات قرآن“ کا بھی ذکر کیا اور جب انھوں نے قرآن مجید کی متشابہ آیات کو دیکھا جن کو سمجھنے سے قاصر رھے اور ان کے حقیقی معنی کو درک نہ کرسکے، اور ان کے ظاھری معنی کو علم اور سائنس سے ھم آھنگ نہ پایا تو توریت و انجیل کے ماننے والوں کی طرح اپنے دینی عقائد کی افسانوی تفسیر و توضیح کرنے لگے، اور قرآن مجید کی بھی افسانوی اور سمبلیک "Symbilec" (رمزی) تفسیر کرنا شروع کردی تاکہ اپنے خیال ناقص میں سائنس کے نظریات کے، دینی عقائد اور دینی مسائل سے ٹکراؤ کا راہ حل پیش کرسکیں تقریباً تیس سال سے خصوصاً ان آخری چند سالوں میں یورپ اور امریکہ میں تعلیم یافتہ لوگوں نے اس سلسلہ میں بھت زیادہ فعالیت اور کار کردگی کی تاکہ مغربی تمدن کے اس نظریہ کو ھمارے معاشرہ میں رواج دیں اور قرآن کی زبان کو قصہ کھانی اور افسانوی زبان کھہ ڈالا، اور اپنے مقصد میں کامیاب ھونے کے لئے قرآن مجید کی بعض رمزی اور سمبلیک تفسیر کے چند نمونہ پیش کئے:

۵۔ ھابیل اور قابیل کے واقعہ سے انحرافی نتیجہ
تیس سال پھلے انحرافی اور مارکسسٹ "Marxist" نظریہ رکھنے والے ایک صاحب نے اپنی ایک تقریر میں ھابیل و قابیل کے واقعہ سے سمبلیک "Symbilec" تفسیر کی۔
جب کہ قرآن مجید میں اصل واقعہ اس طرح بیان ھوا ھے:
(وَاتْلُ عَلَیْھِمْ نَبَأَ ابْنَیْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِھِمَا وَلَمْ یُتَقَبَّلْ مِنْ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّکَ قَالَ إِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللهُ مِنْ الْمُتَّقِینَ (١)
” اور اے پیغمبر ! آپ ان کو آدم کے دونوں فرزندوں کا سچا قصہ پڑھ کر سنائیے کہ جب دونوں نے قربانی دی اور ایک کی قربانی قبول ھوگئی اور دوسرے کی نہ ھوئی تو اس نے کھا کہ میں تجھے قتل کردوں گا تو دوسرے نے جواب دیا کہ میرا کیا قصور ھے خدا صرف صاحبان تقویٰ کے اعمال قبول کرتا ھے “
اسلامی کتب میں واردہ شدہ روایات سے استفادہ ھوتا ھے کہ جناب آدم علیہ السلام کے دو بیٹے ھابیل و قابیل کو خدا کی بارگاہ میں قربانی کرنا تھی چنانچہ قابیل نے ایک گوسفند کی قربانی کی، اور جناب ھابیل نے ایک مقدار گیھوں راہ خدا میں ھدیہ دئے، جناب ھابیل کی قربانی بارگاہ رب العزت میں قبول ھوگئی لیکن قابیل کی قربانی قبول نہ ھوئی، جس کے بنا پر

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قابیل کو جناب ھابیل سے حسد ھونے لگا یھاں تک کہ جناب ھابیل کو قتل کردیا؛ لیکن اپنے کئے پر پشیمان ھوا اس کے بعد اپنے بھائی کے جنازہ کے بارے میں فکر ھوئی کہ اس کو کیا کرے تو خداوندعالم نے ایک کوّے کو بھیجا جس نے قابیل کو دفن کرنے کا طریقہ سکھادیا۔
(فَبَعَثَ اللهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْأَةَ أَخِيهِ قَالَ يَاوَيْلَتَا أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْأَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنْ النَّادِمِينَ) (۲)
” پھر خدا نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کو کھود رھا تھا کہ اسے دکھلائے کہ بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے گا تو اس نے کھا کہ افسوس میں اس کوّے کے جیسا بھی نہ ھوسکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو زمین میں چھپا دیتا اور اس طرح وہ نادمین اور پشیمان لوگوں میں شامل ھوگیا ۔“
کوّے نے اپنی غذا کو چھپانے کے لئے زمین میں ایک گڑھا گھودا اور اپنی غذا وھاں چھپادی؛ جب خداوندعالم کے حکم سے کوّے نے زمین میں اپنی غذا کو دفن کیا تو کیونکہ قابیل کو نھیں معلوم تھا کہ زمین میں مردہ کس طرح دفن کیا جاتا ھے، لیکن کوّے کے کام سے اپنے مردہ بھائی کے دفن کا طریقہ سیکھ لیا۔
وہ مقرر اور مؤلف اس واقعہ کے بارے میں اپنی سمبلک تفسیر میں کھتا ھے:
اس واقعہ مینجناب ھابیل زحمت کش اورکاشتکاری کا ایک نمونہ ھے جو بھت زیادہ زحمت کے بعد بھت کم نتیجہ حاصل کرتا ھے اور چونکہ خداوندعالم اس طبقہ کا طرفدار ھے لھٰذا خداوندعالم نے اس کا نا چیز ھدیہ قبول کرلیا اور قابیل مالداری کا نمونہ ھے اور جب ایک مالدار نے گوسفند کی قربانی کی تو خدا نے اس کو قبول نھیں کیا ؛ کیونکہ خداوندعالم مالداری کا دشمن ھے چنانچہ اس مقرر نے اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا کہ ھابیل وقابیل اور گندم اور گوسفند کی قربانی کوئی حقیقت نھیں رکھتااور صرف سمبلیک "Symbilec" (رمزی) پھلو رکھتا ھے، اور یہ واقعہ مزدور اور مالدار طبقوں کے درمیان اختلاف اور جنگ و کشمکش کی حکایت کرتا ھے (لیکن یھاں پر یہ سوال پیدا ھوتا ھے کہ اس زمانہ میں جناب آدم و حوا اور ان کے دونوں فرزند ھابیل و قابیل کے علاوہ کوئی تھا ھی نھیں کس طرح غریب، مزدور اور مالدار طبقہ کا تصور کیا جاسکتا ھے، اور اس طرح کی طبقاتی تقسیم اس زمانہ کے لئے معنی نھیں رکھتی بھر حال مارکسسٹ "Marxist" نظریہ کے رواج اور اس الحادی نظریہ کے طرفداروں کی وجہ سے یہ سمبلیک تفسیر قابل قبول قرار پائی)
قارئین کرام ! مذکورہ مقرر نے ھابیل وقابیل کے بارے میں تو یہ سمبلیک تفسیر بیان کردی لیکن یہ نھیں بتایا کہ کوّا کس چیز کا نمونہ تھا؛ یھاں تک کہ اس کے ایک شاگرد نے اس کے بارے میں ایک نظریہ پیش کیا کہ وہ کالا کوّا مولویوں کا نمونہ تھا جو مجلس پڑھتے ھیں اور عزاداری کرتے ھیں جو منبر پر جاکر روزی کے سیاہ وسفید کے بارے میں بیان کرتے ھیں اور مالداروں اور سرمایہ داروں کی حمایت کرتے ھیں اور مزہ کی بات یہ ھے کہ اس سلسلہ میں خداوندعالم ارشاد فرماتا ھے : (وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا)یعنی(اے رسول) اس واقعہ کی حقیت لوگوں کے لئے بیان کریں، گویا خداوندعالم یہ خبر دے رھاھے کہ ایک روز ایسا بھی آئے گا جب اس واقعہ کے سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لیا جائے گا، لھٰذا آپ پھلے ھی اس واقعہ کی حقیقت کو بیان فرمادیں۔
جی ھاں، ان چند سالوں میں بعض مغربی ممالک کے کلچر سے متاثر افراد قرآن مجید سے اس طرح کی تفسیر بیان کرتے ھیں اور آج کل دین اور قرآن کے بارے میں اس طرح کی باتیں اپنے زوروں پر ھے اور ان کی تبلیغ و ترویج ھو رھی ھے، یھاں تک کہ بعض علماء بھی اس نظریہ سے متاثر ھوچکے ھیں اور یہ کھتے ھوئے نظر آتے ھیں کہ (نعوذ باللھ) قرآن کی زبان واقع نما نھیں ھے اور ایسا نھیں کہ قرآن مجید کی آیات کے ذریعہ ھمیں کسی حقیقت کے بارے میں پتہ چلتا ھو ، ھمارے پاس قرآنی آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں قطعی، برھانی اور مسلم معیار نھیں ھیں تاکہ ان کی بنا پر ھم یہ دعویٰ کریں کہ قرآن مجید کی فلاں آیت سے یہ نتیجہ ھے اور دوسری تفسیریں باطل اور نادرست ھیں بلکہ ھر شخص اپنے ذھن اور علم کی بنا پر قرآن کے بارے میں سمبلیک تفسیر بیان کرسکتا ھے، چاھے اس کی تفسیر دوسری تفاسیر سے بالکل مخالف اور متضاد ھو۔!!

۶۔ دین کی زبان واقع نما نہ ھونا یا دین کی ایک مبھم تصویر
دینی مسائل اور قرآن کریم کی زبان کو غیر واقع نما قرار دینے کے سلسلہ میں وضاحت کے لئے عرض کرتے ھیں کہ ماڈرن ھنری میوزیم "Museum" میں بھت سی مختلف ھندسی اور مبھم چیزوں کی تصویر ھوتی ھیں جس کو دیکہ کر واضح طور پر معلوم نھیں ھوپاتا کہ یہ کس چیز کی تصویر ھے جس کی بنا پر مختلف احتمالات دئے جاتے ھیں اور ھر شخص اپنے ذوق کے لحاظ سے ان کی توضیح و تفسیر کرتا ھے اور ان کو کسی خاص چیز کا سمبل (اشارہ) بتایا جاتا ھے شاید ان کا مصور دوسروں کے مختلف نظریات کی طرف متوجہ بھی نہ ھو اسی طرح بعض نفسیاتی

لیباریٹری"Laboratory"میں ایک کاغذ پر تھوڑی روشنائی ڈال دی جاتی ھے اور اس کو پھیلاکر بعض لوگوں سے سوال کیا جاتا ھے کہ یہ کس چیز کی شکل ھے؟ تو وہ تھوڑی دیر غور وفکر کے بعداپنے ذھن کے لحاظ سے کوئی شکل کھہ دیتے ھیں ، مثلاً کھتے ھیں کہ یہ ایک عورت کے بال ھیناور یہ اس کا ھاتھ ھے اور اپنے ذھنی خیالات کی بنا پر اس کو ایک عورت کی تصویر کھہ ڈالتے ھیں جبکہ اس کام کے کرنے والے نے کسی خاص تصویر کے لئے یہ کام نہیں کیا ھوتا اور ناھی اس کام کو منظم طریقہ سے کیا جاتا ھے بلکہ یونھی روشنائی ڈال دی جاتی ھے کہ ھر شخص اپنے ذھن کے لحاظ سے اس کے بارے میں فیصلہ کرے۔

چنانچہ یہ لوگ کھتے ھیں کہ قرآن کی زبان واقع نما نہیں ھے، بلکہ قرآن مجید میں بیان شدہ مسائل کا مقصد یہ ھوتا ھے کہ ھر شخص اپنے لحاظ سے اس کو سمجھے، اور کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ھے کہ قرآن مجید سے اپنے حاصل کردہ نظریہ کو مطلق قرار دے، اور یہ کھے کہ میری بیان کردہ ھی تفسیر قرآن ھی درست اور صحیح ھے اور دوسروں کی بیان کردہ تفسیریں غلط ھیں جس طرح ایک مبھم تصویر کودیکہ کر کوئی یہ فیصلہ کرے کہ صرف میرا ھی نظریہ صحیح ھے اور دوسروں کا نظریہ غلط ھے؛ یہ کھنا اس کے لئے صحیح نہیں ھے، کیونکہ جس طرح وہ اپنے ذاتی خیالات اور تصورات کے ذریعہ کوئی خاص تفسیر کرنے کا حق رکھتا ھے اسی طرح دوسرے بھی اپنے ذھن اور موقع محل کے لحاظ سے تفسیر کرسکتے ھیں، جن میں سے کسی ایک کو صحیح اور دوسری کو غلط قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس طرح کی چیزوں میں صحیح اور غلط ھونا ثابت نہیں ھے، یہ نہیں کھا جاسکتا کہ فلاں صاحب کا حاصل کردہ نتیجہ صحیح ھے اور فلاں صاحب کا نتیجہ غلط ھے!

قارئین کرام! کیا قرآن مجید بھی (نعوذ باللہ) ایک ماڈرن میوزیم کی تصویروں کی طرح ھے کہ ھر شخص کو اس کی تفسیر کرنے کا حق ھے؟ لیکن حقیقت یہ ھے کہ جو لوگ آسمانی کتابوں کے بارے میں اس طرح کا نظریہ رکھتے ھیں غالباً وہ لوگ خدا اور وحی پر عقیدہ نہیں رکھتے، اور اگر زبان سے مسلمان ھونے کا دعویٰ بھی کرتے ھیں، تو ان کا یہ مسلمان ھونے کا دعویٰ صرف دکھاوے کے لئے ھوتا ھے اس وقت اختلاف قرائت کا نظریہ رکھنے والے کتاب مقدس کی تفسیر کے بارے میں کھتے ھیں: بالفرض اگر خدا بھی ھو، وحی بھی نازل ھوئی ھو اور انبیاء نے وحی کو صحیح سمجھا ھو (اگرچہ ان باتوں میں بھی شک ھے)، تو چونکہ انبیاء بھی انسان ھیں اور انسانی درک و فھم رکھتے ھیں اور انسانی درک وفھم؛ غلطی سے خالی نہینھے،لہٰذا بھت ممکن ھے کہ نبی نے خدا کی باتوں کو صحیح نہ سمجھا ھو اور اگر یہ بھی مان لیں کہ پیغمبر نے وحی کو حاصل کرنے میں غلطی نہیں کی ھے، تو بھی قرآن مجید کی یقینی تفسیر بیان کرنے کے لئے کوئی راستہ نہیں ھے، تاکہ اسی معیار کی بنا پر کسی ایک تفسیر کو یقینی قرار دیں ا ور دوسری تفاسیر کو غلط سمجھیں لہٰذا قرآن مجید سے کوئی بھی شخص اپنے لحاظ سے نتیجہ نکال سکتا ھے اور اپنے نظریہ اور نتیجہ کو صحیح و معتبر قرار دے سکتا ھے اور کسی دوسرے کو یہ حق نہیں ھے کہ اس کے حاصل کردہ نظریہ کو ردّ کرے ھم کتاب مقدس کی تفسیر کے بارے میں بالکل انھیں افراد کی طرح ھیں جن کے سامنے نفسیاتی لیباریٹری "Laboratory" میں ایک مبھم تصویر پیش کی جاتی ھے جس کے بارے میں ھر شخص کو اپنا اپنا نظریہ دینا پڑتا ھے مثلاً کوئی شخص کھتا ھے کہ یہ شکل تو میری معشوقہ کے بالوں کی طرح ھے اور کوئی کھتا ھے کہ یہ رستم کی شکل ھے، اور اس سلسلہ میں ھر ایک شخص کی نظر محترم ھے اور کسی دوسرے کو اعتراض کا حق نہیں ھے، اگرچہ یہ بھی ممکن ھے کہ اس مبھم تصویر کو سمجھنے میں سب نے غلطی کی ھو اور کسی نے بھی صحیح نہ بتایا ھو بلکہ اس طرح سے کاغذ پر روشنائی ڈالنے والے کا ھدف بھی صرف یھی ھو کہ ھر شخص اپنے لحاظ سے اس کے بارے میں اپنا تصور بیان کرے!

۷۔ قرآن مجید کا شعراء کی زبان سے مقابلہ کرنا؛ بھت سے نتائج ھونے پر دلیل ھے!!

دین کی زبان کے سلسلہ میں معرفت کو نسبی قرار دینے والوں کے نظریہ کو بیان کرنے کے لئے ایک دوسری مثال یہ بھی پیش کی جاسکتی ھے: جیسا کہ عرفانی اور عشقی اشعار سے مختلف نتائج نکالے جاسکتے ھیں خصوصاً حافظ کی غزلیات، جیسا کہ اکثر ایرانیوں کے گھر میں ”دیوان حافظ“ ھوتا ھے اور ایک قدیم زمانہ سے دیوان حافظ سے فال بھی نکالی جاتی ھے مثلاً جب کسی شخص کا رشتہ دار سفر میں ھوتا ھے اور وہ اس کے بارے میں باخبر ھونا چاھتا ھے تو وہ دیوان حافظ کے ذریعہ فال نکالتا ھے اور سامنے نکلنے والے صفحہ پر موجود غزل کو پڑہ کر یہ سمجھ لیتا ھے کہ اس کا رشتہ دار خیریت سے ھے اور جلد ھی پلٹنے والا ھے اور اگر کوئی شخص مریض ھو اور دیوان حافظ سے فال نکالتا ھے تو وہ بھی اسی غزل سے یہ نتیجہ نکالتا ھے کہ جلد ھی اس کو بیماری سے شفا ملنے والی ھے؛ لیکن یہ بھی ممکن ھے کہ اسی غزل سے ایک شخص پریشان کن نتیجہ نکالے جبکہ حافظ کی عارفانہ اور عاشقانہ غزلیں اس طرح فال نکالنے کے لئے نہیں ھیں، اور حافظ کا ان غزلیات سے بالکل یہ مقصد نہیں ھے کہ فلاں مریض شفایاب ھوجائے گا یا فلاں مسافر سفر

سے جلد لوٹ آئے گا، یا فلاں شخص کی یہ آرزو پوری ہوجائے گی یا فلاں صاحب کی یہ حاجت پوری نہیں ہوگی کیونکہ حافظ نے عرفانی اور شاعری ماحول میں شعر کہیں ہیں جبکہ فال نکالنے والا اپنے ذہن کے لحاظ سے مختلف نتیجے نکال رہا ہے جب کہ شاعر اور دوسروں کے نتیجہ سے میلوں فاصلہ موجود ہے مولانا (شاعر) نے کیا خوب کہا:

ہر کس از ظن خود شد یار من
از درون من نجست اسرار من

(اپنے خیال میں ہر شخص ہمارا دوست بن گیا ہے لیکن کسی نے ہمارے اندر کے اسرار کا پتہ نہ لگایا)
کہتے ہیں کہ قرآن کریم بھی حافظ کی غزلوں کی طرح ہے جس سے ہر شخص مختلف نتیجہ نکال سکتا ہے بلکہ ایک دوسرے کے بالکل مخالف بھی، اور ہر کوئی شخص اپنے ذہن اور سابقہ علم کی بنا پر قرآن کریم کی آیات سے نتیجہ نکال سکتا ہے، اور کسی شخص کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے حاصل کردہ نتیجہ اور قرائت کو مطلق قرار دے۔
یہاں پر پھونچنے کے بعد یہ دعوی کیا جاسکتا ہے یا کم سے کم یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ اس نعرہ (کہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دین سے حاصل کردہ اپنے نظریہ کو مطلق قرار دے)؛ کی اصلی بنیاد یہی دین کی زبان کا مسئلہ ہے کیونکہ اس نظریہ کی بنا پر دین کی زبان قصہ کہانی اور افسانہ کی زبان ہے، اور یہ زبان سمبلیک "Symbilec" (رمزی) اور غیر واقع نما ہے، لہٰذا ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ذہنیت کے لحاظ سے دینی مسائل کے معنی و تفسیر کرے، نیز کسی شخص کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ صرف اپنی قرائت اور تفسیر کو صحیح قرار دے اور دوسروں کے حاصل کردہ نتائج کو باطل و بے بنیاد!
تو کیا واقعاً اس بے بنیاد اور الحادی نظریہ کی نشر و اشاعت کے بعد جس میں قرآن کریم کو دیوان حافظ کی طرح قرار دیا جاتا ہے اور جس سے ہر کس وناکس اپنے ذہن کے لحاظ سے معنی وتفسیر کرنے کا حق رکھتا ہے تو کیا اس صورت میں یہ قرآن کریم ؛ کتاب ہدایت باقی رہے گی؟ ! اور کیا قرآن کریم سے اس طرح کے پیش کردہ نتائج کے بعد وھی کتاب باقی رہے گی جس کے لئے پیغمبر اکرم (ص)، ائمہ معصومین علیہم السلام نے اپنی جان خطرات میں ڈالی اوراس راہ میں کس قدر شہید فدا ہوگئے؟ اگر ہر کس و ناکس قرآن مجید کی تفسیر کرسکتا ہو اور اپنے حاصل کردہ نتیجہ کو حجت قرار دے سکتا ہو تو پھر آیات قرآن کی صحیح تفسیر پر قرآن مجید کیوں زور دیتا ہے اور تفسیر بالرائے کرنے سے کیوں ڈراتا ہے، نیز دین میں بدعت گذاری کی کس قدر مذمت کی گئی ہے؟ اگر قرآن مجید کی تفسیر من پسند ہونے لگے اور دو بول پڑھنے والا ہر شخص قرآن مجید سے نتیجہ حاصل کرنے لگے، تو پھر ہمارے انقلاب کا کیا فائدہ ؟کیوں ہم نے شاہ کی حکومت کو سرنگون کیا؟ کیونکہ شاہ بھی اپنے کاموں اور اپنی سمجھ کو قرآن اور دین کے مطابق سمجھتا تھا، یہاں تک کہ وہ تو یہ بھی کہتا تھا کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ ملاؤں کی بیان کردہ باتوں سے زیادہ مناسب ہے!! اور یہ دعوی کرتا تھاکہ میں ملاؤں سے زیادہ قرآن کو سمجھتا ہوں، میرے خلاف بے وجہ تقریریں کی جاتی ہیںبلا وجہ عوام الناس کو میرے غلاف ورغلایا جاتا ہے!! دین کے سلسلہ میں شاہ کی بھی ایک قرائت تھی کیوں اس کی قرائت کو باطل قرار دیا گیا!
اگر کوئی شخص اسی نظریہ کی بنا پر یہ دعوی کرے کہ دین سے حاصل کردہ میرا نتیجہ یہ ہے کہ خداوندعالم وجود عینی اور واقعی نہیں رکھتا اور مسلمان ہونا خدا کو ماننے میں منحصر نہیں ہے، تو کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے؛ چونکہ اس نے اپنے درک و فہم کو بیان کیا ہے اور دین سے اس طرح کا نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ حافظ کے اشعار میں بھی مختلف معنی اور تفسیر کرنے کی گنجائش پائی جاتی ہے مثلاً حافظ کہتے ہیں:

اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقان ریزد
من و ساقی بہ ہم سازیم وبنیادش بر اندازیم

(اگر لشکر میں طلاطم پیدا ہوجائے تو عاشقوں کا خون بھی بہادیا جاتا ہے، ہم اور ساقی آپس میں پیار و محبت سے رہیں تو پھر اس کی بنیاد کو گراسکتے ہیں۔)
چنانچہ اس شعر کو پڑھ کر ہر شخص اپنی ذہنیت کے لحاظ سے نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اس کی بیماری کو شفا ہوجائے گی، یا اس کی حاجت پوری ہوجائے گی، اور اپنے حاصل شدہ نتیجہ کے لئے مثال کے طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ " مئے اور ساقی" سے مراد ؛ مریض اور ڈاکٹر ہے، اور "بنیادش بر اندازیم" سے مراد یہ ہے کہ یعنی مرض کو جڑ سے ختم کردیا جائے گا لیکن کوئی دوسرا شخص اسی دیوان حافظ سے فال نکالے اور یہی شعر نکلے تو وہ اس سے بالکل مخالف

نتیجہ نکال سکتا ھے۔
اگر قرآن مجید میں ایسے نتائج کی گنجائش پائی جاتی ھو کہ مثلاً خدا کا کوئی وجود ھی نھیں ھے، اور خداوندعالم کے اثبات کرنے کے لئے کوئی دلیل بھی نہ ھو، تو پھر اسلام میں کیا باقی بچے گا؟ اگر ھر کس و ناکس قرآن مجید سے مستقل طور پر ایک نتیجہ نکالنے کا حقدار ھو اور تمام لوگوں کے حاصل کئے ھوئے نتائج کا احترام کیا جائے تو پھر دین اسلام سے دفاع، اور دین کے سلسلہ میں غیرت مندی کامظاھرہ اور اسلامی اقدار کے مقابلہ میں حساسیت دکھانا؛ بے معنی اور بے ھودہ ھوگا سب کو ٹولرانس "Toleranec"کی رعایت کرتے ھوئے دوسروں کی باتوں کو برداشت کرنا چاھئے اور دوسروں کے نظریات پر اعتراض نھیں کرنا چاھئے ھر شخص اپنے لحاظ سے دینی مسائل پر عمل کرے ، اور اگر اس کا یہ نظریہ ھے کہ واقعاً خداوندعالم واحد او ریکتا ھے تو اس کو اپنے وظیفہ کے مطابق عمل کرنا چاھئے، لیکن اگر کسی نے یہ نتیجہ نکالا ھے کہ ھزاروں خدا موجود ھیں تو اس کا وظیفہ اسی لحاظ سے ھوگا؛ اور جب ھر شخص کی اپنی سمجھ حجت ھے تو کسی طرح کا کوئی اختلاف نھیں ھونا چاھئے اور سب پیار ومحبت کے ساتھ بھترین زندگی بسر کریں، اور کوئی بھی ایک دوسرے کے نظریات کے مقابلہ منفی اعتراض نہ کرے۔
بھر حال، یہ نظریہ جس میں دین کی زبان کو سمبلیک "Symbilec" زبان قرار دیا گیا ھے، جس میں ھر شخص کو یہ اختیار ھے کہ وہ اپنے ذھن کے لحاظ سے دینی راز اور مخفی باتوں کے من پسند معنی کرے ، اسی بنیاد پر کھنے والے کھتے ھیں کہ دینی معرفت اور شناخت نسبی اور سیال (رواں دواں) ھے اور کسی کو اپنے نظریہ کو مطلق قرار دینے کا حق نھیں ھے بے شک اس طرح کا فاسد نظریہ دین اور قرآن کی نظر میں باطل اور بے بنیاد ھے اور اس طرح کا نظریہ دین سے کسی بھی ھم آھنگ نھیں ھے ھم عقلی دلائل سے یہ بات ثابت کرتے ھیں کہ خداوندعالم کی حکمت اور اس کا لطف اس بات کا تقاضا کرتا ھے کہ وہ اپنے بندوں کو ایک مقصد اور ایک راہ حق و مطلق کی طرف ھدایت کرے، جس کے لئے خداوندعالم نے قرآن مجید نازل کیا جس مینھر انسان کے لئے حجت اور موعظہ ھے اور جو نوع بشریت کی روحی و نفسیاتی بیماریوں کا علاج کرتا ھے جب کہ پیامبر اکرم (ص) اور ائمہ علیھم السلام کے مکتب سے تعلیم حاصل کرنے والوں کے نزدیک قرآن مجید کی ایک ھی قرائت اور تفسیر ھے اور وہ بھی پیغمبر اور اھل بیت علیھم السلام کی تفسیر ھے اور صرف انھیں حضرات کی رائے اور نظریہ صحیح اور بر حق ھے جو معرفت کے آب زلال کا سر چشمہ ھیں، دین کی یہ قرائت دوسری مختلف قرائتوں سے سازگار نھیں ھے، اور ان کو باطل قرار دیتی ھے اگر چہ عالم اسلام میں ”مارٹن“ اور ”لوٹری“ پیدا ھوجائیں اور ایک نیا دین ایجاد کرلیں جس کی بنا پر مختلف اور مخالف قرائتیں پیدا ھونے لگیناور معرفت کے نسبی قرار دینے کی وجہ سے تمام قرائتوں کو صحیح قرار دیا جانے لگے، لیکن ائمہ علیھم السلام سے نقل شدہ بے شمار روایات کے ذریعہ قرآن مجید کی صحیح قرائت ھم تک پھونچی ھے اور لوگوں کو تفسیر بالرائے سے سخت منع کیا گیا ھے۔
اولیاء اللہ نے اس بات پر زور دیا ھے کہ عوام الناس کو یہ حق نھیں ھے کہ وہ اپنے طرف سے دین میں کچھ چیزوں کو شامل کردیں اور اگر کسی مقام پر غیر واضح متشابہ بیان ھو ،تو اس موقع پر توقف کیا جائے اور اھل بیت علیھم السلام کی موجیں مارتے ھوئے دریائے معرفت سے اس کی تفسیر حاصل کریں، اور خدا اور اسلام کی طرف اسی چیز کی نسبت دیں جو خود خداوندعالم، قرآنی آیات اور پیغمبر اکرم و ائمہ معصومین علیھم السلام کے فرمان میں موجود ھو۔

۸۔ ھر منو ٹک فلسفہ میں قرائت کی کثرت اور معرفت کا سیلاب
تعدد قرائت اور اپنی نظریہ کو مطلق قرار نہ دینے کے نعرہ کی ایک دلیل ؛ علم ھر منوٹیک "Hermeneutics" (تحریر کے معنی اور تفسیر کرنا) ھے؛یہ علم آج کل معرفت اور شناخت کے بارے میں ایک عظیم شعبہ ھے جس کی تحقیق کے سلسلہ میں دنیا بھر میں بھت سے افراد مشغول ھیں اس علم کی پیدائش بھی مغربی ممالک میں ھوئی ھے، پھلے یہ ھر منوٹیک"Hermeneutics" عیسائیت کے علم کلام اور حکمت (فلسفھ) کے کام میں آتا تھا جس کا موضوع کتاب مقدس (عھد عتیق اور عھد جدید)کی حقائق کی معنی وتفسیر کرنا تھا لیکن اس کے بعد اس میں وسعت دیدی گئی اور اس کوانسانی کردار، رفتار و گفتار و آثارکی اھمیت کے معنی و تفسیر کے سلسلہ میں ایک فن اورمھارت سمجھا جانے لگا اور اس آخری معنی کی وجہ سے علم ھرمنوٹیک کو خدا شناسی (الھیات) سے نکال کر فلسفہ سے مخصوص کردیا گیا، اور یہ انسانی علوم کے مطالعات یا علوم انسانی کے لئے خاص روشوں میں استعمال ھونے لگا۔
اس علم میں بیان ھونے والی تھیوری اور نظریات میں سے ایک یہ بھی ھے کہ ھمارے استعمال کردہ الفاظ دوسروں تک مافی الضمیر منتقل کرنے سے قاصر ھیں، ھمارے یہ الفاظ کسی بھی صورت میں اس معنی اور حقائق کی طرف منتقل نھیں کرتے جن کو مؤلف نے بیان کئے ھیں پس جس وقت کوئی شخص دوسروں سے گفتگو کرتے وقت الفاظ کا استعمال کرتا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ہے تو سننے والا؛ کھنے والے کے اصلی مقصد تک نہیں پہنچ سکتا مثال کے طور پر ہر انسان کی باطنی احساسات ہوتے ہیں جیسے محبت، عشق، غصہ، نفرت اور تعجب تو اگر کوئی شخص کوئی تعجب آور چیز دیکھتا ھے اگر وہ اپنے تعجب کے احساس کو دوسرے سے بیان کرنا چاھے، تو سننے والا صرف یہ بات سمجھتا ھے کہ اس کو تعجب ہوا ھے ، لیکن کسی بھی صورت میں استعمال ہونے والے الفاظ کے اندر حقیقت تعجب کاپتہ نہیں چلتا، در حقیقت الفاظ کے ذریعہ صرف ایک احساس کی خبر دی جاتی ھے لیکن اس احساس کی ماہیت اور کیفیت منتقل نہیں ہوتی مثال کے طور پر اگر آپ کسی سے کھیں کہ میں فلاں چیز کا عاشق ہو، تو آپ کا مخاطب آپ کے اندر احساس کو نہیں سمجھ سکتا وہ آپ کے بعض حالات سے ایک طرح کا اندازہ لگاسکتا ھے لیکن تفصیلی طور پر اس کی شناخت اور اندرونی احساس کو نہیں سمجھ پاتا۔

۹۔ الفاظ کے ذریعہ مختلف حقائق کو سمجھا جاسکتا ھے
جیسا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہوچکا ھے کہ ان لوگوں کے دعووں میں ایک دعویٰ یہ ھے کہ کسی مؤلف یا مقرر کے الفاظ مقصد کو بیان کرنے اور ما فی الضمیر کو منتقل کرنے سے قاصر ہیں ، اور الفاظ کامافی الضمیر کے منتقل کرنے میں نا کافی ہونا ھرمنوٹیک کی بحث کا ایک حصہ ھے نیز دینی تحریروں میں بھی اس سے کام لیا جاتا ھے گذشتہ اعتراض کا جواب یہ ھے کہ اگر ہم گذشتہ چند ہزار سال پہلے کی مختلف اقوام و مذاہب کا تاریخی مطالعہ کریں اور ہر دین و مذھب اور مسلک کے ماننے والوں کی ادبیات پر سرسری نظر دوڑائیں تو ہمیں معلوم ہوجائے گا کہ تمام ھی اقوام اور مذاھب کی رونق بخش تعلیمات "عشق" کی بنیاد پر ھے اور اس نکتہ سے پتہ یہ چلتا ھے کہ عشق ایک ایسی حالت ھے جس کا احساس تمام انسانوں کے یہاں پایا جاتا ہے، جو سب کے لئے قابل فھم ھے اب اگر کوئی جاپانی، چینی، ایرانی یا عرب باشندہ اپنے عشق کے بارے میں خبر دے تو پھر یہ دعویٰ کیسے کیا جاسکتا ھے کہ ہم اس کے احساس کو درک نہیں کرسکتے؟ کیونکر یہ دعویٰ کیا جاسکتاھے کہ لیلا مجنون یا شیرین اور فرھاد کی داستانِ عشق ھمارے لئے قابل فھم نہیں ھے اور ھم ان داستانوں میں عشق کو صحیح طریقہ سے سمجھ نہیں سکتے؛ اور یہ بھانہ کریں کہ الفاظ کے ذریعہ احساسات منتقل نہیں ہوتے ہیں، اگر عشق جیسی حالت اور احساس تمام کھنے والوں یا سننے والوں کے لئے قابل فھم نہ ہو تو پھر ہر قوم و ملت میں عشق کے سلسلے میں اس قدر نظم ونثر کیوں موجود ھے، اور عشق کے بارے میں اس زبان کی ادبیات کیوں بھری ہوئی ھے؟
ہم بھی اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ انسان اپنی اندرونی احساسات کو کما حقہ (ہو بہو) دوسروں کی طرف منتقل نہیں کرسکتا، لیکن قرائن و شواھد اور دوسری چیز کو دیکہ کر دوسروں کے احساسات کو سمجھا جاسکتا ھے (مثلاً) ہم اپنے اندر موجود احساس خوف کو دوسرے کی طرف منتقل نہیں کرسکتے جس سے ھمارے احساس کو سمجھ سکے؛ لیکن چونکہ خوف اور ڈر کا احساس ایک ایسی چیز ھے جو تقریباً کم و بیش سبھی کے اندر پایا جاتا ھے، لہٰذا دوسرے افراد بھی ھمارے اندر موجود خوف کا احساس کرسکتے ہیں لیکن اگر کسی کے یہاں ھماری طرح کا احساس نہ پایا جاتا ہو تو وہ قرائن اور شواھد کے ذریعہ بھی ھمارے احساس کا پتہ نہیں چلا سکتا مثال کے طور پر اگر کسی کے اندر عشق و محبت کا احساس نہ پایا جاتا ہو ، تو پھر وہ عشقی داستان سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا، لیکن یہ بات بھی ماننا پڑے گی کہ ایسے شخص کو انسان بھی مشکل سے کھا جائے گا کیونکہ ہر شخص میں تھوڑا بھت محبت کا احساس پایا جانا ضروری ھے، اب اگر کوئی شخص اپنے اس اندرونی احساس کے بارے میں خبر دے اور وہ یہ بھی جانتا ھے کہ اس حالت میں شدت اور زیادتی کا امکان پایا جاتا ھے، تو اس کو یہ معلوم ہوجائے گا کہ جب یہ حالت اپنی سر حدّ کمال اور بھت زیادہ شدت تک پھنچتی ھے تو اسی کو "عشق" کھا جاتا ھے پس ایسا نہیں ھے کہ ہم اپنے اندرونی احساسات کو دوسروں تک منتقل نہیں کرسکتے، جس کے نتیجہ میں ھمارے استعمال کردہ الفاظ اپنی دلی حالت کی ترجمانی کرنے کے ناکافی اور قاصر ہوں۔

۱۰۔ قرآن کریم سے مطلق اور واقعی معرفت کا حاصل کرنا ممکن ھے
جی ھاں، ہم بھی یہ بات مانتے ہیں کہ عام طریقوں اور معمولی شناخت کے ذریعہ کُنہ حقائق (جوھر حقائق) اور ماورای طبیعت مثلاً فرشتہ کے ماھیت اور حقیقت کے بارے میں آگاھی حاصل نہیں کی جاسکتی، اور ان کے بارے میں مکمل طور پر شناخت حاصل نہیں ہوسکتی، ان کے بارے میں ہونے والی گفتگو متشابہ اور ذو معنی ہیں، اسی وجہ سے بعض آیات قرآن میں اس طرح کی موجودات کے بارے میں بیان شدہ مطالب متشابہ ہیں ان حقائق کی پہچان کے لئے مخصوص راستے موجود ہیں جو عام انسان کو معلوم نہیں ہیں اور صرف وھی حضرات ان طریقوں کو جانتے ہیں جنھوں نے مدتوں تھذیب نفس اور اخلاقی و عرفانی سیر و سلوک کا راستہ طے کیا ھے،جس کی بنا پر ان بعض موجودات کو درک کیا ھے لیکن قرآن مجید کی بعض باتوں کو نہ سمجھنا دلیل نہیں ھے کہ ہم یہ کھہ دیں کہ جو کچھ بھی قرآن مجید میں بیان ہوا ھے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

وہ سب اسی طرح ھے، ھم اس کو نھیں سمجھ سکتے، اور ھمارے لئے قابل فھم نھیں ھے، نیز الفاظ کے ذریعہ ھمیں حقائق کا پتہ نھیں چلتا، اور ھر انسان اپنے ذھن کے لحاظ سے ان الفاظ کے معنی و تفسیر کرسکتا ھے اگرچہ یھی ماوراء طبیعت حقائق(جیسے ملک و فرشتہ)؛ کے بارے میں مکمل معرفت حاصل نھیں ھوسکتی، اور ایک عام انسان ان کی شناخت اور اور حقیقت سے باخبر نھیں ھوسکتا، لیکن ان کے بارے میں جن صفات اور خصوصیات کا ذکر قرآن مجید میں ھوا ھے ھم ان کے ذریعہ کافی حد تک ان کی معرفت حاصل کرسکتے ھیں۔
دین اور قرآن کی زبان کو افسانوی زبان قرار دینے والوں کی ایک دلیل یہ ھے کہ قرآن مجید اور دیگر آسمانی کتابوں میں استعارات، کنایات، تشبیھات اور تمثیلات ذکر ھوئی ھے، منجملہ یہ مثال قرآن مجید میںذکر ھوئی ھے:
(وَلاَتَکُونُوا کَالَّتِی نَقَضَتْ غَزْلَھا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنکَاثًا)(۳)
” اور خبر دار ! اس عورت کے مانند نہ ھوجاؤ جس نے اپنے دھاگہ کو مضبوط کاتنے کے بعد بعد اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا “
اگرچہ قرآن مجید میں یہ مثال بیان ھوئی ھے اور شاید اس طرح کی کوئی بُڑھیا کا وجود ھی نہ ھو۔
اسی طرح گدھے کے بارے میں ایک مثال قرآن مجید میں یہ ذکر ھوئی ھے:
(مَثَلُ الَّذِینَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوھا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ أَسْفَارًا) (۴)
” ان لوگوں کی مثال جن پر توریت کا بار رکھا گیا اور وہ اسے اٹھا نہ سکے اس گدھے کی مثال ھے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ھوئے ھو “
کھنے والے کھتے ھیں کہ جب اس طرح کی افسانوی مثالیں قرآن مجید میں بیان ھوئی ھیں تو پھر قرآن مجید میں بیان شدہ دوسری باتیں منجملہ خدا، قیامت، وحی اور جنت و دوزخ کس طرح افسانوی نہ ھوں گی!
قارئین کرام ! اس طرح بے بنیاد اور بے ھودہ نیز الحادی باتیں مقالات کی صورت میں پورے ملک کی یونیورسٹیوں کے اسٹوڈینٹس تک پھنچائی جارھی ھیں، تاکہ ان کو یہ بات تلقین کی جائے کہ پورے کا پورا قرآن افسانہ اور کھانی ھے یھاں تک یہ گستاخی اس قدر بڑھتی جارھی ھے کہ ایک اسٹوڈینٹ نے اپنے مقالہ میںقرآن مجید میں بیان شدہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے رومانٹیک "Romantique" نتیجہ حاصل کیا اور ایک خیالی داستان کے عنوان سے لکھا، اور اس کے بعد اس پر ادبی تنقید کی اور اس پر بھت سے اعتراض و اشکال کئے، اور جب حضرت یوسف کی اس رومانٹیک داستان کو استاد کی موجودگی میں سب کے سامنے پڑھا، تو اس داستان کو سننے کے بعد استاد نے بھی بھت سے اعتراضات کئے، جس کے بعد یہ نتیجہ نکالا گیا کہ داستان یوسف کا لکھنے والا کوئی ماھر ادیب نھیں تھا جس کی بنا پر یہ داستان صحیح طریقہ پر نھیں لکھی گئی ھے!!

۱۱۔ قرآن کی زبان کو واقع نما نہ ھونے پر نسبی نظریہ رکھنے والوں کی بے بنیاد دلیل
افسوس کہ جرائد کی ”آزادیٴ بیان“ کے زیر سایہ اور یونیورسٹیوں و دیگر مراکز میں آزاد سیاسی ماحول، اسی طرح ھمارے ملک کے سرکاری و غیر سرکاری تعلیمی نظام کی کمزوری، نیز انقلاب کے بعد سے تعلیم و تربیت کے عھدہ داروں کی بے توجھی خصوصاً یونیورسٹی کا موجودہ ماحول میں ؛ اسلامی اقدار کے خلاف وسیع پیمانہ پر زھریلی تبلیغات اور پروپیگنڈے ھورھے ھیں، اور نوبت یھاں تک پھنچ گئی ھے کہ عصرِ حاضر میںبعض یونیورسٹی طلباء کا سوال یہ ھے کہ جب قرآن مجید میں داستان، افسانہ اور استعارات و کنایات بیان ھوئے ھیں اور ان کے حقیقی معنی مراد نھیں ھیں اور ان کی جگہ مجازی معنی مراد لئے جاتے ھیں، تو پھر قرآن مجید کے دوسرے مطالب بھی اسی طرح کے ھونے چاھئیں؟ شاید خدا، وحی اور قیامت جیسے الفاظ سے بھی مجازی اور غیر حقیقی معنی مراد ھوں؟
جی ھاں، یہ سب معرفت کے نسبی ھونے، زبان دین کے سمبلک ھونے اور ھر منوٹیک "Hermeneutics" کے ذریعہ دینی تحریر کے معنی و تفسیر کرنے کا نتیجہ ھے جس کے ذریعہ ھمارے عظیم الشان اعتقادت اور اصول کو نقصان پھنچایاجارھاھے جو ھمیشہ ھماری ثقافت اور معاشرہ کے لئے باعث عزت ھے اور ھمارے گذشتہ اور حال کے افتخارات انھیں اسلامی اعتقادات کی وجہ سے ھیںاور تمام انبیاء اور اولیاء اللہ کی امانت کی حفاظت کرنا ھماری ذمہ داری ھے۔
یہ نسبیت گرائی اور شکاکیت کا نتیجہ ھے کہ کھنے والے کھتے ھیں کہ کسی شخص کو یہ حق حاصل نھیں ھے کہ اپنے نظریہ کو مطلق قرار دے، اور دین سے حاصل شدہ مختلف نتائج کو قابل احترام سمجھا جائے کیونکہ قرآن کی زبان واقع نما اور حقیقی نھیں ھے بلکہ سمبلک ھے، ھر شخص قرآنی آیات سے مستقل طور پر نتیجہ نکال سکتا ھے ھمارا کھنا تو یہ ھے کہ یہ لوگ قرآن مجید میں مثالوں، استعاروں اور داستانوں کو بھانہ بنا کر یہ دعویٰ کرتے ھیں کہ قرآن کریم اصولی طور پر حقائق اور واقعیت کو بیان کرنا نھیں چاھتا بلکہ صرف داستانوں ، افسانوں اور کنایات و استعارات کی گفتگو کو بیان

کرنا چاھتا ھے ھم یھاں پر یہ سوال کرتے ھیں کہ اگر کسی کتاب یا مقالہ یا نظم میں کوئی مثال ذکر ھوئی ھو تو کیا اس کو شعر اور مَثَل کی کتاب کا نام دیا جائے گا؟ اگر کوئی مقرر اپنی تقریر کے دوران کوئی لطیفہ یا کوئی طنز بیان کرے تو کیا اس کی تمام باتوں کو مسخرہ اور طنز آمیز کھا جاسکتا ھے ؟ اگر کوئی شخص کسی موقع پر اپنی گفتگو میں مثال، شعر، استعارہ، تشبیہ، کنایہ اور مجاز جیسی چیزوں کا استعمال کرتا ھے تو اس کے معنی یہ نھیں ھے کہ اس کی تمام گفتگو شعر اور افسانہ ھے جس میں کچھ استعارات، کنایات ، تشبیھات اور مثالیں بیان ھوئی ھیں اس صورت میں پھر کسی بھی قلمکار کو یہ حق نھیں ھے کہ وہ اپنی کتابوں میں مثال ، شعر یا طنز کا استعمال کرے، ورنہ تو اس کی کتاب شعر اور طنز کی کتاب کھلائے گی اگر خداوندعالم نے قرآن مجید میں مَثَل ذکر کی ھے تو کیا خداوندعالم کے اس قول (وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَىْ آدَمَ بِالْحَقّ) (۵) کو ایک افسانہ اور مَثَل قرار دیا جاسکتا ھے؟ اورکیا خداوندعالم کے اس فرمان (وَبِالْحَقِّ أَنزَلْنَاه وَبِالْحَقِّ نَزَلَ) (۶)کو شعر اور افسانہ قرار دیں سکتے ھیں؟!۔

یہ لوگ ھر منوٹیک "Hermeneutics" نظریہ اور عبارت و تحریر کی تفسیر کے اعتبار پر ایک دلیل یہ ذکر کرتے ھیں کہ مسلمانوں کے یھاں ھمیشہ تفسیر اور تاویلات ھوتی رھی ھیں اور علماء و عرفاء نے تاویل اور تفسیر کے بارے میں بھت سی کتابیں بھی لکھی ھیں؛ جن سے معلوم ھوتا ھے کہ قرآن مجید کی مختلف تفاسیر اور مختلف تاویلات ھوسکتی ھیں جس طرح عرفاء اور علماء نے قرآن مجید کی تاویلات اور تفاسیر ذکر کی ھیں اسی طرح ھمیں بھی قرآن مجید کی جدید تفسیر کرنے کا حق حاصل ھے، اگرچہ ھماری بیان کردہ تفسیر علماء کی تفسیر سے بالکل مخالف ھو جیسا کہ بعض روایات میں قرآن مجید کی تفسیر؛ قرآن کے ظاھری الفاظ سے بالکل مختلف ھے، لھٰذا قرآن مجید میں مختلف تفاسیر کا ھونا اس بات کی دلیل ھے کہ قرآن مجید کی مختلف تفاسیر اور تاویلات کی جاسکتی ھیں؛ لھٰذا ھم بھی یہ کام کرسکتے ھیں اور چونکہ ان کے درمیان فرق نھینکیا جاسکتا کہ ان میں سے کون سے تفسیر صحیح ھے اور کون سی غلط؛ لھٰذا ان سب کو معتبر ماننا چاھئے!

قارئین کرام ! یہ بات صحیح ھے کہ قرآن مجید میں متشابہ آیات پائی جاتی ھیں جس کی تفسیر آیات محکمات کے لحاظ سے ھونا چاھئے، اور روایات میں بھی بیان ھوا ھے کہ قرآن مجید میں بھت سارے باطن اور مختلف پردہ ھیں، لیکن قرآن مجید کی کسی بھی آیت میں یہ بیان نھیں ھوا کہ ظاھر آیات اور کلمات و الفاظ حجیت نھیں ھیں، اور ھم پر حقائق کو آشکار نھیں ھوتے۔

قارئین کرام ! آیات کے ظاھری اعتبار کے علاوہ قرآن مجید میں اور بھی مزید دقیق اور گھرے مطالب موجود ھیں جن کو بطون اور تاویل آیات کھا جاتا ھے، اور اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اصلاً قرآنی ظواھر معتبر نھیں ھیں، اور صرف ان سے حاصل کردہ ھمارا نتیجہ معتبر ھے اور وہ بھی وہ تاویلات جو تاویل کرنے والے کے ذھن کے مطابق اور اس کے ذھن کی پیداوار ھوں اس طرح دینی سلسلہ میں مختلف اور متضاد قرائت پیش کی ھو رھی ھیں اور ھم سے یہ کھا جاتا ھے کہ ان سب کو قابل احترام مانیں!!

۱۲۔ تحریف دین کے سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام کا اظھار افسوس

قارئین کرام ! ھم اپنی گفتگو کے آخر میں لازم اور ضروری سمجھتے ھینکہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے ان نورانی کلمات کی طرف اشارہ کریں جس میں آپ نے رسول اکرم (ص) کی وفات کے بعد پیدا ھونے والے دینی انحرافات اور شبھات کو بیان کیا ھے اورجن کی بنا پر افسوس ناک اور بُرے نتائج بر آمد ھوئے ھیں جیسا کہ ھم سب جانتے ھیں کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی حکومت رسول اکرم (ص) کی وفات کے ۲۵/ سال کے بعد قائم ھوئی ھے، اس وقت تک وہ اصحاب رسول موجود تھے جنھوں نے خود رسول اکرم (ص) کی زبان مبارک سے آیات قرآن کی تفسیر اور شان نزول کو سنا تھا اور پیغمبر اکرم (ص) پر نازل ھونے والی آیات کے موقع کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؛ کیونکہ اس وقت قرآن کے نزول کو زیادہ وقت نھیں گذرا تھا لیکن وہ منافقین اور دشمنان اسلام موجود تھے جو اھل بیت علیھم السلام کے بے انتھا دریائے معرفت سے بے بھرہ تھے، اور جاہ وحشم کے دلدادہ اور ھوا پرست دین میں شبھات اور تحریفات ایجاد کررھے تھے جس کی وجہ سے اسلام میں انحرافات پیدا ھوگئے، جس کا نتیجہ یہ ھوا کہ مسلمانوں کے درمیان برادر کُشی ھونے لگی چنانچہ اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام فرماتے ھیں:

” وَ لٰكِنَّا اِنَّمَا أَصْبَحْنَا نُقَاتِلُ اِخْوَانَنَا فِى الإِسْلاٰمِ عَلٰى مَا دَخَلَ فِيْهِ مِنَ الزَّيْغِ وَ الْإعْوِجَاجِ وَالشُّبْهَةِ وَالتَّاوِيْلِ “ (۷)

(مگر اب ھم کو ان لوگوں سے جو اسلام کی رُو سے ھمارے بھائی کھلاتے ھیں ان سے جنگ کرناپڑ گئی ھے، چونکہ (ان کی وجہ سے) اس میں گمراھی، کجی، شبھات اور غلط سلط تاویلات داخل ھوگئے ھیں)

یھی وہ شبھات اور اعتراضات ھیں جو عصر حاضر میں علمی طریقہ سے بیان کئے جاتے ھیں اور منظم طور پر بیان

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ہوتے ہیں، حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ میں انہیں اعتراضات کی وجہ سے مسلمانوں میں مقابلہ بازی شروع ہوگئی ، اور اسی طرح کے شبہات اور اعتراضات کو قبول کرتے ہوئے جنگ جمل اور جنگ نہروان میں حقیقی مفسر قرآن حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ میں آگئے جس کی بنا پر بہت سے لوگ قتل کردئے گئے۔

حضرت علی علیہ السلام خداوندعالم کی بارگاہ میں عوام الناس کی جہالت کی شکایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

” اِلَی اللّٰہِ اَشکُوا مِنْ مَعْشَرٍ یُعِیْشُوْنَ جُھالًا وَ یَمُوْتُوْنَ ضَلالًا، لَیْسَ فِیْھِمْ سِلْعَۃٌ أَبْوَرُ مِنِ الْکِتَابِ اِذَا تُلِیَ حَقَّ تِلَاوَتِہِ، وَلاٰ سُلْعَۃٌ أَنْفَقُ بَیْعاً وَلاٰ أَغْلٰیٰ ثَمَناً مِنَ الْکِتَابِ اِذَا حُرِّفَ عَنْ مَوَاضِعِہِ وَ لا عِنْدَھمْ أَنْکَرُ مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَلاٰ أَعْرَفُ مِنَ الْمُنْکَرِ “ (۸)

(اللہ ہی سے شکوہ ہے ان لوگونکا جو جہالت میں جیتے ہیں اور گمراہی میں مرجاتے ہیں، ان میں قرآن سے زیادہ کو ئی بے قیمت چیز نہیں ہے، جب کہ اسے اس طرح پیش کیا جائے جیسا پیش کرنے کا حق ہے، اور اس قرآن سے زیادہ کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہیں، اس وقت جب کہ اس کی آیتوں کا بے محل استعمال کیا جائے، ان کے نزدیک نیکی سے بڑہ کر کوئی برائی نہیں اور بُرائی سے زیادہ کوئی نیکی نہیں۔)

قارئین کرام ! توجہ فرمائیں حضرت امیر علیہ السلام کا یہ شکوہ و شکایت اس وقت کا ہے جب رحلت پیغمبر اکرم (ص) کو ۲۵/ سال کا عرصہ بھی نہ گذرا تھا، لیکن انحرفات ، شبہات اور بدعت دین کے لئے اس قدر نقصان دہ ثابت ہورہے تھے کہ حضرت نے تنہائی کے عالم میں لوگوں کی ہدایت کے مسئلہ کو ان کے حال پر چھوڑتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں اپنے ہاتہ آسمان کی طرف بلند کردئے اور اپنے درد و غم کو بیان کرنا شروع کردیا۔

مذکورہ بالا کلام کی طرح خطبہ نمبر ۱۴۵/ میں بھی حضرت فرماتے ہیں:

” وَ اِنَّہ سَیَاتِی عَلَیْکُمْ مِنْ بَعْدِیْ زَمَانٌ لَیْسَ فِیْہِ شَیْءٌ اَخْفٰی مِنَ الْحَقِّ، وَ لَا أَظْھرُ مِنَ الْبَاطِلِ، وَ لاٰ أَکْثَرُمِنَ الْکِذْبِ عَلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہِ، وَ لَیْسَ عِنْدَ أَھلِ ذٰلِکَ الزَّمَانُ سِلْعَۃٌ أَبْوَرَ مِنِ الْکِتَابِ اِذَا تُلِیَ حَقَّ تِلَاوَتِہِ، وَلاٰ أَنْفَق اِذَاحُرِّفَ عَنْ مَوَاضِعِہِ وَ لَا فِی الْبِلَادِ شَیْءٌ أَنْکَرَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَلاٰ أَعْرَفَ مِنَ الْمُنْکَرِ “

(میرے بعد تم پر ایک ایسا دور آنے والا ہے جس میں حق بہت پوشیدہ اور باطل بہت نمایاں ہوگا، اور اللہ اور اس کے رسول پر افتراء پردازی کا زور ہوگا، اس زمانہ والوں کے نزدیک قرآن سے زیادہ کوئی بے قیمت چیز نہ ہوگی جبکہ اسے اس طرح پیش کیا جائے جیسے پیش کرنے کاحق ہے، اور اس قرآن سے زیادہ ان میں کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہیں ہوگی جب کہ اس کی آیتوں کا بے محل استعمال کیا جائے، اور (ان کے) شہروں میں نیکی سے زیادہ کوئی برائی اور برائی سے زیادہ کوئی نیکی نہ ہوگی۔)

اس کے بعد مزید فرماتے ہیں:

”چنانچہ حاملان قرآن کو چھوڑ دیا جائے گا اور حافظین قرآن کو بھلادیا جائے گا، قرآن اور قرآن والے (اہل بیت) بے گھر اور بے در ہوں گے، اور ایک ہی راہ میں ایک دوسرے ساتھی ہوں گے، انہیں کوئی پناہ دینے والا نہ ہوگا وہ (بظاہر) لوگوں میں ہوں گے مگر ان سے الگ تھلگ ، ان کے ساتھ ہوں گے مگر بے تعلق، اس لئے کہ گمراہی ہدایت سے سازگار نہیں ہوسکتی، اگرچہ وہ یک جا ہوں لوگوں نے تفرقہ پردازی پر تو اتفاق کرلیا ہے اور جماعت سے کٹ گئے ہیں گویا کہ وہ کتاب کے پیشوا ہیں کتاب ان کی پیشوا نہیں ، ان کے پاس تو صرف قرآن کا نام رہ گیا ہے اور صرف اس کے خطوط او رنقوش کو پہچان سکتے ہیں، اس آنے والے دور سے پہلے وہ نیک بندوں کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچا چکے ہوں گے، اور اللہ کے متعلق ان کی سچی باتوں کا نام بھی بہتان رکہ دیا ہوگا اور نیکیوں کے بدلہ میں انہیں بُری سزائیں دی ہوں گی۔“

نیز فرماتے ہیں:

” وَ اْعلَمُوْا أَنَّکُم لَنْ تَعْرِفُوْا الرُّشْدَ حَتّٰی تَعْرِفُوْا الَّذِیْ تَرَکَہ وَ لَنْ تَاخُذُوْا بِمِیْثَاقِ الْکِتَابِ حَتّٰی تَعْرِفُوْا الَّذِیْ نَقَضَہ وَ لَنْ تَمَسَّکُوْا بِہ حَتّٰی تَعْرِفُوْا الَّذِیْ نَبَذَہ “

(جان لو کہ تم ہدایت کو اس وقت تک نہ پہچان سکو گے جب تک اس کے چھوڑنے والوں کو نہ پہچان لو اور قرآن کے عہد و پیمان کے پابند نہ رہ سکو گے جب تک کہ اس کے توڑنے والے کو نہ جان لو اور اس سے وابستہ نہیں رہ سکتے جب تک کہ اسے دور پھینکنے والوں کی شناخت نہ کرلو)

اور خطبہ کے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں:

” پس انہیں سے ہدایت حاصل کرو، وہی علم کی زندگی اور جہالت کی موت ہیں وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا (دیا ہوا) ہر حکم ان کے علم اوران کی خاموشی ان کی گویائی کا پتہ دے گی، اور ان کا ظاہر ان کے باطن کا آئینہ دار ہے، وہ نہ دین کی مخالفت کرتے ہیں نہ اس کے بارے میں باہم اختلاف رکھتے ہیں، دین ان کے سامنے ایک سچا گواہ ہے اور ایک ایسا بے زبان ہے جو بول رہا ہے۔“(۹)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قارئین کرام ! آپ حضرات نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام لوگوں کو متوجہ کرنے کے بعد ان سے چاهتے یہ هیں کہ دین کو صرف اهل بیت (علیهم السلام) کے ذریعہ حاصل کریں کیونکہ دین اور قرآن سے انهیں کا حاصل کردہ نتیجہ صحیح اور بر حق هے، اور دین سے دوسرے حاصل کردہ نتائج باطل اور بے بنیاد اور راہ خدا کو حاصل کرنے والوں اور حق و حقیقت کے تلاش کرنے والوں کے چور هیں، جس کا نتیجہ گمراهی اور ذلت کے علاوہ کچھ نهیں هوگا۔

توجہ فرمائیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے نظریہ کے مطابق یہ بات قابل قبول نهیں هے کہ هر کس و ناکس دین سے ایک الگ نتیجہ حاصل کرلے اور اس طرح کے تمام حاصل شدہ نتائج صحیح اور درست هوں، کیونکہ یہ اپنے سلیقہ اور ذوق کے مطابق هے کیا دین کے سلسلہ میں ذوق کا بهی کوئی دخل هے؟ کیا دینی مسائل میں بهی ذوق دکهایا جاسکتا هے؟ (هرگز نهیں)

تو پهر دین کی صحیح تفسیر اهل بیت علیهم السلام سے حاصل کرنا چاهئے ، نہ یہ کہ اپنے سلیقہ اور ذوق کی بنا پر خود بهی گمراہ هورهے هوناور دوسروں کو دین سے گمراہ کردیں۔

۱۳۔ دینی سلسلہ میں ذاتی سلیقہ کو ردّ کیا جائے

بعض لوگ هم سے کهتے هیں کہ اپنے سلیقہ اور ذوق کو دوسروں پر نہ تهونپئے، تو کیا دین ذوق اور سلیقہ کا نام هے، اور اس کی حد و حدود اور اس کے معنی و تفسیر انسان کے سلیقہ سے معین هوتے هیں؟ سلیقہ اور ذوق انسان کی عام زندگی سے متعلق هوتا هے؛ مثال کے طور پر کوئی شخص کوئی کپڑا یا دوسری چیز خریدنا چاهتا هے تو اس موقع پر کسی دوسرے شخص پر اپنا سلیقہ تحمیل کرنا صحیح نهیں هے لیکن اعتقادات میں سلیقہ اور ذوق کا کوئی سرو کار نهیں هے، مثلاً کوئی شخص یہ کهے کہ میرا سلیقہ یہ کهتا هے کہ خدا ایک هے، اور(نعوذ باللہ) دوسرا شخص کهے کہ میرا سلیقہ یہ هے کہ کئی خدا هیں، کیونکہ شریعت اور احکام الٰهی عوام الناس کے ذوق کے تحت نهیں هیں تاکہ کهنے والے کهیں کہ دوسروں کے سلیقوں کو بهی برداشت کریں ، نیز دوسروں کے سلیقوں کو ردّ نہ کریں پس اعتقادی مسائل، ضروریات اسلام، احکام اسلام، عقائد اور الٰهی اقدار کسی کے سلیقہ کے تحت نهیں هیں، او ران کے سامنے ذوق و سلیقہ کو بالائے طاق رکھ دیا جائے۔

خلاصہ یہ هے اپنے نظریہ کو مطلق نہ قرار دینے کے شعار فقط دین کے فرعی اور ظنی مسائل میں صحیح هے اور ان میں بهی ان حضرات کا نظریہ قابل قبول هے جو دینی و فقهی مسائل میں اپنے عظیم الشان علم اور صحیح طریقہ سے مکمل طور پر اجتهاد کریں اور قرآن و سنت کے ذریعہ اپنے نظریہ کو استنباط کریں اور اسی کے مطابق فتویٰ دیں اور جو شخص اس طرح کی صلاحیت کا مالک هوتا هے اس کو اصطلاحاً "فقیہ" کها جاتا هے ، چنانچہ اسی موقع پر کها جاتا هے کہ ایک فقیہ اپنی رائے کو دوسرے فقیہ پر تحمیل کرنے کا حق نهیں رکهتا یہ مسلم هے کہ دو فقهاء کے درمیان فتووں میں اختلاف هوتا هے لیکن ان میں سے کوئی بهی فقیہ یہ نهیں چاهتا کہ اپنے نظریہ کو دوسرے فقیہ پر تحمیل کرے لیکن عقائد، اصول اور اسلام کے قطعیات میں انسان کا کوئی سلیقہ اور ذوق قابل قبول نهیں هے کیونکہ دینی عقائد میں صرف وهی چیز صحیح هے جس کو چودہ سو سال پهلے پیغمبر اکرم (ص) اور آپ کے بعد ائمہ معصومین علیهم السلام نے بیان فرمایا هے، اور تمام علماء اور فقهاء کا اس بات پر اتفاق هے، کیونکہ اسلامی مسلمات کے سلسلہ میں پیغمبر اکرم (ص) اور ائمہ معصومین علیهم السلام کی قرائت کے علاوہ دوسری تمام قرائت باطل اور بے بنیاد هیں، اور کسی بهی صورت میں قابل قبول نهیں هے کہ کوئی آگے بڑھ کر یہ کهے میں بهی دین سے ایک نئی قرائت پیش کرتا هو ں، در حقیقت اس طرح کا نظریہ دین میں بدعت گذاری کا واضح مصداق هے جس سے مقابلہ کرنا حقیقی علماء اسلام کا فریضہ هے، تاکہ وہ خداوندعالم ، اس کے فرشتوں اور نیک بندوں کی لعنت و نفرین کے مستحق قرار نہ پائیں۔

والسلام علیکم و رحمة اللہ و برکاتہ۔

والحمد للہ رب العالمین

تمت بالخیر

۱۲۰۰۱۵

حوالے:

(۱)سورہ مائدہ آیت۲۷
(۲) سورہ مائدہ آیت۳۱
(۳) سورہ نحل آیت ۹۲

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(۴) سورہ جمعہ آیت ۵
)۵(سورہ مائدہ آیت ۲۷ ترجمہ : " اور اے پیغمبر ! آپ ان کو آدم کے دونوں فرزندوں کا سچا قصہ پڑھ کر سنائیے "
(۶) سورہ اسراء (بنی اسرائیل) آیت ۱۰۵ ترجمہ : ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ھے اور یہ حق ھی کے ساتھ نازل ھوا ھے "
(۷) نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۲۲
(۸) نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۷
(۹)نہج البلاغہ ترجمہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ، خطبہ نمبر ۱۴۵

اسلام اور سیاست جلد(2)

اکتیسواں جلسہ

تفکیک قوا (قدرتوں کی جدائی) کے نظریہ کی تحقیق اور اس پر نقد وتنقید

1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
جیسا کہ ھم نے گذشتہ جلسات میں عرض کیا کہ اسلامی حکومت کے بہت سے وظائف اور ذمہ داریاں ھوتی ھیں جن کی بنا پر اسلامی حکومت کا فلسفہ وجودی سمجھ میں آتا ھے وہ وظائف اور ذمہ داریاں جن کی اسلامی حکومت عھدہ دار ھوتی ھے ان کے لئے کچھ خاص اختیارات بھی ھونا ضروری ھیں جن کے تحت وہ اپنے وظائف اور ذمہ داریوں کو پورا کرسکتی ھے بھر حال تمام ھی حکومتوں بالخصوص اسلامی حکومت کی خاص ذمہ داریوں کی وجہ سے کاموں کی تقسیم بندی ھوتی ھے جو مہارت، لیاقت اور ذمہ داری کی قسم کی بنا پر عھدہ داران کو دی جاتی ھے بے شک یہ کاموں اور قدرتوں کی تقسیم ایک ضروری چیز ھے، کیونکہ اگر ایک محدود مقام جیسے کسی گاؤں وغیرہ کی حکومت کا مسئلہ ھوتا تو اس وقت کاموں کی تقسیم اتنی زیادہ ضروری نہ ھوتی لیکن چونکہ اسلامی حکومت ایک خاص علاقے سے مخصوص نھیں ھے لہٰذا اکثر موارد میں قدرتوں کی تقسیم نہایت ضروری ھے۔
اور چونکہ اسلامی حکومتی نظریہ پوری دنیا اور تمام زمانونکے لئے ھے، لہٰذا اس کے لئے ایک ایسا نقشہ مرتب کیاگیاھے جو عالمی اوردائمی ھے، او رکسی خاص علاقے اور خاص زمانہ سے مخصوص نھیں ھے،اسی وجہ سے اس کے لئے ایسے قوانین کا انتخاب کیا گیا ھے جو مختلف زمانہ اور مختلف مقامات کے لئے جاری ھونے کی صلاحیت رکھتے ھوں؛ بے شک کاموں اور قدرت کی تقسیم انھیں قوانین کے تحت ھوتی ھے۔

2۔ تفکیک قوا (قدرتوں کی جدائی) کے نظریہ کی تاریخی حیثیت
قارئین کرام ! جیسا کہ ھم نے گذشتہ جلسہ میں عرض کیا کہ حکومتی نظام کا ایک ھرم(وسیلہ اور طاقت) کی طرح تصور کیا جاسکتا ھے،جو مختلف شکلوں اور صورتوں سے تشکیل پاتا ھے،لیکن ان شکلوں کی تعداد تقریباً معاھدہ کے طور پر ھوتی ھیں چنانچہ حکومت کی یہ شکل قدیم زمانہ سے چلتی آرھی ھے،یونانی فلاسفہ منجملہ ”ارسطو“ کے زمانے سے حکومت کی یھی تین چھرے والی تصویر پیش کی گئی ھے ان میں سے ایک چھرہ ان لوگوں سے مخصوص ھوتا ھے جو معاشرہ کے صاحب عقل وخرد ھوتے ھیں، اورحکومت کے اس حصے کو (جسے آج کل ”قانون گذاری پاور“ (ممبر آف پارلیمنٹ) کا نام دیا جاتا ھے)؛وہ لوگ تشکیل دیتے ھیں جو اپنی عقل وفکر کو بروئے کار لاتے ھوئے معاشرہ کے نظام کے لئے ضروری قوانین مرتب کرتے ھیں اسی طرح ارسطو کے کلام میں دوسرے دو چھروں کا بھی تذکر ہ ھے جو قوہ مجریہ (حکومت) اور قوہ قضائیہ (عدل) پر منطبق ھوتی ھیں،اور وہ درج ذیل ھیں:
1۔ معاشرہ کے حکام اور اس کو چلانے والے۔
2۔عوام الناس کے فیصلے کرنے والے افراد۔
اسی طرح ان آخری صدیوں میں مغربی سیاست داں افراد نے بھی حکومت کے تین چھروں والا نظریہ پیش کیا ھے چنانچہ ان کے آخر میں ”مونٹسکیو“ نے بھی تفکیک قوا کے نظریہ کے تحت حکومت کو درج ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا ھے: قانون گذاری، عدلیہ، اور قوہ مجریہ، اور اسی وجہ سے اس نے ”روح القوانین“ نامی کتاب لکھی، جس میں ھر ایک قدرت کے بارے میں تفصیل سے بحث کی ھے ”مونٹسکیو“ کی علمی اور نئے نظریات کے سلسلہ میں کی گئی کوشش کی وجہ

سے تفکیک قوا کا مسئلہ اسی وقت سے مشہور ہوگیا یھاں تک کہ آج بعض لوگ اسی کو اس تھیوری کا مخترکھتے ھیں۔
آج کل اکثر ممالک منجملہ ھمارے ملک میں بھی بنیادی قوانین اسی نظریہ کے تحت بنائے جاتے ھیں، اور تینوں طاقتوں کو استقلال اور ڈیموکریسی کے اصول میں شمار کرتے ھیں بین الملل (عالمی سطح) پر اسی ملک کو ڈیموکریٹک کھا جاتا ھے جس میں یہ تینوں طاقتیں ایک دوسرے سے الگ الگ اور مستقل ھوں اور ایک دوسرے پر مسلط نہ ھوں۔

3۔ تفکیک قوا نظریہ کے دلائل پر ایک نظر

1۔ چونکہ حکومت کی مختلف اور پیچیدہ ذمہ داریاں ھوتی ھیں جن کے سبب ان کے بارے میں کافی معلومات اور خاص مھارت کی ضرورت ھوتی ھے لھٰذا یہ سب کام ایک شخص سے نھیں ھوسکتا لھٰذا انھیں پیچیدگیوں کے پیش نظر کام اور قدرت کی تقسیم ضروری ھے اور چونکہ حکومت کی مختلف ذمہ داریاں ھوتی ھیں لھٰذا ان میں اختلاف اور ایک دوسرے کامخالف ھونا بھی ممکن ھے تو اس صورت میں حکومت کے اسی خاص چھرے کے لحاظ سے عھدہ داروں کا بھی انتخاب ھوتا ھے اسی بنا پر حکومت کی تینوں طاقتیں تقسیم ھوتی ھیں اور انھیں کے تحت تمام حکومتی امور انجام پاتے ھیں،البتہ اس کی زیادہ تر فعالیت قوہ مجریہ کے تحت ھوتی ھیں: مثلاً جنگ اور دفاع سے متعلق مسائل، معاشرہ کے مستضعف او رکمزور لوگوں کی امداد کرنا، تعلیم وتربیت کا نظام اور علاج ومعالجہ سسٹم وغیرہ یہ تمام محکمات قوہ مجریہ کے تحت ھوتے ھیں جبکہ عدلیہ کا کام صرف عوام الناس کے اختلافات اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنا ھوتا ھے، اور قانون گذار پاور (پارلیمنٹ) کا کام فقط قوانین بنانا ھوتا ھے، اس کے علاوہ دوسرے مخصوص کام نیز معاشرہ اور ملک کی دوسری ضرورتوں کا پورا کرنا حکومت کی ذمہ داری ھوتی ھے۔
قوہ مجریہ کی عظیم اور وسیع ذمہ داریوں کے پیش نظر ھوسکتا ھے اس کو عدلیہ اور پارلیمنٹ کے برابر رکہ دیا جائے اوراس کو ایک قدرت کا نام دیدیا جائے لیکن خود حکومت کا ایک پھلو نھیں ھوتا بلکہ مختلف ذمہ داریوں اور وظائف کی بنا پر اس کے ایک سے زیادہ پھلو ھوتے ھیں اور اس قدرت کی تقسیم کی بنا پر ھر ایک محکمہ پر ایک قدرت کا اطلاق ھوسکتا ھے، اس صورت میں اس کے بھت سے پھلو دکھائی دے سکتے ھیں،اور اس کے، تحت ھر وزارتخانہ اس کے ایک پھلو کو تشکیل دیتا ھے۔
بھر حال حکومتی نظام کی مختلف ذمہ داریوں کی بنا پر قدرت کی جوتین قسمینکی گئی ھے،اور اس تقسیم کو آج کی دنیا ئے سیاست نے بھی قبول کیا ھے اور وہ ایک معاھدہ کے عنوان سے مشھور ھے، لھٰذا اس تقسیم میں کوئی اشکال نھیں ھے۔
قارئین کرام ! یھاں پر ایک سوال یہ باقی رھتا ھے کہ کیا حکومت کی مختلف ذمہ داریوں کا ھونا اس تقسیم اور استقلال کے لئے کافی ھے؟ تو جواب یہ ھے کہ مختلف ذمہ داریوں کا ھونا صرف تفکیک قوا پر ایک توجیہ تو ھوسکتی ھے لیکن اس کو اس سلسلہ میں علت تامہ (مکمل طور پر علت) قرار نھیں دیا جاسکتا کیونکہ جب ھم قوہ مجریہ کو دیکھتے ھیں تو اس میں بھی مختلف ذمہ داریاں ھوتی ھیں جن میں آپس میں زیادہ تعلق بھی نھیں ھوتا؛ مثلا جنگ اور دفاع کا مسئلہ، میڈیکل وغیرہ لیکن اس کے بعد بھی یہ تمام چیزیں قوہ مجریہ کے تحت ھوتی ھیں اور اگر ذمہ داریوں کے مختلف ھونے ھی کو قدرت کے زیادہ ھونے کا سبب قرار دیں تو پھر دسیوں مستقل قدرتیں ھونا چاھئیں تھیں۔
2۔ تفکیک قوا اور تکونی تقسیم کی مھم ترین دلیل اور توجیہ وھی ھو جس کی بنا پر مونٹسکیو نے تفکیک قوا کا یہ نظریہ پیش کیا ھے: چونکہ انسانی فطرت میں ایک دوسرے پر سلطنت اور ظلم کی طرف جھکاؤ پایا جاتا ھے ، اور اگر تینوں طاقتیں ایک شخص یا ایک گروہ کے تحت ھوتیں تو پھر اس (حکومت) سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے زیادہ امکانات پائے جاتے ،کیونکہ اس صورت میں وھی گروہ قانون گذار بھی ھے اور فیصلے کرنے کی ذمہ داری بھی اسی کی ھے اور قوانین کو جاری کرنے کا عھدہ بھی اسی کے پاس ھے، اور یہ ظاھر ھے کہ ھر انسان اپنے مفاد میں قانون بناتا ھے اور پھر اپنےھی حق میں فیصلے کرتا ھے، اس طرف سے قوانین کو جاری کرنے کی ذمہ داری بھی اسی کی ھے لھٰذا ناجائز فائدہ اٹھانے کے بھت سے راستے ھموار ھوجاتے اسی بنا پر مونٹسکیو کا ماننا تھا کہ راہ اعتدال کو برقرار رکھنے اور ظلم وجور سے روک تھام اور ناجائز فائدہ اٹھانے سے روکنے کے لئے تینوں قدرتوں کا الگ الگ ھونا ضروری ھے۔
قارئین کرام ! گذشتہ مطالب کے پیش نظر یہ بات معلوم ھوگئی کہ قدرتوں کا مستقل ھونا اس لئے ضروری ھے،کہ ناجائز فائدہ اٹھانے کا سد باب ھوجائے خصوصاً قوہ مجریہ کے لئے جو جب عدلیہ بالکل مستقل ھو تو پھر سب کے فیصلے قوانین کے تحت ھوں گے،اور کوئی بھی سزا سے نھیں بچ سکتا،اور تمام ھی افراد عدلیہ کے مقابلہ میں جواب دہ ھوں گے،
کیونکہ اس صورت میں عدلیہ بڑے سے بڑے حکومتی عھدہ دار کو عدالت کے کٹھیرے میں کھڑا کرسکتی ھے،اور اگر انھوں نے قوانین کی خلاف ورزی کی ھے تو اس کو سزا دے سکتی ھے اسی طرح اگر قانون گذار طاقت (پارلیمنٹ) نے اسلامی قوانین کی مخالفت کی ھے تو اس صورت میں عدلیہ ان کے خلاف کاروائی کرسکتی ھے اسی طرح اگر قانون گذار

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

طاقت مستقل ہوگی تو وہ (بھی) قانون گذاری کے سلسلہ میں کسی (عدلیہ اور حکومت) سے متاثر ہوکر قانون نہیں بنائے گی اور ممبر آف پارلیمنٹ قوانین بناتے وقت مکمل طور پر مستقل اور آزادی کے ساتھ قوانین بنائیں گے اور کسی بھی طاقت کے تحت تاثیر قرار نہیں پائیں گے، اور دوسرے سے وابستہ ہونے کا احساس بھی نہینکریں گے۔

4۔ تفکیک قوا کو بالکل محدود کرنا نا ممکن

سیاست داں حضرات نے ڈیموکریسی کے لئے تینوں طاقتوں کو مستقل ہونا شرط قرار دیا ہے،البتہ یہ استقلال عملی طور پرحاصل ہونا چاہئے اور نظریہ کے لحاظ سے بھی، کیونکہ ہوسکتا ہے کوئی نظام تفکیک قوا کے نظریہ کے تحت ہو اور یہ تصور کیا جائے کہ تینوں طاقتیں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں،اور کسی ایک طاقت سے بھی متاثر نہیں ہے لیکن عملی میدان میں ایک طاقت دوسری طاقت پر تجاوز کرجائے اور اپنے حکمرانی چلانے کی کوشش کرے۔

اگر ہم دنیا بھر کی ڈیموکرسی حکومتوں پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوجائے گا کہ بہت ہی کم ایسی حکومتیں ہیں جن میں تینوں طاقتیں ایک دوسرے سے مکمل طور پر الگ الگ ہوں،مثلاً عدلیہ اور پارلیمنٹ ؛ حکومت سے متاثر نہ ہوں اور یہ تو ظاہر سی بات ہے کہ جب عدلیہ کے تمام اخراجات حکومت کے ہاتھ میں ہوں اور انتخابات حکومت کے ذریعہ انجام پاتے ہوں تو پھر بہت ممکن ہے کہ حکومت چند پارٹیوں کے مقابلہ میں اسی طرح اپنی حکومت کو برقرار رکھے؛ اور جب حکومت اس کے ہاتھ میں ہوگی تو دوسری طاقتیں بھی اسی کے اختیار میں ہوں گی۔

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا بھر کی مختلف حکومتوں میں حکومت کے عہدہ دار افراد کبھی علی الاعلان اور کبھی مخفی طور پر دوسری حکومتوں میں دخالت کرتے ہیں اور ان پر زور دیتے ہیں، خصوصاً وہ ممالک جن میں پارلیمنٹی نظام ہوتا ہے اور پارلیمنٹ کے ذریعہ ہی حکومتیں عہدہ داروں کا انتخاب کرتی ہیں،یعنی ممبر آف پارلیمنٹ براہ راست عوام الناس کے ذریعہ چنے جاتے ہیں اور پھر یہی ممبر اپنی اکثریت سے حکومت کے لئے عہدہ داروں کا انتخاب کرتے ہیں۔

اسی طرح ریاستی نظام جن میں صدر مملکت کا انتخاب خود عوام الناس کرتی ہے اور اجرائی قدرت صدر مملکت کے اختیار میں ہوتی ہے؛ ان میں حکومت پارلیمنٹ اور عدلیہ میں دخالت کرتی ہے، خصوصاً بہت سے وہ ممالک جن میں صدر مملکت کو وٹو "Veto" کا حق ہوتا ہے، اور وہ پارلیمنٹ کے قوانین کو بے اثر کرسکتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پارلیمنٹ باید وشاید طور پر اپنے نظریہ کو حکومت پر لاگو نہیں کرسکتا، ممبر آف پارلیمنٹ قوانین بناتے ہیں ، اپنی بحث وگفتگو کے بعد اکثریت سے کسی قانون کو پاس کرتے ہیں، لیکن چونکہ خود بنیادی قوانین نے صدر مملکت کو وٹو کا حق دیا ہے لہٰذا ان کے بنائے ہوئے قوانین بے اثر ہوجاتے ہیں۔

ہماری نظر میں کوئی ایسا ملک نہیں ہے جس میں تینوں طاقتیں ایک دوسرے سے مستقل ہوں، اور کسی ایک طاقت کے تحت تاثیر نہ ہوں اور ایک دوسرے میں کسی طرح کی کوئی دخالت نہ کرتی ہوں،خصوصاً قوہ مجریہ جو دوسری طاقتوں پر زیادہ نفوذ رکھتی ہے، فقط بنیادی قوانین میں استقلال کے نام سے موجود ہے جبکہ حقیقت میں تینوں طاقتیں مستقل اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہے، بلکہ حکومت ان پر مسلط ہوتی ہے۔

اور چونکہ تینوں طاقتیں ایک دوسرے میں دخالت کرتی ہیں لہٰذا ان تینوں طاقتوں کے کام کے درمیان ایک ثابت حد بندی معین کرنا واقعاً مشکل ہے جیسے قانون گذاری والے مسائل ہوں یا قوانین جاری کرنے والے مسائل یا اس کے برعکس،یعنی اجرائی مسائل کو قانون گذاری کے حوالے سے جدا کرنا مشکل ہے ہم خود اپنے ملک میں اور دوسرے ممالک میں یہ دیکھتے ہیں کہ وہ مسائل جو قانون گذاری کا پہلو رکھتے ہیں لیکن وہ (بھی) حکومت کے ذمہ ہیں مثال کے طور پر بنیادی قوانین کے تحت بعض قوانین حکومتی کابینٹ کے سپرد کئے جاتے ہیں جن کو طے کرکے جاری کیا جاتا ہے اگرچہ ان قوانین پر اسپیکر کے دستخط ہونا (بھی) ضروری ہوتے ہیں، لیکن کبھی کبھی صرف ان قوانین کا پارلیمنٹ میں بھیج دینا ہی کافی ہوتا ہے بعض حکومتوں میں اسپیکر کے دستخط کرنا یا پارلیمنٹ میں بھیجنا ضروری بھی نہیں ہوتا، بلکہ خود حکومتی کابینٹ میں پاس ہونے سے وہ قانونی شکل اختیار کرلیتے ہیں،اور ان کو نافذ کردیا جاتا ہے لیکن وہ موارد میں جن میں اسپیکر کے دستخط اور اس کا تائید کرنا ضروری ہوتا ہے،ان میں(بھی) دستخط اور تائید کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی اور صرف دکھاوٹی پہلو ہوتا ہے کیونکہ حکومتی کابینٹ کوئی بھی قانون بنادے تو پھر اسپیکر کو اس پر دستخط کرنا ہی ہوتا ہے اور اگر یہ فرض کرلیں کہ اسپیکر کے دستخط دکھاوے کے طور پر نہیں ہیں توکیا اسپیکر کے دستخط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس قانون کو ممبر آف پارلیمنٹ نے بنایا ہے؟!

بہر حال بعض ایسے مسائل جو قانون گذاری کے پہلو رکھتے ہیں اور ان پر بحث وگفتگو کے ذریعہ ان کو پاس کرنا پارلیمنٹ کے ذمہ ہوتا ہے ، لیکن ان کی فوری طور پر ضرورت ہے اور اگر وہ فوراً تصویب نہ ہوئے تو معاشرہ میں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

خلل پیش آجائے گا تو اس صورت میں خود حکومتی کابینٹ کو اس طرح کے قوانین بنانے کا حق دیا جاتا ھے دوسری طرف بعض وہ مسائل جو اجرائی پھلو رکھتے ھیں لیکن ان کی اھمیت کے پیش نظر بنیادی قوانین ان کو جاری کرنے کے لئے پارلیمنٹ کو مصوب کرنے اور اس کی تائید کرنے کی شرط کرتا ھے مثلاً جنگ، اقتصاد اور تیل وغیرہ کے سلسلہ میں بیرونی کمپنیوں سے معاھدہ کرنا یہ سب کام اجرائی پھلو رکھتے ھیں لیکن بنیادی قوانین کے مطابق پارلیمنٹ کا پاس کرنا ضروری ھے قارئین کرام ! ھمارا مقصد یہ ھے کہ تھیوری اور نظری لحاظ سے پارلیمنٹ اور قوہ مجریہ کے وظائف میں مکمل طور سے جدائی کرنا صحیح اور منطقی نھیں ھے۔

حکومتی نظام میں پارلیمنٹ اور قانون گذار مجلس کے علاوہ دوسری شوریٰ اور مجالس بھی ھوتی ھیں جن کا کام بھی ایک طرح سے قانون گذاری ھوتا ھے مثال کے طور پر ھمارے ملک میں ”شوریٰ انقلاب فرھنگی“ بھی بعض چیزوں کو تصویب کرتی ھے جن کو قانون کی جگہ سمجھا جاتا ھے،اور ان قوانین کی شکل ایسی ھوتی ھے جس کی بنا پروہ شوریٰ اسلامی مجلس او رممبر آف پارلیمنٹ کے ذریعہ تصویب ھوجاتے ھیں، لیکن ھمارے ملکی نظام کے ثقافتی اھمیت کی خاطر اور ثقافتی سلسلہ میں سیاست اور طریقہ کار کو طے کرنے کی ذمہ داری ان افراد پر ھوتی ھے جو اس سلسلہ میں کافی تجربہ اور مھارت رکھتے ھوں اسی طرح بعض دوسرے مخصوص ادارے ھوتے ھیں جن کا شمار قوہ مجریہ میں ھوتا ھے،اور قانون کو جاری کرنے والوں کی طرح تصیمم گیری کرتے ھیناور قانون گذاری پھلو نھیں رکھتے، مثلاً ”شوریٰ عالی امنیت“ اور ”شوریٰ عالی اقتصاد“ جو اس سلسلہ کے ماھر ین افراد پر مشتمل ھوتی ھیں، جن کی مھارت اور دقت عقلی دوسری کی نسبت زیادہ ھوتی ھے جوملک کے اھم اور اسٹریٹیجک"Strate'gique" مسائل میناپنی دقت اور ظرافت کے ساتھ عمل کرتی ھے۔

قارئین کرام ! ھماری گذشتہ باتوں سے یہ بات واضح ھوجاتی ھے کہ تینوں طاقتوں کا مکمل طریقہ سے مستقل اور الگ الگ ھوناچاھے تھیوری"Theory" کے لحاظ ھو یا عملی (پریکٹیکل) "Practical" اعتبارسے ایک مشکل کام ھے،خصوصاً حکومت کے مخصوص کاموں کا پارلیمنٹ کی ذمہ داریوں سے الگ کرنا لیکن جیسا کہ دیکھنے میں آتا ھے کہ یہ طاقتیں ایک دوسرے میں دخالت کرتی ھیں،خصوصاً بھت سے ملکوں میں حکومت؛ پارلیمنٹ اور عدلیہ میں دخالت کرتی ھے اسی وجہ سے اس طرح کی مداخلت سے روک تھام کے لئے ایک طریقہ سے معاھدہ کرنا ضروری ھے۔

5- تینوں طاقتوں پر ایک ناظر اور ھم آھنگ کرنے والی طاقت کی ضرورت

قارئین کرام ! دوسرا مسئلہ یہ ھے کہ اگر در حقیقت تینوں طاقتوں میں مطلق اور مکمل طور جدائی ھوجائے اور ھم پارلیمنٹ کو مستقل طور پردیکھنا چاھیں جودوسری دونوں طاقتوں سے کوئی بھی عھدا دار کا رابطہ نہ رکھتا ھو، اسی طرح قوہ مجریہ یا عدلیہ کو مستقل طور پر دیکھنا چاھیں اور اس تقسم میں تھیوری اور پریکٹیکل طور پر کسی طرح کی کوئی مشکل پیش نہ آئے تو ملک کی ترقی کے سلسلہ میں پیش آنے والے اھم امور میں بھت بڑی مشکل میں پھنس جائیں گے، اور وہ مشکل یہ ھوگی کہ حکومت میں ایک قسم کاشدید اختلاف پیدا ھوجائے گا؛ گویا ایک ھی ملک میں تین حکومتیں ھوں گی، جن میں سے ھر ایک اپنے لحاظ سے کارکردگی میں مشغول ھے جس کاایک دوسرے سے بالکل کوئی واسطہ نھیں ھے۔

المختصر ایک طرف حکومت کی کار کردگی کا مختلف ھونا اور ان کا پیچیدہ اور وسیع ھونا اس بات کا تقاضا کرتا ھے کہ طاقتیں تقسیم ھونا چاھئیں، اور حکومت کے لئے مختلف پھلو مد نظر رکھے جائیں، اور ان تینوں طاقتوں کی ذمہ داری کی وجہ سے ایک حکومت کے لئے بھت سے چھرے تصور کئے جائیں جس کے نتیجہ میں ایک حکومت مثلث القاعدہ یا مخمس القاعدہ ھوجائے جس کی وجہ سے اس حکومت کے مختلف چھرہ دکھائی دیں دوسری طرف سے عوام الناس اور معاشرہ کے نظام کی وحدت اس بات کا تقاضا کرتی ھے کہ حکومت میں ایک وحدت اوران کا منسجم ھونا ضروری ھے تاکہ اسی کے زیر سایہ تمام نظام کی وحدت اور اتحاد نیز طاقتوں کے درمیان ایک ھم آھنگی برقرار رھے اسی طرح ان تینوں طاقتوں کی کارکردگی پر بھی نظارت ھوسکے۔

لھٰذا ھم اسلامی حکومت کے لئے دو قسم کی مصلحت اندیشی کے روبرو ھیں: ایک طرف سے ھمیں طاقتوں اور ذمہ داریوں کی تقسیم کو قبول کرنا ھے کیونکہ حکومت کی مختلف کار کردگی کی الگ الگ قسمیں ھیں اور ایسے ماھر افرادجواپنی مھارت او رتجربہ کے ذریعہ مختلف ذمہ داریوں کو نبھاسکیں، بھت ھی کم ھیں، اور شاید ایسے افراد کا وجود ھی نہ ھو ، لھٰذاان طاقتوں کا تقسیم کرنا ضروری ھے، اور ھر حصہ کی مخصوص ذمہ داریاں اسی فن میں ماھر افراد کے سپرد کی جائے دوسری طرف ،چونکہ معاشرہ کو ایک اتحاد اور وحدت کی ضرورت ھے؛ کیونکہ اگر ان طاقتوں میں اختلاف اور ٹکراؤ ھونے کا امکان ھے، لھٰذا ان تینوں طاقتوں کو ھم آھنگ کرنے سے ایک اھم طاقت کا ھونا ضروری ھے

تاکہ اگر ان طاقتوں میں اختلاف ہوجائے تو وہ طاقت ان کے درمیان اس اختلاف کو دور کرسکے،اور ادھر معاشرہ میں اتحاد کے پیش نظر اپنا بنیادی کردار ادا کرے کیونکہ وہ معاشرہ جس پر تین طاقتیں مستقل طور پر اپنا اپنا حکم چلاتی ھیں ؛ اس کو ایک متحد اور ھم آھنگ نہیں کھا جاسکتا اور خواہ نخواہ ایک طرح کا اختلاف اور ٹکراؤ پیدا ہوجائے گا۔
اس مشکل کو حل کرنے اور ان طاقتوں میں اتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے، نیز اختلاف کو حل کرنے کے لئے سیاست دانوں نے بھت سی راہ حل بیان کی ھیں جن کا بیان کرنا اس وقت ممکن نہیں ھے ، اور ھم صرف اسلامی راہ حل پیش کرتے ھیں۔

6۔ ولایت فقیہ معاشرہ کے اتحاد کا مرکز
قارئین کرام ! گذشتہ جلسات میں بیان شدہ مطالب کے پیش نظر جن میں اسلامی حکومت کی مختلف صورتیں اور اس کے اقداری درجات کے بارے میں عرض کیا کہ اسلامی حکومتوں کی بعض صورتیں نمونہ ھیں ، اور ان میں سے بعض اس سے کم تر درجہ کی ھیں، کہ اگر بلند ترین اور نمونہ حکومت تشکیل نہ ہوسکے تو اس سے کم تر درجہ والی حکومت تشکیل پائے گی؛ یھاں پر ھم یہ عرض کرتے ھیں کہ اسلامی نظام میں اس مشکل کے بارے میں بھترین چارہ جوئی بیان کی گئی ھے کیونکہ نمونہ حکومت میں ایک معصوم ذات کو بر سر اقتدار ہونا چاھئے، اور اسی کے ہاتھوں میں طاقت وقدرت ہونی چاھئے،اور یہ ظاھر سی بات ھے کہ جب (معصوم علیہ السلام) کے ہاتھوں میں قدرت ہوگی تو تو معاشرہ میں وحدت واتحاد اور قدرتوں میں ھم آھنگی پیدا ہوجائے گی، اور اپنی قدرت سے اختلافات اور قدرتوں کے درمیان ٹکراؤ کا خاتمہ فرمادیں گے اس کے علاوہ ھر قسم کی خودخواھی ،ذاتی مفاد اور پارٹی بازی سے جدا رھینگے؛ کیونکہ معصوم وہ ھے جس میں کسی طرح کا کوئی غیر الٰھی تصور نہیں پایا جاتا (البتہ ھم پھلے عرض کر چکے ھینکہ اسلامی حکومت کی نمونہ صورت(آئیڈیل شکل) صرف امام علیہ السلام کے حاضر ہونے کی صورت ھی میں ممکن ھے۔
اسی طرح اسلامی حکومت کی دوسرے درجہ میں وہ حکومت ھے جس میں صاحب اقتدار وہ شخص ہو جو امام معصوم علیہ السلام سے زیادہ مشابہ اور نزدیک ہو ، اور ضروری شرائط کے علاوہ امام معصوم کے بعد تقویٰ اور عدالت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو ایسی شخصیت کو ولی فقیہ کھا جاتا ھے؛ معاشرہ کی وحدت ، قدرتوں کو ھم آھنگ کرنے والی اور عھدہ داران کی کارکردگی پر ناظر اورنگراں ہوتی ھے، نیز حکومت کے لئے اھم راھنمائیاں ، رھبری اور اھم سیاست گذاری اسی ذات کے ذریعہ ہوتی ھے۔
قدرت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے ”مونٹسکیو“ نے قدرتوں کی جدائی کا نظریہ پیش کیا جس کو تقریباً سبھی لوگوں نے قبول کیااور وہ ایک حد تک مفید بھی ھے ؛ لیکن اس نظریہ سے اصل مشکل کا حل نہیں ہوتا کیونکہ اگر حکومت کے عھدہ داران (تینوں طاقتوں میں) اخلاقی صلاحیت اور تقویٰ الٰھی سے مزین نہ ہوں اور قدرت تقسیم ہوجائے اور تین حصوں میں بٹ جائے، تو اس صورت میں معاشرہ کی برائیاں اور خود حکومت بھی تین حصوں میں تقسیم ہوجاتی ھے اس صورت میں اگر ھم قوہ مجریہ کی برائیاں کم ہوتی دکھائی دیتی ھیں تو اس کی وجہ اس دائرہ کا محدود ہوجانا ھے اور صرف قدرت کا ایک حصہ اس کے پاس ھے لھٰذا ھمیں اس چیز پر خوش نہیں ہونا چاھئے کہ قوہ مجریہ(حکومت)کے جرائم اور فساد کم ہوگئے ھیں کیونکہ بعض مفاسد عدلیہ کی طرف منتقل ہوگئے ھیناور بعض پارلیمنٹ کی طرف جو غالباً قوہ مجریہ کے تحت تاثیر ہوتی ھے،اور ان سے خلاف ورزیاں اور مفاسد سرزد ہوتے ھیں۔
لھٰذا ان طاقتوں کے مفاسد اور ایک دوسرے میں دخالت کرنے سے روک تھام کا بھترین طریقہ عھدہ داروں کے لئے تقویٰ الٰھی اور اخلاقی صلاحیت کی سفارش کرنا ھے اور ھر عھدہ دار اپنے عھدہ کے لحاظ سے تقویٰ اور اخلاقی صلاحیت کا مالک ہو ، اگر عھدہ عظیم اور بڑا ھے تواس کا تقویٰ اور اخلاقی صلاحیت بھی دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ہو، اور اسی قانون کے تحت جو شخص اس اسلامی قدرت کی صدارت کررھا ہو وہ سب عھدہ داروں مینسب سے زیادہ متقی اور پرھیزگار ہو،نیز مدیریت اور قوانین کی معلومات بھی بھترین ہوں اسی وجہ سے اسلامی نظام میں قدرتوں کے درمیان اختلافات کو روکنے، مفاسد کو دور کرنے اورٹکراؤ وغیرہ سے روک تھام ، نیز معاشرہ کے اتحاد ووحدت کو برقرار رکھنے والے رھبر کے لئے دوسرے حکومتی عھدہ دارونسے زیادہ تقویٰ اور عدالت کی شرط رکھی گئی ھے تاکہ عوام الناس اس کی عدالت اور تقویٰ پر اطمینان رکھتے ہوئے اس کی اطاعت کریں اور اس کو اپنی مشکلات حل کرنے والا سمجھیں اس صورت میں اگر تینوں قدرتوں میں کچھ خامیاں اور مشکلات پیدا ہوجائیں تو اس عظیم الشان رھبری کے زیر سایہ برطرف ہوجائیں،اور معاشرہ کی مشکلات بھی رفتہ رفتہ دور ہوجائیں جیسا کہ اس بیس سال کے زمانہ میں ھم مقام رھبری کا مشکل کشاء اور ، سعادت بخش کردار دیکھتے آئے ھیں۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

بتّیسواں جلسہ

اسلامی نظام کے اعتقادی عظمت بیان ہونے کی ضرورت

1- اسلامی حکومت کی تھیسز "The'sis" کی پہچان کے مختلف طریقے
ہم نے گذشتہ جلسوں میں اسلامی حکومتی نظام کے مختلف ڈھانچوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ حکومتی نظام ایک چند پہلو طاقت کی طرح ہے جس کی صدارت اس شخص کے پاس ہو جو بالواسطہ یا بغیر واسطہ خداوندعالم کی طرف منصوب ہو اور یہ نقشہ سیاسی فلسفہ میں ایک تھیوری"Theory"کے نام سے بیان ہوتا ہے ، لیکن اس کو ثابت کرنا کہ واقعاً یہ نقشہ اسلامی بہترین نظریہ ہے جس کو حکومت اور اسلامی معاشرہ کی عظیم مدیریت کے لئے پیش کیا جانا واقعاً مزید علمی اور دقیق مطالعہ کی ضرورت ہے؛ اسی وجہ سے اس سلسلہ میں بہت سے ایسے سوالات ہیں جن کے جوابات کے لئے ماھرین اور فقہاء کرام کو بہترین علمی اور دقیق تحقیقات کے بعد جوابات پیش کرتے ہیں، البتہ ان سوالات کے جوابات کو تین مرحلوں میں جواب دیئے جاسکتے ہیں:

الف۔ مختصر شناخت:
کبھی کبھی انسان اپنے وظیفہ اور ذمہ داری کی پہچان کے لئے ماھرین کی طرف رجوع کرتا ہے، تاکہ وہ اپنے علمی قواعد کے تحت اس کا وظیفہ معین کریں، مثلاً عوام الناس کا مراجع تقلید کی طرف رجوع کرنا،اور ان سے استفتاء کرنا اورشرعی امور میں اپنے وظیفہ کو معین کرنے کی درخواست کرنا ، اسی طرح ہر صنف کے ماھرین کی طرف رجوع کرنا؛ جیسے کسی مریض کا ماہر ڈاکٹر کے پاس جانا اور اس سے علاج کرنے کی درخواست کرنا، اسی طرح کسی بلڈنگ یا مکان کا نقشہ بنوانے کے لئے کسی بلڈر کی طرف رجوع کرنا اور ظاھر ہے کہ اس صورت میں اس کو مختصر سا جواب دیا جاتا ہے اور اس میں علمی اصول کی تفصیل بیان نہیں کی جاتی، بلکہ در حقیقت اس علم کا ما حصل اور خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔
یہ بات ظاھر ہے کہ اسلامی حکومت کے سلسلہ میں مختصر اور اجمالی شناخت ہمارے معاشرہ کے لئے واضح ہے اور جس وقت سے ہمارے ملک میں اسلامی حکومت قائم ہوئی ہے تو کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہوگا جس کو اسلامی حکومت کی حقیقت کے بارے میں معلومات نہ ہوگی شاید اسلامی انقلاب سے پہلے بہت کم ھی ایسے افراد ہوں گے جو اسلامی حکومت اور ولایت فقیہ کے بارے میں آگاہ نہ ہوں ،اور ان کے لئے مختصر طور پر اس تھیوری کی معلومات فراھم کی جائے لیکن (الحمد للّٰہ) آج کل کسی شخص کو اسلامی حکومت کے بارے میں مختصر اور اجمالی شناخت کے بارے میں بتانے کی ضرورت نہیں ہے (بلکہ اس سلسلہ میں عام شناخت اور معلومات رکھتے ہیں) البتہ ایسا بھی نہیں ہے کہ اسلامی حکومت کے بارے میں تفصیل اورمکمل وضاحت کی ضرورت نہ ہو، بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ ولایت فقیہ اور اسلامی حکومت کی اصل تھیوری عوام الناس کے لئے حل شدہ اور روشن ہے،یہاں تک کہ ہمارے مخالفین اور دشمن بھی اس سلسلہ میں معلومات رکھتے ہیں،جبکہ وہ اپنی تمام تر طاقت انقلاب اور اسلام کی مخالفت میں خرچ کرتے رہتے ہیں لیکن ادھر چونکہ ہماری عوام نے اپنے نظام کی حقانیت کو درک کرلیا ہے تو یہ بھی اپنے تمام وجود سے اس اسلامی انقلاب اور ولایت فقیہ کا دفاع کرتے ہیں اور اس انقلاب اور اسلامی نظام کی حفاظت کے لئے کچھ بھی کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں چنانچہ ہمارے افراد انقلاب اور نظام اسلامی کے دشمنوں کے مقابلہ میں "مرگ بر ضد ولایت فقیہ" (ولایت فقیہ کے دشمن مرجائیں) کے نعرہ کو ولایت فقیہ دشمنوں سے مخالفت کا ایک اعلان سمجھتے ہیں، اور ہمیشہ اس نعرہ کی حفاظت کرتے ہیں اور اسی پر قائم ر ہیں یہاں تک کہ سیاسی اور مذہبی محفلوں اور مساجد میں بھی اس کو دعا کے عنوان سے ہمیشہ پڑھتے رہتے ہیں۔
قارئین کرام ! اسلامی حکومت اور ولایت فقیہ کے سلسلہ میں مختصر جواب کے علاوہ دوسرے دو جواب بھی موجود ہیں : ایک صاحب نظر اور ماھرین افراد کے لئے اجتھادی اور اکیڈمیک جواب، اور دوسرا اسٹوڈینٹس وغیرہ کے لئے متوسط

قسم کا جواب ھے۔

ب۔ مخصوص اور علمی شناخت:
تفصیلی ، علمی اور مخصوص نیز اکیڈمیک جواب ان افراد کے لئے ھوتا ھے جوبلند ترین علمی درجات پر فائزھوتے ھیں اور اپنی تمام تر استعداد اور امکانات کو اسلامی حکومت اور ولایت فقیہ کے موضوع سے مخصوص کرتے ھیں جیسے وہ طالب علم جو ”اسلامی حکومت“ یا اس کے کسی ایک حصے میں ڈاکٹری کرنا چاھتا ھے اور اپنا پایان نامہ(علمی رسالہ) لکھنا چاھتا ھے جس کے بعد اس کو "P.H.D"کی سند ملتی ھے تو وہ اس موضوع پر تحقیقی نظر ڈالتا ھے اور اس کے تمام پهلوؤں پر نظر ڈالتا ھے اور چند سال تک اس کی تحقیق وبررسی کرتا ھے، اور علمی و دقیق منابع ومآخذ کا مطالعہ کرتا ھے نیز اس فن کے ماھر اور زبدہ اساتیذ سے صلاح ومشورہ کرنے کے لئے اپنے استدلال و برھان بیان کرتا ھے تاکہ اس کی پی ایچ ڈی قبول ھوجائے۔
اسی طرح علمی اور دقیق کاوشیں حوزات علمیہ میں بهی انجام پاتی ھیں اور جو لوگ درس خارج میں مشغول اور قریب الاجتهاد ھوتے ھیں اور اپنے مورد نظر مسائل میں استنباط کرنا چاھتے ھیں تو کبهی کبهی ایک ظاھراً معمولی اور چهوٹے سے مسئلہ کی سالوں تحقیق اور مطالعہ کرتے ھیں، اور دسیوں کتاب کا مطالعہ کرتے ھیں، اور فقهاء ومجتهدین سے بحث وگفتگو کرتے ھیں تاکہ آخر میں اپنا مخصوص نظریہ پیش کرسکیں اس سلسلہ میں کوئی شک نهیں ھے کہ تمام نظری مسائل منجملہ عقائد، اخلاق، احکام فرعی، اجتماعی، سیاسی، حقوقی، اور بین الملل مسائل میں اس طرح کی دقیق اور علمی بحث کی ضرورت ھے تاکہ اس سلسلہ میں ماھرین علماء کے ذریعہ اسلامی فرھنگ وثقافت کا وقار اپنی جگہ باقی ھے؛ لیکن یہ بات مخفی نہ رھے کہ اس طرح کے جوابات نہ تو عوام الناس کے لئے ضروری ھیں اور نہ ھی مفید ھیں۔

ج۔ متوسط شناخت:
آخر میں ”اسلامی حکومت اور ولایت فقیھ“ جیسے مسائل کے جواب کے لئے متوسط اور درمیانی قسم کی تحقیق وبررسی ھمارے سامنے ھے،جن کو عام جلسوں مینبیان کیا جاسکتا ھے ، جبکہ ھمارا مقصد بهی ان جلسات میں اسی قسم کے جوابات پیش کرنامقصود ھیں، ھم نہ تو اسلامی حکومت کے سلسلے میں مختصر جواب پیش کرنا چاھتے ھیں جیسا کہ ایک مجتهد اور مفتی استفتاء کے جواب میں اپنے رسالہ عملیہ میں لکھتا ھے اور نہ ھی اس کو مفصل اور تحقیقی طور پر بیان کرنا چاھتے ھینجن کا چند سال طولانی سلسلہ ھوسکتا ھے بلکہ ھمارا مقصد تو معاشرہ کے مختلف لوگوں کے لئے درمیانی(متوسط) قسم کی معلومات فراھم کرنا ھے تاکہ اسلامی نظام کے مخالف اور دشمنوں کے شبهات اور اعتراضات کا مقابلہ کرسکیں اور ان کی مختلف سازشوں کو ناکارہ بناسکیں معاشرہ کی اس وقت کی ثقافتی حالت ایک ایسے معاشرہ کی طرح ھے جس کا کسی خطرناک بیماری سے مقابلہ ھو اور سبهی کو اس سے خطرہ در پیش ھو اور اس بیماری سے مقابلہ کرنے کے لئے صرف ایک دفعہ ٹوک دینا کافی نهیں ھے یا صرف اس سلسلہ میں کار شناسی نظریہ اخبار یا دوسرے ذرائع ابلاغ میں اعلان کردینا کافی نهیں ھے، بلکہ اس بارے میں مسلسل تذکر اور ضروری ھدایات دینا ضروری ھے تاکہ عوام الناس کی معلومات میں اضافہ ھو اور اس اجتماعی بیماری سے مقابلہ کرسکیں ایک مختصر تذکر اور یاد دھانی کے علاوہ سمینار، کانفرنس اور تقریریں ھوں تاکہ اس سلسلہ میں عوام الناس کے لئے مسائل واضح اور روشن ھوجائیں اور اس سلسلہ میں موجودات خطروں کا پتہ لگالیں۔
اس وقت ھم ”اسلامی حکومت“ اور ”ولایت فقیھ“ کے سلسلہ میں متوسط قسم کی شناخت پیش کرنا چاھتے ھیں کیونکہ ھم یہ احساس کرتے ھیں کہ ھمارے آج کل کے نوجوان اسلامی حکومت اور ولایت فقیہ اسلامی نظام کے رکن ؛ سے زیادہ معلومات نهیں رکھتے، اور بعض شیطان صفت لوگوں نے ان کو گمراہ کرنے کی ٹهان رکهی ھے لہٰذا چونکہ یهی ھمارے جوان جو ھماری امیدیں اور اس انقلاب کے وارث بهی ھیں ان کو اس سلسلہ میں معلومات حاصل کرنا چاهئے تاکہ ثقافتی آفتوں اور شیطانی مشکلات کا شکار نہ ھوں، لہٰذا ھم اپنی بحث کومتوسط قسم کے لحاظ سے بیان کرتے ھیں،تاکہ نظریہ ولایت فقیہ کے سلسلہ میں اجتماعی اور ثقافتی بصیرت ویقین میں اضافہ ھو، اور بعض التقاطی (چنیدہ) نظریات اور انحرافات وغیرہ سے مقابلہ کرسکیں اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ عوام الناس کو ولایت فقیہ کے نظریہ سے آگاہ کرنے اور اس کو ثابت کرنے کے لئے علمی اور دقیق راستہ نهیں اپنانا چاهئے ، جیسا کہ فقهاء ومجتهدین کسی ایک مسئلہ کو حل کرنے کے لئے آیات و روایات سے استدال کے وقت سند ودلالت کے بارے میں بهت زیادہ تفصیل سے بحث کرتے ھیں کیونکہ یہ طریقہ کار تو حوزہ علمیہ میں مجتهدین یا سیاسی علوم میں ڈاکٹری وغیرہ سے متعلق ھوتا ھے۔
قارئین کرام ! مذکورہ مطالب کے پیش نظر اس وقت ھم نظریہ ”ولایت فقیہ “کو آسان الفاظ میں اپنے جوانوں کے ذھنوں تک

پهنچانا چاهتے هیں تاکہ اگر کوئی شخص ان سے اسلامی حکومت اور ولایت فقیہ کے بارے میں سوال کرے تو وہ جواب دے سکیںاور اپنے اعتقاد کا دفاع کرسکیں لیکن اگر ان کے سامنے دقیق تر سوالات بیان کئے جائیں جن میں تخصصی اور کار شناسی (معاملہ فهم)بررسی وتحقیق کی ضرورت هو تو ان کو ماهرین کی طرف رجوع کرنا چاهئے لہٰذا هم نے اسی مذکورہ هدف کی خاطر اپنی بحث کے دو حصے کئے: 1۔ قانون گذاری۔ 2۔ اجرائے قانون (قوانین کا نافذ کرنا)۔

2۔ قانون کی ضرورت اور اس کے خصوصیات پر ایک نظر
گذشتہ پهلے حصے کا خلاصہ :
1۔ انسان اپنی اجتماعی زندگی کے لئے قانون کا محتاج هے، کیونکہ بغیر قانون کے زندگی میں افرا تفری ، حیوانیت اور انسانی اقدار نیست ونابود هوجاتا هے، چنانچہ یہ بات کسی بهی صاحب عقل پر پوشید نهیں هے۔
2۔ اسلامی نقطہ نظر سے انسانی اجتماعی زندگی کے لئے ایسا قانون ضروری هے جس سے مادی اور دنیاوی مصالح بهی پورے هوتے هوں اورمعنوی اور اُخروی مصالح بهی پورے هوتے هوں۔
یهاں پر اس بات کی یاد دهانی کرا دینا ضروری هے کہ اگرچہ کبهی کبهی بعض اسلام دشمن طاقتوں کی طرف سے نئے نئے شبهات اوراعتراضات هوتے هیں جن کے جوابات دینا ضروری هیں اگرچہ مختصر هی کیوں نہ هوں ، آج کل بعض مقالوں، تقریروں یهاں تک کے بعض ٹیلی ویزن پروگراموں میں یہ مسئلہ بیان هوتا هے کہ دنیاوی مسائل؛ اخروی مسائل سے جدا هیں، یهاں تک کہ بعض لوگوں نے تو یهاں تک کهہ دیا کہ کوئی بهی قانون ایسا نهیں هے جس سے دنیاوی اور اُخروی دونوں مصالح پورے هوتے هوں کسی بهی حکومت کو یا تو صرف دنیا پرست هونا چاهئے اور دنیاوی اور مادی مسائل کو حل کرے یا آخرت پرست؛ جس میں دنیا سے کوئی مطلب نہ هو۔
قارئین کرام ! مذکورہ بالا اعتراض ”اسلامی سیاسی نظام“ کے سلسلہ میں هونے والے اعتراضات میں سب سے گهٹیا(پست) قسم کا اعتراض هے، اور واقعاً افسوس کے ساتھ کهنا پڑتا هے کہ بعض عهدہ دار افراد بهی اس سلسلہ میں بڑی آب وتاب اور شان وشوکت سے اس طرح کا اعتراض کرتے هیں جن کی وجہ سے دوسرے لوگ بهی گمراہ هوجاتے هیں۔
بے شک اسلامی نظریہ کی بنیاد اس بات پر قائم هے کہ یہ دنیاوی زندگی آخرت کی زندگی کا مقدمہ اور پیش خیمہ هے، اور جو کچھ بهی هم اس دنیا میں اعمال انجام دیتے هیں انهیں کی وجہ سے هم آخرت میں سعادت مند یا شقاوت مند هونگے در حقیقت دین کا هدف اور مقصد یہ هے کہ انسانی زندگی اس طرح گذاری جائے تاکہ اس دنیاوی سهولتوں کے ساتھ ساتھ آخرت کی سعادت بهی حاصل هوجائے ، یعنی خداوندعالم کی طرف سے بهیجے هوئے انبیاء کرام علیهم السلام نے بشریت کے لئے ایسا نظام پیش کیا هے جس سے انسان کی دنیاوی زندگی کے ساتھ آخرت کی زندگی بهی کامیاب اور سعادتمند قرار پائے اور چونکہ یہ مسئلہ بالکل واضح اور روشن هے واقعاً تعجب کا مقام هے کہ بعض وہ لوگ جو قرآن کریم اور سنت نبوی سے کم وبیش آگاهی رکهتے هیں اور ان کو جاهل نهیں کها جاسکتا وہ لوگ خود غرضی کی وجہ سے اپنی آنکهوں سے حقیقت کا نظارہ نهیںکرتے اور اپنی باتوں میں دنیاوی مسائل کو آخرت سے بالکل الگ کرتے هوئے نظر آتے هیں،چنانچہ کهتے هیں: آخرت سے مربوط مسائل عبادت گاهوں، گرجا گهروں اور مساجد میں هونا چاهئے، اس کے مقابل دنیاوی اور اجتماعی مسائل انسانی تجربہ اور غور وخوض سے حل هوسکتے هیں ، اور دین اس سلسلہ میں کوئی کردار نهیں کرسکتا !!
یہ ایک ایسا شیطانی اعتراض هے جو هر صاحب عقل مسلمان پر واضح هے کہ یہ تمام ادیان بالخصوص اسلامی نظریہ کے مخالف هیں۔
3۔تیسرا مقدمہ یہ هے کہ اگر یہ مان بهی لیں کہ انسان نے همیشہ اپنے تجربات، علم اور غور وفکر سے کام لیتے هوئے اپنے مادی اور دنیاوی ضرورتوں کو حاصل کرلے، (البتہ دنیاوی مصالح بهی اُخری مصالح پورے هونے کی صورت میں پورے هوسکتے هیں کیونکہ انسان احکام الٰهی سے فائدہ حاصل کئے بغیر دنیاوی مصالح کو بهی پورا نهیں کرسکتا) (تو پهر وه) معنوی اور اُخروی مصالح کو پورا نهیں کرسکتا کیونکہ انسان خود بخود اُخروی مصالح کے بارے میں نهیں جانتا کیونکہ اسے نهیں معلوم کہ کونسا عمل اس کی اُخروی زندگی کی سعادت کے لئے مفید هے؛ کیونکہ اس نے اُخروی زندگی کو دیکها (بهی) نهیں هے بالفرض اگر انسان دوسروں کی دنیاوی زندگی سے تجربہ حاصل کرلے اور اسی تجربہ کی بنا پر اپنے لئے زندگی کا راستہ معین کرلے، لیکن اُخروی زندگی کے سلسلہ میں نہ خود کو کوئی تجربہ هے اور نہ هی دوسروں کے تجربات اس کے سامنے هیں، لہٰذا اپنے لئے آخرت کی سعادت اور کامیابی کا راستہ معین نهیں کرسکتا۔!!
قارئین کرام ! هماری مذکورہ باتوں سے یہ بات طے هوجاتی هے کہ دنیاوی اور اُخروی مصالح صرف انهیں افراد کے ذریعہ حاصل هوسکتے هیں جن کو خداوندعالم نے اپنی علوم سے نوازا هے؛ اور معاشرہ پر ایسے قوانین حاکم هوں جو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

خداوندعالم کی طرف سے آئے ھوں تاکہ اس کے زیر سایہ دنیاوی مصالح بھی اور اُخروی مصالح بھی پورے ھوسکیں۔

3. قوانین جاری کرنے والے کے صفات پر دوبارہ ایک نظر

ھم نے قوانین کو جاری کرنے والے کے لئے تین مھم شرائط کا ذکر کیا، اور جو شخص قوانین کو جاری کرنے والا ھو نیز دنیاوی اور اُخروی مصالح کو پورا کرنے والا ھو اور خدا کی طرف اس کی نسبت ھو، اس کے لئے مذکورہ شرائط کا مالک ھونا ضروری ھے۔

مذکورہ شرائط:

پھلی شرط یہ تھی کہ قانون جاری کرنے والے اوراسلامی حاکم کو قانون شناس ھونا چاھئے البتہ علم ومعرفت کے مختلف درجات ھوتے ھیں اسی وجہ سے تمام افراد ایک درجہ میں نھیں ھوتے معرفت اور شناخت کے ان درجات میں نمونہ درجہ وہ ھے جس میں الٰھی قوانین سے بالکل خطا نہ ھو، اور ایسی شان صرف معصوم علیہ السلام کی ھوتی ھے جو معرفت اور ادراک میں کبھی کوئی خطا وغلطی نھیں کرتا،اور جو قانون خداوندعالم نے نازل کیا ھے اس کو کما حقہ پھچانتا ھے ظاھر سی بات ھے کہ اگر ایسی شخصیت یعنی معصوم علیہ السلام موجود ھو تو پھر معاشرہ کے لئے اس کی حکومت ضروری اور ترجیح رکھتی ھے لیکن اگر معصوم علیہ السلام غائب ھوں تو اس صورت میں یہ منصب ایسے شخص کا ھے جو دوسروں لوگوں سے زیادہ قوانین کی معرفت اور شناخت رکھتا ھو۔

دوسری شرط یہ تھی کہ قانون کا جاری کرنے والا شخص عملی میدان میں اپنے ذاتی مفاد یا کسی گروہ کے حق میں کام نہ کرے؛ یعنی اخلاقی صلاحیت رکھتا ھو اور یہ اخلاقی صلاحیت بھی علم کی طرح مختلف درجات رکھتی ھے جس کا نمونہ درجہ معصوم علیہ السلام کی شخصیت میں تصور کیا جاسکتا ھے کیونکہ معصوم علیہ السلام کی ذات کسی بھی وقت غیر الٰھی انگیزونکے تحت تاثیر قرار نھیں پاتی اور نا ھی کسی کا خوف اور ناھی کوئی لالچ ھوتا ھے، نیز اجتماعی منافع ومصالح کو اپنی ذاتی یا گھریلو یا گروھی مصالح پر قربان نھیں کرتا لیکن اگر معصوم علیہ السلام کی ذات موجود نہ ھو تو پھر ایسا شخص جو اس سلسلہ میں معصوم (ع) سے بھت زیادہ شباھت رکھتا ھو ، وھی قوانین الٰھی کو جاری کرنے کی صلاحیت رکھتا ھے۔

تیسری شرط یہ تھی کہ قوانین کو جاری کرنے والا مدیریت اور کلی قوانین کو جزئی قوانین پر منطبق کرنے میں کافی مھارت رکھتا ھو، یعنی خداوندعالم کے عام قوانین سے آگاھی کے ساتھ ان کے مصادیق کو بھی جانتا ھو اور یہ بھی جانتا ھو کہ کس طرح ان قوانین کو جاری کیا جانا چاھئے تاکہ قوانین کا اصل ھدف محفوظ رھے البتہ قوانین کو جاری کرنے میں اس قدر مھارت اور مدیریت کے لئے خاص تجربات کا ھونا ضروری ھے جن کو انسان اپنی زندگی میں حاصل کرتا ھے ، جس کا بھترین اور عالی ترین مرتبہ امام معصوم (ع) میں تصور کیا جاسکتا ھے،کیونکہ معصوم علیہ السلام کی ذات جس طرح خداوندعالم کے قوانین کی شناخت میں غلطی نھیں کرسکتا اور مقام عمل میں بھی ھوای نفس کے تحت تاثیر واقع نھیں ھوسکتا اور خداوندعالم کی خاص تائید اس کے شامل حال ھوتی ھے،اور معاشرہ کے مصالح کو معین کرنے ، عام موارد کو خاص موارد میں منطبق کرنے میں (بھی) انحراف اور غلطی کا شکار نھیں ھوتا۔

4۔اعتقادی اصول سے اسلامی حکومت کی تھیوری کا تعلق

بےشک اگر کوئی شخص مذکورہ مقدمات کو قبول کرے کہ واقعاً انسانی معاشرہ کے لئے ایسے قوانین کی ضرورت ھے جن سے مادی اور دنیاوی مصالح پورے ھوتے ھوں اور معنوی اور اُخروی مصالح بھی، اور اسلامی حاکم اور اسلامی معاشرہ کے ذمہ دار افراد کے شرائط کو بھی قبول کرتا ھو تو پھر اس صورت میں اسلامی نظام کی حقانیت کو قبول کرنا آسان ھے البتہ خود مذکورہ مقدمات کو قبول کرنا بھی دوسری چیزوں پر موقوف ھے: کیونکہ پھلے درجہ میں انسان کو یہ ماننا پڑے گا کہ خدا ھے، اس کے بعد یہ قبول کرے کہ اس نے ایسے پیغمبر کو بھیجا جس نے اس کے احکام بندوں تک پھونچائے اسی طرح یہ بھی قبول کرے کہ اس دنیاوی زندگی کے بعد ایک اُخروی زندگی بھی ھے اور اس دنیاوی زندگی اور اُخروی زندگی میں علت ومعلول والا تعلق ھے یہ تمام مقدمات ھماری بحث کے مبنیٰ ھیں، جن کو اعتقادی، کلامی اور فلسفی مباحث میں تفصیلی طور پر ثابت کیا گیا ھے، اور عام اجتماعی، حقوقی اور سیاسی جلسات میں ھر ایک پر الگ الگ بحث نھیں کی جاسکتی ورنہ تو نتیجہ تک پھنچے کے لئے سالوں درکار ھوں گے۔

ھمارے مخاطب مسلمان اور وہ حضرات ھیں جو خدا، دین، وحی، نبوت، پیغمبر، عصمت اور قیامت کو قبول رکھتے ھیں اور یہ معلوم کرنا چاھتے ھیں کہ کیا اسلام حکومتی نظام پیش کرتا ھے یا نھیں؟ نہ وہ لوگ جو منکر خدا ھیں ، اور نہ ھی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

وہ لوگ جو خود خدا کے خلاف جلوس نکالنے اور اس کے خلاف نعرے لگانے کے لئے تیار ہوں!! اور نہ ہی وہ لوگ جو دین اور احکام اسلام کو بالکل ہی نہیں مانتے،اور نہ وہ لوگ جو پیغمبر کے لئے کہتے ہیں کہ وہ بھی دوسروں کی طرح وحی کو سمجھنے میں غلطی کرسکتا ہے اسی طرح جو افراد اصول میں ہمارے مخالف ہیں وہ اس وقت کی بحث میں ہمارے مخاطب نہیں ہیں اگر وہ لوگ بحث وگفتگو کرنا چاہتے ہیں تو ان سے کسی دوسرے موقع پر بحث کی جاسکتی ہے اور ان کے سامنے اعتقادی اصول کو عقلی اور فلسفی برہان کے ذریعہ ثابت کیا جاسکتا ہے اور ان کی ہدایت کی جاسکتی ہے اور ان کو یہ سمجھایا جاسکتا ہے کہ ہاں خدا بھی ہے اور قیامت بھی آئے گی، نیز خداوندعالم نے ہدایت بشر کے لئے انبیاء کرام کو بھیجاتاکہ وہ ان کو اس کے بندوں تک پہنچائے اسی طرح پیغمبر معصوم ہوتا ہے اور وحی کے سمجھنے میں کسی طرح کی کوئی غلطی واشتباہ نہیں کرتا اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ پیغمبر نہیں ہوسکتا۔

قارئین کرام ! مذکورہ مقدمات کو قبول کرتے ہوئے کیا کوئی صاحب عقل اس بات کو قبول کرسکتا ہے کہ معصوم علیہ السلام کے ہوتے ہوئے؛ جو علم ورفتار میں معصوم ہو اور دوسروں کی نسبت معاشرہ کے مصالح کو بہتر درک کرتا ہو ؛ کوئی دوسرا مسند قدرت پر بیٹھ جائے؟ ! کیونکہ یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ اختیاری صورت میں مرجوح کو راجح پر اور بہترکو غیر بہتر پر ترجیح دینا قبیح اورناپسند ہے اور کوئی بھی صاحب عقل وشعور اس کو قبول نہیں کرتا ہماری گفتگو ان لوگوں سے ہے جو خود کو مسلمان کہلاتے ہیں،لیکن معصوم کے وجود کا اقرار نہیں کرتے، اور معتقد ہیں کہ نہ تو پیغمبر معصوم تھے اور نہ ہی ائمہ (علیہم السلام) معصوم تھے؛ ان لوگوں سے بھی ہمارا کوئی سروکار نہیں ہے ہمارامفروضہ یہ ہے کہ تمام موضوعہ اصول کو قبول رکھتے ہوں اور پیغمبر اکرم (ص) کو معصوم مانتے ہوں ، اور شیعہ اعتقاد کے مطابق ائمہ علیہم السلام کو بھی معصوم مانتے ہوں۔

فرضیہ یا مفروضہ یہ ہے کہ اگر معاشرہ میں معصوم علیہ السلام موجود ہوں تو کیا اس صورت میں حکومت کسی غیر معصوم کے سپرد کی جاسکتی ہے؟ کیونکہ غیر معصوم کو حکومت سپرد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قانون کے سمجھنے میں غلطی اور اشتباہ کو جائز مانتے ہیں،اور اس چیز کو بھی جائز مانتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے ذاتی مفاد کو معاشرہ کے مفاد و مصالح کو جائز مانیں اور معاشرہ کے منافع ومصالح کو اپنی خواہشات پر قربان کردے، نیز اس بات کو بھی جائز ماننا ہے کہ کوئی معاشرہ پر حکومت کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوئے بھی معاشرہ کی حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لے!! جبکہ یہ تمام چیزیں عقلی لحاظ سے مردود اور قابل قبول نہیں ہیں اس بنا پر کوئی بھی صاحب عقل اس چیز میں شک نہیں کرتا کہ اگر امام معصوم (ع) معاشرہ میں حاضر ہو تو اسی کو حکومت سپرد کرنا اولیٰ اور بہتر ہے،اور اگر اس کے بجائے کسی دوسرے کو حکومت کے لئے انتخاب کیا جائے تو یہ کام غیر عقلی اور بے ہودہ ہے اس صورت میں کسی کو شک نہیں ہے اور اسی بات پر تمام لوگوں کی عقل حکم کرتی ہے، نیز اس کو ثابت کرنے کے لئے ہمیں احادیث سے استدلال کرنے اور ان آیات کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے جن میں پیغمبر اکرم (ص) اور ائمہ علیہم السلام کی اطاعت کو واجب قرار دیا گیا ہے ، مثال کے طور پر :

(یَاأَیُّها الَّذِینَ آمَنُوا أَطِیعُوا اللهَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ وَأُوْلِی الْأَمْرِ مِنْکُمْ) (1)

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کرو جو تمھیں میں سے ہیں۔“

(مَنْ یُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ) (2(

” جو رسول کی اطاعت کرے گا اس نے اللہ کی اطاعت کی “

5۔ حکومت کے طولی(تحت) مراتب کی منطقی اور عقلی دلیل

قارئین کرام ! اگر امام معصوم معاشرہ میں حاضر ہوں تو اسی کی حکومت اولویت رکھتی ہے اس سلسلہ میں ذکر شدہ مطالب ایک استدلال اور عقلی متوسط بیان ہے جو سبھی کے لئے قابل قبول اور قابل دفاع ہے،یہاں تک کہ اگر کوئی حکومت (وولایت) کے سلسلہ میں قرآنی آیات سے بھی آگاہ نہ ہو، چنانچہ ہمارے ذکر شدہ مطالب کے پیش نظر اپنے اعتقاد کا دفاع کرسکتا ہے لیکن ہماری اصل بحث امام معصوم علیہ السلام کی غیبت کے زمانہ میں اسلام کا نظریہ پہنچاننے کے بارے میں ہے کہ جب عوام الناس امام معصوم کے وجود سے محروم ہو، اور اس تک رسائی ممکن نہ ہو، تاکہ اس کی حکومت سے بہرہ مند ہوسکیں اسی طرح امام معصوم علیہ السلام کے حضور کا وہ زمانہ، جس میں ظالم حکومت معصوم کی حکومت سے مسلمانوں کو محروم کردے، یا اجتماعی حالات ایسے نہ ہوں جس میں معصوم علیہ السلام قدرت کو اپنے ہاتھوں میں لے سکے۔

ان دونوں صورتوں میں ہم کسی علمی ، فنّی اور اکیڈمیک دلائل سے استدلال نہیں کرتے جس کا سمجھنا عام لوگوں کے لئے مشکل ہو، بلکہ ہم تو ایک عام عقلی قاعدہ سے استدلال کرتے ہیں جس طرح ہر عام انسان اپنی روز مرہ زندگی میں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اسی عقلی قاعدہ سے استدلال کرتا ھے، اور وہ یہ ھے کہ اگر کسی سلسلہ میں سو فی صد والا درجہ میسر نہ ھو تو پھر 99 فی صد والے درجہ کو انتخاب کرتا ھے اگر کسی چیز کاکامل درجہ حاصل کرنا ممکن نہ ھو تو پھر کامل سے نزدیک والے درجہ کا انتخاب کرتا ھے چنانچہ اس قاعدہ سے مختلف مقامات پر استفادہ کیا جاسکتا ھے، مثلاً:کسی بھی عھدہ کے لئے کچھ خاص شرائط اور صفات رکھے جاتے ھیں، اور اگر کسی میں وہ تمام شرائط پائے جاتے ھیں تو اسی شخص کا انتخاب کیا جاتا ھے، لیکن اگر ان تمام صفات کا حامل شخص نہ مل پائے تو پھر ایسے شخص کا انتخاب کیا جاتا ھے جو اس سے کم شرائط رکھتا ھو، لیکن دوسروں پر برتری اور فضیلت رکھتا ھو۔

دوسری مثال: اگر آپ کسی ایسے ڈاکٹر سے علاج کراسکتے ھیں جو تیس سال کا تجربہ رکھتا ھو اوروہ اپنی ڈاکٹری میں خاص مھارت اور روشن فکری رکھتا ھے ، لیکن آپ اس کو چھوڑ کر کسی ایسے ڈاکٹر سے علاج کرائیں جس نے ابھی ڈاکٹری کی سند لی ھے اور ابھی کلینک کھولی ھے اگر آپ اس سے علاج کرائیں اوروہ غلط علاج کرے تو آپ کی بیماری کا نہ صرف علاج ھوگا بلکہ اس میں شدت آجائے گی، تو کیا آپ عقل اور عقلاء کی نظر میں محکوم نھیں ھیں؟ اور کیا عقلاء آپ کی ملامت نھیں کریں گے کہ ایک ماھر (اسپیشلسٹ)ڈاکٹر کے ھوتے ھوئے وہ بھی آپ کے مکان کے قریب ، پھر آپ نے غیر ماھر ڈاکٹر کی طرف کیوں رجوع کیا؟!

اور آپ کا عذر صرف اسی صورت میں قابل قبول ھوسکتا ھے جب اس ماھر ڈاکٹر کی فیس بھت زیادہ ھو یا ماھر ڈاکٹر سے علاج کرانے کے لئے کسی دوسرے ملک میں جانے پڑتاھو جس کا خرچ برداشت کرنا آپ کے بس کی بات نہ ھو، اسی وجہ سے آپ نے کسی غیر ماھر ڈاکٹر کا علاج کرایا ھے۔

لیکن ھمارا فرض اس صورت میں ھے جب آپ کسی ماھر ڈاکٹر سے علاج کرانے پر قادر ھوں اور اس کی فیس دوسرے غیر ماھر ڈاکٹر سے کم یا اس کے برابر ھے، تو اگر اس صورت میں اگر آپ نے کسی نئے ڈاکٹر کی طرف رجوع کیا اور آپ کی بیماری میں شدت پیدا ھوگئی تو آپ عقل اور صاحبان عقل کی نظر میں معذور نھیں ھیں، اور سبھی اس سلسلہ میں آپ کی ملامت اور سرزنش کریں گے۔

اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ مذکورہ عقلی قاعدہ تمام اجتماعی امور میں جاری ھے ، اور اس قاعدہ کو تمام ھی صاحبان عقل قبول کرتے ھیں چاھے مسلمان ھوں یا غیر مسلم، اور اس کی نسبت حکمِ عقل کی طرف ھے، جس میں شرعی دلیل کی کوئی ضرورت نھیں ھے۔

چنانچہ اسی مذکورہ قاعدہ کے تحت اگر اسلامی حکومت کی نمونہ شکل ممکن نہ ھو (جیسا کہ عقل بھی اسی کو بھترین حکومت مانتی ھے) اور معاشرہ میں علم وتقویٰ اور مدیریت کے لحاظ سے اعلی ترین درجہ والا شخص نہ ملے جو صاحب عصمت بھی ھے تو اس صورت میں عقل کا حکم اور اس کا فیصلہ کیا ھوگا؟ کیا اس صورت مینھماری عقل اس بات کا فیصلہ کرے گی کہ ھم جو چاھیں کریں اور جس کو چاھے حاکم بنادیں؟ یا ھماری عقل اس چیز کا حکم کرتی ھے کہ اگر معاشرہ معصوم علیہ السلام کے وجود سے محروم ھو اور آئیڈیل شخص حکومت کے لئے ممکن نہ ھو تو ایسے شخص کا انتخاب کریں جو تقویٰ اور صلاحیت کے لحاظ سے معصوم علیہ السلام سے شبیہ اور زیادہ نزدیک ھو؟ اگر سو فی صد والا درجہ حاصل نہ ھوں تو پھر 99 والے درجہ کا انتخاب کریں اور اگر 99 والا درجہ نہ ھو تو پھر 98 والے درجہ کا انتخاب کریں،اسی طرح اگر اعلیٰ درجہ کا انتخاب ممکن نہ ھو تو پھر اس سے کم والے درجہ کا انتخاب کریں،اور پھر باری باری نیچے والے درجہ کا انتخاب کریں، ایسا نھیں ھے کہ اگر عالی ترین درجہ کا انتخاب ممکن نہ ھو تو پھر دوسرے تمام درجے مساوی اور برابر ھیں، اور 99 والا درجہ اور ایک والا درجہ سب برابر ھوجائیں، اسی بنا پر اگر ھمارے فرض کے مطابق نمونہ اور آئیڈیل مقصود حاصل نہ ھوتو پھر کوئی فرق نھیں چاھے کسی کا بھی انتخاب کریں!! بے شک اس کو عقل تسلیم نھیں کرتی۔

لھٰذا عقل کے اس یقینی حکم کی بنا پر جو ھر انسان کی سمجھ میں آتا ھے اگر اسلامی حکومت کی نمونہ شکل ممکن نہ ھو اور معصوم علیہ السلام کی ذات تک رسائی نہ ھو تاکہ براہ راست عوام الناس پر حکومت کریں تو اس صورت میں اسلامی حکومت کے لئے ایسا فرد جو صلاحیت رکھتا ھے جس میں تینوں بنیادی شرط (یعنی علم، تقویٰ اور مدیریت)دوسروں کی نسبت زیادہ اور معصوم علیہ السلام سے مشابہ ھو ، یعنی وہ شخص جو دوسروں سے زیادہ قوانین کی معرفت اور شناخت رکھتا ھو اسی طرح اس کی عدالت اور تقویٰ دوسروں کی نسبت زیادہ ھو اور دوسروں سے زیادہ اپنی خواھشات پر کنٹرول رکھتا ھو نیز اس کی مدیریتی طاقت اور بصیرت دوسروں سے زیادہ ھو۔

قارئین کرام ! یہ عقلی بیان ھر صاحب عقل کے لئے سمجھنا آسان ھے اور فقہ وکلام کے پیچیدہ دلائل کی کوئی ضرورت نھیں ھے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

6- اسلامی حکومت کے سلسلہ میں چند سوالات

البتہ مسلمانوں پر حکومت کی صلاحیت رکھنے والے کے بارے میں سوالات کے علاوہ اسلامی حکومت کے سلسلہ میں دوسرے سوالات بھی بیان ہوتے ہیں جن کے جوابات (بھی) عرض کرنا ضروری ہیں مثلاً یہ سوال کہ کیا اسلام نے اسلامی حکومت کے عہدہ پر فائز ہونے والے کے لئے شرائط اور خصوصیات بھی بیان کئے ہیں اور حکومت کے لئے خاص شکل معین کی ہے یا نہیں؟ یعنی کیا صرف اسلام نے اسلامی حکومت کے صدر کے لئے بیان کیا ہے کہ کون صدر ہوسکتا ہے لیکن دوسرے حکومتی امور اور اس کا خاکہ عوام الناس کی مرضی پر چھوڑ دیا ، یا اجتماعی حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ اس کی شکل بھی بدل جائے گی؟ دوسرا سوال جو اس سے زیادہ علمی اور دقیق ہے اور جو لوگ فقہی اور حققوقی مسائل سے آشنائی رکھتے ہیں ان کے لئے قابل فہم ہے ، اور وہ یہ ہے کہ آیا حکومت ایک ''تاسیسی'' مقولہ سے ہے یا ''امضائی'' مقولہ سے ہے؟

وضاحت: کیونکہ بعض اسلامی اور فقہی مسائل تاسیسی ہیں ، جن کو شارع مقدس نے عوام الناس میں رائج ہونے سے پہلے بیان کیا ہے اور ان کی کیفیت اور طریقہ بھی بیان کیا ہے مثلاً نماز ایک تاسیسی عبا دت ہے جس کا وجوب بھی خود شریعت نے بیان کیا ہے اور اس کا طریقہ بھی خداوندعالم کی طرف سے پیغمبر اکرم (ص) کے ذریعہ مسلمانوں کے لئے بیان ہوا ہے،اور اس واجب اور اس کی کیفیت کو بیان کرنے سے پہلے عوام الناس اس سے آگاہ نہ تھی (نماز ہی نہیں بلکہ) عام طور پر تمام عبادتیں تاسیسی ہیں جن کو عوام الناس نے پیغمبر اکرم (ص) سے سیکھا ہے جیسے دوسرے واجبات : روزہ، حج اور دوسرے یاعبادتی احکام تاسیسی ہیں۔

ان تاسیسی احکام کے مقابلہ میں اسلام کے بعض دوسرے احکام امضائی ہیں یعنی عوام الناس اپنی اجتماعی امور میں کچھ معاملات، عقود اور معاهدات کومعین کئے ہوئے ہیں، یہاں تک کہ اگران میں سے بعض تحریری شکل میں بھی نہ ہوں لیکن ان پر عمل ہوتا ہے ، مثلاً عام طور پر خرید وفروخت، چنانچہ اس سلسلہ میں شریعت نے عوام الناس کو حکم نہیں دیا ہے کہ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو اس کو جاکر خرید لے اس مسئلہ کی ضرورت خود صاحبان عقل سمجھتے ہیں اور معاملات وغیرہ کے لئے طریقہ کار معین کرتے ہیں اس کے بعد شریعت مقدسہ ان معاملات کی تائید کردیتی ہے اور اس کو شرعی حیثیت مل جاتی ہے ، مثلاً: (احل اللہ البیع) (3)(خدانے خرید و فروخت کو حلال قرار دیا ہے)جو عوام الناس کے درمیان رائج ہے، اور خرید وفروخت کی یہ حلیت شرعی تائید کی وجہ سے ہے، اور گویا اس عقلاء کے طریقہ کار کو قبول کرنے کی طرح ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے خرید وفروخت انجام دیتے ہیں۔

اس مقام پر حکومت کے سلسلہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قبل اس کے کہ خدا نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ الٰہی حکومت کی پیروی کرنے کا حکم دیا کیا عوام الناس کے درمیان خود کوئی حکومت کا طریقہ کار موجود تھا جس کی شریعت مقدسہ نے تائید کی اور اس پر دستخط فرمائے ؟ یانہ بلکہ حکومت کی شکل اور ڈھانچے کو بھی عوام الناس نے خداوندعالم کے حکم کے مطابق بنایا ہے؟ اور اگر انبیاء علیہم السلام خدا کی اجازت سے عوام الناس پر حکومت نہ کرتے تو وہ ان کی اطاعت کرنے کا وظیفہ نہ رکھتے ،(یعنی)عوام الناس حکومت کی شکل وصورت سے آگاہ نہ تھے۔

المختصر جب ہم کہتے ہیں کہ اسلامی حکومتی نظام کو اسلام نے بیان کیا ہے اور اس کی دینی اور فقہی حیثیت ہے اور خود خداوندعالم نے اس کی اطاعت پر لوگوں کو موظف بنایا ہے، توکیا یہ حکومت خداوند عالم کی طرف سے تشریع کی گئی ہے اور خدا اس حکومتی نظام کا مؤسس ہے؟ یا اس حکومت کی شکل وصورت خود عوام الناس کے ذریعہ بنائی گئی ہے اور اس کو اجتماعی معاهدات کی بنا پر بنایا گیا اور خداوندعالم نے اس کی تائید وامضا کردیا ہے، اسی وجہ سے یہ حکومت اسلامی حکومت بن گئی ہے کہ جس کی خداوندعالم نے تائید کی ہے اور یہ حکومت امضائی حکم رکھتی ہے؟

حوالے

(1) سورہ نساء آیت 59
(2) سورہ نساء آیت ۸0
)3(سورہ بقرہ آیت 2۷5

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

تینتیسواں جلسہ

اسلام اور حکومت کے مختلف نقشے

1- اسلام کی طرف سے حکومتی سلسلہ میں کوئی طریقہ بیان نہیں کیا گیا (ایک اعتراض(
گذشتہ جلسوں میں حکومت کی شکل وصورت کے بارے میں یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ کیا اسلام نے حکومت کے لئے کوئی خاص نقشہ پیش کیا ھے، یا اس کا معین کرنا خود عوام الناس کے اوپر ھے؟ اور اگر اسلام نے حکومت کے لئے کوئی خاص نقشہ پیش کیا ھے تو کیا وہ کسی خاص زمانہ سے مخصوص ھے یا نہ ، بلکہ اس کا ایک خاص نقشہ ھے جو ھر زمانہ میں جاری نہیں ھوسکتا؛ اور انسانی معاشرہ کے حالات کی بنا پر اس کی شکل ونقشہ بدل رھتا ھے چنانچہ بعض لوگ کھتے ھیں کہ اگرچہ حضرت رسول اکرم (ص) کے زمانہ میں اسلامی حکومت ایک خاص طرز پر ھوتی تھی، لیکن وہ طریقہ صرف اسی زمانہ سے مخصوص تھا ، اور خداوندعالم نے اسی طریقہ کار کو صرف پیغمبر اکرم (ص) کے زمانہ کے لئے معین فرمایا تھا اور اس کے بعد نئے نئے نقشے اس حکومت کے قائم مقام ھوسکتے ھیں یھاں تک کہ ممکن ھے کہ بعض اجتماعی حالات کی بنا پر اسلامی حکومت ڈیموکریسی لیبرل شکل اختیار کرلے، اور آپس میں کوئی تضاد یا ٹکراؤ نہ ھو جس طرح ھم نے مغربی ممالک کے بعض طریقوں کو انتخاب کیا ھے؛ مثلاً "پارلمانی نظام" کو قبول کرلیا ھے،اور اس کو اسلام کے مخالف نھیں پایا، اسی طرح "مشروطیت" (1)کو قبول کرلیا اور اس وقت "جمھوریت" کو قبول کرلیا ھے اور ھمارا ماننا ھے کہ یہ اسلام کے مخالف نھیں ھیں، ھوسکتا ھے ایک دن وہ بھی آئے جب ھم "ڈیموکریسی لیبرل" کو بھی قبول کرلیں اور اس کو بھی اسلام کے مخالف نہ پائیں!
آج کل ھمارے معاشرہ میں اس طرح کے سوالات اور جوابات پیش کئے جاتے ھیں اور اس سلسلہ میں بحث وغیرہ ھوتی رھتی ھیں، جبکہ ان بحثوں میں بعض اشکالات وابھامات لوگوں کے ذھن میں ڈالے جاتے ھیں جن کی بنا پر بعض لوگ دانستہ اور بعض لوگ نادانستہ طور پر اسلامی صحیح تفکر سے منحرف ھوجاتے ھیں۔
قارئین کرام ! مذکورہ اعتراض کا جواب دینے سے پھلے بعض ان نکات کا بیان کرنا ضروری ھے جن کی وجہ سے مذکورہ اعتراض تشکیل پاتا ھے تاکہ ان کے روشن ھونے سے جواب کا راستہ صاف ھوجائے:
جیسا کہ ھم سبھی لوگ اس بات کو جانتے ھیں کہ ھمارے ملک میں انقلاب اسلامی کے عظیم الشان رھبر حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ اسلامی جمھوری نظام قائم ھوا، اور شروع انقلاب ھی میں اس کے اساسی اور بنیادی قوانین مرتب ھوئے جن کی خود امام خمینی (رہ) نے تائید کی ھے اسی طرح آپ ھی کی تائید کے مطابق حکومت کا نقشہ معین ھوا ، اور زمانہ کے ساتھ ساتھ بعض چیزوں میں تبدیلی کرنا پڑی جن کو حضرت امام خمینی (رہ) نے قبول فرمایا جبکہ یہ بات واضح ھے کہ اسلامی حکومت کا یہ نقشہ نہ حضرت رسول اکرم (ص) کے زمانہ میں تھا اور نہ ھی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے زمانہ میں اس طرح کی حکومت تھی، اور ھماری یہ حکومت اسلامی حکومت کے عنوان سے قائم کی گئی ھے۔
قدرتوں میں جدائی نہ حضرت رسول اکرم (ص) کے زمانہ میں تھی اور نہ ھی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے زمانہ میں، لیکن ھمارے بنیادی قانون میں قدرتوں کے الگ ھونے کو قبول کیا گیاھے،اور حکومتی نظام تین قدرتوں قوہ مقننہ (پارلیمنٹ) ، قوہ قضائیہ (عدلیھ) اور قوہ مجریہ (حکومت) سے تشکیل پایا اس نظام میں سب سے بلند مقام جس کے ذریعہ ملکی عظیم سیاست معین کی جاتی ھے مقام معظم رھبری ھے، اس کے بعد صدر مملکت ملک کے دوسرے بڑے عھدہ پر فائز ھوتا ھے، اسی طرح رئیس قوہ قضائیہ اور رئیس مجلس شوریٰ اسلامی (اسپیکر) ملک کے عالی ترین عھدہ میں شمار ھوتا ھے یھاں تک کہ انقلاب اسلامی کے بیس سال کے بعد بھی بنیادی قوانین میں بعض تبدیلیاں ھوتی رھتی ھیں مثال کے طور پر پھلے وزیر اعظم اجراء قوانین کا سب سے بڑا عھدہ ھوتا تھا ، اور اسی کے ذریعہ کابینٹ کا انتخاب ھوتا تھا، اس کے بعد صدر مملکت اور مجلس شوریٰ اسلامی تائید کرتی تھی،لیکن غور وفکر کے بعد وزیر اعظم کا عھدہ حذف کردیا گیا اور صدر مملکت ھی اجراء قوانین کا عھدہ دار ھوتا ھے۔
بے شک حکومت کا اس طرح کا نقشہ اسلام میں اس سے پھلے کبھی نھیں تھا نہ ھی اسلام نے اس سلسلہ میں کوئی حکم صادر فرمایا ھے، لھٰذا کوئی بھی شخص یہ دعویٰ نھیں کرسکتاکہ اسلام نے صاف طور پر وضاحت کردی ھے کہ عوام الناس ووٹ دے کر صدر مملکت کا انتخاب کریں اسی طرح دوسرے انتخاب میں حصہ لے کر اپنا کردار ادا کریں۔
قارئین کرام ! ھمارے گذشتہ مطالب کے پیش نظر بعض لوگ اس کو دلیل مانتے ھیں کہ اسلام نے حکومت کے سلسلہ میں کوئی نقشہ پیش نھیں کیا ھے، لھٰذا اس بات کو ماننا پڑے گا کہ اسلام نے اس سلسلہ میں عوام الناس کو اختیار دیا ھے کہ وہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

خود اپنی مرضی سے حکومت کا نقشہ بنائیں اور خود ھی قوانین کا انتخاب کریں؛ اسی طرح دوسرے حکومتی امور بھی خود عوام الناس سے متعلق ھیں۔
اسی بنا پر اس بات میں کہ حکومت کو خدا کی طرف سے معین ھونا چاھئے اور حکومت خود عوام الناس کے ذریعہ معین ھو؛ تضاد اور ٹکراؤ پایا جاتا ھے، اور یہ جو کھا جاتا ھے کہ حکومت خداوندعالم کی طرف سے معین کی جاتی ھے جبکہ جو چیز عملی طور پر دیکھی جاتی ھے ان دونوں میں تضاد اور ٹکراؤ پایا جاتا ھے یہاں تک کہ خود ”جمھوری اسلامی“ کھنا بھی ایک قسم کا تضاد ھے، کیونکہ ”جمھوریت“ کے معنی حکومت کاعوام الناس کے ھاتھوں میں ھونااور اس کا نقشہ وشکل عوام الناس کے ذریعہ معین ھونا ھیں، جبکہ اس جمھوری کے ساتھ ”اسلامی“ کا اضافہ کرنا اور کھنا کہ حکومت کی باگ ڈور ولی فقیہ کے ھاتھوں میں ھونا چاھئے خصوصاً جبکہ ھم اس بات کو مانیں کہ ولایت فقیہ خداوندعالم اور امام زمانہ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کے ذریعہ مشروعیت (جواز) پیدا کرتی ھے؛ اور اس حکومت کو حکومت الٰھی سمجھتے ھیں نہ عوامی اور مردمی، یعنی اس حکومت کی مشروعیت اوپر سے شروع ھوتی ھے، پھلے درجہ میں خدا مشروعیت عطا کرتا ھے اس کے بعد پیغمبر اور اس کے بعد امام معصوم (ع)، اور ولی فقیہ امام معصوم علیہ السلام کی طرف سے انتخاب ھوتا ھے جس کی بنا پر اس کی مشروعیت ھوتی ھے اورجو ولی فقیہ کے تحت نظام ھوتا ھے وہ ولی فقیہ کی وجہ سے ھی مشروعیت پیدا کرتا ھے تو اگر حکومت جمھوری ھے تو پھر اس طرح کی باتیں نہیں ھونا چاھئے اور جس کو عوام الناس انتخاب کرلیں وھی حقیقت میں اسی کو صاحب اقتدار ھونا چاھئے۔

2۔ مذکورہ اعتراض کا جواب، اور حکومت کی شکل کے سلسلہ میں اسلامی نظریہ
افسوس کے ساتھ کھنا پڑتا ھے کہ یہ اعتراض کبھی وضاحت کے ساتھ اور کبھی اشاروں میں اخبار، میگزین اور کانفرنس میں بیان میں ھوتا ھے ، اور بیرونی ریڈیو اور دوسرے ذرائع ابلاغ اس پر بھت شور مچاتے ھیں، اور جو کچھ بھی ھمارے اخباروں اور مقالات میں بیان ھوتا ھے اس میں اسلامی حکومت کو تناقض آمیز(ضدّ و نقیض) اور دینی استبداد کے عنوان سے پھچنوایا جاتا ھے اسی وجہ سے ان مسائل کو صاف اور شفاف طریقہ سے بیان کرنے کی ضرورت ھے، تاکہ اس سلسلہ میں اسلامی نقطہ نظر واضح ھوجائے۔
کیا جب ھم یہ کھتے ھیں کہ ھمارا حکومتی نظام ”جمھوری اسلامی“ ھے تو اس نظام کا اسلامی ھونا اس بات کا تقاضا کرتا ھے کہ اس حکومت کا نقشہ اور اس کی شکل خداوندعالم کی طرف سے معین ھو ، اور قرآن وروایات اور کم سے کم پیغمبر اکرم (ص) اور ائمہ علیھم السلام کی سیرت میں بیان ھوا ھو؟ اور اگر اسلامی نظام ھونا اس بات میں مخصوص نہیں ھے کہ اس کی شکل وصورت خداوندعالم کی طرف سے معین ھو، (جیسا کہ دوسرے شواھد بھی اس بات پر دلالت کرتے ھیں کہ اس نظام کی شکل وصورت خداوندعالم نے معین نہیں کی ھے) تو پھر نظام کے اسلامی ھونے کا معیار کیا ھے؟
چنانچہ اس سلسلہ میں بھت زیادہ بحث وگفتگو ھوسکتی ھے اور جو کچھ ھم نے عرض کیا اس کی وجہ یہ ھے کہ بعض لوگوں نے اس بحث کو اھمیت دی اور بعض لوگوں کی طرف سے اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لیتے ھوئے عوام الناس کو منحرف کرنا چاھا، لھٰذا ھم اس سلسلہ میں وضاحت کرنا مناسب سمجھتے ھیں ، اور ھماری اس بحث میں دقت کرنے سے مطالب واضح اور روشن ھوجائیں گے ، اور پھر دوسرے لوگوں کی باتیں اور شیطانی وسوسے اثر انداز نہیں ھوپائیں گے۔
کوئی شخص بھی اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ اسلام نے حکومت کے لئے خاص نقشہ معین کیا ھے، نہ قرآن میں، نہ روایات میں اور نہ معصومین علیھم السلام کی عملی سیرت میں،اور نہ ھی حضرت امام خمینی رحمة اللہ علیہ اور مقام معظم رھبری (حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مد ظلہ) اور نہ ھی دوسرے علماء ورھبروں کے بیانات میں یہ دعویٰ کیا گیا ھے کہ اسلامی حکومت وہ حکومت ھے جس کا نقشہ اور شکل خداوندعالم اور دینی رھبرونکے ذریعہ معین کیا گیا ھے، مثلاً یہ کہ اسلام نے حکم دیا ھو کہ ولی فقیہ صاحب اقتدار اور مرکز قدرت ھو اور اس کے بعد دوسرا درجہ صدر مملکت کا ھے ، اور یہ تینوں قدرتیں ایک دوسرے سے مستقل اور جدا ھونی چاھئیں تو جب اسلامی حکومت ھونے کا معیار یہ نہیں ھے کہ اس کا نقشہ اور حکومتی امور نیز قدرتوں کا استقلال خدا کی طرف سے معین ھو تو پھر اسلامی حکومت ھونے کے معیار کو دوسری جگھوں پر تلاش کرنا چاھئے۔

3۔ حکومتی ثابت اور مسلم ڈھانچہ پیش کیا جانا ممکن نہیں
قارئین کرام ! یھاں پر یہ سوال پیدا ھوتا ھے کہ کیا اسلام کی طرف سے حکومت کے لئے کوئی معین نقشہ اور خاص صورت بیان نہ ھونا اسلام کے ناقص ھونے کی دلیل نہیں ھے؟ کیا اسلام ایک کامل دین نہیں ھے اور کیا اسلام نے انسانی

معاشرہ کی انفرادی اور اجتماعی ضرورتوں کو بیان نہیں کردیا ھے؟ تو پھر کیوں حکومت کے سلسلہ میں کوئی خاص شکل بیان نہیں کی ھے؟

ہم جواب میں عرض کرتے ھیں: وہ اسلام جس نے پیغمبر اکرم (ص) کے زمانہ کے چھوٹے اور محدود معاشرہ کے نظام کو چلایا ھے اور اسلام؛ انسانی مختلف وسیع اور پیچیدہ معاشرونمیں ایک عالمی حکومت کرنا چاھتا ھو، توکیا اس کے لئے ایک ثابت اور مسلم نقشہ پیش کرنا ممکن نہیں ابتدائے اسلام میں حضرت پیغمبر اکرم (ص) کے ذریعہ ایسی حکومت تشکیل پائی جس کی مردم شماری شاید ایک لاکہ لوگوں تک بھی نہ ھو اور وہ سادہ قسم کی زندگی اور سادہ ثقافت والے لوگوں کی تعداد جن میں اکثریت بادیہ نشین اور مدینہ کے گرد ونواح کے دیھاتیوں کی تھی؛ یہ بات ظاھر ھے کہ اس زمانہ کے لحاظ سے اور اس تعداد کے لحاظ سے حکومت بھی سادہ تھی اس کے بعد آھستہ آھستہ اسلامی علاقوں میں اضافہ ھوتا چلا گیا اور خلفاء کے زمانہ میں منجملہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے زمانہ میں کہ ابھی ظھور اسلام کو آدھی صدی ھی گذری تھی اسلامی حکومت ایران، مصر، عراق، سوریہ، حجاز اور یمن تک پھنچ گئی تھی اور اسلام کے تحت نفوذ اس ترقی ووسعت کے پیش نظر ایسا ممکن نہ تھا کہ جب پیغمبر اکرم (ص) مدینہ منورہ میں ایک چھوٹی سی حکومت بنائیں تو اس کو اس طرح تشکیل دیں جس سے ھجرت کے وقت سے پچاس سال (بعد) کی حکومت کو بھی شامل ھوجائے ، اور اگر اس زمانہ میں رسول اکرم (ص) ایک عظیم اسلامی علاقہ کے لئے حکومت کو بیان کرتے تو اس زمانہ کے لوگوں کے لئے ایک خواب کی طرح ھوتا، اور دوسری طرف چونکہ اس طرح کی حکومت کا راستہ ھموار نہیں تھا لھٰذا اس طرح کا نقشہ پیش کرنا ایک بے ھودہ کام تھا۔

اور چونکہ اس پچاس سال کے عرصے میں مسلمانوں کے حالات بھت بدل گئے تھے لھٰذا اس کے لئے مختلف طریقوں کی حکومت ھونا چاھئے تھی، اسی طرح اس کے بعد کا زمانہ جس میں مسلمانوں اور جھان اسلام کے حالات میں بھی کافی تبدیلی آنا تھی تو اگر رسول اکرم (ص) ان تمام حالات کے پیش نظر ھر زمانہ کے لئے ایک خاص قسم کی حکومت کو بیان فرماتے تو پھر فرضی حکومتوں کے سلسلہ میں ایک عظیم ”دائرة المعارف“ (انسائیکلو پیڈیا) بن جاتاجس میں ھر زمانہ کی حکومت کے لئے تفصیل بیان کی جاتیں لیکن چونکہ اس زمانہ میں لکھنے پڑھنے والی کی تعداد ھی بھت کم تھی، اور اس سلسلہ میں عالم افراد اور دانشوران کا ھونا تو دور کی بات ھے تاکہ وہ اس سلسلہ میں تفصیل دیں اور ایک دوسرے سے جدا کریں، نہ اس وقت اس موضوع کو بیان کرنے کے امکانات تھے ، اور اگر بیان بھی ھوجاتے تو ان کو محفوظ رکھنا اور ان کو رائج کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔

المختصر یہ کہ حکومت کا نقشہ اور اس کی شکل زمان ومکان کے لحاظ سے ھمیشہ متغیر ھے ، اور انسانی معاشرہ میں ھمیشہ کے لئے ایک خاص حکومت کا نقشہ معین کرنا ممکن نہیں ھے جس کو ھر دور میں اور ھر جگہ قائم کیا جاسکے حکومت کا نقشہ اسلام کے متغیر اور ثانوی احکام میں سے ھے جو زمان ومکان کے لحاظ سے بدلتے رھتے ھینجن کو معین کرنا ولی امر مسلمین کے عھدہ پر ھوتا ھے،اور جب امام معصوم علیہ السلام حاضر ھوں تو وھی ولی ا مر مسلمین ھیں، اور وہ حاضر نہ ھوں تو پھر ان کی جگہ ان کا نائب (خاص) ولی امر مسلمین شمار ھوتا ھے (اسلام کے ان متغیر احکام کے مقابل میں اسلام کے ثابت اور مسلم احکام بھی ھیں جو ھمیشہ کے لئے ثابت ھیں جن کو کسی بھی زمانہ میں اور کسی جگہ پر جاری کیا جاسکتا ھے۔)

لھٰذا یہ تصور کرنا کہ اسلام کو ھر علاقے اور ھر زمانہ کے لحاظ سے حکومت کا ایک نقشہ پیش کرنا چاھئے تھا؛ یہ تصور صحیح نہیں ھے، چونکہ اس طرح کا کام عملی طور پر ممکن بھی نہ تھا لھٰذا معلوم یہ ھوا کہ اسلام کی طرف سے حکومت کے لئے خاص نقشہ پیش نہ کرنا اسلام کا کوئی نقص نہیں ھے بلکہ اگر اسلام کی طرف سے حکومت کے سلسلہ میں کلّی اور عام قواعد پیش نہ کئے جاتے تو اس وقت یہ کھا جاسکتا تھا کہ اسلام میں نقص ھے؛ کیونکہ اس صورت میں نہ تو اسلام نے زمان ومکان کے لحاظ سے حکومت کی کوئی شکل پیش کی ھے اور نہ ھی حکومت کے بارے میں کوئی راستہ بیان کیا ھے لیکن الحمد للہ اسلام نے حکومت کے نقشہ کے بارے میں راستہ تو بتادیا ھے اور اس کے لئے متغیر احکام قرار دئے ھیں اور جیسا کہ ھم نے قانون گذاری کے سلسلہ میں عرض کیا ھے کہ زمان ومکان کے لحاظ سے متغیر احکام کا معین کرنا ولی امر مسلمین کی ذمہ داری ھوتی ھے،جو اسلامی اصول کی بنا پر اور اس زمانہ کے متغیر مصالح کے پیش نظر اور اس سلسلہ میں ماھرین سے صلاح ومشورہ کے بعد ان کو بیان کرتا ھے ، اور انھیں مسائل میں سے حکومت بھی ھے، (اور جب ولی امر مسلمین ان احکام کو بیان کردے تو پھر) عوام الناس کے لئے ان پر عمل کرنا ضروری ھے اسلام نے اس راہ حل کو پیش کرکے عوام الناس کو سرگردانی اور حیرت سے نجات عطا کردی ھے، جس کی بنا پر اختلافات اور جھگڑوں کا خاتمہ ھوگیا ھے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

4. حکومت کا عرفی اور دنیاوی ہونا اور قوانین اسلام کا ہم عصری ہونا (ایک اعتراض(
قارئین کرام ! اس سلسلہ میں ایک دوسرا اعتراض یہ ہوتاھے کہ اسلام کی طرف سے حکومت کے لئے کوئی خاص نقشہ بیان نہ کرنا اس بات کی علامت ھے کہ حکومتی مسائل عرفی اور دنیاوی ہیں جو خود عوام الناس سے متعلق ہیں اور اسلام نے اس سلسلہ میں کوئی اظہار نظر نہیں کیا ھے آج کل کے وہ لوگ جو مغربی کلچر خصوصاً ”لیبرلیزم“سے متاثر ہیں اس اعتراض کو ہوا دیتے ہیں اور اپنے مقالات، تقریروں اور اپنی گفتگو میں اس اعتراض کی حمایت کرتے ہیں کہ حکومتی مسائل دنیاوی اور عرفی ہیں جن کا اسلام سے کوئی رابطہ نہیں ھے اور اپنی بات پر شاھد اس چیز کو پیش کرتے ہیں کہ اسلام نے نہ تو جمہوری حکومت کے بارے میں کچھ کہا ھے اور نہ بادشاھی حکومت کے سلسلہ میں کچھ کہا ھے، اور نہ ہی دوسری حکومتوں کے بارے میں کچھ بیان دیا ھے اس سے معلوم ہوتا ھے کہ حکومتی مسائل ایسے نہیں ہیں جن کے بارے میں ہمیں یہ امید نہیں رکھنی چاھئے کہ اس سلسلہ میں خدا اور پیغمبر کچھ بیان کریں، بلکہ یہ مسائل تو دنیا اور عوام الناس سے متعلق ہیں اور خود انہیں کو اس سلسلہ میں طے کرنا چاھئے۔
اور آھستہ آھستہ اس سے بھی آگے قدم بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں: نہ صرف یہ کہ حکومت کے نقشہ کو خود عوام الناس معین کرے بلکہ حکومت کے قوانین بھی خود عوام الناس کو بنانا چاھئے؛ چاھے وہ قوانین اسلامی اصول کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں!!
لیکن اس وقت ان کے سامنے یہ سوال آتا ھے کہ اگر حکومتی مسائل دنیاوی اور عرفی ہیں اور عوام الناس سے متعلق ہیں یہاں تک کہ قوانین بھی انہیں کے ذریعہ بنائے جائیں، تو پھر قرآن اور متواتر روایات میں حکومت سے متعلق بہت سے احکام کیوں بیان ہوئے ہیں؟ مثلاً احکام قضا، احکام مالیات (ٹیکس) اور احکام جزائی وغیرہ،یہ وہ بند گلی ھے جس سے نکلنے کا راستہ نہیں ھے ، اگرچہ انھوں نے اس بند گلی سے نکلنے کے لئے بہت سے راستے اختیار کئے ہیں لیکن ان سب کو اس وقت بیان نہیں کیا جاسکتا۔
ان میں سے بعض لوگوں کا یہ کہنا ھے کہ وہ حکومتی احکام وقوانین جو قرآن وروایات میں وارد ہوئے ہیں، وہ حضرت رسول اکرم (ص) کے زمانہ سے مخصوص ہیں اور اسی زمانہ کی ضرورت کے مطابق تھے ، اور اسلام نے صرف رسول اکرم (ص) کے زمانہ میں حکومتی مسائل میں دخالت کی ھے اور کچھ قوانین پیش کئے ہیں ، کیونکہ اس وقت کے لوگ اپنی ضرورت کے مطابق قوانین بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے، لہٰذا اسلام کو ان کی ضرورت کے مطابق کچھ قوانین پیش کرنا پڑے، اسی وجہ سے قرآن وروایات میں حکومت، سیاست اورقضاوت سے متعلق احکامات بیان ہوئے ہیں جو صرف اسی زمانہ میں کار آمد تھے، لیکن اس زمانہ میں جب انسان نے علم ودانش میں کافی ترقی کرلی ھے اور خود اپنی ضرورت کے مطابق قوانین بنانے کی صلاحیت رکھتا ھے اور آج کل ماڈرن زمانہ ھے، لہٰذا وہ قوانین کار آمد نہیں ہیں اور ان کو ترک کردینا چاھئے!!
قارئین کرام ! اس طرح کی باتیں بہت سے اسلام کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کی طرف سے بیان ہوتی ہیں اور کبھی کبھی تو صاف کہتے ہیں کہ احکام اسلام (منجملہ اسلام کے اجتماعی احکام) رسول اسلام (ص) کے زمانہ سے مخصوص تھے، اور آج ہمارے زمانہ میں کار آمد نہیں ہیں، بلکہ اصلاً اس زمانہ کے لئے نازل (بھی) نہیں ہوئے ہیں، اور کبھی کبھی اپنے مذکورہ نظریہ کو پشت پردہ بیان کرتے ہیں چونکہ اتنی ہمت نہیں کرتے کہ واضح طور پر اسلام کے تمام اجتماعی احکام پر اعتراضات نہیں کرسکتے ، اور اسلام کے بعض سزائی احکام منجملہ ”چور کے ہاتہ کاٹنے والے حکم“ پر اعتراض کرتے ہیں۔
چنانچہ کہتے ہیں کہ ”چور کے ہاتہ کاٹنے کا حکم“ چوری کرنے اور لوگوں کے مال میں خیانت کرنے سے روک تھام اور معاشرہ میں مالی امن وامان کو برقرارکرنے کے لئے تھا لیکن اب اگر ہمارے پاس اس طرح کے جرائم سے روک تھام کے لئے اس سے بہتر طریقے موجود ہوں تو پھر انہیں کو کام میں لایا جائے، نہ یہ کہ ہر زمانہ میں چور کے ہاتہ کاٹ دئے جائیں اسلامی قوانین کا مقصود معاشرہ میں امن برقرار رکھنا ھے اور اس زمانہ میں اس سے بہتر اور کوئی طریقہ کار نہیں تھا کہ چور کے ہاتہ کاٹ دئے جائیں لیکن آج کل اس سے بہتر طریقے موجود ہیں تاکہ اس طرح کے جرائم سے روک تھام ہوسکے، جن میں تشدد اور شدت پسندی بھی نہیں ھے اور ان کی انسانی شرافت بھی داغدار نہیں ہوتی کیونکہ چور کے ہاتہ کاٹ دینا تشدد اور وحشیانہ عمل ہونے کے علاوہ انسانی شرافت سے بھی ہم آھنگ نہیں ھے جس کو ترک کردینا چاھئے آج کل ہم اس زمانہ میں زندگی بسر کرتے ہیں جس کو ماڈرن زمانہ کہا جاتا ھے، آج اجتماعی مسائل بالکل بدل گئے ہیں، اور چونکہ آج کل کے جدید حالات پیغمبر اکرم ((ص)) اور ائمہ معصومین (علیہم السلام) کے زمانہ سے بالکل الگ ہیں لہٰذا اسلامی قوانین کو جاری نہیں کیا جاسکتا۔
قارئین کرام ! آپ حضرات نے ملاحظہ فرمایا کہ پہلے توان لوگوں نے یہ کہا کہ اسلام نے حکومت کے لئے کوئی نقشہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

پیش نہیں کیا، اور اس سلسلہ میں خود عوام الناس کو اختیار ھے اور جب حکومتی مسائل عوام الناس پر چھوڑ دئے تو اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ جن موارد میں اسلام کے مشخص اور معین قوانین نہیں ھیں تو ان قوانین کو معین کرنا خود عوام الناس کے عھدہ پر ھے اس کے بعد اس سے آگے قدم بڑھایا اور کھا : یہاں تک کہ جن موارد میں اسلامی قوانین موجود بھی ھیں تو ان اسلامی قوانین کو نسخ بھی کیا جاسکتا ھے اور ان کو بدلا جاسکتا ھے! بے شک اس صورت میں تواسلام کا جلد ھی فاتحہ دیاجائے گا۔

5۔ مذکورہ اعتراض کا جواب، اور اسلام کے متغیر اور ثابت احکام کی نسبت

ھم نے مختصر طور پر یہ عرض کیا کہ اسلام کے ثابت اور غیر قابل تبدیل احکام کے علاوہ متغیر احکام بھی ھیں کیونکہ اسلام کے احکام واقعی مصالح ومفاسد کے تحت ھیں ، اور انسان کی زندگی بعض امور میں متغیر حالات کے تابع ھے ، البتہ وہ متغیر حالات بھی واقعی مصالح ومفاسد کے لحاظ سے متغیر ھیں اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ حکومت بھی ثانوی اور متغیر احکام رکھتی ھے اور ھر زمانہ میں اس کی شکل وصورت کا معین کرنا نیز اس کے لئے مناسب قوانین بنانا ولی فقیہ کا کام ھے جو اسلامی اصول کے تحت اور اسلامی ارشادات کے مطابق اپنے وظیفہ پر عمل کرتا ھے۔

قارئین کرام ! توجہ رھے کہ اسلام کے متغیر اور ثابت احکام میں امتیاز پیدا کرنا اوران میں تمیز کرنا فقھاء اور مجتھدین کا کام ھے کیونکہ وہ اسلامی منابع ومآخذ کی روح یعنی قرآن،سنت، اورپیغمبر اکرم (ص) اور ائمہ معصومین علیھم السلام کی سیرت کا علم رکھتے ھیں لہٰذا اسلام کے متغیر اور ثابت احکام میں تمیز کرسکتے ھیں، اور ان میں سے ھر ایک کے صفات کو معین کرسکتے ھیں۔

صرف یہ کھہ دینا کہ اسلام میں متغیر احکام پائے جاتے ھیں اس کا مطلب یہ نہیں ھے کہ کوئی اسلام کے تمام احکام کو متغیر کھہ دے کیونکہ اگر اسلام کے تمام قوانین متغیر ھوں تو پھر اسلام میں کیا باقی بچے گا؟ اور اس صورت میں ھم کس اسلام کا دفاع کرنا چاھتے ھیں؟ اگر تمام اسلامی قوانین اور احکام متغیر ھوں اور اسلام کا کوئی بھی قانون یا حکم ثابت اور مسلم نہ ھو تو پھر ھم نے کیوں انقلاب برپا کیا، اور اسلام کے احکام جاری ھونے کے خواھشمند ھیں، اس کی وجہ سے لاکھوں افراد شھید ھوئے خود شاہ (محمد رضا) کے زماہ میں ایک ریفارم "Rwforme" (اصلاح) اور تبدیلی کے ذریعہ عوام الناس کی مانگ کو پورا کیا جاسکتا تھا،تاکہ خود عوام الناس کے لئے قوانین بنانے کا راستہ ھموار ھوجاتا ، اگر یہ وھی اسلام ھے جس کے قوانین عوام الناس کی رائے سے بدل جاتے ھیں تو پھر ھم نے بے فائدہ انقلاب برپا کیا، بھتر تھا کہ ھم ”ملی گرا“ کے تابع ھوجاتے، جس کی بنا پر معاشرہ کے منافع کو حاصل کرتے، اور پھر ھمارے یہ نقصانات نہ ھوتے!! جیسا کہ ملی گرا مشورہ دیتے اسی کو جاری کرتے اور لیبرل ڈیموکریسی کے تحت آرام کے ساتھ ووٹنگ کرتے اور پھر اپنے منتخب شدہ ممبران کو شاہ کے پارلیمنٹ میں بھیجتے، اور وہ عوام الناس کی خواھش کے مطابق غیر عوامی قوانین تبدیل کرتے!!

قارئین کرام ! یہ ان لوگو ں کی باتوں کا کا خلاصہ ھے جو بیرونی ”تئوریسین“ سے متاثر ھیں جو بعض ان اخباروں میں بیان ھوتے ھیں جو مسلمانوں کے بیت المال سے چلتے ھیں!!

اسی طرح کے بعض لوگ ناجائز فائدہ اٹھاتے ھیں اور ان جوانوں کو جنھوں نے ابھی تک اسلام کے اجتماعی مسائل کا مطالعہ نہیں کیا ھے اور کافی مقدار میں علم نہیں رکھتے ان کو تحت تاثیر قرار دیتے ھیں، مثال کے طور پر کھتے ھیں : اسلامی حکومت صرف ایک ادعای ھے جس کی کوئی حقیقت نہیں ھے، کیونکہ اسلام نے نہ جمھوریت کے بارے میں کچھ کھا ھے اور نہ ھی قدرتوں میں جدائی کے بارے میں کچھ بیان دیا ھے۔

اور جب اسلام نے اس سلسلہ میں کچھ (بھی) بیان نہیں کیا ھے تو معلوم ھوتا ھے کہ اسلام نے حکومت کے سلسلہ میں کوئی نقشہ پیش نہیں کیا بلکہ حکومتی امور خود عوام الناس کے سپرد کردئے گئے ھیں۔

یہاں پر ھمارے مخاطب وہ لوگ ھیں جو خدا، اسلام اور قرآن پر اعتقاد رکھتے ھیں، احکام اسلامی کو کھیل سمجھنے والے افرادنھیں، کیونکہ ان کے سلسلہ میں گفتگو کرنا بے کار ھے ھم ان لوگوں سے مخاطب ھیں جو خدا کے وجود کا اقرار کرتے ھیں اور عقیدہ رکھتے ھیں کہ خدا نے پیغمبر کو ھماری ھدایت کے لئے بھیجا ھے، نیز قرآن مجید اس کی طرف سے نازل ھوا ھے؛ (ھم ان سے یہ عرض کرتے ھیں کھ) قرآن مجید صاف طور پر ایسے احکام اور قوانین کا ذکر کرتا ھے جو ھمیشہ ثابت اور غیر قابل تبدیلی ھیں اور قابل استثناء بھی نہیں ھیں، اس کے علاوہ قرآن مجید نے بار بار اس بات پر زور دیاھے کہ ان احکام میں کسی طرح کا کوئی خدشہ وارد نہیں کرنا چاھئے ان ھی میں سے اسلام کے قضائی احکام ھیں اگرچہ بعض مسائل ضروری اور واجب ھیں لیکن ان کو عام معمولی طریقہ سے قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ھے، لیکن بعض مسائل منجملہ احکام قضاوت (اسلامی قوانین کے احکام وقوانین کے مطابق) ھیں جن کے بارے میں اس قدر تاکید کی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

گئی ھے اور ان کو اس شدید انداز میں بیان کیا گیا کہ اگر انسان ان کی خلاف ورزی کرنا چاھے تو اس کا بدن لرز جاتا ھے جیسا کہ خداوندعالم اپنے پیغمبر کو حکم دیتا ھے کہ خدا کے حکم کے مطابق حکم فرمائیں:
(إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاکَ اللهُ)(2)
” ھم نے آپ کی طرف یہ بر حق کتاب نازل کی ھے کہ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں “
دوسری جگہ رسول خدا (ص) کے فیصلوں کے سامنے تسلیم ھونے اور اس کی اطاعت کے بارے میں فرماتا ھے:
(فَلاَوَرَبِّکَ لاَیُؤْمِنُونَ حَتَّی یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَیْنَهمْ ثُمَّ لاَیَجِدُوا فِی أَنفُسِهمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوا تَسْلِیمًا)(3)
” پس آپ کے پروردگار کی قسم کہ یہ ھرگز صاحب ایمان نہ بن سکیں گے جب تک آپ کو اپنے اختلافات میں حَکم نہ بنائیں گے اور پھر جب آپ فیصلہ کردیں تو اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی کا احساس نہ کریں اور آپ کے فیصلہ کے سامنے سراپا تسلیم ھوجائیں۔“
قارئین کرام ! جیسا کہ آپ حضرات نے ملاحظہ کیا کہ خداوندعالم نے (فَلاَوَرَبِّکَ) سے قسم کھاکر (جو بھت بڑی قسم ھے) صرف ان لوگوں کو مومن شمار کیا ھے جو اپنے اختلافات اور جھگڑوں میں(جو معمولاً مالی امور میں اور کبھی جان وناموس کے سلسلے میں ھوتے ھیں) صرف پیغمبر اکرم (ص) کی طرف رجوع کریں لیکن اگر اپنے اختلافات کو دور کرنے کے لئے پیغمبرا کرم (ص) کی خدمت میں نہ گئے اور آنحضرت (ص) سے فیصلہ کی درخواست نہ کی، یا اگر پیغمبر اکرم (ص) نے ان کے درمیان فیصلہ فرمادیا چاھے کسی کے نقصان میں ھو یا فائدہ میں، او ر وہ دل وجان سے پیغمبر کے فیصلہ پر راضی نہ ھوئے اور ان کے دل رنجیدہ رھے ، تو اس صورت میں وہ مومن نہ رھیں گے لہٰذامومنین کو بھی آنحضرت (ص) کو قضاوت اور فیصلوں کے لئے منتخب کرنا چاھئے اور جس وقت وہ فیصلہ فرمادیں تو چاھے ان کے فائدہ میں ھو یا نقصان میں، تو ان کو اپنے دل میں ناراضگی اور رنجیدگی کا احساس تک نہ ھونے پائے، اور مکمل طریقہ سے رسول خدا (ص) کے فیصلہ پر راضی رھیں جو لوگ آنحضرت (ص) کو خدا کا رسول مانتے ھیں لیکن ان کے فیصلوں کو نھیں مانتے وہ لوگ جھوٹے اور منافق ھیں؛ یہ کیسے ممکن ھوسکتا ھے کہ رسول کی رسالت کا اقرار کرتے ھوں لیکن اس کے فیصلوں کو نہ مانیں؟!
قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر چند مسلسل آیتوں میں خدا کے حکم کے علاوہ قضاوت کرنے والے لوگوں کو فاسق، کافر اور ظالم کھا گیا ھے:
ارشاد رب العزت ھوتا ھے:
(وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا أَنزَلَ اللهُ فَأُوْلَئِکَ هُمْ الْکَافِرُون) (4)
”اور جو شخص بھی ھمارے نازل کئے ھوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے گا اس کا شمار کافروں میں ھوگا۔“
(وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا أَنزَلَ اللهُ فَأُوْلَئِکَ هُمْ الظَّالِمُونَ) (5)
”اور جو شخص بھی ھمارے نازل کئے ھوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے گا اس کا شمار ظالموں میں ھوگا۔“
(وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا أَنزَلَ اللهُ فَأُوْلَئِکَ هُمْ الْفَاسِقُونَ)(6)
”اور جو شخص بھی ھمارے نازل کئے ھوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے گا اس کا شمار فاسقوں میں ھوگا۔“
کیا کوئی شخص قرآن مجید کی ان آیات کو اس انداز اور اس لحن میں ملاحظہ کرنے کے بعد (بھی) یہ احتمال دے سکتا ھے کہ اسلامی قضاوت کے احکام صرف رسول اکرم (ص) کے زمانہ تک اور زیادہ سے زیادہ آپ کے بیس سال بعد تک کے لئے ھیں، اور جب اسلامی علاقوں میں ایران، مصراور دوسرے علاقے شامل ھوگئے تو اسلام کے یہ قضائی احکام کار آمد نھیں رھے اور قضاوت کے احکام لوگوں پر چھوڑ دئے گئے ھیں؟ کیا ھر وہ شخص جو ان آیات اور اسی طرح کی دوسری آیات کو ملاحظہ کرنے کے بعد یھی نتیجہ اور فیصلہ کرے گا؟! یا نہ اس کا فیصلہ یہ ھوگا کہ کسی بھی وقت اور کسی بھی حالت میں خدا وندعالم کے احکام کو پاؤں سے روندھا نھیں جاسکتا؟
بے شک ھر وہ صاحب عقل اور انصاف پسند انسان جو خدا پر ایمان رکھتا ھو اور ان آیات کو خدا کا کلام سمجھے تو ان آیات کے لب ولھجے کو دیکہ کر یہ یقین نھیں کرسکتا کہ یہ مذکورہ آیات صرف رسول اکرم (ص) کے زمانہ اور زیادہ سے زیادہ آنحضرت کے بیس سال بعد تک کے لئے ھیں؛ بلکہ(ان آیات کے لب ولھجے کو دیکہ کر) اس کو یقین ھوجائے گا کہ تاقیامت ان آیات کے مضمون پر عمل ھونا چاھئے، اور ھمیشہ احکام خدا کو اپنے اعمال کے لئے نمونہ عمل قرار دینا چاھئے، اور ان کی خلاف ورزی نھیں کرنا چاھئے:
(وَمَنْ یَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَأُوْلَئِکَ هُمْ الظَّالِمُونَ) (7)
” اور جو حدود الٰھی سے تجاوز کرے گا اس کا شمار ظالمین میں سے ھوگا۔“

اس کے علاوہ اگر بعض آیات کا مضمون کسی قدر واضح اور روشن نہ ہوتا تو اس میں کچھ شبہ ھوسکتا تھا، علماء او رمجتھدین کا وظیفہ ھے کہ یہ معین کریں کہ یہ آیات کسی خاص زمانہ سے مخصوص ھیں یا زمانہ کے لحاظ سے مطلق ھیں اور کیا کسی خاص قوم(جزیرة العرب کی عوام) سے مخصوص ھیں یا ان آیات میں دوسرے تمام لوگ بھی شامل ھیں؟ بھر حال دشمن؛ احکام اسلامی اور قوانین اسلامی کو برداشت کرنے سے شانے خالی کرتے ھیں اور اپنی خواھش نفسانی نیز شیطانی ھواو ھوس کے تحت نیز جوان نسل کو گمراہ اور منحرف کرنے کے لئے یہ دعویٰ کرتے ھیں کہ اسلام کے اجتماعی اور سیاسی احکام رسول اکرم (ص) کے زمانہ سے مخصوص ھیں اور اس کے بعد کار آمد نہیں ھیں، اگرچہ ھم نے اپنی حکومت کو ”جمھوری اسلامی“ کا عنوان دیا ھے لیکن اسلام کا نام صرف ایک دکھاوٹی پھلو ھے ، اور عوام الناس جو قانون بھی بنانا چاھیں بناسکتے ھیں،اور اس پر عمل کرسکتے ھیں؛ چاھے وہ قوانین سو فی صد خداوند عالم کے حکم کے مخالف ھوں!! افسوس کہ بعض لوگ اپنے مقالات اور تقریروں میں اسی طرح کا نظریہ پیش کرتے ھیں، جبکہ ان سے اس کے علاوہ کی امید بھی نہیں ھے۔

6- انسانی، تمام مسائل میں احکام الٰھی کی وسعت

قارئین کرام ! یہ بات واضح ھوچکی ھے کہ اسلام کی طرف حکومت کے لئے کوئی خاص نقشہ پیش نہ کرنے کے یہ معنی نہیں ھیں کہ حکومت اور حکومتی قوانین : عدلیہ ، قانون گذاری اور اجرائے احکام سے متعلق قوانین (8) خود عوام الناس کے سپرد کردئے جائیں اور خداوندعالم ان کے بارے میں کوئی نظریہ نہ رکھتا ھو؛ بلکہ خداوندعالم نے انسان کے ذاتی اور اجتماعی مسائل میں اسی طرح حکومت و سیاست کے بارے میں دستور العمل بیان کیا ھے، اور ھمیں کوئی ایک ایسا مورد نہیں ملے گا جس میں خدا وندعالم کا حکم شامل نہ ھوتا ھو۔

وضاحت ھم جو کچھ بھی کام انجام دیتے ھیں اور جو احکام ھم پر لاگو ھوتے ھیں ان میں سے بعض احکام وجوبی اور الزامی ھوتے ھیں جن پر عمل کرنا ضروری ھوتا ھے ان کے مقابلہ میں بعض احکام حرام ھوتے ھیں جن کا ترک کرنا واجب ھوتا ھے، ان اوامر ونواھی والے الزامی احکام کے علاوہ دوسرے احکام جائز ھوتے ھیں او ران پر غیر الزامی احکام جاری ھوتے ھیں، غیر الزامی احکام یہ ھیں: مستحب، مکروہ اور مباح پس ھمارے تمام کام انھیں پانچوں قسم میں سے ھوتے ھیں چاھے وہ واجب ھوں یا حرام، مستحب ھوں یا مکروہ اور مباح، اور یہ تمام خداوندعالم کے احکام ھیں۔

اس بنا پر اگر کسی مقام پر کوئی کام حرام یا واجب یا مستحب یا مکروہ نہ ھو تو وہ کام انسان کے لئے آزاد ھے جس کو روایات میں مطلق اور فقھاء ومجتھدین کی اصطلاح میں ”مباح“ کھا جاتا ھے؛ مباح بھی خداوندعالم کے احکام میں سے ایک حکم ھے لھٰذا معلوم یہ ھوا کہ انسان کے انفرادی اور اجتماعی مسائل میں کوئی چیز ایسی نہیں ھے جس پر حکم خدا شامل نہ ھو،کیونکہ ھر مسئلہ یا ھر موضوع پر احکام خمسہ (واجب ، حرام، مستحب، مکروہ اور مباح) میں سے کوئی نہ کوئی حکم ضرور شامل ھوگا البتہ حقوق اور سیاست کے لحاظ سے مستحب اور مکروہ صرف اخلاقی پھلو رکھتا ھے اور ان کا ذکر حقوقی مسائل میں بیان نہیں ھوتا اور مسائل حقوقی یا واجب ھیں جن کی رعایت ھونا چاھئے یا حرام جن کو ترک کیا جائے یا مباح ھیں (چاھے عمل کرے یا نہ کرے۔(

آخر میں یہ سوال پیدا ھوتا ھے کہ اگر ھم نے مان لیا کہ اسلام نے حکومت کے سلسلہ میں نظریہ پیش کیا ھے،اور وہ شخص جو اقتدار میں مرکزیت رکھتا ھے اس کے لئے خاص شرائط وصفات معین کئے ھیں ، جس کے نتیجہ میں جو شخص ان صفات کا حامل ھوگا وھی شریعت اسلام کی طرف سے معاشرہ کی رھبری کے لئے حکومت کے لئے منصوب ھوگا؛ تو کیا جن مسائل میں اسلام نے بیان نہیں دیا ھے وہ عوام الناس کے حوالے ھیں اور ان میں شریعت اسلام نے کوئی تصمیم گیری نہیں کی ھے اور اس سلسلہ میں ان کو طے کرنے کے لئے عوام الناس کی سمجھ بو جہ اور ان کے درمیان موجود عرف کے مطابق عمل کیا جائے؟ یھاں پر ، حتیٰ وہ افراد جو اسلامی اور فقھی بحثوں سے کسی حد تک آشنائی رکھتے ھیں کبھی کبھی ایسے گول مٹول الفاظ استعمال کرتے ھیں جن سے دوسرے ناجائز فائدہ اٹھاتے ھیں،مثال کے طور پر کھتے ھیں: ھم اپنی زندگی کے بعض مسائل کو دین اسلام سے اخذ کریں اور ان کے سلسلہ میں قرآن مجید، روایات اور زیادہ سے زیاہ پیغمبر اکرم (ص) اور ائمہ اطھار علیھم السلام کی عملی سیرت کی طرف رجوع کریں؛ لیکن ان کے علاوہ اپنی عقل کے مطابق عمل کریں در حقیقت ھم اپنی صحیح زندگی کی راہ کو معین کرنے کے لئے دو منابع رکھتے ھیں: ایک قرآن مجید ، دوسرے عقل اس طرح کے مسامحہ آمیز (ذو معنی) الفاظ وہ حضرات استعمال کرتے ھیں جو صاحب نظر اور واقعاً متدین ھیں، اور چونکہ اس طرح کی باتیں باعث لغزش و گمراھی ھوتی ھیں لھٰذا ان کو ردّ کرنا ضروری سمجھتے ھیں۔

اس نکتہ پر توجہ کرنا ضروری ھے کہ حکم شرعی اور حکم الٰھی کے لئے کم سے کم دو اصطلاح موجود ھیں:

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

1- حکم شرعی کی پہلی اصطلاح : (یا حکم تعبدی اور الٰہی) وہ حکم ھے جو قرآن مجید اور سنت نبوی سے حاصل کیا جاتا ھے، وہ قرآن اور معتبر احادیث میں ذکر ہوئے ھیں اس اصطلاح کے مطابق وہ حکم جو دوسرے طریقہ سے حاصل ہو جیسے عقل کے ذریعہ تو اس کو شرعی حکم نہیں کہا جاتا، بلکہ اس کو ''حکم عقل'' کہا جاتا ھے لہٰذا اگر کسی حکم کو عقل مستقل طور پر حاصل کرلے ، اور اس سلسلہ میں شریعت مقدس کی طرف سے بھی حکم وارد ہوا ہو، تو اس (شرعی حکم) کو ارشادی کہا جاتا ھے جس میں حکم شرعی اور تعبدی نہیں ہوتا۔

وضاحت ہماری عقل دوسری چیزوں سے قطع نظر بعض چیزوں کو سمجھتی ھے مثلاً ہر صاحب عقل انسان اس بات کو آسانی سے سمجھ لیتا ھے کہ عدالت اچھی چیز ھے اور ظلم بری چیز ھے؛ اور کوئی بھی صاحب عقل، عقل کے اس حکم میں شک نہیں کرتا اس وقت جب قرآن مجید کی آیت میں عدل کے بارے میں حکم ہوتا ھے تو فقھاء کی اصطلاح میں اس حکم کو ''ارشادی'' کہا جاتا ھے ؛ یعنی یہ آیت صرف عقل کے اس حکم پر ہدایت کرتی ھے جو ہماری عقل نے الگ سے سمجھ لیا ھے۔

حکم شرعی میں اس اصطلاح کا فقھاء کے یہاں استعمال ہونا بعض لوگوں کے منحرف ہونے کاسبب بنا ھے اور خیال کیا جانے لگا کہ ہم اپنی زندگی کے تمام مسائل میں شرعی حکم کے محتاج نہیں ھیں بلکہ بعض مسائل میں ہمارے لئے حکم عقل کافی ھے اور پھر ان میں خدا وند عالم کی کوئی حکومت نہیں ہوگی،کیونکہ خداوندعالم کی حاکمیت ان احکام میں ہوتی ھے جو قرآن مجید اور سنت پیغمبر میں نازل ہوئے ھیں، اور اگر کسی سلسلہ میں خدا کا کوئی حکم نہ ہو تو وہاں پھر خدا نے اپنی حاکمیت کو نہیں رکھا ھے بلکہ اس کو عقل کے سپرد کردیا ھے پس ہماری زندگی کے امور دو حصوں میں تقسیم ہوتے ھیں: بعض میں خدائی سلطنت ھے اور دوسرے حصہ میں ہماری عقل حاکم ھے اس کے معنیٰ یہ ھیں کہ خدا وندعالم تمام مقامات پر حکومت نہیں رکھتا، ہمیں ہر جگہ خدا کے حکم کو تلاش نہیں کرنا چاہئے بلکہ جس جگہ خدا کا حکم نہ ہو اس کو ہمارے حوالے کردیا ھے تاکہ ہم اپنی عقل کے ذریعہ اس کا حکم حاصل کرلیں۔

قارئین کرام ! جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ فقھاء کے یہاں پہلی اصطلاح میں حکم شرعی میں مسامحہ آمیز تعبیر استعمال کی گئی ھے، (جس کی بنا پر حکم شرعی اس حکم تعبدی کو کہا جاتا ھے جو قرآن وسنت میں ذکر ہوا ہو، اس کے مقابلہ میں عقل کے قطعی اور یقینی حکم کو قرار دیتے ھینجس کے سلسلہ میں شارع مقدس نے کوئی تعبد نہیں رکھا ھے، اور ہماری عقل اس حکم کو حاصل کرنے میں شریعت کی پابند نہیں ھے، اور شریعت نے صرف اس سلسلہ میں ارشادی حکم کو پیش کیا ھے) جس سے بعض لوگوں نے غلط نتیجہ نکالا ھے اور یہ اعتقاد کرلیا کہ ہماری زندگی کا ایک حصہ خداوندعالم کی حاکمیت اور سلطنت سے باھر ھے اور اس سلسلہ میں قوانین کو مرتب کرنا عقل کی ذمہ داری ھے۔

2- حکم شرعی کی دوسری اصطلاح: یہ ھے کہ وہ احکام جو خداوند عالم کے ارادہ تشریعی سے متعلق ہو ں؛ یعنی ہر وہ کام جو خداوندعالم ہم سے چاھتا ھے چاھے الزامی صورت میں ہو یا مباح کی صورت میں ہو پس جو کچھ خداوندعالم ہم سے چاھے کہ ہم اسے انجام دیں تو وہ حکم خدا ھے؛ چاھے وہ قرآن وسنت اور تعبدی دلائل کے ذریعہ ثابت ہوں اور چاھے عقل کے ذریعہ ثابت ہوں اس بنا پر خود عقل بھی حکم خدا کی پہچان کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ھے لہٰذا ہم اس کی اطاعت کرتے ھیں اور اس کی پیروی کرتے ھیں کیونکہ عقل خداوندعالم کے تشریعی ارادہ کی عکاسی کرتی ھے، لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ یہ حکم وھی چیز ھے جس کو خداوندعالم نے ہم سے چاھا ھے اگر فقھی کتابوں میں بیان ہوا ھے کہ قرآن مجید، سنت نبوی کے علاوہ بھی احکام شرعی کو ثابت کرنے کے لئے ایک دوسری چیز بھی ھے جس کو عقل کہا جاتا ھے تو اس کے معنی یہ ھیں کہ عقل بھی خدا کے احکام کو پہچاننے والے طریقوں میں سے ایک طریقہ ھے، اور عقل بھی قرآن وسنت کی طرح حکم خدا کو کشف کرسکتی ھے اور حکم خدا صرف قرآن وسنت میں منحصر نہیں ھے بلکہ احکام خدا وہ ھیں جس پر خدا کا ارادہ تشریعی متعلق ہو جو قرآن سنت اور عقل کے ذریعہ کشف ہوتا ھے۔ قارئین کرام ! اس اصطلاح اور معنی کے پیش نظر انسان کے تمام کام چاھے وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، چاھے حقوقی ہوں یا جزائی یا اندرونی ہو یا بیرونی اور بین الاقوامی تمام پر حکم شرعی اور حکم خدا شامل ھے؛ چاھے حکم خدا قرآن وسنت کے ذریعہ اثبات ہو یا عقلی طریقہ پر ثابت ہو البتہ توجہ رھے کہ عقلی حکم اس قدر واضح ، روشن اور یقینی ہو کہ جس پر ہمیں اطمینان ہوجائے کہ جو کچھ عقلی دلیل کے ذریعہ ثابت ہوا ھے وہ خداوندعالم کے تشریعی ارادہ سے متعلق ھے۔

حوالے:

(1) مشروطیت اس شاھی حکومت کو کھتے ھیں جس میں قوانین کے تحت کام کیا جائے (مترجم)
(2)سورہ نساء آیت 105

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(3) سورہ نساء آیت 65
)4) سورہ مائدہ آیت 44
)5) سورہ مائدہ آیت 45
(6) سورہ مائدہ آیت 47
(7) سورہ بقرہ آیت ۲2۹
(8) جن کو ہم فلسفہ سیاست کی تھیوریوں میں بیان کریں گے

اسلام اور سیاست جلد(2)

چونتیسواں جلسہ

اسلامی احکام کی عظمت اوراس کی دوسرے نظام پر برتری

1۔حکومت اورمتغیر احکام سے اسلامی ثابت احکام کی نسبت
جیسا کہ ہم گذشتہ جلسہ میں عرض کرچکے ہیں بعض دوسری فکر رکھنے والے لوگ اخباروں اور اپنی تقریروں میں یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ احکام اور قوانین جن کو معاشرہ کی ضرورت ہوتی ہے ان کو پارلیمنٹ میں طے ہونا چاھئے، اور اگر ہم صرف قرآن و سنت میں بیان شدہ قوانین پر اکتفاء کرنا چاھیں تو کسی بھی صورت میں معاشرہ کی ضرورت پوری نہیں ہوگی حالانکہ ہمارے جمہوری اسلامی نظام میں (جیسا کہ دوسرے ڈیموکریٹک ممالک میں ہوتا ہے) ممبر آف پارلیمنٹ کے ذریعہ قوانین بنائے جاتے ہیں،تو پھر ہمیں اپنی اس حکومت کو ''اسلامی حکومت'' کا نام دینے ، اور پارلیمنٹ میں مصوب قوانین کو ''اسلامی قوانین'' کھنے کی کیا پڑی ہے ؟ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہر ملک میں عوام الناس کے ذریعہ منتخب ممبر آف پارلیمنٹ اسی ملک کی ثقافت کے لحاظ سے قوانین بناتے ہیں اور قوانین کو طے کرنے میں ھی اس معاشرہ کے اقدار کا احترام کرتے ہیں لیکن چونکہ ہمارے ملک کے عوام الناس مسلمان ہیں اور اس میں خاص ثقافت کا رواج ہے ، ممبر آف پارلیمنٹ اسلامی اور دینی ثقافت کا کم وبیش لحاظ کرتے ہیں لیکن بھر حال ہمارے ملک میں قانون گذاری کا وھی طریقہ ہے جو ڈیموکریٹک ممالک میں موجود ہے لہٰذا ہم کو اپنی حکومت کو اسلامی حکومت کھنے اور اسلامی قوانین نافذ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟
قارئین کرام ! جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اسلامی احکام کی دو قسمیں ہیں:
1۔ ثابت احکام۔ 2۔متغیر احکام، جو حالات کے متغیر ہونے سے بدل جاتے ہیں۔
لیکن انسانی معاشرہ کے حالات بدلنے سے اسلامی ثابت احکام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور ان کی شکل صورت میں کسی بھی وقت کوئی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ ثابت رھتے ہیں، اور ہر زمانہ اور ہر حال میں ان پر عمل کرنا ضروری ہے اب اگر ملکی قوانین کو مصوب کرتے وقت اسلام ثابت احکام کی رعایت نہ کی جائے اور قوانین اسلام کے خلاف قوانین بنائے جائیں تو وہ قوانین غیر اسلامی ہوں گے؛ چاھے تمام ھی ممبر آف پارلیمنٹ متفق طور پر ان قوانین کو طے کریں، اور اسلام کے مخالف قوانین کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے ، بلکہ اس کو قانون ھی نہیں کھا جاسکتا جیسا کہ ہمارے ملکی بنیادی قانون میں موجود ہے کہ اسلامی ملک کے تمام قوانین؛ اسلامی اصول کے عین مطابق ہونا ضروری ہے یہاں تک کہ اگر کوئی قانون؛ شرعی ادلہ کے عموم اور اطلاق کے خلاف ہوگا تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہ ہوگی
اس بنا پر، وہ اسلامی ثابت احکام جو قرآن کریم اور روایات متواتر اورمعتبر روایات میں ثابت احکام کے عنوان سے بیان کئے گئے ہیں ان کی رعایت کرنا ضروری ہے اور ان میں کسی بھی طرح کا کوئی نسخ اور تبدیلی نہ ہو اس کے مقابل میں بعض وہ متغیر احکام ہیں جو حالات اور علاقہ کے لحاظ سے قابل تبدیل ہیں البتہ ان کو معین کرنا علماء اور مجتہدین کا کام ہے۔
اگرچہ متغیر احکام کو آج کل کے زمانہ میں ''قوانین موضوعہ'' کے عنوان سے جانا جاتا ہے جو قانون گذاری اداروں میں تصویب ہوتے ہیں،لیکن اسلامی ثقافت میں اور فقھی اصطلاحات میں متغیر احکام وھی سلطنتی احکام ہیں جن کو معین کرنا ولی فقیہ کے دائرہ اختیار میں ہے اور ولی فقیہ ھی معاشرہ کے مختلف حالات کے لحاظ سے ان کو معین کرے اور ان کو نافذ کرے ، اور کم سے کم مصوب شدہ قوانین کو جاری کرنے کے لئے ولی فقیہ کی تائید ضروری ہے البتہ کبھی ولی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

فقیہ بطور مستقیم قوانین اور مقررات کو معین اور مصوب کرتا ھے، اور کبھی اپنے ان مشاورین کے ذریعہ جو مد نظر مسائل میں کافی مہارت اور تجربہ رکھتے ھیں ان کے ذریعہ قوانین مصوب کرتا ھے، اور ضروری بحث وگفتگو کے بعد قوانین طے پاتے ھیں بھر حال موضوعہ قوانین ومقررات کا اعتبار ولی امر مسلمین کی اجازت اور اس کی موافقت پر ھوتا ھے ، ورنہ تو اس کا کوئی اعتبار نھیں ھوتا۔

قارئین کرام ! اس بات پر توجہ رھے کہ ولی امر مسلمین اور دوسرے قانون گذار اداروں کو اس بات کا ذرہ بھی حق نھیں ھے کہ وہ اسلامی اصول قواعد اور اسلامی اقدار کو مد نظر رکھے بغیر اپنی مرضی سے کوئی متغیر قانون بنائیں دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ قوانین موضوعہ اور متغیر قوانین کو بھی اسلامی اصول اور اسلامی ثابت اور کلی احکام کے تحت ولی فقیہ اور فقھی مسائل کے ماھرین(جو اس سلسلہ میں کافی مھارت رکھتے ھوں اور ان قوانین کے مصداق کو بخوبی مشخص اور معین کرسکتے ھوں)؛ کے ذریعہ طے ھونا چاھئیں ؛ نیز ان کو مصوب کرنے میں اسلامی اقدار کی رعایت کرنا بھی ضروری ھے اسی وجہ سے قوانین کلی کے حدود کو معین کرنا اور ان کے مصادیق اور موضوعہ قوانین پر منطبق کرنا اسی طرح اسلامی اقدار کا موضوعہ قوانین پر تطبیق کرنا ایک مشکل کام ھے جس میں بھت زیادہ دقت اور فقھی مھارت کی ضرورت ھوتی ھے، جمھوی اسلامی ایران کے بنیادی قوانین میں موجود ھے کہ اسلامی پارلیمنٹ کے ذریعہ بنائے ھوئے قوانین کو "شوریٰ نگھبان" (جو برجستہ مجتھدین اور حقوق داں حضرات سے مل کر بنتی ھے)؛ کے ذریعہ تائید ھوں تاکہ یہ دیکہ لیا جائے کہ خدا نخواستہ یہ قوانین اسلامی اصول کے مخالف تو نھیں ھیں؟

2۔ احکام اولیہ اور احکام ثانویہ۔

احکام ثانویہ اسلام سے ٹکراتے ھیں (ایک اعتراض(بعض لوگ تصور کرتے ھیں کہ وہ احکام سلطنتی ، وقتی اور وہ قوانین جو زمانہ اور حالات کے لحاظ سے وضع کئے جاتے ھیں بعض موارد میں اسلامی احکام کے مخالف ھوتے ھیں؛ اس کی وجہ یہ ھے کہ عوام الناس صرف اسلام کے احکام اولیہ کو اسلامی احکام جانتے ھیں اور وہ اس چیز سے غافل ھیں کہ اسلام نے مجبوری اور ضرورت کے وقت احکام ثانویہ بھی وضع کئے ھیں اور وہ بھی احکام شرعی شمار ھوتے ھیں۔

وضاحت: اسلام کے اولیہ احکام جو عام حالات کے لئے وضع کئے گئے ھیں ان کے علاوہ دوسرے احکام بھی اسلام نے وضع کئے ھیں جو مجبوری اور ضرورت کے وقت کے لئے ھوتے ھیں جن کواحکام ثانوی کھا جاتا ھے اور یہ احکام ثانوی کچھ تو قرآن مجید اور سنت نبوی میں ذکر ھوئے ھیں لیکن ان میں سے بعض دینی کتابوں میں ذکر نھیں ھوئے ھیں، ان کو وضع کرنا ولی امر مسلمین کے اختیار میں ھوتا ھے۔

مثال کے طور پر نماز پڑھنے کے لئے وضو کرنا واجب ھے یا اگر ھم پر غسل واجب ھے تو نماز کے لئے غسل کرنا واجب ھے وضو اور غسل کا وجوب احکام اولیہ اور عام حالات سے متعلق ھیں کہ جب مثلاً ھمارا بدن سالم ھو اور پانی ھمارے لئے نقصان دہ نہ ھو اور پانی موجود بھی ھو لیکن اگر کوئی مجبور ی پیش آجاتی ھے یا کسی بیماری کی وجہ سے وضو یا غسل کرنا ممکن نہ ھو، مثلاً پانی موجود نہ ھو یا اگر پانی موجود ھے تو وہ نقصان دہ ھے،تو اس صورت میں وضو یا غسل واجب ھونے کی جگہ وجوب تیمم جو حکم ثانوی ھے؛ اس کی جگہ آجاتا ھے اسی وجہ سے کھا جاتا ھے کہ اگر آپ کے پاس پانی نہ ھو یا پانی بدن کے لئے نقصان دہ ھو تو وضو یا غسل کے بدلے تیمم کرنا ضروری ھے ۔

جب احکام اولی اور احکام ثانوی جن کو احکام اضطراری بھی کھا جاتا ھے؛ قرآن مجید اور روایات میں ذکر ھوئے ھیں تو ھم ان کے درمیان کوئی فرق نھیں پاتے چونکہ حکم اولیہ (جیسے وضو یا غسل) کا موضوع اس وقت ھے جس وقت پانی ھمارے پاس موجود ھو اور وہ نقصان دہ بھی نہ ھو، اور احکام ثانوی یعنی تیمم اس شخص کے لئے ھے جب کسی شخص کے پاس پانی نہ ھو یا پانی اس کے بدن کے لئے نقصان دہ ھو؛ اسی وجہ سے بعض لوگوں کووضو کر نے کا حکم ھے اور بعض لوگوں کوتیمم کرنے کا حکم ھے لیکن بعض مقامات پر احکام اولی کے مقابلہ میں جو مجبوری اور اضطراری وقت کے لئے ھوں خاص احکام شریعت میں ذکر نھیں ھوئے ھیں تو یھیں پر اسلام کے احکام اولی جاری کر نے کو کھا جاتا ھے، مگر یہ کہ باعث عسر و حرج ھوں؛ کیونکہ اسلام یہ نھیں چاھتا کہ بندگانِ خدااپنے وظیفہ پر عمل کرنے میں غیر قابل تحمل مشقت اور حرج میں گرفتار ھوں، جیسا کہ ارشاد رب العزت ھوتا ھے:

(وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ) (1)

" اور دین میں کوئی زحمت نھیں قرار دی ھے۔"

(يُرِيدُ اللهُ بِكُمْ الْيُسْرَ وَلاَيُرِيدُ بِكُمْ الْعُسْرَ) (2(

" خدا تمھارے بارے میں آسانی چاھتا ھے، زحمت نھیں۔"

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قارئین کرام ! ھمارے گذشتہ مطالب کے پیش نظر فقہاء کہتے ھیں کہ اگر انسان اپنے وظیفہ اور حکم شرعی پر عمل کرنے سے عسر وحرج میں مبتلا ھو تو خدا وندعالم اس وظیفہ کو اٹھا لیتا ھے قابل توجہ نکتہ یہ ھے کہ بعض مقامات پر احکام اولی کا بدل احکام ثانوی شریعت میں بیان ھوا ھے لیکن بعض موارد میں احکام ثانوی اور اضطراری شریعت میں بیان نہیں ھوئے ھیں، لیکن ولی فقیہ کو یہ اختیار دیا گیا ھے کہ اگر احکام اولیہ پر عمل کرنا ممکن نہ ھو اور عوام الناس کے لئے باعث عسر و حرج ھو تو اس صورت میں عوام الناس کا وظیفہ معین کرے لہٰذا جو کچھ بھی ولی فقیہ اسلامی اصول وقوانین کے تحت حکم بیان کرے تو وہ احکام ثانوی اور اسلامی حکم ھوگا؛ کیونکہ اس نے اس (ولی فقیہ) کو جب عسر و حرج کی صورت میں تکلیف اولی اٹھالی جائے تو عوام الناس کے وظیفہ اور عمل کو معین کرنے کا حکم دیا ھے۔

لہٰذا چونکہ بعض لوگ صرف اسلام کے احکام اولی سے آشنائی رکھتے ھیں اسی وجہ سے یہ تصور کرتے ھیں کہ اسلامی احکام صرف یھی ھیں ، اور اگر ولی امر مسلمین یااسلامی حکومت کے دوسرے قانون گذار اداروں سے اسلام کے احکام اولی کے خلاف قانون بنتا دیکھتے ھیں تو کہتے ھیں کہ یہ قانون اسلام کے مخالف ھے جبکہ وہ قانو احکام شرع اور اسلام کے مخالف نہیں ھے بلکہ اسلام کے اولیہ احکام کے مخالف احکام کو احکام ثانوی میں شمار کیا جاتا ھے اور بے شک احکام ثانوی (بھی) اسلامی احکام مانے جاتے ھیں جس طرح اسلام نے حکم دیا ھے کہ مسافر کو روزہ نہیں رکھنا چاھئے اور جو مسافر نہیں ھے (اگر دوسرے شرائط موجود ھیں) تو اس کو روزہ رکھنا چاھئے اور کوئی مسافر کے روزہ نہ رکھنے کو اسلامی احکام کا مخالف شمار نہیں کرتا، کیونکہ خود اسلام نے صاف طور پر ارشاد فرمادیا ھے کہ جو شخص مسافر یا مریض ھے اس پر روزہ واجب نہیں ھے(فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمْ الشَّهرَ فَلْيَصُمْہ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللهُ بِكُمْ الْيُسْرَوَلاَيُرِيدُ بِكُمْ الْعُسْر) (3) اسی طرح احکام اجتماعی، مدنی، جزائی، تجاری اور دوسرے معاملات میں اگر احکام اولی کے مطابق عمل کرنا ممکن نہ ھو اور موجب عسر و حرج ھو تو وہ حکم ثابت نہیں رھے گا اور خاص قواعد اور مقررات کے تحت ولی امرمسلمین زمان ومکان کی حالات کی بنا پر نئے قوانین کو وضع کرتا ھے اور یہ بات مسلم ھے کہ وہ قوانین اسلامی احکام کے مخالف نہیں ھوں گے، بلکہ (اگر ھوں گے بھی تو) اسلامی اولی احکام کے مخالف ھوں گے اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ اسلام کے احکام ”احکام اولی“ اور” احکام ثانوی“ دونوں کو شامل ھوتے ھیں۔

اسلامی معاشرہ میں در پیش جدید تقاضوں کے تحت جو ھمیشہ اجتماعی حالات کے بنا پر رونما ھوتے ھیں(مثلاً ٹریفک کی سھولت کے لئے اور گاڑیوں کی بھیڑ سے بچنے کے لئے سڑکوں کو چوڑاکرنایا مِیونسپلٹی "Municpality"کو صفائی یا شھر کو خوبصورت بنانے کے لئے پیش آنے والی ضرورتیں، یا محکمہ آب اور بجلی کی دیگر ضرورتیں جو قدیم زمانہ میں نہیں تھیں) یا آج کل کی ترقی کے پیش نظر معاشرہ کی وہ ضرورتیں جن کو خود عوام الناس پورا نہیں کرسکتے اور گذشتہ زمانہ کی ضرورتوں کی طرح نہیں ھیں کہ جن کو خود عوام الناس انجام دیا کرتے تھے،تو ان تمام صورتوں میں متعلقہ محکمہ جات کاضروری قوانین بنانا ضروری ھے ھماری گفتگو یہ ھے کہ یہ قوانین بغیر کسی اصل کے نہیں ھیں اور بے حساب و کتاب لوگوں کی اپنی مرضی سے نہیں بن جاتے؛ بلکہ یہ قوانین اور احکام ثانوی اسلامی عام قوانین کے تحت ھونے چاھئیں اس میں کوئی فرق نہیں ھے کہ یہ احکام ثانوی اھم کو مھم پر ترجیح دینے کی طرح ھوں، یا ان قوانین کو زمان و مکان کے حالات کے پیش نظر بنایا جائے جیسا کہ ھمارے ملک میں یہ احکام ثانوی ”مجلس شوریٰ اسلامی“ میں اور ولی فقیہ کی اجازت سے بنائے جاتے ھیں اس صورت میں یہ احکام؛ اسلامی احکام سے باھر نہیں ھوتے (یعنی ان کو اسلامی احکام میں شمار کیا جاتا ھے) کیونکہ یہ تمام قوانین ولی امر مسلمین کے حکم سے بنائے جاتے ھیں، یا دوسرے خاص قوانین جیسے قاعدہٴ” عسر وحرج“ یا قاعدہ ”لاضرر“ یا ان دوسرے قواعد کے تحت جو فقھی کتابوں میں وارد ھوئے ھیں؛ کے تحت یہ احکام ثانوی بنائے جاتے ھیں۔

قارئین کرام ! یہ بات واضح ھوچکی ھے کہ اسلامی حکومت میں قوانین کو یا اسلامی منابع؛ جیسے قرآن کریم اور سنت نبوی سے لئے جاتے ھیں (اورجیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ عقل بھی اسلامی منابع میں شمار ھوتی ھے اور ”مستقلات عقلیھ“ اور احکام قطعی عقل معتبر ھوتے ھیں اور فقھی اصطلاح میں حکم قطعی عقل کے ذریعہ خداوندعالم کے ارادہ تشریعی کو کشف کیا جاسکتا ھے کہ یہ حکم عقل بھی خداوندعالم کے ارادہ اور اس کی مرضی سے متعلق ھے اسی وجہ سے یہ حکم ”اسلامی حکم“ ھوگا) یا کسی بھی طریقہ سے قرآن وسنت میں بیان شدہ عام احکام کے تحت واقع ھونے چاھئیں اسی وجہ سے یہ بھانہ کرتے ھوئے کہ اسلامی حکومت کے بعض قوانین اور مقررات ناپائیدار اور تغیر پذیر؛ قرآن مجید اور سنت نبوی میں ذکر نہیں ھوئے ھیں،لہٰذا قرآن مجید اور سنت نبوی (ص) کو بالائے طاق رکھ دیا جائے،اور عوام الناس کی مرضی کے مطابق قوانین بنائے جائیں اسلام کے ثابت احکام پر ھمیشہ عمل ھونا چاھئے اور احکام متغیر ھمیشہ اسلامی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اصول، احکام ثابت اور عام قوانین کے تحت ولی فقیہ یا اس کی طرف اذن یافتہ لوگوں کے ذریعہ بنائے جائیں۔

3۔ ڈیموکریٹک حکومتوں کے نقائص

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ حکومت کی مشکل ایک ”مثلث القاعدہ“ زاویہ کی طرح ھے جس کے تین پہلو ھوتے ھیں: 1۔ قوہ مقننہ (پارلیمنٹ)، 2۔ قوہ قضائیہ (عدلی) اور قوہ مجریہ (حکومت) اور حکومت کی یہ شکل ”منٹسکیو“سے شروع ھوئی اور رائج ھوتی چلی گئی۔

بھر حال اگرچہ اس (ھماری) حکومت بھی تین قدرتوں سے تشکیل پائی ھے لیکن اس بات کی کوئی گارانٹی نھیں ھے کہ آئندہ بھی اسی طریقہ سے باقی رھے کیونکہ آئندہ زمانہ کی ترقی کے پیش نظر یا اجتماعی حالات کی تبدیلی کی وجہ سے حکومت کی شکل بدل سکتی ھے مثال کے طور پر حکومت کی قدرتوں میں اضافہ ھوجیسا کہ ”مربع القاعدہ“ ھوجائے یا ”مخمس القاعدہ“ ھو جائے لیکن توجہ رھے کہ اصل اور بنیادی قاعدہ یہ کہ حکومت کو تشکیل دینے والی تمام قدرتیں مرکز کی طرف منتھی ھوتی ھوں یعنی جب حکومتی صورت کو جو مختلف قدرتوں سے تشکیل پاتی ھے تو مثلث القاعدہ ھرم سے تشبیہ کرتے ھیں تو اگر اس ھرم کے اوپر سے نیچے کی طرف آئیں تو اس کا دائرہ زیادہ ھوجائے گا یھاں تک کہ اس قاعدہ ھرم اور اس کے نیچے حکومتی بھت سے ادارے دکھائی دیتے ھیں لیکن ھرم کے نیچے سے آھستہ آھستہ اوپر کی طرف جائیں تو پھر حکومتی قدرت اور حکومتی ادارے متمرکز اور جمع ھوتے ھوئی دکھائی دیں گی، یھاں تک کہ تمام قدرتیں اس ھرم کے سرے تک پھنچ جائیں گی،اور سب ایک نقطہ میں سماجائیں گی، اور وہ وسیع اور متفرق قدرت بسیط اور وحدت کی شکل میں دکھائی دے گی۔

ھرم قدرت میں اس کے علاوہ کے مثلث القاعدہ قدرتیں اس نقطہ کی طرف منتھی ھوتی ھیں جو اس کے مرکز میں ھوتا ھے اور وھی نقطہ تمام قدرتوں کا مرکز ھوتا ھے اور حکومتی تمام تر قدرت اور اختیارات بسیط ھوکر وھاں جمع ھوجاتے ھیں، اور چونکہ حکومتی قدرت اور اختیارات وھاں سے تقسیم ھوکر مختلف شکلوں : قانون گذاری، عدلیہ اور اجرائی شعبوں میں پھیل جاتی ھے اور ان میں سے ھر قدرت اپنے خاص مراتب سے سروکار رکھتی ھے۔

اس وقت دنیا بھر کے ممالک میں حکومت کی اسی شکل وصورت کو قبول کیا گیا ھے جس میں تین قدرتیں ھوتی ھیں: قانون گذاری، عدلیہ اور اجرائی پاور، لیکن ان تینوں قدرتوں کا ایک نقطہ میں جمع ھونا واضح طور پر نھیندکھائی دیتا؛ یعنی ان حکومتوں میں اصل یہ ھے کہ حکومت مستقل تین حصوں میں بٹ جاتی ھے اور ایک قدرت کا ایک حصہ قوہ مجریہ (حکومت) میں چلا جاتا ھے اور ایک حصہ قانون گذاری میں اور تیسرا حصہ عدلیہ کا ھوتا ھے؛ اور ان میں نہ قوہ مجریہ دوسری قدرتوں میں دخالت کرتی ھے اور نہ دوسری قدرتیں قوہ مجریہ میں دخالت کرتی ھیں اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا ان قدرتوں میں عملی طور پر استقلال دکھائی نھیں دیتا، اور بھت سے وہ موارد جو اجرائی اور نفاذ کا حکم رکھتے ھیں جن کی وجہ سے ان کو قوہ مجریہ کے تحت ھونا چاھئے لیکن ان کی اھمیت کے پیش نظر قانون گذار پاور کی دخالت کو معتبر سمجھا جاتا ھے مثال کے طور پر بین الاقوامی سطح نیز دو ملکوں کے درمیان ھونے والے مھم معاھدات، حالانکہ یہ چیزیں اجرائی پھلو رکھتی ھیں لیکن ان کے بارے میں پھلے پارلیمنٹ پاس کرے تب وہ معاھدات انجام پاتے ھیں،اور یھیں پر قوہ مجریہ میں پارلیمنٹ کی دخالت دکھائی دیتی ھے۔

دوسری طرف حکومتی کابینٹ "Cabinet" بعض قوانین اور مقررات کو تصویب کرتی ھے، اور ان کو نافذ کرتی ھے اگرچہ ان پر قانون کے عنوان کا اطلاق نھیں ھوتا لیکن قانونی ماھیت رکھتے ھیں اور ان کا طے کرنا پارلیمنٹ کے مخصوص کام میں سے ھے لیکن بنیادی قوانین میں موجود بعض وجوھات کی بنا پر اس کو طے کرنا حکومت کے عھدہ پر ھوتا ھے اسی وجہ سے قانون گذاری کا ایک حصہ حکومت کے سپرد کیا جاتاھے لہٰذا معلوم یہ ھوا کہ حکومت پارلیمنٹ میں دخالت کرتی ھے بھر حال مختلف ممالک میں کم و بیش قدرتیں ایک دوسرے میں دخالت کرتی ھیں، اور یہ محدود دخالت اس وجہ سے بھی ھے کہ چونکہ حکومتیں ایک دوسرے سے مل کر ایک حکومت کو تشکیل دیتے ھیں، اور اگر یہ بالکل ایک دوسرے سے الگ الگ ھوجائیں توگویا اس کا اتحاد ختم ھوجائے گا۔

4۔ قدرتوں میں ھم آھنگ کرنے کے اسباب کا ھونا ضروری ھے

اگر چہ حکومت تین قدرتوں (قوہ مجریہ، قوہ عدلیہ اور قوہ مقننہ) سے تشکیل پاتی ھے لیکن ان تینوں قدرتوں میں ایک دوسرے سے رابطہ ضروری ھے، اور چونکہ انھیں ان تینوں قدرتوں سے مل کر ھی حکومت بنتی ھے تو ان قدرتوں کے لئے کچھ ایسے اسباب ھونا ضروری ھینجن کے درمیان اتحاد اور وحدت قائم رھے لیکن دنیا بھر کے ممالک میں ان قدرتوں میں ھم آھنگ کرنے والی قدرت نہ ھونے کی بنا پر ان کے درمیان میں نا ھماھنگی دکھائی دیتی ھے جس کی بنا پر ملک

میں بحرانی حالات پیدا ہوجاتے ھیں اس طرح کے بحران سے بچنے کے لئے بعض حکومتوں میں بہت سی راہ حل پیش کی گئی ھیں جن میں سے صدر مملکت کے لئے ”حق وٹو“ "Veto" رکھا جاتا ھے: مثال کے طور پر اگرچہ پارلیمنٹ کو قوانین بنانے اور ان کو طے کرنے کا حق ہوتا ھے ، اور پارلیمنٹ اسی ذمہ داری کے تحت ممبر آف پارلیمنٹ (کسی بھی قانون بنانے کے لئے) بہت بحث وگفتگو کے بعد قوانین بناتے ھیں، اس کے بعد وہ قوانین ”مجلس سنا“ "S'enat" کے ذریعہ تائید ہوتے ھیں لیکن چونکہ صدر مملکت کے لئے حق وٹو ہوتا ھے(تو اگر وہ قوانین ناقص ہوتے ھیں تو) صدر مملکت ان کوروک دیتا ھے چاھے کچھ ھی مدت کے لئے ھی کیوں نہ ہو اور ان کو نافذ نہیں ہونے دیتا اگر قوانین بنانا پارلیمنٹ کا حق ھے اور قوہ مجریہ (صدر مملکت) کو پارلیمنٹ میں دخالت کرنے کا حق نہیں ھے، تو پھر پارلیمنٹ کے بنائے گئے قوانین کو قوہ مجریہ کسی طرح روک دیتا ھے اور ان کو نافذ نہیں ہونے دیتا؟ پس معلوم یہ ہوا کہ قدرتوں کا استقلال مکمل طور پر عملی نہیں ہوتا اور عملی طور پر پارلیمنٹ اور حکومت کے وظائف میں ہم آہنگی پائی جاتی ھے۔

اسی طرح ان قدرتوں میں ہم آہنگ کرنے والے اسباب کے نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے ممالک میں سیاسی، پارٹی اور گروھی اختلاف پیدا ہوجاتا ھے جس کی بنا پر قدرتوں میں اختلاف پیدا ہوجاتا ھے اور ممکن ھے کہ بعض مواقع پر حالات اس قدر بگڑ جائیں کہ ملک میں کوئی حکومت ھی نہ ہو اور عملی طور پر حکومت ختم ہوجائے مثال کے طور پراگر کوئی حکومت بنے اور قدرت اپنے ہاتہ میں لے لے، لیکن ایک مدت کے بعد پارلیمنٹ میں اس کے لئے اعتماد ختم ہوجاتا ھے اور حکومت ٹوٹ جاتی ھے اور اس کے بعد (جلد) کوئی حکومت نہ بن سکے، کیونکہ جو شخص بھی وزیر اعظم بننا چاھتا ھے اور اس کے لئے وزراء کابینٹ "Cabinet" بنانا چاھے تو اگر ممبر آف پارلیمنٹ کا اعتماد کا ووٹ حاصل نہ کرسکے؛ کیونکہ پارلیمنٹی حکومتوں میں صرف وھی پارٹی حکومت بناسکتی ھے جس کے پارلیمنٹ میں ممبروں کی اکثریت ہو یا دوسری پارٹی کے ممبروں کو شامل کرکے اپنی اکثریت ثابت کردے۔

اور جیسا کہ آپ حضرات جانتے ھیں کہ انھیں آخری چند سالوں میں ہمارے پڑوسی ملک میں کافی مدت تک حکومت نہ تھی؛ کیونکہ جو شخص بھی وزیر اعظم بننا چاھتا تھا اس کو اعتماد کا ووٹ ھی نہیں ملتا تھا البتہ کسی نہ کسی طریقہ بہت سے حکومتی امور انجام پاتے ھیں لیکن چونکہ جب وزیر یا معاون وقتی (عبوری) ہوں تو ان کو کاموں میں زیادہ دل چسپی نہیں ہوتی ؛ اور مثال کے طور پر اگر کسی ملک میں چہ ماہ تک بغیر دل چسپی کے کام کیا جائے تو آپ اندازہ لگاسکتے ھیں کہ اس ملک کا کتنا نقصان ہوگا۔

بعض ملکوں میں صدر مملکت کو یہ حق ہوتا ھے کہ چاھے وقتی طور پر ھی صحیح پارلیمنٹ کو منحل کردے، اور یھیں حکومت کا پارلیمنٹ میں دخالت کرنا ظاھر ہوتا ھے یہاں تک بعض مواقع پر تو پارلیمنٹ کو منحل کردیا جاتا ھے ظاھر سی بات ھے کہ اس طرح کی دخالتیں اختلاف ، جھگڑوں اور بعض حالات میں شدید بحرانی حالات پیدا ہونے کا باعث ہوجاتا ھے، اس کی علت یہ ھے کہ یا تو ان حکومتوں میں ان بحرانی حالات سے نپٹنے کے لئے کوئی راہ حل پیش نہیں ہوتا یا اگر وہ راہ حل پیش بھی کیا گیا ھے تو وہ اتنا زیادہ کار آمد نہیں ہوتا: مثلاً بعض حکومت میں صدر مملکت کے ہاتھوں میں حکومتی نظام نہیں ہوتا بلکہ صرف ایک تشریفاتی عھدہ ہوتا ھے (جیسا کہ خود ھندوستان میں ہوتا ھے) لیکن اگر ملک میں بحرانی حالات پیدا ہوجائیں تو پھر صدر ھی حکومتی امور کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ھے اور اس بحرانی کیفیت کو ختم کرتا ھے در حقیقت اپنا کردار بحرانی حالات میں نمایا کرتا ھے۔

5- ولایت فقیہ حکومت کو ہم آہنگ کرنے والی طاقت

قارئین کرام ! یہ بات معلوم ہوچکی ھے کہ اس وقت جبکہ بہت سے ممالک میں بحرانی حالات سے نپٹنے کے لئے بعض راہ حل پیش کئے گئے ھیں لیکن کوئی بھی ضروری طور پر کار آمد نہیں ھے ، اور ان قدرتوں کے درمیان ایک دوسرے میں دخالت کرنے والی جیسی برائی باقی ھے لیکن نظام ولایت فقیہ میں (کہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ھے کہ بعض خود غرض مؤلفین اور بے انصاف زر خرید اھل قلم (اس ولایت فقیہ کو بھی) ارتجاعی(قدیم زمانہ کی طرف لوٹانا) کے نام سے پھچنواتے ھیں) اس طرح کے اسباب فراہم ھیں تاکہ ملک میں بحرانی حالات سے نجات دے، اور نظام کو ہر ممکن پریشانی سے نجات مل جائے اور ملک کو کوئی نقصان نہ پہنچے ہمارے ملک میں بھی دوسرے ملکوں کی طرح قوہ مجریہ ھے جس میں صدر مملکت کو مرکزی حیثیت حاصل ھے اسی طرح پارلیمنٹ اورعدلیہ بھی ھے جو ایک دوسرے سے الگ اور مستقل ھے،لیکن یہ تمام (قدرتیں) اس ایک نظام کی قدرتیں ھیں، اور ایک دوسرے سے ربط رکھتے ھیں جو ایک مرکزی نقطہ کی طرف متوجہ ہوتے ھیں اور جو شخص اس نظام میں نقطہ مرکزی اور اصلی ہوتا ھے وہ قدرت کے بلند ترین مقام پر ہوتا ھے وہ ولی فقیہ ہوتا ھے جو تمام قدرتوں میں اتحاد اور وحدت ایجاد کرتا ھے۔

برخلاف دوسری حکومتوں میں کوئی ایسا محور نہیں پایا جاتا جو ان قدرتوں میں ہم آہنگی اور وحدت ایجاد کرے اور اگر

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ان حکومتوں میں کوئی ایسا راہ حل بھی پیش کیا گیا ہے تو وہ بہت ضعیف اور کمزور ہے، نظام ولایت فقیہ میں مذکورہ تینوں قدرتیں ایک مرکزی نقطہ (ولی فقیہ) کے زیر سرپرستی ہوتی ھیں در حالیکہ وہ بنیادی قانون کا بھی حافظ ہوتا ہے اور اسلامی احکام، اقدار اور انقلابی اہداف کا بھی محافظ اور نگہبان ہوتا ہے؛ اسی طرح مذکورہ تینوں قدرتوں کو متحد اور ہم آہنگ رکھتا ہے اور سبھی کو وحدت، دوستی اور ہمدلی کی دعوت دیتا ہے اور اختلافات سے محافظت کرتا ہے اگر اتفاقی طور پر ملک میں کوئی بحرانی صورت حال پیدا ہوگئی ہے تو یہی اختلافات کو دور کرکے ملک کو بحرانی صورت حال سے نجات عطا کرتا ہے۔
انقلاب اسلامی کے بعد سے بیس سال کے عرصہ میں چاھے حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ ہو یا مقام معظم رہبری حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کا زمانہ ہو؛ خواستہ یا نخواستہ معاشرہ میں اختلافات کی وجہ سے ملک میں متعدد بار بحرانی صورت حال پیدا ہونے والی تھی لیکن اگر (ولی فقیہ کی) حکیمانہ تدبیریں نہ ہوتیں تو واقعاً ملک کبھی کا بحران کی نذر ہوجاتا جیسا کہ آج کل ترکی، پاکستان، بنگلادیش اور افغانستان میں بحرانی صورت حال ہے الحمد للہ اس عظیم اور خدا داد نعمت کی برکت سے اور اس لطف ومہربانی اور اس محبت کی وجہ سے جو ان کے اور عوام الناس کے درمیان موجود ھے اس طرح کے بحرانی صورت حال سے نجات ملتی رہتی ہے۔

6۔ دوسری حکومتوں پر ولایت فقیہ نظام کے امتیازات

قارئین کرام ! یہاں پر ہمارا اپنی اس اسلامی حکومت کا دوسری ان ڈیموکریٹک حکومتوں سے مقائسہ (مقابلہ) کرنا مناسب ہے جو آج کل کی پیشرفتہ حکومتیں جانی جاتی ھیں؛ اس اسلامی حکومت کے دوسری حکومت کے مقابلہ میں امتیازات اور خصوصیات بیان کریں:

الف۔ اندورنی انسجام و یگا نگت

ہماری حکومت کا سب سے پہلا امتیاز اور خصوصیت اندورنی انسجام ووحدت ہے جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ تمام ڈیموکریٹک حکومتوں میں ڈیموکریسی کی سب سے بڑی پہچان قدرتوں میں استقلال اور ایک دوسرے میں دخالت نہ کرنا مانا جاتا ہے ہم نے ان حکومتوں کے کچھ اندرونی تعارض اور ٹکراؤ کو بیان کیا اور کہا کہ یہ اس وجہ سے ہے کہ مذکورہ قدرتوں کو ایک دوسرے میں دخالت نہیں کرنا چاھئے لیکن عملی میدان میں کوئی ایک بھی ایسا ملک نہیں ہے جس میں مذکورہ قدرتیں ایک دوسرے سے مکمل طور پر مستقل ہوں اور ایک دوسرے میندخالت نہ کرتی ہوں، اور قانونی طور پر قدرتوں کے لئے ایک دوسرے میں دخالت کا ذرا بھی اختیار نہ ہو ، غیر قانونی دخالت ، خلاف ورزیوں اور تحت فشار قرار دینے کے علاوہ؛ ہم عملی طور پر دیکھتے ھیں کہ (جب) قدرت ایک طاقت کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور اپنی تمام تر طاقت کے بل بوتہ پر دوسری طاقت کو تحت فشار قرار دیتی ہے جب پولیس اور فوجی طاقت؛ اسی مالی ،اقتصادی امکانات ،پورے ملک کا خرچ حکومت کے ہاتھ میں ہوتا ہے تو پھر دوسری قدرتیں اس سے متاثر ہوں گی اور صدر یا وزیر اعظم اگر اپنی قدرت سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاھتا ہے تو اس کے لئے آسان ہوجاتا ہے۔
پس معلوم ہوا کہ دنیا بھر کی تمام ڈیموکریسی حکومتوں میں ایک قسم کی تفرقہ اور نا ہماھنگی پائی جاتی ہے، لیکن ہماری حکومت میں در حالانکہ تینوں قدرتوں میں اتحاد اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور اپنے اپنے اختیارات میں مستقل ھیں اور ان کے درمیان ناہماھنگی اور تفرقہ بھی نہیں پایا جاتا؛ کیونکہ ہماری حکومت میں ایک ایسا وحدت بخش سبب (ولایت فقیہ) پایا جاتا ہے جو تینوں قدرتوں کی سرپرستی کرتا ہے، ان میں انسجام اور وحدت برقرار رکھتا ہے، اور اس نظام اور حکومت کا اصلی محور ہونے کی وجہ سے بحرانی صورت حال پیدا ہونے سے روکے رکھتا ہے یہاں تک کہ ہم نے متعدد بار دیکھا کہ کس طرح مقام معظم رہبری حضرت آیت العظمیٰ خامنہ ای مدظلہ العالی نے کس طریقہ سے مختلف عہدہ داروں کے درمیان ہونے والے اختلافات کا خاتمہ کیا ہے اور اگر کبھی بحرانی صورت حال پیدا ہونے کی راہ ہموار ہوبھی گئی ہے تو قانونی طور پر صدر جمہوری نے مقام معظم رہبری سے درخواست کی کہ اپنی قدرت کے ذریعہ اس بحران سے روک تھام فرمائیں، اور موصوف نے بہترین طریقہ سے بحرانی صورت حال پرکنٹرول فرمایا ہے ولی فقیہ اگرچہ براہ راست کسی بھی ایک قدرت کا عہدہ دار نہیں ہے لیکن تینوں قدرتوں کے عہدہ دار یا براہ راست اس کے ذریعہ نصب ہوتے ھیں یا بنیادی قانون کے مطابق یہی عوام الناس کی رائے کو نافذ کرتا ہے اور اسی کے نصب اورنافذ کرنے سے تینوں قدرتوں کے عہدہ داران مشروعیت پیدا کرتے ھیں۔

ب۔ روحی اور اندرونی نفاذ کی ضمانت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

دوسری حکومتوں پرھماری حکومت کا ایک امتیاز یہ ھے کہ عوام الناس کے درمیان روحی اور اندرونی نفاذ کی ضمانت ھے اور یہ چیز اسلامی حکومت کے قوانین اور مقررات کی اطاعت کرنے کی ذمہ داری کے احساس سے حاصل ھوتی ھے اس طرح کی ضمانت اور کنٹرول دوسری حکومتوں میں موجود نھیں ھے اور تقریباً تمام ھی حکومتوں میں طاقت کے زور پر قوانین کو نافذ کیا جاتا ھے اور جھاں پر عوام الناس میں آزادی کا احساس ھوجائے یا وہ کنٹرول وغیرہ کم ھوجائے تو پھر اس پر عمل کرنے سے گریز کرتے ھیں۔

آپ حضرات نے مکرر سنا ھوگا کہ یورپی ممالک میں قوانین کی رعایت بھت زیادہ کی جاتی ھے، مغربی اور یورپی ممالک میں عوام الناس آٹومیٹک طریقہ سے قوانین اور مقررات کی رعایت کرتے ھیں اور ٹیکس وغیرہ ادا کرتے ھیں اور اس طرح کا یہ ظاھری نظم وانضباط اس ترقی یافتہ حکومت کے کنٹرول کی وجہ سے ھوتا ھے کہ جس کی بنا پر عوام الناس قوانین کی رعایت کرتے ھیں اور مالیات اور ٹیکس وغیرہ ادا کرتے ھیں اور بھت ھی کم لوگ قوانین کی خلاف ورزی کرتے ھوئے نظر آتے ھیں وھاں پر ٹیکس وغیرہ حاصل کرنے کا سسٹم چند صدیوں سے چلا آرھا ھے خصوصاً اس نصف صدی میں خاصا تجربہ ھوا ھے اور کمپیوٹر وغیرہ کے ذریعہ بھترین سسٹم بنایا گیا ھے اور اسی بنا پر مختلف طریقوں سے ٹیکس وغیرہ حاصل کیا جاتا ھے اورعام طور پر عوام الناس آسانی سے ٹیکس ادا کرتے ھیں لیکن بڑی بڑی کمپنیاں جو حکومتی ملازمین سے ساز باز کئے رھتے ھینوہ ٹیکس نہ ادا کرنے کی کوشش کیا کرتے ھیں۔

قارئین کرام ! ھم یھاں پر، جو لوگ مغربی کلچر کے عاشق ھیں اور وھاں کے نظم ومدنیت کا شور مچاتے ھیں ، ان کی خدمت مینیہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ھیں : مغربی ممالک کی بھت سی مدح اور تعریفیں صرف ایک نعرہ سے ھوتی ھیں جن میں حقیقت اور واقعیت نھیں ھوا کرتی مثال کے طور پر یہ کھا جاتا ھے کہ مغربی ممالک میں ڈرائیور قوانین کی بھر پور رعایت کرتے ھیں اور بھترین طور پر نظم وانضباط کا مظاھرہ کرتے ھیں؛ جبکہ یہ صرف ایک دعویٰ ھے ، ھم یھاں پر مذکورہ دعویٰ کو باطل کرنے کے لئے ایک نمونہ پیش کرتے ھیں: ھم امریکہ کی ”فیلڈفیا یونیورسٹی“ کی طرف سے ایک تقریر کے لئے مدعو ھوئے اور جب ھم ”نیویورک“ سے ”فیلڈفیا “ کی طرف چلے تو راستہ میں مختلف شھروں کا دیدار کیا اسی راستے میں ھم نے دیکھا کہ گاڑی کا ڈرائیور اپنی گاڑی کے آگے کوئی چھوٹی سی مشین رکھتا ھے اور کچھ دیر بعد اس کو گاڑی کے داش بورڈ "Dash board" میں رکہ دیتا ھے اور کچھ دیر بعد پھر اسی طرح کرتاھے، ھمارے ذھن میں سوال پیدا ھوا کہ اس سے معلوم کریں کہ یہ کس لئے ھے؟

تو اس نے بتایا کہ امریکہ میں 90 میل فی ساعت کی رفتار سے زیادہ گاڑی چلانا ممنوع ھے اور پولیس نے خلاف ورزی سے روک تھام کے لئے سڑک پر ”راڈار“ لگا دئے ھینجن کے ذریعہ سے جو لوگ غیر مجازرفتار سے زیادہ گاڑی چلاتے ھیں ان کو پکڑکر جرمانہ لگائے اس کے علاوہ خود بھی سڑک کے کنارے کمین لگائے بیٹھے رھتے ھیں تاکہ خلاف ورزی کرنے والوں پر جریمہ لگاسکے اورچونکہ گاڑیوں کی رفتار پولیس کے ذریعہ نصب شدہ راڈار کے ذریعہ کنٹرول ھوتی ھیں اسی وجہ سے بعض ماھرین نے ایسی مشین بنائی ھے جو اس راڈار کو اندھا کردیتی ھیں اور اس وقت یہ مشین بازار میں آسانی کے ساتھ خرید و فروخت ھوتی ھے اسی وجہ سے راستہ میں پولیس لگی ھوئی ھوتی ھے تاکہ جو اس مشین کے ذریعہ ان کے راڈار کو اندھا کرکے بھت زیادہ رفتار سے گاڑی چلاتے ھیں ان کو روک کر جرمانہ لگاسکے ، لھٰذا اس مشین کے لگانے کے بعد کسی بھی رفتار سے گاڑی چلاسکتے ھیں اورجب پولیس کے چک پوسٹ سے نزدیک ھوتے ھیں اس کو اتار کر چھپا دیتے ھیں اور پھر دوبارہ اس کو لگادیتے ھیں!

قارئین کرام ! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ لوگ قوانین پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے اور قوانین کے محافظ پولیس کے کنٹرول کو بے اثر کرنے کے لئے ایک مشین ایجاد کرتے ھیں تاکہ پولیس کے راڈار کو اندھا کردیں اور اس مشین کو امریکی بازاوں میں کافی مقدار میں خرید و فروخت کرتے ھیں اس وقت ھم یہ خیال کرتے ھیں کہ امریکہ میں ایسا ترقی یافتہ کلچر ھے جس کی بنا پر عوام الناس اپنی مرضی اور رغبت سے قوانین پر عمل کرتے ھیں اور وھاں بھترین نظم و انضباط برقرار ھے وارداتیں وھاں پر جو مختلف ھوتی رھتی ھیں اس کی خبر ھم تک پھنچتی رھتی ھیں جو خود ایک بڑا تفصیلی پھلو رکھتی ھے ھمارے ایک دوست جو چند سال امریکہ میں رہ کر ایران واپس آئے ، انھوں نے ھم سے بیان کیا کہ امریکہ کا کوئی بھی کالج ایسا نھیں ھے جس میں پولیس نہ ھو اس کے بعد بھی ھر روز وھاں پر قتل وغارت ھوتا رھتا ھے، مثلاً ایک اسٹوڈینٹ اسلحہ کے ذریعہ اپنے استاد یا ھم کلاسیوں کی طرف گولی چلاتا ھے اور ان کو قتل کردیتا ھے!! یہ ھے وھاں کا نظم اور انضباط!!

جی ھاں! مغربی ممالک مینقوانین پر اگرعمل ھوتا ھے تو وہ جرمانہ اور قید کے خوف کی وجہ سے ھوتا ھے اور اگر ان کو اس چیز کا خوف نہ ھو اور اس سے کسی بھی طریقہ سے محافظین کے کنٹرول کو بے اثر کرسکتے ھوں تو پھر قوانین کی خلاف ورزی کرنے میں ذرا بھی جھجھک نھیں ھوتی۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لیکن ھماری اس اسلامی حکومت میں بیرونی کنٹرول کرنے والے اسباب جیسے جرمانہ اور جیل؛ کے علاوہ اندرونی مھم سبب بھی موجود ھے کہ اگر اس کو اور مزید تقویت پھنچائی جائے تو پھر معاشرہ کی بھت سی اجتماعی مشکلات حل ھوجائیں گی اور وہ سبب خود ان کے اندر قوانین پر عمل کرنے کا رجحان موجود ھے، اور اس کی وجہ ان کا اسلامی حکومت کے قوانین پرعمل کرنے کے ایمان کی وجہ سے ھے، درحققت عوام الناس حکومتی قوانین پر عمل کرنا اپنا شرعی وظیفہ سمجھتے ھیں اور یہ ظاھر سی بات ھے کہ اگر ھمارے ملک میں اسلامی حکومت نہ ھوتی اور حضرت امام خمینی (رہ) جیسے رھبر اور مرجع تقلید نے نہ فرمایا ھوتا کہ اسلامی حکومت کے قوانین پر عمل کرنا شرعاً واجب ھے، تو پھر عوام الناس جرمانہ اور دوسری سزاؤں سے بچنے کے لئے قوانین پر عمل کیا کرتے۔
آج اسلامی انقلاب کے طرفدار اور متدین افراد ولی امر مسلمین کی اطاعت کی وجہ سے اسلامی حکومت کے قوانین پر عمل کرتے ھیں؛ اگرچہ بعض موارد میں وہ جانتے ھیں کہ یہ قوانین ھمارے نقصان میں ھیں لھٰذا یہ اندرونی اور معنوی سبب جو ان کے ایمان کی وجہ سے ھے؛ ایک بڑا سبب ھے تاکہ خود عوام الناس قوانین کے پابند رھیں، لھٰذا ایسا بھترین اور مھم سبب ھمارے معاشرہ میں موجود ھے لیکن ھم اس کی قدر نھیں کرتے اسی طرح عوام الناس کو حکومتی قوانین کا پابند بنانے میں دوسرا سبب یہ ھے کہ عوام الناس اسلامی حکومت کے قوانین کو خدا کی خوشنودی کا سبب جانے جس کی بنا پر وہ شرعی وظیفہ سمجھتے ھوئے ان پر عمل کریں اور ان سے خلاف ورزی کو خدائی عذاب سبب شمار کریں اگرچہ ھم اس چیز کا انکار نھیں کرتے کہ ھمارے معاشرہ میں قوانین کی خلاف ورزی ھوتی، لیکن یہ خلاف ورزی؛ قوانین پر عمل کرنے کے مقابلہ میں بھت کم ھیں؛ اور اگر قانون پر عمل ھونے کی نسبت؛ خلاف وزیوں کی تعداد زیادہ ھوتی تو ھمارا یہ نظام کبھی کا ختم ھوگیا ھوتا۔

ج۔ مقام رھبری میں شائستگی اور تقویٰ کے عالی ترین درجات کا ھونا
دوسری حکومتوں پر ھماری حکومت کا تیسرا امتیاز یہ ھے کہ مقام معظم رھبری کو تقویٰ ، اخلاقی شائستگی اور عظمت کے بلند ترین درجات پر فائز ھونا ضروری ھے؛ کیونکہ یہ ذات پیغمبر اور امام زمانہ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کا جانشین ھوتا ھے اور عوام الناس اس کو امام زمانہ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کی تجلی اور ان کا ایک پرتو سمجھتے ھیں، اسی وجہ سے وہ محبت اور لگاؤ جو پیغمبر اکرم (ص) اور امام زمانہ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) سے رکھتے ھیں اسی کے مشابہ (مقام معظم رھبری) سے بھی محبت اور لگاؤ رکھتے ھیں اگرچہ مقام معظم رھبری سب سے عظیم عھدہ پر فائز ھیں اور سب سے زیادہ قدرت بھی رکھتے ھیں، لیکن اگر (خدا نخواستہ) ان سے کوئی خلاف وزی یا ایسا گناہ جو باعث فسق اور عدالت کے خاتمہ کا باعث ھوجائے تو خود بخود ولایت مسلمین کے عھدہ سے معزول ھوجائیں گے اور کسی عدالت میں جانے یا جرم کو ثابت کرنے اور اس کو معزول کرنے کی ضرورت بھی نھیں ھوگی، العیاذ باللہ جرم کے مرتکب ھوتے ھی عدالت ساقط ھوجائے گی اور خود بخود اس عھدہ سے معزول ھوجائیں گے، اور ”مجلس خبرگان“ان کی رھبری کی صلاحیت نہ ھونے کا اعلان کرے گی، ان کو معزول نھیں کرے گی؛ کیونکہ عدالت ختم ھوتے ھی عزل حاصل ھوجائے گا!۔
دنیا بھر کے کسی بھی ملک میں بڑے عھدوں پر فائز افراد اتنی اخلاقی صلاحیت اور شائستگی نھیں رکھتے جس قدر ھمارے مالک میں مقام معظم رھبری ھے، یھاں تک کہ بعض ممالک کے رھبروں کا حال یہ ھے کہ وہ سر سے پیر تک اخلاقی فساد میں آلودہ ھوتے ھیں: وہ امریکہ جس کو تمدن کا ترقی یافتہ نمونہ کھا جاتا ھے اس کے صدر پر اخلاقی اور جنسی تعلقات میں ملوث ھونے کا الزام لگایا جاتا ھے اور اس کے خلاف بھت سے گواہ بھی مل جاتے ھیں اور وہ خود بھی اس چیز کا اعتراف کرتا ھے لیکن جب اس کے خلاف پارلیمنٹ میں عدم اعتماد کا مسئلہ پیش آتا ھے تو اکثر ممبر آف پارلیمنٹ نے اس عدم اعتماد پر ووٹ نھیں دئے اور وہ کمافی السابق صدرات کے عھدہ پر باقی رہ جاتا ھے اور اس کے لئے کوئی بھی مشکل پیش نھیں آتی تمام لوگ سمجھ جاتے ھیں کہ وہ فاسد ھے لیکن سیاسی ھتھ کنڈونکی وجہ سے عدم اعتماد کے ایک یا دو ووٹ کم رہ گئے اور وہ فاسد صدر اپنے عھدہ پر باقی رھا!! چنانچہ اسی طرح کی بھت سی دوسری مثالیں موجود ھیں اور خلاف ورزی کرنے والے افراد یھاں تک کہ ان کو عدلیہ نے محکوم بھی کیا ھے لیکن سیاسی حربوں کی بنا پر وہ اپنے عھدہ پر باقی رھتے ھیں اوران کا دوسرے انتخابات میں کامیاب ھوجانے کا امکان ھوتا ھے۔
لھٰذا اسلامی نظریہ کے مطابق اگر مقام معظم رھبری میں بھی کوئی ایک ضروری شرط موجود نہ رھے یا کوئی جرم سرزد ھوجائے تو اپنے عھدہ سے خود بخود معزول ھوجائیں گے، کیونکہ صرف ایک گناہ کے مرتکب ھونے سے عدالت ختم ھوجاتی ھے اور وہ فاسق ھوجاتا ھے، جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی رھبری کرنے کی صلاحیت بھی ختم ھوجاتی ھے؛ اس کے بعد اس کے جرم کو ثابت کرنے یا عدالت میں جانے یا خبرگان کی رائے کی ضرورت نھیں ھوتی پس معلوم یہ ھوا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کہ دنیا بھر کے کسی بھی ملک میں ملکی عھدہ داروں خصوصاً بڑے عھدہ دار یعنی رھبری کے لئے اتنی سختی نھیں ھے۔

د۔ انسانی معنوی اور واقعی مصالح کی رعایت

آخر میں دوسری حکومتوں پر ھماری حکومت کا مھم امتیاز انسانیت کے معنوی مصالح کی رعایت کرنا ھے: ھم ایک مسلمان ھونے کے لحاظ سے یہ عقیدہ رکھتے ھیں کہ خداوندعالم دوسروں سے زیادہ انسان کے مصالح اور منافع کو جانتا ھے اور ھم انھیں مصالح کو انسانی معاشرہ میں رائج کرنا چاھتے ھیں جن کو خداوندعالم نے بیان کیا ھے، اور یہ مقصد خداندعالم کے بنائے دینی قوانین پر عمل کرنے کے علاوہ پورا نھیں ھوسکتا روئے زمین پر صرف ایک جمھوری اسلامی ایران ایک ایسا ملک ھے جس کے بنیادی قانون کے چوتھے بند میں یہ بیان ھے کہ ملک کے تمام قوانین اور مقررات کو اسلامی اصول وقواعد کے تحت طے کرکے نافذ کیا جانا چاھئے یھاں تک کہ اگر کوئی قانون دلیل شرعی کے عموم واطلاق کے برخلاف ھوگا تو اس کو معتبر نھیں سمجھا جائے گا اس بنا پر وہ ملک جس میں انسان کے واقعی مصالح ومنافع پورے ھوتے ھیں وہ ھمارا ھی ملک ھے۔

سب لوگوں کو یہ بات معلوم ھے کہ یہ ھمارا نظام اور اس کے تمام نتائج؛ صرف عوام الناس کی قربانیوں اور شھداء کے خون کی برکتوں (منجملہ" شھداء ھفت تیر") سے وجود میں آئے ھیںاور انھوں نے اس انقلاب کی خاطر اپنی جان اور خون کی قربانی پیش کرکے ھمارے لئے عزت، سربلندی اور بلند ترین اقدار کا سامان فراھم کیا ھے لھٰذا ھمیں (ھر وقت) بیدار رھنا چاھئے کھیں ایسا نہ ھو کہ ھم ان عظیم اقدار کو مفت میں بیچ ڈالیں آج کل بھت سی سازشیں چل رھی ھیں جن کی بنا پر اصل اسلام، ولایت فقیہ اور اسلامی حکومت کے قوانین پر اعتراضات کئے جاتے ھیں چونکہ یہ ارزشیں اور اقدار ان کی آنکھوں کاکانٹا بنا ھوا ھے جس کو صاف کرنے کے لئے ھر ممکن کوشش کرتے ھیں اور اپنی تمام خراب کاری کوششوں کو انھیں چند اصلی نقطوں پر صرف کردیتے ھیںتاکہ مختلف طریقوں اور مکاریوں سے ان پر حملہ کریں اور نقصان پھنچائیں۔

کبھی کبھی تقریروں، مقالوں اوربعض کثیر الانتشار اخباروں میں اصل اسلام اور اسلامی احکام پر اعتراض کیا جاتا ھے، اور کھا جاتا ھے کہ آج وہ زمانہ گذر چکا ھے جب لوگوں کو حلال اور حرام کی باتیں بتائی جائیں لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ خود تصمیم گیری کریں اور اپنی مرضی سے انتخاب کریں!! یا متعدد بار دیکھنے میں آیا ھے کہ ولایت فقیہ کی شان میں گستاخی، جسارت اور توھین کرتے ھیں کہ اگر ھمارے عھدہ داروں کے سینہ میں ثقافتی کشادہ دلی نہ ھو تو قانونی طور پر ان کو سزا ملنا چاھئے لیکن یہ حضرات اپنی بزرگی کا احساس نھیں کرتے اور ان کے خلاف کوئی قدم نھیں اٹھاتا لیکن ھماری ایک انقلابی اور امام خمینی (رہ)اور مقام معظم رھبری (حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای مدظلہ العالی) کے پیرو کار ھونے کے لحاظ سے یہ ذمہ داری بنتی ھے کہ ھم اس طرح کی جسارت کرنے والوں کو اس طرح کی گستاخیوں کا مزہ چکھادیں اور شریعت مقدس اسلام اور تشیع، اور اسلامی اقدار جن کی وجہ سے دنیا وآخرت کی کامیابی ھے جو آسانی سے حاصل نھیں ھوتیں ان کو سیاسی مکاروں کے چور باز ار میں کم سے کم قیمت میں بیچ ڈالیں جن کی بنا پر ذلت، خدا ورسول اور فرشتوں ، مومنین اور آئندہ آنے والی نسلوں کی لعنت کے مستحق قرار پائیں ، خدا کرے کہ وہ وقت نہ آئے۔

حوالے:

(1) سورہ حج آیت 78
(2) سورہ بقرہ آیت 185
(3) (سورہ بقرہ آیت 185) ترجمہ: ("لھٰذا جو شخص اس ماہ میں حاضر رھے اس کا فرض ھے کہ روزہ رکھے (لیکن) جو مریض یا مسافر ھو وہ اتنے ھی دن دوسرے زمانہ میں روزہ رکھے خدا تمھارے لئے آسانی چاھتا ھے زحمت نھیں چاھتا " (اضافہ، مترجم)

اسلام اور سیاست جلد(2)

پینتیسواں جلسہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قوانین اور حکومت سے آزادی کی نسبت

1۔ حاکم کا نصب کرنا آزادی اور ڈیموکریسی سے مطابقت نہیں رکھتا۔ (ایک اعتراض)
ہم نے گذشتہ جلسوں میں عرض کیا کہ قوانین کو براہ راست خداوندعالم بنائے یا اس کی اجازت اور اذن سے بنائے جائیں، اسی طرح قوانین کو جاری کرنے والا شخص بھی یا براہ راست خداوندعالم کی طرف سے معین ہو یا خداوندعالم کی طرف سے اذن یافتہ ہو؛ بھرحال نظام حکومتی (چاھے قوہ مجریہ ہو، یا قوہ قضائیہ ہو یا پارلیمنٹ) خداکے اذن کی طرف مستند ہوں اس کے علاوہ دینی اور شرعی لحاظ سے اس کی مشروعیت نہیں ہوگی ہم نے گذشتہ بحثوں میں قانون گذاری اور قانون کو جاری کرنے کے سلسلہ میں بھت سے اعتراضات کو بیان کرکے ان کے جوابات پیش کئے قانون گذاری کے سلسلہ میں ایک اعتراض یہ تھا کہ عوام الناس کا خداوندعالم کے قوانین کا پابند ہونے کا مطلب انسانی آزادی اور انسان کے اپنے اختیار کے مخالف ھے؛ اور ھم اس کا جواب قانون گذاری کی بحث میںدے چکے ھیں اسی کے مثل بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت لھجہ سے قوانین کو جاری کرنے کے سلسلہ میں بھی ہوتا ھے؛ اور وہ یہ ھے کہ اگر ھم یہ مان لیں کہ قانون کا جاری کرنے والا خدا وندعالم کی طرف سے معین ہونا چاھئے یا اس کی طرف سے اذن یافتہ ہو، تو اس صورت میں عوام الناس سے حق انتخاب کو چھین لیا ھے اور عوام الناس کو اس چیز کی اجازت نہیں ھے کہ خدا کے فرمان اور اس کے معین کردہ کے خلاف اپنی مرضی سے کسی کا انتخاب کریں؛ اور یہ بات در حقیقت ڈیموکریٹک کے خلاف ھے۔
قارئین کرام ! اگرچہ گذشتہ بحثوں میں ھم اس اعتراض کا جواب عرض کر چکے ھیں لیکن چونکہ اسلامی نظام کے مخالف بلکہ در حقیقت اسلام کے مخالفین اس طرح کے اعتراض مسلسل کئے جارھے ھیں اور مختلف صورتوں میں اس طرح کے شبھات اور اعتراضات بیان کررھے ھیں، اس وجہ سے ھم اس سلسلہ میں مزید وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ھیں پھلے آزدای کے سلسلہ میں کچھ چیزیں بیان کریں گے اس کے بعد اسلامی حکومت کی تشکیل کا طریقہ کار اور قوانین اسلامی کو جاری کرنے کا طریقہ بیان کریں گے۔

2۔ تکوینی آزادی اور نظریہ جبر کی تحقیق اور ردّ
ھمارے سامنے آزادی کا مسئلہ ھے جس کو اصطلاح میں تکوینی آزادی کھا جاتا ھے جس کے مقابلہ میں نظریہ جبر ھے جس کو بعض دانشمندوں نے بیان کیا ھے قدیم زمانہ سے انسان کے سلسلہ میں یہ اختلاف چلا آرھا ھے کہ وہ مختار ھے یا مجبور بعض لوگوں کا کھنا ھے کہ انسان مجبور ھے اور اپنی زندگی میں ذرا بھی اختیار نہیں رکھتا اور اگر کوئی انسان یہ تصور کرے کہ وہ اپنے ارادہ سے اپنے امور انجام دیتا ھے تو یہ اس کا خیال خام کے علاوہ کچھ نہیں ھے انسان در حقیقت مجبور ھے وہ جو بھی کام کرتا ھے مجبوراً اور فشار کے تحت انجام دیتا ھے؛ اگرچہ وہ خود اس چیز کا احساس نہ کرتا ہو۔
ھمیشہ اس نظریہ جبر کے طرفدار لوگ پائے گئے ھیں اور بعض اسلامی علماء نے بھی اس نظریہ کی طرفدار ی کی ھے اسلامی فرقوں میں "فرقہ اشاعرہ" (جو اھل سنت کا ایک کلامی فرقہ ھے) جبر کا اعتقاد رکھتا ھے؛ البتہ اتنی شدت اور غلظت سے نہیں جتنے دوسرے مانتے ھیں لیکن ھمارے اور اکثر مسلمانوں کے لحاظ سے یہ نظریہ باطل اور مردود ھے، چاھے انسان اپنے اعمال وافعال میں اپنے کو صاحب اختیار اور آزاد تصور کرے اور اگر صرف جبر انسان کے اوپر حاکم ہوتا تو پھر اخلاقی، تربیتی اور حکومتی نظام کی کوئی ضرورت باقی نہ بچتی۔
اخلاقی اور تربیتی سلسلہ میں اگر انسان نیک یا برے کام پر مجبور ہوتا اور اس کا کوئی اختیار ان چیزوں پر نہ ہوتا تو پھر اس کے نیک کاموں پر اس کی تعریف اور تمجید کوئی معنی نہیں رکھتی اور نہ ھی اس کے لئے کوئی جزا یا انعام کی ضرورت ھے، اسی طرح اگر انسان مجبور ہوتا تو برے کاموں پر اس کی مذمت اور سرزنش بھی نہیں ہونا چاھئے،اگر کوئی بچہ اپنے کسی فعل میں مجبور ہو تو پھر اس کی تربیت لا حاصل ھے اور اس کے اخلاقی کردار کو سنوارنے کے لئے برنامہ ریزی کی کوئی ضرورت نہیں ھے جس وقت معلم اور مربیّ ؛ بچے اور شاگرد سب ھی اپنے کردار میں مجبور ہوں تو پھر استاد بچے سے یہ نہیں کھہ سکتا کہ فلاں کام انجام دو یا فلاں کام نہ کرو اسی طرح حقوقی، سیاسی اور اقتصادی مسائل میں جو نصیحتیں کی ھیں ان کا مطلب یہ ھے کہ انسان اپنے اعمال اور افعال میں مختار اور آزاد ھے۔
جب انسان اپنے افعال اور اعمال کے کرنے یا نہ کرنے میں آزاد ہو تو اسی وقت اس کو یہ کھنا درست ھے کہ اس کام کو انجام دے اور اس کام سے پرھیز کرے، لیکن اگر انسان مجبور ہو اور اپنے کاموں کو انتخاب کرنے کا اختیار نہ ہو تو اس کے یہ کھنے کا کوئی مطلب نہیں ھے کہ اس کام کو کرے یا اس کام کو انجام نہ دے۔
یہ آزادی اور اختیار جس کو سبھی سمجھتے ھیں یہ ایک "تکوینی امر" ھے اور "نظریہ جبر" کے مقابلہ میں ھے،اور یہ

اختیار اور آزادی خدا داد نعمت ھے جو انسان کی خصوصیات میں سے ھے اور اسی کی بنا پرانسان دوسری موجودات پر فضیلت اور برتری رکھتا ھے وہ تمام موجودات جن کا ھم علم رکھتے ھیں ان میں صرف انسان ھی ایک ایسی مخلوق ھے جو مختلف نظریات بلکہ بعض اوقات متضاد (ایک دوسرے سے ٹکرانے والی) نظریات میں سے کسی ایک کو انتخاب کرنے کی صلاحیت رکھتا ھے، اور وہ اپنے خواھشات کا جواب دینے میں مکمل طریقہ سے صاحب اختیار اور آزاد ھے چاھے وہ خواھشات ”حیوانی خواھشات“ ھوں یا وہ خواھشات ”الٰھی اور معنوی“ خواھشات ھوں بے شک خداوندعالم نے اس انسان کو اپنی اس نعمت سے نوازا ھے تاکہ وہ اپنے اختیار اور انتخاب سے راہ حق یا راہ باطل کا انتخاب کرے، اور انسان کا یھی وہ امتیاز ھے جو دوسری تمام مخلوقات یھاں تک کہ فرشتوں پر رکھتا ھے یھی قدرت انتخاب ھے اگر اس نے اس قدرت کا صحیح استعمال کیا اور الٰھی احکام کا انتخاب کیا اور حیوانی خواھشات کو ترک کیا تووہ کمال کے اس درجہ پر پہنچ جائے گا کہ اس کے سامنے فرشتے خضوع وخشوع کرتے ھوئے نظر آئیں۔

البتہ انسان کے پاس یہ آزادی کا ھونا ایک تکوینی مسئلہ ھے اور آج تقریباً کوئی ایسا نھیں ھے جو اس پر اعتقاد نہ رکھے اور اپنے کو سو فی صد مجبور سمجھے، اور اپنے لئے ذرا بھی آزادی نہ سمجھے ، قرآن مجید نے اس مسئلہ کے واضح ھونے پر زور دیا ھے:

(وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُر)(1)

”(اے رسول)تم کھہ دو کہ سچی آیات (کلمہ توحید)تمھارے پروردگار کی طرف سے (نازل ھو چکی)ھے بس جو چاھے مانے اور جو چاھے نہ مانے “

(إِنَّا هَدَيْنَاه السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا)(2)

”اور اس کو راستہ بھی دکھادیا(اب وہ)خواہ شکر گزار ھو یا نا شکرا “

سیکڑوں آیات بلکہ پورا قرآن انسان کے مختار ھونے پر تاکید کرتا ھے، کیونکہ قرآن مجید انسان کی ھدایت کے لئے ھے اور اگر انسان مجبور ھوتا اور اس کی ھدایت جبر کے تحت ھوتی اسی طرح اس کی گمراھی بھی جبر کے تحت ھوتی توپھر انسان کے لئے ھدایت کو اختیار کرنے کا کوئی مقصد نھیں تھا اور اس صورت میں قرآن کریم بے فائدہ اور بے اثر ھوجاتا۔

اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ ھماری گفتگو تکوینی آزادی کے بارے میں نھیں ھے کیونکہ اس میں کسی کو بھی کوئی شک وشبھہ نھیں ھے ا ور اس کی بحث کامقام فلسفہ اور علم کلام ھے ، حقوق اور سیاست میں یہ بحث نھیں کی جاتی۔

3۔ معنوی اور اندورنی اقدار کا آزادی سے کوئی ٹکراؤ نھیں

قارئین کرام ! یھاں پر ایک ضروری گفتگو یہ ھے کہ ھر انسان کے پاس ایک اندرونی طاقت ھوتی ھے جو انسان کے اعمال اور کردار کے لئے دائرہ معین کرتی ھے، اور ایک اصطلاح کے مطابق انسان ایک ارزشی اور اقداری مشین رکھتا ھے جس کی بنا پر ھر انسان یہ طے کرسکتا ھے کہ اس کواخلاقی طور پر کون سے کام انجام دینا چاھئے اور کن چیزوں کو ترک کرنا چاھئے،جن کے طے کرنے کے بعد مخصوص کاموں کو انجام دیتا ھے اور کچھ چیزوں کو ترک کرتا ھے ھمیں کسی ایسے معاشرہ کا علم نھیں ھے جس میں”باید ھا اور نباید ھا“ (کرنا چاھئے اور نہ کرنا چاھئے) نہ ھوں ، اور اچھے کاموں کو بُرا اور برے کاموں کو اچھا سمجھتا ھو۔

چنانچہ انسانی اسی اچھے اور برے کاموں کو سمجھنے والی اندرونی طاقت کو ”عقل عملی“ یا”وجدان“ کھا جاتا ھے جو انسان کو عقلی اور اخلاقی رفتار وگفتار کی ھدایت کرتی ھے، اور یھی وہ طاقت ھے جو ھمیشہ سے تمام انسانوں کے پاس رھی ھے، جس کی بنا پر انسانیت کے لئے ایک راھنما کا کام کرتی ھے ھر انسان کی ”عقل عملی“ یا”وجدان“ اس بات کو سمجھتی ھے کہ عدل، امانت داری اور سچائی نیک کام ھیں، لٰھذا ان پر عمل کرنا چاھئے اسی طرح ھر انسان کی ”عقل عملی“ یا”وجدان“ ظلم اور ستم کو بُرا سمجھتی ھے اور ظلم نہ کرنے کا حکم دیتی ھے، خصوصاً جبکہ اگر کسی ایسے شخص پر ظلم و ستم کرے جو اپنے دفاع پر بھی قادرنہ ھو اسی طرح انسانی عقل جھوٹ اور خیانت کو بُرے کاموں میں سے شمار کرتی ھے اور اس سے دوری کرنے کا حکم دیتی ھے۔

لٰھذا معلوم ھوا کہ انسان کے پاس ایک اندرونی اور باطنی ایسی طاقت ھے جو انسان کے لئے ھر حال میں اقداری مشین کا کام کرتی ھے جس کی بنا پر اچھے اور برے کاموں کی شناخت ھوجاتی ھے، اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ تمام ھی انسان عدالت اور صداقت کو نیک کام شمار کرتے ھیں اور کوئی بھی انسان صداقت کو بُرا نھیں سمجھتا اسی طرح تمام ھی انسان اس بات پر عقیدہ رکھتے ھیں کہ ظلم اور جھوٹ برے کام ھیں اور آپ کو کوئی بھی ایسا شخص نھیں مل سکتا جو ان کو اچھا سمجھتا ھو بےشک انسانی اقدار کو معین کرنے والی یہ طاقت اپنے فیصلہ میں مستقل اور آزاد ھوتی ھے اور کسی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

باھری طاقت کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، اور صرف اپنے نظریہ کے مطابق حکم کرتی ھے۔
انسانی عقل و وجدان کے ذریعہ بیان شدہ باید ها و نباید ها (کرنا چاھئے اور نہ کرنا چاھئے) یا امر و نہی کی ماہیت اور حقیقت کی تحقیق وجائزہ (کہ امر ونہی صرف اس کی تشخیص اور درک کی وجہ سے ہوتا ھے یا انسان کے اندر کوئی طاقت ایسی ہوتی ھے جو اس کو امر ونہی کرتی ھے) اخلاقی فلسفہ سے متعلق ھے جو ھمارا موضوع گفتگو نہیں ھے لیکن ھماری عقل کا یہ طے کرنا کہ کون سے کام نیک ھیں اور کون سے کام بُرے؟ یہ ایک طرح سے ھمارے لئے لازمی احکام صادر کرتی ھے جس کی بنا پر ھماری قدرتی آزدای محدود ہوجاتی ھے، یعنی خود ھماری عقل اور وجدان ھمیں حکم دیتی ھے کہ اپنی کچھ آزادی سے فائدہ نہ اٹھاؤ: (مثلاً) ھم دوسروں پر ظلم کرسکتے ھیں لیکن ھماری عقل کہتی ھے کہ کسی پر بھی ظلم نہ کرو، بلکہ عدالت کو برقرار رکھو، اسی طرح ھم جھوٹ بول سکتے ھیں لیکن ھماری عقل یہ حکم کرتی ھے کہ جھوٹ نہ بولو بلکہ صداقت سے کام لو ھماری عقل اس بات کاحکم کرتی ھے کہ اگرچہ تم امانت میں خیانت کرسکتے ہو لیکن (کسی بھی چیز میں) خیانت نہ کرو ، لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ انسانی عقل عملی اور اس کا وجدان انسان کی خصوصیت میں اور ان اسباب میں سے ھے جو ھماری آزادی کو محدود کرتی ھے،اور اگر کسی شخص میں ایسی طاقت وقدرت موجود نہ ہو اور اپنے لئے اچھے اور برے کی پہچان نہ کرسکتا ہو تو گویا وہ عقل سے بے بھرہ ھے اور اس کو دیوانہ کہا جائے گا۔
اب جبکہ انسانی عقل اس اپنی رفتار و گفتار کو محدود بنادیتی ھے اور انسان اس کام کو اپنے عقل اور وجدان کی طرف نسبت دیتا ھے لیکن کوئی بھی اس کو آزادی کا مخالف قرار نہیں دیتا یہ کوئی کہتا ہوا نظر نہیں آتا کہ ھماری عقل نے امر ونہی کے ذریعہ سے ھماری آزدای کو محدود کردیا ھے جب حقیقت یہ ھے کہ انسان اپنی اس اندورنی طاقت کی پیروی کرتے ہوئے اپنی آزادی کو محدود کرلیتا ھے جو خود اسی کی عقل کے تحت ہوتی ھیں اور باھر سے کوئی چیز سبب بھی نہیں ہوتی کیونکہ انسانی عقل کے ذریعہ انسان کی رفتار و گفتار کا محدود ہونا بالکل اس ڈاکٹر کی طرح ھے جو ھم سے (مریض ہونے کی صورت میں)یہ کہتا ھے کہ فلاں چیز نہ کھانا کیونکہ وہ تمھارے لئے نقصان دہ ھیں، اور فلاں دوائی استعمال کرو کیونکہ تم اس سے ٹھیک ہوجاؤ گے اس صورت میں نہ صرف یہ کہ انسان ڈاکٹر کے حکم اور پرھیز بتانے سے ناراحت نہیں ہوتا بلکہ اس کو خوشی بھی ہوتی ھے اور اس کے حکم کو اپنی صحت یابی کے لئے راھنمائی اور ہدایت سمجھتا ھے در حقیقت اس صورت میں بھی ھم اپنی آزادی اور اختیار سے استفادہ کرتے ھیں اور ھماری پیدائشی آزدای پر کوئی حرف نہیں آتا اور بعض اخلاقی نظریات کی بنا پر عقل صرف ھمیں ایک راستہ دکھاتی ھے اور ھماری اس راستہ کی طرف راھنمائی کرتی ھے، جس کے بھترین فوائد ظاھر ہوتے ھیں نہ کہ اس میں ڈکٹیٹری "Dictaory" نہیں دکھائی دیتی، (بلکہ دوستانہ اور دلسوزی کی بناپر ہوتی ھیں۔)
یہاں تک کہ اگر ھم اپنی عقل کے حکم کو ڈکٹیٹری کا نام بھی دیدینجس کی بنا پر وہ حکم کرتی ھے، جیسا کہ کہا بھی جاتا ھے کہ اگر کسی شخص نے اپنی عقل و وجدان کی مخالفت کی تو اس عقل ھی اس کو مورد مذمت اور عذاب قرار دیتی ھے ، اور عقل و وجدان کا عذاب ھماری ادبی کتابوں میں مشھور معروف ھے، لیکن ان تمام باتوں کے پیش نظر عقل و وجدان کا حکم آزادی کے مخالف نہیں ھے اور اس کی آزادی ختم نہیں ہوتی، اور جو شخص اپنی عقل اور وجدان کے مطابق عمل کرتا ھے اس کے بارے مینیہ نہیں کہا جاتا ھے کہ یہ مقید ہو گیا ھے اس کی وجہ یہ ھے کہ عقل اور وجدان خود انسان سے متعلق ھے اور یہ اندارونی طاقت کے عنوان سے ھمارے کاموں میں نظارت اور قضاوت کرتی ھے جس کے نتیجہ میں بعض چیزوں کا حکم دیتی ھے اور بعض چیزوں کے انجام دینے سے روکتی ھے پس جس وقت ھماری اندورنی طاقت ھمیں حکم دے تو ھماری آزادی سلب نہیں ہوتی، اور اگر ھم اپنی اس عقل کے فرمان کے مطابق اپنی مرضی سے عمل کریں تو گویا ھم نے اپنی مرضی کے مطابق عمل کیا؛ ھماری آزادی اس وقت سلب ہوتی ھے جب کوئی بیرونی طاقت ھمیں کسی کام کی انجام دھی پر مجبور کرے یا کسی کام سے روکے۔

4۔ آزادی اور دینی وظائف کی نسبت
قارئین کرام ! یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ھے کہ دین (اسلام) کے احکام اور شرعی اوامر ونواھی جو خداوندعالم کی طرف سے ہوتے ھیں کیا انسان کی آزادی کو سلب کرتے ھیں؟ مثلاً اگر کوئی شخص صبح اٹھ کر نماز صبح نہ پڑھنا چاھے، لیکن خداوندعالم کا حکم ھے کہ صبح اٹھ کر نماز صبح پڑھو؛ اسی طرح دوسرے احکام جن کے بجالانے کو شریعت مقدس نے انسان کے لئے لازم اور ضروری قرار دیاھے مثلاً روزہ کا حکم، زکوٰة و خمس اور دوسرے واجبات کا حکم، یا وہ چیزیں جو حرام ھیں ان کو ترک کرنے کا حکم جیسے (الکحل) والی مشروبات کے پینے سے روکنا (وغیرہ وغیرہ)۔
جواب: یہ احکام اور امر و نہی جب تک نفوذ ہونے کے بارے میں پشت پناھی نہ رکھتی ہوں تو گویا یہ بھی عقل اور

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

وجدان کے حکم کی طرح ھیں اور ان کے ذریعہ سے انسان کی آزادی سلب نہیں ھوتی یعنی جس وقت خداوندعالم ارشاد فرماتا ھے کہ : نماز پڑھو، اگر ھم نے نماز نہ پڑھی ، تو ھم سے کوئی مطلب نہ ھو اور ھمیں عذاب اور سزا میں مبتلا نہ کرے،اسی طرح معاشرہ بھی خداوندعالم کے احکام پر عمل نہ کرنے کی نتیجہ میں ھم سے خفا نہ ھو اور ھمیں ذلیل وحقیر نہ سمجھے تو اس صورت میں اگر شرعی امر ونھی صرف نصیحتی پھلو رکھتے ھوں تو ھماری آزادی سلب نہیں ھوتی کیونکہ ان نصیحت کوباھر سے جاری کرنے والا کوئی ضامن نہیں ھے، اور کوئی بیرونی طاقت ھم پر کوئی دباؤ نہیں ڈالتی جس کی بنا پر ھم بعض کاموں کو انجام دیں اور بعض سے پرھیز کریں؛ اس صورت میں شرعی امر ونھی عقل اور وجدان کے حکم کے ھم پلہ قرار پاتے ھیں جس کی وجہ سے آزادی سلب نہیں ھوتی مسامحہ آمیز (ذو معنی) تعبیر کے مطابق، جس طرح ھم ایک ایسی متصل عقل رکھتے ھیں جو ھمیں ”باید ھا اور نباید ھا“ (کرنا چاھئے اور نہ کرنا چاھئے) کے بارے میں نصیحت اور امر و نھی کرتی ھے لیکن عملی طور پر اس کے احکام پر عمل کرنا لازمی اور ضروری نہیں ھوتا ، اسی طرح ھمارے پاس عقل منفصل (جدا) بھی ھے جو ھمارے وجود سے باھر ھے اور امر و نھی کرتی ھے، یعنی خداوندعالم ”عقل کلّی“ کے عنوان سے ھمارے لئے امر و نھی کرتا ھے اور وہ صرف نصیحت کی حد تک ھوتی ھے اور ارشادی(ونصیحتی) پھلو رکھتے ھیں۔

لیکن حقیقت یہ ھے کہ شرعی امر و نھی عملی طور پر لازمی اور ضروری ھوتے ھیں اور ان میں صرف نصیحتی پھلو نہیں ھوتا بلکہ جس وقت خداوندعالم ھمیں حکم دیتا ھے کہ نماز پڑھو تو اگر ھم نماز نہ پڑھیں تو ھمیں جھنم میں ڈال کر عذاب میں مبتلا کرے گا یھاں تک کہ بعض برے کاموں پر اسی دنیا میں سزا اور تازیانے کی حدّ معین فرمائی ھے ، اور اس سے بھی بالاتر گذشتہ امتوں کے لئے آسمانی عذاب نازل کیا ھے اور جب بھی کوئی پیغمبر مبعوث برسالت ھوتا تھا تو عوام الناس کو خدا کے عذاب سے ڈراتا تھا، اور یہ کھتا تھا کہ اگر تم نے خداوندعالم کے احکام کی اطاعت نہ کی تو تم پر اسی دنیا میں بھی عذاب نازل ھوسکتا ھے قرآن مجید میں مکرر مسلمانوں کو اس بات سے ڈریا گیا ھے اور ان کو یاد دھانی کرائی گئی ھے کہ گذشتہ امتوں کے حالات پر نظر کرو کہ خدا کے احکام کی نافرمانی اور گناہ کے نتیجہ میں خداوندعالم نے ان پر عذاب نازل کیا لھٰذا تمھیں بھی دنیاوی یا اُخروی عذاب سے ڈرنا چاھئے انبیاء کرام (ع) عذاب الٰھی سے اس قدر ڈراتے تھے جس کی بنا پر تمام انبیا (ع) کا نام نذیر اور منذر (ڈرانے والا) معروف ھوگیا؛ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ھوتا ھے:

(إِنَّا أَرْسَلْنَاکَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيراً وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلاَ فِيهاَ نَذِيْرٌ) (3)

”ھم ھی نے تم کو یقینا قرآن کے ساتھ خشخبری دینے والا و ڈرانے والا (پیغمبر)بنا کر بھیجا اور کوئی امت (دنیا میں)ایسی نہیں گزری کہ اس کے پاس (ھمارا) ڈرانے والا (پیغمبر)نہ آیا ھو “

لھٰذا وہ شرعی امر و نھی جن پر ھمیشہ دنیاوی یا اُخروی عذاب سے ڈرایا گیا ھے؛اخلاقی اور عقلی امر ونھی جن پر ھماری عقل اور وجدان کے حکم سے فرق پایا جاتا ھے اور اس سے انسانی آزادی محدود ھوجاتی اور انسان پر دباؤ ڈالتی ھے۔

اور اگر ھم نے اس بات کومان لیا کہ تمام انسان مکمل طور پر آزاد ھیں ، اور ”حقوق بشر کے اعلانیہ“ کے مطابق (جو بعض روشن فکر کے نزدیک وحی اور کتاب مقدس کا حکم رکھتا ھے) کسی کو بھی یہ حق نہیں ھے کہ کسی انسان کی آزادی کو محدود کرے، تو کیا خداوندعالم کو بھی انسانوں کی آزادی کو محدود کرنے کا حق نہیں ھے ؟! اور ان کو عذاب اور سزا سے ڈرا کر تحت تاثیر قرار دے، اورزیادہ سے زیادہ خدا بھی عقل اور وجدان کی طرح انسان کو اپنے وظائف اور واجبات کو انجام دینے کے سلسلہ میں ارشاد اور نصیحت نہیں کرسکتا، مثال کے طور پر ھمیں نماز پڑھنے کا حکم دے تو اگر ھم نماز نہ پڑھیں تو ھم نے گویا اپنی آزادی سے استفادہ کیا ھے! اور اگر ایسا ھے تو پھر خداوندعالم نے ھمیں کس لئے ڈرایا ھے اور کھتا ھے : اگر گناہ کرو گے تو تم کو آخرت میں جھنم میں ڈال دو ں گا ، اور مسلسل ھمیں اپنے عذاب سے ڈراتا رھتا ھے، چنانچہ اس نے اپنے انبیاء (ع) کے وظائف میں سے ایک وظیفہ عوام الناس کو عذاب الٰھی سے ڈرانا قرار دیا ھے؟

بےشک مسلمانوں کو اس بات میں کوئی شک نہیں ھے کہ خداوندعالم فرمان اور احکام صادر کرسکتا ھے اور ان کے جاری کرنے کا ضامن بھی ھے اسی طرح انبیاء علیھم السلام کا وظیفہ امر ونھی کا پھنچانا اور عذاب الٰھی سے ڈرانا ھے، (کبھی کوئی مسلمان ان چیزونمیں شک نہیں کرتا) بلکہ وہ ان تمام چیزوں کو دل وجان سے قبول کرتا ھے تمام مسلمان خدا اور رسول کے احکام کے سامنے سر جھکاتے ھوئے نظر آتے ھیں، اگرچہ یہ بھی جانتے ھیں کہ یہ احکام ان کو محدود کرتے ھیں اور ان کی بعض آزادی کوسلب کرتے ھیناور ایک طریقہ سے ان کو تحت تاثیر قرار دیتے ھیں کیونکہ جب خداوندعالم ھمیں کسی کام کو انجام دینے کا حکم دیتا ھے تو اگر ھم نے اس کام کو انجام نہ دیا تو پھر ھمارے لئے عذاب کا وعدہ کیا گیا (اور خدا کا وعدہ سچا ھے) تو ھم اس سے متاثر ھوتے ھیں پس معلوم یہ ھوا کہ خدا وندعالم ھم کو بعض

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کاموں کے انجام دینے اور بعض کاموں سے پرھیز کرنے کا پابند کرسکتا ھے اس میں کوئی شک (بھی) نھیں ھے؛ لیکن خداوندعالم کی طرف سے امر و نھی آنے کی حکمت اور فلسفہ کیا ھے اور کیوں خداوندعالم ھم کو شرعی واجبات ومحرمات کا پابند کیوں بناتا ھے تو اس سلسلہ میں علم کلام میں بحث ھوگی، لیکن خلاصہ کے طور پر عرض کرتے ھیں کہ:

خداوندعالم اپنے تمام تر لطف ومھربانی اور فضل وکرم کی بنا پر انسان کوسعادت مند بنانا چاھتا ھے اسی وجہ سے سعادت مندی کے راستہ کی پھچان بتادی ھے جس کی بنا پر ھمارے لئے احکام اور فرمان معین فرمادئے ھیں تاکہ ھم اپنے ان وظائف پر عمل کرتے ھوئے سعادت مندی کے راستہ پر گامزن رھیناور جس کے زیر سایہ واقعی سعادت کے راستہ کو پھچان لیں ظاھر سی بات ھے کہ خداوندعالم کے ڈرانے اور دھمکانے سے ھم ھوشیار ھوجاتے ھیں جس سے سعادت کے راستہ سے منحرف نھیں ھوتے، اور اگر یہ احکام ھمارے لئے ضروری اور لازمی نہ ھوتے تو پھر ھم اپنے وظائف کو اچھے طریقے سے انجام نہ دیتے اور اپنے غلط کردار اور گناھوں کی وجہ سے راہ سعادت سے بھٹک جاتے لٰھذا خداوندعالم نے اپنے لطف وکرم کی بنا پر شرعی وظائف پر عمل کرنے کی وجہ سے ھم کو برائیوں اور برے کاموں سے روکا ھے جس کے نتیجہ میں خدا کی رحمت واسعہ ھمارے شامل حال ھوجائے۔

اس بنا پر حقیقت یہ ھے کہ دین انسان کو محدود کرتا ھے اور اس کی بعض آزادی سلب ھوجاتی ھیں انبیاء علیھم السلام عوام الناس کو ڈرانے کا وظیفہ رکھتے تھے اور دینی احکام کی مخالفت اور عذاب الٰھی سے ڈراتے تھے بے شک اس سلسلہ میں ظاھری اور روحانی دونوں طرح کا دباؤ ھوتا ھے ظاھری دباؤ اس شخص پر ھوتا ھے جس پر بعض گناھوں کے ارتکاب کی وجہ سے حدّ جاری ھوتی ھے اور روحانی دباؤ ان لوگوں پر ھوتا ھے جو کسی پر حدّ جاری ھوتے ھوئے دیکھتے ھینجس کے نتیجہ میں وہ اس سزا سے ڈرتے ھیں، اور ان لوگوں پر بھی جو ھمیشہ آخرت کے عذاب سے ڈرتے رھتے ھیں۔

ھم اس وقت جو مطلق آزادی کے طرفدار ھیں لوگوں سے یہ سوال کرنا چاھتے ھیں کہ کیا تم اس ظاھری اور روحانی دباؤ کو محکوم کرتے ھو؟ یعنی کیا تم یہ کھتے ھو کہ خداوندعالم کو اس طرح کی محدودیت اور مشکل میں قرار نھیں دینا چاھئے؟ اور اس کو دنیاوی اوراخروی عذاب سے ڈرانے کے لئے پیغمبر نھیں بھیجنا چاھئے؟ تو کیا ان چیزوں کا محکوم کرنا اسلام اور تمام آسمانی ادیان کے انکار کے برابر نھیں ھے؟ (لیکن کیا کسی کو دین کے انکار کرنے کا حق ھے یا نھیں یہ ایک الگ بحث ھے اس وقت ھم انبیاء علیھم السلام کی اتباع کی حقانیت کو ثابت نھیں کررھے ھیں(

جو شخص کھتا ھے کہ انسان مکمل طور پر آزاد ھے اور اس پر کسی طرح کی محدودیت اور دباؤ نھیں ھونا چاھئے، تو کیا وہ محدودیت بھی جو خداوندعالم کی طرف سے اپنے بندوں پر ایجاد ھوتی ھے مثلاً گناہ کرنے پر جھنم میں جانا ھوگا یا بعض گناھوں کی اسی دنیا میں سزا ملے گی تو کیا ایسا شخص اس بات کو محکوم کرتا ھے؟(اور اگر ایسا ھے) تو گویا اس نے دین اور بعثت انبیاء (ع) اور الٰھی شریعتوں کا انکار کیا ھے اور اس وقت ھماری بحث ان سے نھیں ھے ھماری بحث تو ان لوگوں سے ھے جو دین کو قبول رکھتے ھیں اور دین اسلام کو حق جانتے ھیں اور یہ عقیدہ رکھتے ھیں کہ خداوندعالم نے اپنی حکمت اور لطف وکرم کی بنا پر ھدایت کے لئے انبیاء علیھم السلام کو بھیجا ھے اور اسی وجہ سے اس کا شکر ادا کرتے ھیں۔

5۔ حدود اور سزاؤں میں آزادی کی نسبت

اب جبکہ ھم نے یہ قبول کرلیا ھے کہ نہ صرف خداوندعالم کو یہ حق ھے بلکہ اس کے لطف و کرم اور فضل کی بنا پر ھمیں جھنم سے ڈرائے تاکہ ھم صحیح راستہ پر چلیں اور برے راستے سے پرھیز کریں، یھاں پر یہ سوال پیدا ھوتا ھے کہ خداوندعالم نے بعض گناھوں پر حدّ کس لئے اور کیوں قرار دی ھے اور حدود وتعزیرات کو اصلاً کس لئے رکھا ھے؟

خداوندعالم ھمیں عذاب آخرت سے ڈرناصحیح ھے کیونکہ عذاب سے ڈرانا ھمارے فائدہ میں ھے جوھمارے لئے جھنم کے عذاب سے ڈرتے ھوئے سعادت اور نیک بختی کے راستے کو اپنانے کا سبب بنتا ھے بلکہ ایک معنی کے لحاظ سے یہ ڈرانا ایک قسم کا ارشاد اور ھدایت ھے اور خداوندعالم ھمیں یہ بتانا چاھتا ھے کہ دیکھو تمھارے برے کاموں کا نتیجہ آخرت میں جھنم ھے، اور عذاب بھی وہ جو حقیقی ھے اور باھمی مفاھمت (ریزولیشن "Resolution") نھیں ھے بلکہ تمھارے دنیاوی برے اعمال کا مجسمہ ھے لیکن خدا نے کیوں فرمایا کہ اگر کوئی عظیم گناہ جیسے زنا کا مرتکب ھوا تو اس کو لوگوں کے سامنے کوڑے لگائیں جائیں تاکہ اس کی عزت وآبرو ختم ھوجائے؟

ارشاد ھوتا ھے:

(الزَّانِیَۃُ وَالزَّانِی فَاجْلِدُوا کُلَّ وَاحِدٍ مِنْھمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ وَلاَتَاٴْخُذْکُمْ بِھمَا رَاٴْفَۃٌ فِی دِینِ اللهِ إِنْ کُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَلْیَشْھدْ

عَذَابَهمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ((4)

” زنا کار عورت او رزنا کار مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگائیں اور خبردار ! دین خدا کے معاملہ میں کسی مروت کا شکار نہ ہوجانا اگر تمھارا ایمان اللہ اور روز آخرت پر ھے اور اس سزا کے وقت مومنین کی ایک جماعت کو حاضر رھنا چاھئے۔“

یہ سوال صرف دین سے متعلق نہیں ھے بلکہ سزائی قوانین اور ھر ملک کے قوانین سے متعلق ھے دنیا بھر کی تمام حکومتوں میں حقوقی اور سزائی قوانین ھوتے ھیں حقوقی قوانین ان لوگوں کے بارے میں ھوتے ھیں جو دوسرے کے مال اور حقوق پر تجاوز اور دست درازی کرتا ھے مثلاً کسی کامال کھاجاتاھے یا کسی کے بدن کو زخمی کردیتا ھے یا کسی کو قتل کردیتا ھے تو اس صورت میں اگر کوئی مخصوص شکایت کرنے والا موجود ھے تو وہ مجرم کی شکایت کرتا ھے جس کے نتیجہ میں مجرم کو سزا ھوتی ھے یا جرمانہ دینا ھوتا ھے اور اگر کسی کے حق کو غصب کیا تھا تو اس کو واپس کرے اور اگر کسی ظلم اور جنایت کا مرتکب ھوا تو اس سے قصاص (بدلہ) لیا جاتا ھے یا اسی طرح کی دوسری سزائیں معین کی جاتی ھیں لیکن تمام سزائی قوانین میں مجرم کو سزا دینے کے لئے کسی خاص شکایت کرنے والے کی ضرورت نہیں ھوتی بلکہ خود د عدالت اور مدعی العموم قوانین کی خلاف ورزی کرنے والے اور ملکی مصالح کو پامال کرنے والے کے خلاف مقدمہ دائر کرسکتا ھے اور اگر ملزم کا جرم اثبات ھوجائے تو اس کو سزا ملتی ھے۔

جھاں تک ھم جانتے ھیں دنیا بھر میں کوئی بھی ملک ایسا نہیں ھے جس میں حقوقی اور سزائی قوانین موجود نہ ھوں اور مجرموں کو سزا اور جریمہ نہ ھوتا ھو خلاصہ یہ ھے کہ یا مجرم کو جریمہ دینا پڑتا ھے یا اس ک جیل بھیج دیا جاتا ھے یا اس کے لئے دوسری سزائیں معین کی جاتی ھیں؛ چنانچہ اسلام بھی اس قاعدہ سے مستثنی نہیں ھے اور اسلام کے بھی حقوقی اور سزائی قوانین ھیں یھاں تک کہ بعض موارد میں تو سخت سے سخت سزائیں ھیں لہٰذا یہ سوال یہ ھے کہ تمام ھی حکومتوں کو مجرموں سزا دلانے کا حق ھے تو کیا یہ چیز انسان کی آزادی کے مخالف نہیں ھے تویہ بات مسلم ھے کہ تمام ھی لوگ حکومت کو حقوقی اور سزائی قوانین بنا نے کا حق دیتے ھیں اورمجرمین کے لئے خاص سزائی قوانین مترتب کرکے نافذ کرانا چاھتے ھیں اس بات کی دلیل یہ ھے کہ ھمیں کسی ایسے ملک کے بارے میں اطلاع نہیں ھے جس میں مجرموں کے لئے حقوقی سزائی قوانین نہ ھوں یا ان کے لئے جرمانہ یا قید یا دوسری سزائیں نہ ھوں اور کسی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ھے البتہ بحث وگفتگو میں یہ بحث کی جاسکتی ھے اور یہ اشکال ھوسکتا ھے کہ کیا کسی کو یہ حق حاصل ھے کہ اس دنیا میں کسی شخص کو سزا دی جاسکتی ھے اور اس کی آزادی کو محدود کرنا یا اس کی آزادی کو سلب کرنے کا اختیار کسی کو ھے یا نہیں؟

6۔ حکومت اور قوانین کے زیر سایہ مطلق طور پر آزادی نہیں ھوسکتی

جو لوگ کھتے ھیں کہ کسی بھی حکومت کو عوام الناس کی آزادی کو محدود کرنے اور ان کے لئے سزا معین کرنے کا کوئی حق نہیں ھے، (کیونکہ اس صورت میں عوام الناس سزا وغیرہ کے ڈر سے کسی خلاف ورزی کو انجام نہیں دیتے ؛ لیکن اگر سزا وغیرہ نہ ھوتی تو پھر انسان اپنی مرضی سے جو بھی چاھتا انجام دیتا چاھے وہ کام اچھا ھوتا یا بُرا،) تو اگر ایسا شخص دنیا بھر کی حکومتوں پر اعتراض کررھا ھے تو اس کا ایک دوسرے طریقہ سے جواب دیا جائے اور اگرصرف اسلام پر اعتراض کرتا ھے تو پھر اس کا جواب ایک دوسرا ھوگا لیکن چونکہ اس کا اعتراض دنیا بھر کی عام حکومتوں پر ھے اور تمام حکومتی نظام منجملہ اسلامی حکومت پر بھی اعتراض کرتا ھے کہ کیوں مجرموں کے لئے سزائیں اور محدودیت قرار دی ھیں ان پر دباؤ ڈالا گیا ھے؟تو اس صورت میں ھمارا جواب بھی ایسا ھوگا جو سب کو شامل ھوجس میں تمام حکومتوں اور اسلامی حکومت کے حقوقی اور سزائی قوانین کے بارے میں جواب دیا جائے۔

جواب:

مذکورہ اعتراض ”مطلق آزادی“ کی بنیاد پر ھے اور ان کا یہ خود ساختہ نظریہ ھے جس کی بنا پر ان کا تصور یہ ھے کہ انسان اس دنیا میں مکمل طور پر آزاد ھونا چاھئے اور کسی بھی طرح اس پر کوئی دباؤ نہیں ھونا چاھئے، اور کوئی بھی شخص اس کو کسی کام کے کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا اور نہ ھی کسی کام سے روک سکتا ھے۔

بے شک یہ اصل اور بنیاد غیر منطقی اور ھر صاحب عقل وشعور کے نزدیک باطل اور غلط ھے کوئی بھی انسان مطلق اور بغیر کسی حد وقید کی آزادی نہیں رکھتا کہ جو کچھ بھی کرنا چاھے کوئی بھی قانون اس کو نہ روکے (یھاں پر قوانین سے مراد اخلاقی قوانین اور مستقلات عقلیہ نہیں ھیں جن کی اجرائی ضمانت نہیں ھے بلکہ ھماری مراد عام معنی میں قوانین حقوقی مراد ھیں جن کو نافذ کرنے کی حکومت ذمہ دار ھوتی ھے) لہٰذا قوانین اور مقررات ھونا چاھئے اور عوام

الناس کو ان پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کیا جائے تاکہ عوام الناس کے حقوق کو ادا کریں ٹریفک قوانین ہونا چاھئے اور جو لوگ کبھی کبھی بہت سے لوگوں کی جان جانے کے باعث بنتے ھیں ان کے لئے سزائیں اور جرمانہ ہونا چاھئے۔
اس کے علاوہ کہ ھمیشہ سے پوری تاریخ میں اور ھر جگہ پر عوام الناس موجودہ قوانین کو قبول کرتے آئے ھینجس کی بنا پر کسی کو بھی مطلق آزادی کا حق نہیں ھے اور نا ھی کسی دوسرے پر کسی طرح کا کوئی دباؤ ڈالنے اور اس کی آزادی کا ایک حصہ ختم کرنے کا حق ھے؛ اور عملی طور پر کوئی شخص بھی ایسا عقیدہ نہیں رکھتا ، کیونکہ مطلق آزادی کا مطلب مدنیت کا انکار کرنا اور وحشیانہ جنگل راج کو قبول کرناھے اگر انسان ایک اجتماع پسند موجود ھے تو اس کے لئے اجتماعی نظام کی ضرورت ھے اور عوام الناس کو ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کرنا چاھئے اور اس سلسلہ میں قوانین ہونا ضروری ھیں نیز مجرموں کے لئے سزائی قوانین مد نظر رکھے جائیں، اور حکومت بھی ان کو نافذ کرنے کی ضامن ھو واقعاً مطلق آزادی (اور یہ کہ کسی شخص کوکسی دوسرے کو کسی کام پر مجبور کرنے یا کسی کام سے روکنے کا کوئی حق نہیں ھے) کا نعرہ لگانے کا مطلب یہ ھے کہ پھر حکومت کی کوئی ضرورت نہیں ھے بلکہ انسان جو کچھ بھی کرنا چاھے کرسکے؛ کیونکہ حکومت بھی عوام الناس کی رائے سے بنتی ھے اور قوانین کا نافذ کرنا اس کی ذمہ داری ہوتی ھے لہٰذا اس طرح کا نظریہ قانون مداری، جامعہ مدنی، تمدن اور قوانین کی اتباع کی ضرورت سے ھم آھنگ نہیں ھے کیونکہ انسانی معاشرہ اور تمدن بشریت کی بنیاد یہ ھے کہ اس میں قوانین اور ان کو نافذ کرنے والی قدرت کا ہونا ضروری ھے، اور ظاھر سی بات ھے کہ حکومت قوانین کو نافذ کرنے کے لئے ان پر دباؤ ڈالے گی۔
حکومت کی ذمہ داری یہ ھے کہ ضرورت کے وقت مجرموں کو قوانین پر عمل کرنے پر مجبور کرنے کے لئے اپنی طاقت کا استعمال کرے اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دے، اور اگر صرف کھنے اور نصیحت کرنے پر کفایت کرے تو پھر وہ معلم اور مربیّ ہوگی حکومت نہیں ہوگی علماء اور واعظین کا وظیفہ عوام الناس کو اجتماعی اخلاق اور انسانی آداب کی رعایت کرنے کے لئے وعظ و نصیحت کرنا ھے، لیکن وہ ان وعظ ونصیحت کو نافذ کرنے کے لئے قدرت کا استعمال نہیں کرسکتے، اور قدرت کے زور پر لوگوں کو انسانی اخلاق کی رعایت پر مجبور کرنا بھی ان کی ذمہ داری نہیں ھے لیکن حکومت کی ذمہ داری ھے کہ وہ اگر ضرورت پڑے تو اپنے قدرت کے زور پر قوانین پر عمل کرائے اور اگر کوئی خلاف ورزی کرے تو اس کو سزائے اعمال تک پھونچائے اور یا اس پر جرمانہ کرے یا اگر کوئی خلاف ورزی کر کے بھاگ نکلناچاھے تو اس کا تعقب کرے اور اس کو پکڑکر اس پرحدود اور سزا جاری کرے اس بنا پر حکومت اور قوہ مجریہ کا وجود خود اس بات پر دلیل ھے کہ انسان مکمل اور مطلق طور پر آزاد نہیں ھے اور مطلق آزادی کا نظریہ باطل اور مردود ھے نیز انسانی تمدن اور اجتماعی زندگی کے ساتھ ھم آھنگ نہیں ھے اس میں کوئی فرق نہیں ھے کہ چاھے حکومت شھری قوانین جو خود شھریونکی خواھش کے مطابق مرتب ہوتے ھیں یا اسلامی حکومت الٰھی قوانین جاری کرے۔

7۔ حاکمیت کا خدا سے متصل ہونا

قارئین کرام ! گذشتوں بحثوں میں ھم نے اس بات کو ثابت کیا کہ قوانین کو نافذ اور جاری کرنے والا یا خود خداوندعالم کی طرف سے منصوب ھو یا خدا کی طرف سے اذن یافتہ ھو، کیونکہ قوانین کو جاری کرنے سے عوام الناس پر دباؤ ڈالا جاتا ھے اور ان کی آزادی کو محدود کیا جاتا ھے اور عوام الناس خداوندعالم کے مملوک اور بندے ھیں لہٰذا صرف خدا ھی ان میں تصرف کرسکتا ھے، اور ”ربوبیت تشریعی“ اور حاکمیت الٰھی کی بنا پر کسی بھی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ھے کہ وہ خدا کی اجازت او رمرضی کے بغیر اس کے بندونپر فشار ڈالے اور ان میں تصرف کرے لہٰذا حکومت کو خدا کے بندوں میں تصرف کرنے یا ان پر دباؤ ڈالنے کے لئے ان مالک (خداوندعالم) سے اجازت لےنا چاھئے لیکن جو لوگ عوامی ڈیموکریٹک کے قائل ھیں اور معاشرہ کو ادارہ کرنے کے لئے قوانین مدنی کو کافی جانتے ھیں اور حکومت کو انھیں قوانین کو جاری اور نافذ کرنے کی ضامن مانتے ھیں، چنانچہ کھتے ھیں کہ قوانین کو نافذ کرنے والے کا خدا کی طرف سے اذن یافتہ ہونا ضروری نہیں ھے؛ بلکہ عوام الناس سے ووٹ دیتے ھی وہ قوانین کو جاری کرسکتا ھے اور ضرورت کے وقت حکومت اپنی طاقت کو بروئے کار لاسکتی ھے، اور لوگوں پر دباؤ بھی ڈال سکتی ھے۔
یہ لوگ حکومت کے عوام الناس پر دباؤ ڈالنے کے سلسلہ میں کیا دلیل پیش کرتے ھیں؟ ڈیموکریٹک اصول کے تحت اس طرح جواب دیا جاتا ھے کہ عوام الناس چونکہ حکومت کو ووٹ دیتی ھے چاھے وہ ممبر آف پارلیمنٹ کے انتخاب ہوں یا خود حکومت کے صدراتی انتخاب ہوں، اور یہ ووٹ دینا ھی گویا حکومت کے قوانین اور حکومت کی طرف سے ان کو نافذ کرنے کو قبول کرنا ھے؛ چاھے حکومت ان کو جاری اور نافذ کرنے کے سلسلہ میں اپنی طاقت کا استعمال ھی کیوں نہ کرے لہٰذا حکومت کی طرف قوانین کو نافذ کرنے کے سلسلہ میں جو دباؤ دیا جاتا ھے وہ آزادی سے منافات نہیں رکھتا؛

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کیونکہ اس حکومت اور نظام کو خود انھوں نے قبول کیا ھے، اور اس کے سامنے اپنا سر تسلیم کیا ھے اور یہ بالکل عقل اور وجدان کے اس حکم کی طرح ھے جو انسان کو بعض چیزوں کو انجام دینے اور بعض چیزوں سے پرھیزکرنے کا حکم دیتی ھے اور وہ آزادی سے مخالفت نہیں رکھتا، اور اس سے آزادی سلب نہیں ھوتی، کیونکہ یہ احکام خود ان کی اندرونی طاقت کی بنا پر ھوتے ھیں اور خود انھیں سے متعلق ھے اور ان پر تھونپا نہیں گیا ھے۔

البتہ ڈیموکریسی حکومتی نقشے، ان کی کار کردگی اور اختیارات نیز اپنی حقانیت اور مشروعیت کے لئے جو دلیل پیش کرتے ھیں؛ ان تمام چیزوں پر بھت سے اشکالات ھوتے ھینجو فلسفہ سیاست اور فلسفہ حقوق سے متعلق کتابوں میں بیان کئے گئے ھیں ھم یھاں پر کچھ اعتراضات بیان کرتے ھیں جو اس وقت مناسب ھیں ان میں سے ایک یہ ھے کہ: دنیا میں کوئی بھی جگہ ایسی نہیں ھے جھاں پر قوانین کو اتفاقی طور پر قبول کیا جاتا ھے، یا متفق طور پر کسی کو وزیر اعظم یا صدر مملکت منتخب کیا جاتا ھو یھاں تک کہ خود جمھوری اسلامی (ایران) جو دنیا میں عوامی ملکوں میں بے نظیر ھے ، جس میں 89/2 فی صد لوگوں نے اس اسلامی نظام کو ووٹ دئے اور ۱/۸ فی صد لوگوں نے اس نظام کو ووٹ نہیں دئے جو اس وقت کی مردم شماری کے لحاظ سے وہ تعداد تقریباً دس لاکہ سے بھی زیادہ ھے جس وقت دنیا بھر میں رائج ڈیموکریسی اور عوامی نظام میں دس لاکہ سے زیادہ افراد اس نظام کے حق میں ووٹ نہ دیں تو حکومت کو عوام الناس کو اپنے قوانین اور احکام پر عمل کرنے پر مجبور کرنے کا کیا حق ھے؟ جبکہ کچھ لوگ کھتے ھیں کہ ھم اس نظام حکومتی کو نہیں مانتے تو پھر صرف عوام الناس کے اکثریت کا ووٹ حاصل کرنے سے حقانیت اور مشروعیت حاصل کرکے کس طرح اپنے قوانین کو اپنے مخالفوں پر نافذ اور جاری کرسکتی ھے؟

ڈیموکریسی اور عوامی نظام کے طرفدار افراد اس طرح کے سوالات کا جواب دیتے ھیں اور ایسا نہیں ھے کہ اس سلسلہ میں گفتگو اور بحث نہ ھوئی ھو لیکن ان کے جوابات اطمینان بخش نہیں ھیں، اور بھت سے حل نہ ھونے والے اعتراض باقی رھتے ھیں، مثال کے طور پر کھتے ھیں کہ وہ نظام حکومتی جو اکثریت کے ووٹوں سے وجود میں آیا ھے اور اس نظام کو اقلیت نے ووٹ نہیں دیا ھے ان کے بھی کچھ حقوق ھیں اور ان کے حقوق کا لحاظ رکھا جائے اور وہ لوگ اپنے شخصی اور ذاتی احوال میں اپنی مرضی کے مطابق عمل کرسکتے ھیں۔

ھم کھتے ھیں کہ یہ کافی نہیں ھے کس دلیل کی بنا پر عام قوانین اور حکومت کے اجتماعی قوانین کو ان لوگوں پر تھونپاجاسکتا ھے؟ نیز اسے مختلف ٹیکس اور دوسرے اخراجات کس دلیل کی بنا پر لئے جاتے ھیں؟

ان میں سے بعض لوگ یہ کھتے ھوئے نظر آتے ھیں کہ آخر کار ھمیں معاشرہ کو آگے بڑھانے کے لئے کچھ تو کرنا ھی ھوگا اور ھمارے پاس معاشرہ کو چلانے کے لئے ڈیموکریسی حکومتی نظام سے بھتر کوئی نظام نہیں ھے۔

لیکن مذکورہ اعتراض کا جواب اسلامی نقطہ نظر سے یہ ھے کہ قانون گذاری کا حق خداوندعالم سے متعلق ھے یا جو افراد خداوندعالم کی طرف سے اذن یافتہ ھوں وہ خداوندعالم کے مقرر کردہ قوانین کے تحت قوانین بناسکتے ھیں اسی طرح عوام الناس پر حکومت کرنے اور ان کے لئے قوانین جاری کرنے کا حق اس شخص کو ھے جو خداوندعالم کی طرف سے منصوب ھو یا اس کی طرف سے اذن یافتہ ھو اس صورت میں وہ شخص خدا کے نمائندہ ھونے کے عنوان سے اور وہ شخص جو خداوندعالم کی طرف عوام الناس پر حکومت کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ھے اس بات کا حق رکھتا ھے کہ قوانین کومعاشرہ میں نافذ کرے اگرچہ اس کو اپنی طاقت کا بھی استعمال کرنا پڑے اس کو حکومت کے مخالف لوگوںاور قانون توڑنے والوں کو بھی قوانین پر عمل کرنے پر مجبور کرنے کا حق ھے بےشک جو شخص خدا اور دین کا اعتقاد رکھتا ھے یہ تھیوری قابل قبول، منطقی اور عقلی اشکالات سے خالی ھے جو ڈیموکریسی حکومت پر وارد ھوتے ھیں لیکن جو شخص دین اور خدا کو نہیں مانتا اور الٰھی حکومت سے روگرانی کرتا ھے وہ کبھی بھی اس جواب کو بھی قبول نہیں کرے گا لیکن وہ عوام الناس جو مسلمان ھیں اور خداپر ایمان رکھتے ھیں،الٰھی حاکمیت ایک عظیم تمنا ھے جو ان کی منطق عقل، خواھش وجدان اور انسانی اصول سے ھم آھنگ ھے اسی وجہ سے وہ تناقص اور ٹکراؤ جو ڈیموکریسی اور عوامی نظام میں پایا جاتا ھے جس کی وجہ سے یہ (ڈیموکریسی) نظریہ باطل ھوجاتا ھے،لیکن (وہ تناقض اور ٹکراؤ) اسلامی حکومت میں نہیں پایا جاتا؛ اور اس تھیوری اور نظریہ میں مکمل طور پر معاشرہ کی وحدت اور نظم و ضبط کا خیال رکھا جاتا ھے۔

اگر ھم اسلامی نظام حکومتی کا آج کل کی دنیا میں رائج ڈیموکریسی جو صرف عوام الناس کے ووٹوں کی بنیاد پر ھوتی ھے؛مقابلہ کریں تو ھمیں معلوم ھوجائے گا کہ اسلامی نظام حکومت جو ھمارے عقیدہ کی بنا پر خداوندعالم سے نسبت رکھتا ھے اور عوام الناس کی حمایت اور ان کے رائے کا بھی لحاظ رکھا جاتا ھے؛ اس میں مزید اعتبار پایا جاتا ھے؛ کیونکہ ھم عوام الناس کے ووٹوں سے انکار نہیں کرتے اور ان کا احترام کرتے ھیناور جمھوری اسلامی ایران کے بھت سے ادارے، سازمان وغیرہ عوام الناس کے ووٹوں سے تشکیل پاتے ھیں؛ مثال کے طور پر صدر مملکت کا انتخاب، ممبر

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

آف پارلیمنٹ کا انتخاب، خبرگان رہبری اور شوریٰ اسلامی شہر وروستا جو تمام عوام الناس کے ووٹوں سے بنائے جاتے ھیں اسی وجہ سے ھم عرض کرتے ھیں کہ ھمارا حکومتی نظام خداکی اجازت کی وجہ سے ھوتا ھے اور عوام الناس کی حمایت بھی اس میں شامل ھوتی ھے ، لیکن عوامی اور ڈیموکریسی نظام جو صرف عوام الناس کے ووٹوں پر استحکام پیدا کرتا ھے اگر ھمارے سامنے ڈیموکریسی تھیوری کو لایا جائے تو ان سے یہ کھیں گے کہ جو کچھ تمھاری حکومتونمیں ھے ھمارے یھاں بھی ھے اور ھم بھی عوام الناس کے ووٹوں کے معتقد ھیں اور ان کااحترام کرتے ھیں اس کے علاوہ منطقی اور عقلی لحاظ سے اسلامی حکومت کی تھیوری ڈیموکریسی تھیوری پر برتری اور فضیلت رکھتی ھے، اور جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ ڈیموکریسی نظام اندرونی اتحاد اور صحیح منطقی اور عقلی دلیل نھیں رکھتی،اور اس میں تناقض اور ٹکراؤ پایا جاتا ھے، لیکن ولایت فقیہ کی تھیوری عقلی اور منطقی لحاظ سے بھی مستحکم اور مضبوط ھے جس میں کسی بھی طرح کا کوئی تناقض نھیں پایا جاتا۔

خلاصہ گفتگو یہ ھے کہ بعض روشن فکر اور غلط فکر رکھنے والے کی طرف سے یہ اعتراض ھوتا ھے کہ کیوں خداوندعالم نے انبیاء علیھم السلام کو مبعوث کرکے، آسمانی کتابوں ، اور آسمانی شریعتوں کو نازل کرکے نیز فوجداری قوانین جیسے ھاتہ کاٹنا، جرمانہ کرنااور دوسری حدود وتعزیرات وغیرہ کو پیش کرکے عوام الناس کی آزادی کو سلب کرلیا ھے اور ان کوآزاد نھیں چھوڑا تاکہ جو کرنا چاھیں کرسکیں اور ان کو تحت فشار قرار دیا ھے؛ جبکہ اصل انسانیت اس بات کا تقاضا کرتی ھے کہ وہ مکمل طریقہ سے آزاد ھو ، کیونکہ آزادی انسانی کی اھم خصوصیات میں سے ھے؟

قارئین کرام ! جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ مطلق آزادی ؛ انسانی حقیقت اور اس کے اجتماعی ھونے سے ھم آھنگ نھیں ھے اگر ھم نے یہ مان لیا کہ انسان کی زندگی اجتماعی ھے تو پھر اس کی اجتماعی زندگی اس بات کی تقاضا کرتی ھے کہ عوام الناس کے نظم و ضبط کے لئے لازم الاجراء قوانین اور مقررات کا ھونا ضروری ھے اور ان کو نافذ کرنے کے لئے ایک حکومت کا ھونا ضروری ھے۔

مذکورہ دلیل دنیا بھر کی تمام حکومتوں میں مقبول ھے اور اسلام بھی اس کو قبول کرتا ھے، اور ھمیشہ سے عوام الناس اس کا اعتقاد رکھتے تھے نیز اس پر کسی طرح کا کوئی اعتراض بھی نھیں ھوتا تھا لیکن جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ حکومت کی ضرورت، قوانین اور مقررات کا جاری کرنا، اور بعض حالات میں اپنی طاقت کو بروئے کار لانے کے سلسلہ میں ڈیموکریسی اور عوامی حکومت میں بحد کافی منطقی دلیل موجود نھیں ھے اور ان کی حکومتی تھیوری اندرونی اتحاد و انسجام نھیں رکھتی اور اس میں تناقض اور ٹکراؤ پایا جاتا ھے۔

لیکن اسلامی حکومتی نظام میں دلیل جَدلی بھی موجود ھے کیونکہ ھم بھی ڈیموکریسی اصول پر عمل کرتے ھیں اور عوام الناس کے ووٹوں کواھمیت دیتے ھیں اور بھت سے حکومتی ادارے عوام الناس کے ووٹوں ھی سے چلتے ھیں، اسی طرح منطقی اور عقلی برھانی اصول پر مبنی ھوتی ھے؛ منجملہ یہ کہ اصل حاکمیت خدا کا حق ھے کیونکہ عوام الناس خدا کے بندے ھیں ، دوسروں کی حکومت اس وقت صحیح اور حق ھوسکتی ھے جب خدا کی مرضی اور اس کی اجازت سے ھو یعنی صرف خدا کی اجازت سے خدا کے بندوں پر حکومت کی جاسکتی ھے ، وہ حکومت جس میں الٰھی منشاء نہ ھو اور خداوندعالم کی طرف نسبت نہ ھو؛ تو ایسی حکومت باطل اور حق اور عقلی اصول کے برخلاف ھے۔

حوالے

(1)سورہ کھف آیت 29
(2) سورہ انسان (دھر) آیت 3
(3)سورہ فاطر آیت 4 2
(4)سورہ نور آیت 2

اسلام اور سیاست جلد(2)

چھتّیسواں جلسہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اسلامی قوانین قطعی طور پر جاری ہونے چاهئیں

1۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر

قارئین کرام! اس سے پهلے جلسہ میں هم نے عرض کیا کہ انسانی عقل و وجدان ”باید ها اور نباید ها“ (کرنا چاهئے اور نہ کرنا چاهئے) انسان کے لئے معین کرتی هے اور بهت کاموں کے بارے میں یہ فیصلہ کرتے هیں کہ کیا کام نهیں کرنا چاهئے اور کیا کام نہ کرنا چاهئے جس کے نتیجہ میں انسان کی آزادی محدود هوکر رہ جاتی هے؛ لیکن چونکہ آزادی کی محدویت انسان کی اندرونی طاقت کے ذریعہ هوتی هے لهٰذا اس کی آزادی سلب هونے کا سبب نهیں بنتا اور کسی نے یہ دعویٰ نهیں کیا هے کہ انسانی عقل کی نصیحتوں سے اس کی آزادی سلب هوجاتی هے انسانی عقل اور وجدان کی اندرونی نصیحتونکی طرح مسلمانوں کے لئے خداوندعالم کے اوامر اور احکام هوتے هیں جو خدا اور رسول کے ذریعہ صادر هوتے هیں جس طرح هماری عقل کسی کام کو انجام دینے کا حکم کرتی هے اسی طرح خداوندعالم نے بهی همارے لئے کچھ وظائف قرار دئے هیں وہ وظائف جو واقعی مصالح (و فوائد)کی بنا پر صادر هوتے هیں چونکہ خداوندعالم ان کے بارے میں لامحدود علم رکهتا هے اور ان کا سمجهنا هماری عقل سے بالاتر هے۔

گویا یهاں پر اندرونی عقل متصل کے علاوہ خداوندعالم عقل منفصل اور بے نهایت ؛ انسان کے کامل مصالح اور اس کے خطرات سے مکمل طور سے معین کرتا هے اسی وجہ سے هم سے یہ چاهتا هے کہ فلاں کام کو انجام دیں کیونکہ یہ کام همارے حق میں هے اور فلاں کام کو انجام نہ دیں چونکہ همارے لئے باعث ضرر هے۔

انسانی آزادی کی یہ محدودیت جو خدا اور بندے کے درمیان موجود رابطہ کی بنا پر پیدا هوتا هے سیاسی یا حقوقی فلسفہ سے متعلق نهیں هے اور سیاسی لحاظ سے بهی مشکل ساز نهیں هے کیونکہ خدا پر ایمان رکهنے والے افراد اپنے عقیدہ کی بنا پر اس بات کو قبول کرتے هیں کہ کچھ کاموں کو انجام دیا جائے اور کچھ کاموں سے پرهیز کیا جائے، اور یہ لازمی عقیدہ اور کار کردگی معاشرہ سے متعلق نهیں هے بلکہ انسان کے خدا سے رابطہ کی بنا پر هے جیسا کہ انسان اپنی عقل سے رابطہ رکهتا هے۔

2۔ حکومت کی ضرورت اور انسان کی اجتماعی زندگی کا عکس العمل

قارئین کرام ! یهاں پر بحث یہ هے کہ بهت سے کام خود انسان کے ذات اور اس کی دنیا و آخرت سے متعلق نهیں هوتے بلکہ دوسروں کے لئے بهی مؤثر هوتے هیں اور ان کا فائدہ یا نقصان عوام الناس اور معاشرہ تک بهی پهونچتا هے چنانچہ اس موقع پر دنیا بهر کے دانشور حضرات معتقد هوجاتے هیں کہ ایک ایسے نظام کا هونا ضروری هے جو معاشرہ کے لئے نقصان دہ چیزوں کی روک تهام کرسکے اور جو لوگ خلاف ورزی کریں ان کو سزائے اعمال تک پهونچائے۔

لهٰذا حکومت کی ضرورت اور یہ کہ همیں ایک طاقت کی ضرورت هے جو معاشرہ کے نقصان کو روک سکے ، سماج کا نقصان نہ هو اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا مل سکے، اسی وجہ سے حکومت کی ضرورت هوتی هے اسی بنا پر ”انارشیسٹ“ "Anarchiste" (فساد طلب) کے علاوہ دنیا بهر کے تمام صاحب علم سیاست اور حقوق کے رکهوالے حکومت کو ضروری سمجهتے هیں؛ لیکن اخلاقی اقدار اور وہ اچهائیاں اور برائیاں جن کو خود انسانی عقل اپنی ذاتی زندگی میں معین کرتی هے ان کا سیاست اور حکومت سے کوئی تعلق نهیں هے۔

یهاں پر ایک دوسری بحث یہ هوتی هے کہ عقل انسانی انفرادی ، ذاتی اور معنوی مسائل کے علاوہ آزادی کے ایک حصے کو محدود کرتی هے توکیا حکومت بهی انسان کی آزادی کو محدود کرسکتی هے؟

تو اس کا جواب یہ هے کہ اجتماعی زندگی کے لحاظ سے حکومت کی خصوصیت اور اس کا تقاضا هی آزادی کو محدود کرنا هے، کیونکہ اگر کوئی حکومت کی ضرورت کو مانتا هو لیکن آزادی کو محدود کرنے کو قبول نہ کرتا هو تو اس کی بات تناقض گوئی پر مشتمل هے حکومت قوانین اور مقررات مرتب کرتی هے اور بعض کاموں کو جائز اور بعض کاموں کو ممنوع قرار دیتی هے اور اگر کوئی ان کی خلاف ورزی کرے تو بعض کو مالی جرمانہ بعض کو زندان اور بعض کو دوسرے طریقوں سے سزائیں دیتی هے۔

یهاں تک کہ بعض حکومتوں میں مثلاً اسلامی حکومت میں جسمانی سزائیں جیسے سزائے موت بهی قرار دی گئی هے لهٰذا اس مقدمہ کو قبول کرنا ضروری هے کہ بنیادی طور پر حکومت کا وجود اجتماعی آزادی کو محدود کرنے کے لئے هی هوتا هے اور آزادی کے محدود نہ هونے کا مطلب حکومت کا نہ هونا هے همیں یہ قبول کرنا چاهئے کہ اجتماعی زندگی کے لئے حکومت کی ضرورت هے یعنی یہ قبول کریں کہ انسان کی سیاسی اور اجتماعی آزادی محدود هو، یا یہ قبول کریں کہ انسانی اجتماعی زندگی کے لئے حکومت کی ضرورت نهیں هے اور کسی کو دوسروں پر مختلف طریقوں سے دباؤ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ڈالنے کا بھی حق نہیں ھے؛ جس کے نتیجہ میں عوام الناس سیاسی اور اجتماعی مسائل میں مطلق آزادی سے بھرہ مند ھوسکیں۔

قارئین کرام ! ھماری گذشتہ گفتگو کے پیش نظر یہ بات روشن ھوجاتی ھے کہ جو لوگ یہ نعرہ لگاتے ھیں کہ ”آزادی حکومت اور قانون سے بالاتر ھے“ صرف ایک مغالطہ ھے حکومت کو چاھئے کہ آزادی کو محدود کرے اور اگر کوئی اس بات کاقائل ھوجائے کہ کوئی بھی حکومت انسانوں کی سیاسی اور اجتماعی آزادی کو محدود نہیں کرسکتی۔؛ تو اس کا مطلب یہ ھے کہ حکومت کی کوئی ضرورت نہیں ھے ، اور حکومت بے کار، نامشروع اور غیر قانونی اور طاقت کے بل بوتے پر ھے۔

3۔ حکومت کی مشروعیت کے منشاء کی طرف ایک اشارہاور ڈیموکریسی پر اشکالات

قارئین کرام ! اب جبکہ ھم نے یہ قبول کرلیا ھے کہ معاشرہ میں ایک قانونی اور مشروع حکومت کا وجود ضروری ھے جس سے سیاسی اور اجتماعی آزادی محدود ھوجائے، اس کے بعد ایک اساسی اور بنیادی مسئلہ ھمارے سامنے ھے: اول یہ کہ حکومت کس وجہ سے قانونی اور مشروعیت پیدا کرتی ھے اور حکومت کس حق کی بنا پر آزادی کو محدود کرتی ھے؟ دوسرے یہ کہ حکومت کس حد تک آزادی کو محدود کرسکتی ھے؟

گذشتہ بحث میں یہ بات واضح اور روشن ھوچکی ھے کہ ھمارے عقیدہ کی بنا پر اسلامی سیاسی نظریہ کے علاوہ حکومت کے لئے کوئی قابل قبول اور عقل پسند دلیل نہیں ھے کیونکہ اگر ھم یہ کھیں کہ حکومت کے زیر سایہ عوام الناس خود اپنی آزادی کو محدود کرتے ھیں البتہ اس چیز سے قطع نظر کہ اگر کوئی چاھے تو اپنی آزادی پر کنٹرول کرسکتا ھے اور پھر اس صورت میں حکومت کی کوئی ضرورت نہیں ھے تاکہ اس کی آزادی کنٹرول کی جاسکے،یہ نظریہ تناقض گوئی پر مشتمل ھے؛ کیونکہ جو شخص آزاد رھنا چاھتا ھے وہ کبھی بھی اپنی آزادی کو محدود کرنا نہیں چاھتا۔

سب سے آخری اور بھترین نظریہ جو دنیا بھر مینحکومت کی مشروعیت اور قانونی ھونے کے بارے میں بیان کیا جاتاھے اور دنیا بھر کے لوگ اس نظریہ کو قبول (بھی) کرتے ھیں یہ ھے کہ عوام الناس اپنے بعض حقوق حکومت کے حوالے کردیتے ھیں یعنی یہ انسان جو اپنی زندگی کا حاکم ھے اور اپنی زندگی کے لئے (مخصوص) قوانین بنا سکتا ھے اور اپنی آزادی کو محدود کرسکتا ھے، لیکن اپنے اس حق کو حکومت کے حوالے کردیتا ھے تاکہ اس کی اجتماعی زندگی کے لئے (بھترین) قوانین بنائے اور ان کو نافذ کرے یہ حکومت کو حاکمیت کا حق حوالے کرنا آج کل کی دنیا میں ڈیموکریسی کے نام سے مشھور و معروف ھے۔

قارئین کرام ! آج کل کی ڈیموکریسی تھیوری پر بھت سے اشکالات وارد ھوتے ھیں ، ھم ان میں سے صرف تین اشکالات پر اکتفاء کرتے ھیں:

پھلا اشکال:

کیا انسان کو اپنے اندر ھر طرح کا تصرف کرنے، اپنی آزادی کو محدود کرنے اور اپنے پر دباؤ ڈالنے کا حق ھے؟ یعنی کیا انسان کو حق ھے کہ خود اپنے کو سزا دے؟ اس میں کوئی شک نہیں ھے کہ دنیا بھر میں آج کل کی تمام حکومتیں خلاف ورزی کرنے والوں کی سزا معین کرتی ھیں اور بعض جرائم کے لئے قید با مشقت قرار دیتی ھے اور بعض جرائم کے لئے جسمانی سزا، شکنجہ اور سزائے موت قرار دیتی ھے تو کیا انسان کو خود کُشی کا حق ھے کہ جس کے نتیجہ میناپنے لئے سولی کا حکم حکومت کے حوالے کردے؟ اگر انسان خود کُشی کا حق رکھتا ھو تو وہ دوسرے کو اس طرح کے قانون بنانے کا حق دے سکتا ھے کہ اگراس نے بعض ایسے جرائم کو انجام دیا جن کی سزا سولی ھو اور حکومت اس کے حق میں جاری کرسکے بے شک انسان خود کُشی کا حق نہیں رکھتا کیونکہ انسان کو اپنی جان کا اختیار نہیں ھے تاکہ جب بھی چاھے ختم کردے، انسان کی جان خداوندعالم کی طرف سے ھے، اور کسی کو اپنی جان کو نقصان پھونچانے کا حق حاصل نہیں ھے حد تو یہ ھے کہ اسلامی نظریہ کے مطابق انسان اپنے بدن کو نقصان بھی نہیں پھونچا سکتا کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ھے کہ وہ اپنے بدن کو زخمی کرلے مثلاً اپنے ھاتھ یا انگلی کو کاٹ لے کیونکہ انسان کا بدن خداسے متعلق ھے اور انسان اس کا مالک اور صاحب اختیار نہیں ھے اس صورت میں کس طرح انسان حکومت کو سزائی اور فوجداری قوانین بنانے کا حق دے سکتا ھے اور حکومت کو مجرموں کو سزا دینے کی اجازت دے اور چور کے ھاتھ کاٹ دئے جائیں اور بعض مجرموں کو سزائے موت دیدی جائے؟

دوسرا اشکال:

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

فرض کرلیں کہ انسان اپنی جان اور بدن میں ھر طرح کا تصرف کرسکتا ھے اور اپنے بدن کو نقصان اور ضرر پھونچاسکتا ھے اور اپنی زندگی کو ختم کرسکتا ھے اور اس صورت میں اپنا یہ حق حکومت کے حوالے کردیتا ھے در حقیقت جو شخص پارلیمنٹ کو ووٹ دیتا ھے گویا قانون گذاری کے سلسلہ میں پارلیمنٹ کو اپنا وکیل بنادیتا ھے کہ اس کی اجتماعی زندگی کے لئے قوانین اور مقررات بنائے جن میں سے حقوقی اور سزائے قوانین (بھی) ھیں؛ اسی طرح حکومت کو بھی اپنا وکیل بناتا ھے کہ اس پر قوانین نافذ کرے لیکن اس صورت میں صرف حکومت کو اپنے اوپر تصرف کا حق دیتا ھے، لیکن یہ حق نھیں دیتا کہ حکومت دوسروں پر بھی تصرف کرے اور ان کے حقوق اور ان کی آزادی کو سلب کرے بالفرض اگر انسان اپنے کو سزا دینے کاحق رکھتا ھو اور یہ حق حکومت کو دیدے کہ اگر اس نے خلاف ورزی کی تو اس کو سزا دے، تو اس صورت میں (بھی) صرف اپنا وکیل بنا سکتا ھے کہ اس کی طرف سے تصمیم گیری کرے اور اس پر عمل کرے لیکن دوسرووں کو سزا دینے کا حق (اسے نھیں ھے تاکہ یہ حق) حکومت کے حوالے کردے۔
ڈیموکریسی نظریہ کی رائج اصطلاح کا مطلب یہ ھے کہ عوام الناس حکومت کو وکالت دیتے ھیں اور اس کو اپنا وکیل اور نمائندہ قرار دیتی ھیں تاکہ وہ مختلف قوانین بنائے اور ان کو جاری کرے آج دنیا بھر میں رائج ڈیموکریسی حکومت اگر اکثریت سے جیت جائے یعنی 51% یا اس سے زیادہ ووٹ حاصل کرلے تو پھر اسے حق حاصل ھوتا ھے کہ وہ پورے معاشرہ کے لئے منجملہ ان لوگوں کے لئے (بھی) جنھوں نے حکومت کو ووٹ نھیں دیا ھے؛ قوانین بنائے اور ان کو لاگو کرے در حقیقت جب آدھے لوگوں نے نہ کہ سب نے حکومت کو ووٹ دئے ھیں صرف وھی لوگ حکومتی قوانین کو قانونی مانیں گے اور معاشرہ کے وھی لوگ ان قوانین کے سامنے اپنا سر تسلیم کریں گے لیکن یھاں پر ایک اھم سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ تقریباً آدھے لوگوں نے حکومت کو ووٹ ھی نھیں دیا اور حکومت کو اپنا وکیل ھی قرار نھیں دیا کہ ان کی طرف سے قوانین بنائے اور ان کو جاری کرے، تو پھر اس صورت میں حکومت کو کیا حق حاصل ھے کہ وہ ان کی اجتماعی زندگی کے لئے قوانین بنائے ، اور کس وجہ سے وہ ان پر حکم چلائے؟ اور اگر انھوں نے خلاف ورزی کی ھو تو ان کو سزائے اعمالتک پھونچائے؟ لھٰذا طے یہ ھوا کہ حکومت کے لئے اپنے مخالفین اور جن لوگوں نے اس کو ووٹ نھیں دیا ھے ؛ ان پر حکومت کرنے، اپنی طاقت کے بل بوتے پر اپنی اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے کوئی (بھی) عقل پسند راستہ موجود نھیں ھے۔

تیسرا اشکال:
قارئین کرام ! موکل کو اپنے وکیل کو معزول کرنے کا حق ھوتا ھے، یا اس کے بنائے ھوئے منصوبوں کو لغو اور بے اثر کرنے کا حق ھوتا ھے لھٰذا اگر کوئی شخص ممبر آف پارلیمنٹ کو ووٹ دے کر انتخاب کرلے لیکن اس کے بعد اپنی رائے سے پلٹ جائے تو وہ اپنے نمائندہ کو اس مقام سے معزول کرسکتا ھے اس کے علاوہ وکیل کو صرف موکل کی مرضی کے مطابق ووٹ دینے کا حق ھوتا ھے اور یہ حق نھیں ھوتا کہ اپنے موکلوں کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھائے اب اگر تمام عوام الناس یا ان میں آدھے افراد کسی قانون کے مخالف ھوں ، تو حکومت اس قانون کو کس حق کے تحت جاری کر سکتی ھے؟
خلاصہ یہ ھے کہ ڈیموکریسی حکومت کی مشروعیت اور قانونی ھونے کے لئے کوئی عقل پسند راستہ موجود نھیں ھے!
اور اس سلسلہ میں ڈیموکریسی نظریہ کے طرفدار لوگ یہ کھتے ھیں کہ ملک اور معاشرہ کوچلانے کے لئے ڈیموکریسی نظریہ سب سے بھترین نظریہ ھے کیونکہ اگر اقلیت کی مرضی کے مطابق حکومت بنے اور ان کی مرضی کے مطابق عمل کرے تو پھر اکثر عوام الناس کا حق ضایع ھوجائے گا جس کا نتیجہ یہ ھوگا کہ عوام الناس کی اکثریت مظاھرہ کرنے لگیں گے اور اس صورت میں ان کی شورش اور انقلاب کو روکنا مشکل ھوجائے گا یھی وجہ ھے کہ حکومت عوام الناس کی اکثریت سے انتخاب ھو اور ان کی مرضی کے مطابق عمل کرے؛ نہ یہ کہ حکومت عقل پسند مشروعیت رکھتی ھے۔

4۔ اسلام میں حکومت کی مشروعیت اور اس کا قانونی ھونا
اسلامی نظریہ کے مطابق، وہ عقل جو انسان سے کھتی ھے کہ فلاں کام اچھا ھے اور فلاں کام بُرا ھے، وھی عقل جو انسان سے کھتی ھے کہ ماں باپ، استاد اور عوام الناس تم پر حق رکھتے ھیں لھٰذا ان کے حقوق کو ادا کرنا چاھئے، وھی عقل انسان سے کھتی ھے کہ وہ خدا جس نے تمام دنیا، تجھے او ر تمام مخلوقات کو پیدا کیا ھے اس کے حقوق دوسروں سے بھت زیادہ اور عظیم ھیں اور انسان کو چاھئے کہ ان کو ادا کرنا چاھتے اب چونکہ خداوندعالم نے ھمیں پیدا کیا ھے اور ھمارے وجود بلکہ تمام کائنات کا مالک ھے اور تمام چیزیں اس کے ارادہ سے وجود میں آتی ھیں، اور اگر وہ ارادہ کرلے تو تمام چیزیں نابود ھوجائیں گی، اس نے اگر کسی کو قوانین نافذ کرنے کے لئے معین کیا ھے تو اس کا حکومت کرنا

قانونی اور مشروعیت رکھتا ھے اور پھر عوام الناس کے قبول کرنے یا نہ کرنے کی ضرورت نہیں ھے جس وقت وہ خدا جو ھم پر سب سے زیادہ حقوق رکھتا ھے(بلکہ تمام ھی حقوق اسی کی طرف سے ھیں) اس نے حکومت اور ولایت کا حق پیغمبر، ائمہ معصومین علیھم السلام یا امام معصوم (ع) کے جانشین کو دیا ھے ، اس کو حق ھے کہ معاشرہ میں خدائی احکام نافذ کرے، کیونکہ یہ شخص اس ذات کی طرف سے منصوب ھوا ھے کہ کل ھستی، تمام اچھائیاں اور تمام حقوق وخوبصورتی اسی کی طرف سے ھے۔

اس بنا پر اسلامی حکومتی نظریہ میں جس میں حاکم اسلامی خداوندعالم کی طرف سے قوانین اور احکام الٰھی جاری کرنے کاحق حاصل ھوتا ھے،لہٰذا وھی مجرموں اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سزائے اعمال تک پھونچا سکتا ھے، اور اس میں کسی بھی طرح کا کوئی تعارض نہیں ھے اور یہ نظریہ عقلی اصول پر (بھی) منطبق ھے البتہ یہ نظریہ ان لوگوں کے نزدیک قابل قبول ھے جو خداوندعالم پر ایمان رکھتے ھیں ورنہ اگر کوئی شخص خدا کو قبول نہ رکھتا ھو تو پھر وہ شخص اس نظریہ کو بھی قبول نہیں کرے گا، اور ھم پھلے اس کے لئے خداوندعالم کے وجودکا اثبات کریں اور اگر وہ خدا پر ایمان لے آتا ھے تو پھر اس موقع پر اس سے بیٹھ کر حکومت کے سلسلے میں اسلامی سیاسی نظریہ کے بارے میں بحث کریں لہٰذا جو افراد جو خدا ، رسول اور دین کو مانتے ھیں ان کے لئے بھترین راہ حکومت کی مشروعیت اور قانونی ھونے کے لئے یھی ھے کہ کل کائنات کا مالک خدا؛ معاشرہ کے مصالح کی رعایت کے لئے حق حکومت اپنے کسی (خاص) بندے کو عنایت کرتا ھے (تاکہ ا نسان معاشرہ کی خیر وبھلائی کے ساتھ آخرت کی سعادت بھی حاصل ھوجائے (

اسلامی معرفت کے پیش نظر اسی طرح اسلامی سیاسی نظریہ کی شناخت کی بنا پر معلوم یہ ھوتا ھے کہ انسانوں کے ایک دوسرے پر حقوق سے بالاتر خدا وند عالم حق ھے خداوندعالم کا، اس بنا پر اگر خداوندعالم اپنے کسی بندے کو کوئی کام کرنے کا حکم دے چاھے اس کے نقصان میں ھی کیوں نہ ھو تو اس کو انجام دینا چاھئے؛ البتہ خداوندعالم اپنے بے انتھا لطف وکرم اور مھربانی کی وجہ سے اپنی مخلوقات کے ضرر اور نقصان میں امر ونھی صادر نہیں کرتا، وہ کسی کا نقصان نہیں چاھتااور اس کے اوامر ونواھی انسان کی دنیا وآخرت کی مصلحت اور اس کی بھلائی میں ھوتے ھیں اور اگر خداوندعالم کے احکام کی تعمیل کی بنا پر انسان کو اس دینا میں کچھ نقصان بھی ھوتا ھے مثال کے طور پر اگر چند روزہ دنیا میں بعض لذتوں اور نعمتوں سے محروم رھتا ھے تو خداوندعالم اس کو آخرت میں جبران کردے گا اوردنیا میں ھوئے اس کے نقصان کے ھزاروں برابر اس کو ثواب اور اجر عنایت فرمائے گا۔

5۔ انبیاء علیھم السلام اور عوام الناس کی ھدایت کا طریقہ

خدا وندعالم نے اپنی طرف سے انبیاء علیھم السلام کو بھیجا تاکہ عوام الناس کو دین اور دنیا کے خیر وبھلائی کی ھدایت کریں خدا کی طرف سے بھیجا ھوا نبی پھلے تو حق (خدا) کی طرف دعوت دیتا ھے اور خدا کی آیات کو لوگوں کے سامنے تلاوت کرتا ھے اور جب ان کو خدا کی شناخت اور معرفت ھوجاتی ھے اور وظائف اور تکالیف قبول کرنے کا زمینہ فراھم کرتا ھے در حقیقت اس مرحلہ میں نبی یا پیغمبر عقل منفصل کا کردار ادا کرتا ھے ، اور اس سلسلہ میں کسی بھی طرح کا کوئی زور اور دباؤ نہیں دیا جاتا اور ان کی آزادی سلب کئے بغیر ان کی عقل وفھم کو بلند کرتا ھے تاکہ ان میں آزادانہ طور پر انتخاب کا زمینہ فراھم ھوجائے اور آزادانہ طور پر اسلام اور اس کے عظیم احکام کو قبول کرنے کا مادہ پیدا ھوجائے۔

پیغمبر اس لئے مبعوث ھوتا ھے تاکہ لوگوں کو حق و باطل کی شناخت کرائے اور ان کو حق و باطل کے راستہ پر لاکر کھڑا کردے تاکہ اپنی مرضی اور آزادی سے یا راہ حق وحقیقت کا انتخاب کرلے یا باطل کا راستہ اپنالے اس کے لئے وہ اپنی طاقت کے ذریعہ رسالت کو قبول نہیں کراتا یا دباؤ ڈال کر اپنے نظریات لوگوں سے قبول نہینکراتا،(کیونکھ) یہ ارادہ الٰھی کے برخلاف ھے، خداوندعالم کا ارادہ یہ ھے کہ عوام الناس حق وباطل کے راستہ کو پھچان کر آزادانہ طور پر کسی ایک کا انتخاب کریں لہٰذا معلوم یہ ھوا کہ خدا کا بھیجا نبی پھلے مرحلہ میں عوام الناس سے رابطہ برقرار کرتا ھے اور ان کو اپنے سے مانوس کرتا ھے ان سے گفتگو کرتا ھے نیز عقل دلائل ، معجزات اور آیات الٰھی کے ذریعہ اپنا پیغام ان تک پھونچاتا ھے، اور حق (وحقیقت) کی پھچان کراتا ھے۔

انبیاء علیھم السلام خداوندعالم ، اس کی آیات اور الٰھی نظام کو مستقر ھونے کے سلسلہ میں عوام الناس پر کسی طرح کا کوئی سختی اور دباؤ نہیں ڈالتے تھے، ان کے اھداف میں لوگوں کی آزادی اور آگاھانہ انتخاب پر خاص توجہ رکھی جاتی تھی ، در حقیقت عوام الناس کی آزادی کا خیال دوسرے نظاموں سے زیادہ رکھا جاتا تھا، ان کی کوشش یہ ھوتی تھی کہ عوام الناس دعوت خدا اور نظام کو قبول کرنے میں مکمل طور پر آزاد ھوں اس کی وجہ بھی یہ ھے کہ انسان کو خلق کرنے سے خداوندعالم کا ھدف اور مقصد یہ ھے کہ انسان آزاد اور خود انتخاب کرنے والا ھو اور اپنے مکمل اختیار اور

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

آزادانہ طریقہ سے راہ حق کا انتخاب کرے اور اسی کی ہدایت حاصل کرے، انبیاء علیہم السلام کا دعوت خدا اور نظام الٰہی کا قیام کے لئے اپنی طاقت اور زور کا استعمال کرنا؛ خداوندعالم کے ہدف اور مقصد سے ہم آہنگ نہیں ہے اگر طے یہ ہو کہ انسان کسی راستہ کو مجبوری کی حالت میں یا طاقت کے زور پر قبول کرے تو ہوسکتا ہے کہ وہ اس راستہ کی حقانیت کو نہ پہچانے، یہاں تک کہ شاید اس راستہ کے صحیح (بھی) نہ مانتا ہو؛ کسی بھی راستہ کی حقانیت اور اس کے صحیح ہونے کومعین کرنے کے لئے پہلے اس کے بارے میں شناخت اور معرفت ضروری ہے اور آزاد طور پر اس راستہ کو انتخاب کرنے کا زمینہ ہموار کیا جائے اور پھر خداوند عالم کے اس ہدف کے تحت کہ انسان علم و آگاہی کے ساتھ آزادانہ طور پر حق و حقیقت کا راستہ انتخاب کرے، خداوندعالم نے معجزہ کے ذریعہ راہ حق کو عوام الناس پر نہیں تھونپا ہے اور اس کی مرضی بھی یہ نہیں ہے کہ معجزہ کے ذریعہ لوگوں کو آزادنہ انتخاب سے روک دے اور ان کی مرضی میں تصرف کرے تاکہ غیر اختیاری طور پر راہ حق کوقبول کرلیں، اوراس کے مقابلہ میں سست پڑجائے، اسی وجہ سے خداوندعالم نے ارشاد فرمایا ہے:

(لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ أَلاَّ یَکُونُوا مُؤْمِنِینَ إِنْ نَشَأْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ آیَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَها خَاضِعِینَ) (1)

”(اے رسول)شاید تم (اس فکرمیں) اپنی جان ہلاک کر ڈالوگے کہ یہ (کفار)مو من کیوں نہیں ہو جاتے اگر ہم چاہیں تو ان لوگوں پر آسمان سے کوئی ایسا معجزہ نازل کر یں کہ ان لوگوں کی گر دنیں اس کے سامنے جھک جائیں “

6۔ عوام الناس کی ہدایت میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے کی ضرورت

قارئین کرام ! اس بات پر توجہ رہے کہ خداوندعالم نے عوام الناس کی ہدایت کے لئے اپنی طرف سے انبیاء بھیجے تاکہ راہ حق و باطل میں شناخت کرائیں ، تاکہ وہ صحیح راہ کی شناخت اور معرفت کے بعد آزادانہ طور پر اس صحیح راستہ کا انتخاب کریں؛ بعض مستکبر اور منفعت طلب لوگ جو لوگوں کی جہل و نادانی سے ناجائز فائدہ اٹھاکر بہت زیادہ مال و دولت اکھٹا کرلیتے ہیں وہ لوگ انبیاء علیہم السلام کی دعوت حق اورلوگوں کی ہدایت میں اپنے شیطانی اہداف کی بنا پر مانع ہوتے ہیں، اور انبیاء علیہم السلام سے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور انبیاء علیہم السلام کو عوام الناس سے گفتگو بھی نہیں کرنے دیتے یا ان کو آیات الٰہی بھی نہیں سنانے دیتے تاکہ کہیں ایسا نہ ہوں کہ یہ لوگ ہدایت پاجائیں یہ لوگ اپنی طاقت کے بل بوتے پر عوام الناس کو بہت زیادہ آزار واذیت پہونچاتے ہیں اور ان کے لئے بہت سی مشکلیں پیدا کردیتے ہیں تاکہ عوام الناس ہدایت سے فیضیاب نہ ہوسکیں یہ لوگ جو عوام الناس کی ہدایت میں مانع ہوتے ہیں خداوندعالم نے ان کوقرآن مجید میں ”ائمہ کفر“ اور فتنہ وفساد کی جڑ کہا ہے ، اور حکم دیا کہ پیغمبر اور ان کے ساتھی ان سے مقابلہ کریں اور ان کو اپنے راستہ سے ہٹا دیں؛ کیونکہ ان کا وجود اور ان کی شیطانی اور باطل حرکتیں خدائی اہداف میں مانع ہوتی ہیں کیونکہ خداوندعالم تو یہ چاہتا ہے کہ تمام انسان ہدایت سے سرفراز ہوجائیں اور راہ حق و باطل کو پہچان لیں، لیکن یہ لوگ مانع ہوتے ہیں:

ارشاد رب العزت ہوتا ہے :

(فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْکُفْرِ إِنَّهمْ لاَ أَیْمَانَ لَهمْ لَعَلَّهمْ یَنتَهونَ) (2)

”تو تم کفر کے سربر آ وردہ لوگوں سے خوب لڑائی کرو ان کی چار قسموں کا ہرگز کوئی اعتبار نہیں ہے تاکہ یہ لوگ اپنی شرارت سے باز آجائیں“

مثال کے طور پر اگر کوئی شخص سڑک پر گاڑی چلارہا ہے اور اس کے راستہ میں ایک بڑا سا پتھر موجود ہو تو اس کو اپنا راستہ طے کرنے کے لئے اس پتھر کو سڑک سے اٹھاکر دور پھیکنا پڑے گا، اور اس سلسلہ میں اپنی تمام تر کوششوں کو اس میں لگادے گا تاکہ اس پتھر کو اپنے راستہ سے ہٹا دے اصولی طور پر ہر صاحب عقل انسان اپنے راستہ میں آنے والی رکاوٹ کو دور کرتا ہے خداوندعالم بھی اپنے اس ہدف کے تحت کہ انسان ہدایت یافتہ ہوجائے؛ حکم دیا ہے کہ پیغمبر اور ان کے اصحاب ، بلکہ دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ ہدایت کے سلسلہ میں موجود دنیا بھر کے استکبار ، بادشاہ، ستمگر، دولت پرست اور تمام شیطانی قدرتوں کے ساتھ جنگ کریں اور ان کو نابود کردیں۔ خلاصہ یہ کہ : خداوندعالم کا فرمان یہ ہے کہ انسانوں کی ہدایت میں جو لوگ مانع ہوں (اہل کفر وباطل)ان کے ساتھ طاقت کے ذریعہ مقابلہ کیا جائے اور شدت پسندی کو ان کے حق جائز قرار دیا گیا ہے خداوندعالم نہیں فرماتا کہ ان کے ساتھ بیٹھ کر مسکرائیں اور خوش لہجہ، تبسم ، التماس اور التجا کریں کہ آپ حضرات اجازت دیں تاکہ ہم عوام الناس کی ہدایت کریں! اگر وہ اس درخواست کو قبول کرنے والے ہوتے اور اپنی خوش لہجہ زبان سے اپنی برے چال چلن سے رکنے والے ہوتے تو پھر وہ مستکبر ہی کیوں ہوتے ان میں بنیادی طور پر استکبار ، حیوانیت اور سرکشی ان کے اندر شامل ہے، وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے انسانوں کو اپناغلام بنا نا چاہتے ہیں اور ان کاخون پی لینا چاہتے ہیں ، وہ اس

چیز کی اجازت نهیں دیتے کہ ان کے منافع خطرہ میں پڑجائیں،اسی وجہ سے یہ لوگ نہیں چاهتے کہ عوام الناس ہدایت یافتہ هوجائیں اور انبیاء (علیهم السلام) کے فرمانبردار بن جائیں مومنین اور ہدایت کے طلبگاروں کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ باقی نہیں هے کہ ان لوگوں سے شدت اور تشدد کے ساتھ برتاؤ کیا جائے، اسی وجہ سے خداوندعالم اپنے پیغمبر اکرم (ص) کو قرآن مجید میں حکم دیتا هے کہ ان لوگوں سے جنگ کریں اور تشدد اور غصہ کے ساتھ ان کا مقابلہ کریں وهی پیغمبرجس کی صفت خداوندعالم یوں بیان فرماتا هے:

(فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنْ اللهِ لِنْتَ لَهمْ وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیظَ الْقَلْبِ لاَنْفَضُّوا مِنْ حَوْلِکَ) (3)

”(تو اے رسولیہ بهی)خدا کی ِِِِِِِِِِِِایک مہربانی هے کہ تم (سا) نرم دل)سردار) ان کو ملا اور تم اگر بد مزاج اور سخت دل هوتے تب تو یہ لوگ(خدا جانے کب کے)تمهارے گروہ سے تتر بتر هو گئے هوتے “

دوسری جگہ پیغمبر اکرم (ص) کو حکم هوتا هے کہ کفار (مشرکین اور منافقین) سے شدت کے ساتھ مقابلہ کریں اور ان سے جنگ کریں، اور شدت پسندی کو ان کے حق میں جائز جانتا هے، ارشاد هوتا هے:

(یَاأَیُّها النَّبِیُّ جَاهدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِینَ وَاغْلُظْ عَلَیْهمْ وَمَأْوَاهمْ جَهنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ)(4)

”اے رسول کفار کے ساتھ (تلوار سے)اور منافقوں کے ساتھ (زبان سے) جهاد کرواور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹهکا نا تو جهنم هی هے اور وہ(کیا)جگہ هے “

ایک دوسری جگہ خداوندعالم اپنے پیغمبر (ص) کوحکم دیتا هے کہ جو لوگ مسلمانوں کی جان اور مال کے لئے خطرہ بنے هوئے هیں ان کے سات شدت پسندی سے برتاؤ کریں، اور جیسے وہ کریں ان کو ویسا هی جواب دیں، اور بہت زیادہ شدت کے ساتھ جنگ کریں، ارشاد هوتا هے:

(وَقَاتِلُوا فِی سَبِیلِ اللهِ الَّذِینَ یُقَاتِلُونَکُمْ وَاقْتُلُوهمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوهمْ وَأَخْرِجُوهمْ مِنْ حَیْثُ أَخْرَجُوکُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنْ الْقَتْلِ وَلاَتُقَاتِلُوهمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّی یُقَاتِلُوکُمْ فِیهِ فَإِنْ قَاتَلُوکُمْ فَاقْتُلُوهمْ کَذَلِکَ جَزَاءُ الْکَافِرِینَ) (5)

”اور جو لوگ تم سے لڑیں تم (بهی) خدا کی راہ میں ان سے لڑو اور زیادتی نہ کرو (کیونکہ) خدا زیادتی کرنے والوں کو هرگز دوست نهیں رکھتا ۔اور تم ان مشرکوں) کو جهاں پاؤ مار هی ڈالو اور ان لوگوں نے جهاں (مکہ سے)سے تمهیں شهر بدر کیا هے تم بهی انهیں باهر نکال دو۔اور فتنہ پر دازی (شرک) خونریزی سے بهی بڑه کے هے اور جب تک وہ لوگ (کفار) مسجد حرام (کعبہ) کے پاس تم سے نہ لڑیں تم بهی ان سے اس جگہ نہ لڑو پس اگر وہ تم سے لڑیں تو (بے کهٹک) تم بهی ان کو قتل کرو۔کافروں کی یهی سزا هے۔“

7۔ الٰهی اقدار کی حفاظت اور مغربی کلچر سے روک تهام ضروری هے

دشمنوں سے مقابلہ اور جهاد، شجاعت، غیرت، حمیت، دینی تعصب، دین سے رغبت، فداکاری اور ایثار وغیرہ بهترین اور عظیم ترین اسلامی اقدار هیں جن کی وجہ سے مسلمانوں میں دینی پهچان، حیات، استقلال اور آزادی وجود میں آتے هیں لیکن اس کے مقابلہ میں مغربی کلچر (والے) یہ چاهتے هیں کہ کچھ جهوٹے اور خود ساختہ اقدار جیسے مطلق طور پر شدت پسندی کو منع کرنا (وغیرہ) کے ذریعہ هماری سلامی اقدار کو هم سے چهینا چاهتے هیں؛ اسی وجہ یہ کهتے هیں کہ شدت پسندی مطلق طورپر مذموم اور محکوم هے!!

جی هاں هم بهی مانتے هیں کہ ابتداء میں کسی کے ساتھ شدت پسندی مذموم اور محکوم هے ، لیکن کیا شدت پسندی کے مقابلہ میں شدت پسندی یا ظلم وستم، قتل وغارت، جان و مال اورناموس پر تجاوز ، اور ان سب سے مهم اسلام (جس کے لئے مسلمانوں کی جان بهی قربان هے) ؛ سے خیانت کرنے والوں کے مقابلہ میں بهی شدت پسندی بری اور محکوم هے؟ مسلّم طور پر اس طرح کی شدت پسندی نہ صرف یہ کہ مذموم اور محکوم نهیں هے بلکہ ضروری اور هر مسلمان کی خواهش هے۔

تو پهر کیوں هم سے یہ چاهتے هیں کہ هم اپنے دینی اقدار کو پامال هوتے هوئے دیکهیں جو کہ همیں جان سے بهی زیادہ عزیز هے ان کو تمهارے هاتهوں برباد هوتا هوا دیکهیں اور اپنے منہ پر هاتہ رکہ لیں اور کچھ نہ کریںاور ان کے ساتھ بیٹھ کر مسکرائیں؛ پس خداوندعالم نے انسان میں غضب کو کس لئے پیدا کیا هے؟ کس لئے همارے اندر قهر وغضب کے احساس کو پیدا کیا؟ آیا کچھ شدت پسند، خائن اور زر خرید غلاموں کے مقابلہ میں کچھ بهی اقدام نہ کریں یهاں تک کہ اگر همارا دین بهی خطرہ میں پڑ جائے کچھ بهی نہ بولیں اور شدت پسندی کو نہ اپنائیں؛ بلکہ آرام سے بیٹهے هوئے مسکراتے رهیں، پس یہ آیت کریمہ کس کے لئے هے:

(وَاقْتُلُوهمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوهمْ)

کس لئے خداوندعالم نے یہ ارشاد فرمایا هے:

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَہ أَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَہُمْ)(6)
”محمد (ص) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ انکے ساتھ ہیںوہ کفار کے لئےسخت ترین اور آپس میں انتہائی رحم دِل ہیں “
کہتے ہیں کہ اسلام تشدد اور شدت پسندی کا مخالف ہے، توآپ حضرات کہیں کہ اسلام کس شدت پسندی کا مخالف ہے؟
بعض مبہم چیزوں کو مطلق اقدار کے عنوان سے پیش کرتے ہیںتاکہ حقیقت کو چھپاسکیں، تاکہ شہادت طلبی، ایثار اور شجاعت وغیرہ کو لوگوں سے چھین لیں، اور ان کی جگہ بے توجہی، دین سے لاابالی اور دینی اور ملّی غیرت وغیرہ جیسے چیزوں کو عوام الناس میں رائج کریں۔
ہمیشہ تساہل(سستی) اور تسامح (ذو معنیٰ باتیں کرنا)کی باتیں کرتے ہیں ، کیا جو شخص ہماری جان کے لئے خطرہ ہو اس کے مقابلہ میں تساہل اور تسامح سے کام لیا جاسکتا ہے؟! کیا وہ شخص جو انسانی ناموس میں خیانت کرے اس کے ساتھ تساہل اور تسامح سے کام لیا جاسکتا ہے؟ کیا وہ شخص جو ہمارے دین کو جو ہماری جان سے بھی زیادہ عزیز ہے ؛ ہم سے چھین لینا چاہتا ہو اس کے مقابلہ میں تساہل اور تسامح سے کام لیا جاسکتا ہے؟!
اس بنا پر ، اسلامی حکومت کی تشکیل سے پہلے عوام الناس کی ہدایت کرنا ضروری ہے ، اور اس مرحلہ میں عوام الناس سے سخت لہجہ میں گفتگو نہیں ہونا چاہئے، اور سختی اور طاقت کے بل بوتے پر اسلامی حکومت کے تحقق کے لئے قدم نہ اٹھایا جائے اسی طرح اس مرحلہ میں لوگوں سے جھوٹے وعدے، فریب کاری اور گمراہ کنندہ وسائل کے ذریعہ عوام الناس کی صحیح ہدایت میں مانع ہونا صحیح نہیں ہے اس مرحلہ میں بھر پور سنجیدگی، بردباری، حوصلہ، صبر اور بھرپور وضاحت ، صداقت اور منطق اور عقل کی بنیاد پر عوام الناس سے گفتگو کی جائے تاکہ وہ حقیقت تک پھونچ جائیں اور غفلت وجہالت سے نجات پیدا کرلیں البتہ اس سلسلہ میں پیش آنے والی تمام تر رکاوٹوں کو راستہ سے ہٹایا جائے، اور جو لوگ عوام الناس کی ہدایت میں مانع ہوتے ہوں ان سے مقابلہ کیا جائے تاکہ عوام الناس کے لئے حق وحقیقت کے راستے کو انتخاب کرنے کا راستہ فراہم ہوجائے۔
جس وقت عوام الناس کا ایک گروہ حق کی طرف ہدایت پاجائے تو پھر اس حق کے پیروکاروں میں اضافہ کرنے کے لئے اور االسلامی اور الٰہی معاشرہ کی وسعت کے لئے عوام الناس میںثقافتی کارکردگی اور راہنمائی صبر وتحمل کے ساتھ ہوتی رہیں؛ جیسا کہ خداوندعالم بھی اپنے پیغمبر کو قرآن کریم میں اپنی رسالت کے پھونچانے میں صبر وتحمل کی طرف دعوت دیتا ہے اور آپ سے یہ چاہتا ہے کہ سختیوں، بری بھلی باتوں، گالیوں، سخت برتاؤ اور اذیتوں کے مقابلہ میں صبر وتحمل سے کام لیں تاکہ عوام الناس ہدایت یافتہ ہوجائیں:
(فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ أُوْلُوا الْعَزْمِ مِنْ الرُّسُلِ) (7)
” اے رسول)پیغمبروں میں سے جس طرح اولوالعزم (عالی ہمت)صبر کرتے رہے تم بھی صبر کر۔

8۔ قوانین کو جاری کرنے اور دشمن نظام سے بھر پور مقابلہ
قارئین کرام ! جس وقت خداوندعالم کی مرضی کے مطابق اسلامی حکومت تشکیل پائے، تو معاشرہ میں اسلامی احکام اور قوانین جاری ہوں اور دوسری حکومتوں کی طرح اس میں قوہ قہریہ (پولیس یا فوج) سے استفادہ کیا جائے، نیز حکومت کے پاس خلاف ورزی کرنے والوں سے مقابلہ کے لئے کافی اسباب و وسائل موجود ہوں، اور مجرموں اور خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے زندان، جرمانہ اور دوسری سزائیں معین کی جائیں، اور بیرونی دشمنوں نیز اندرونی فتنہ وفساد سے روک تھا م کے لئے پولیس اور فوج کا انتظام کیا جائے؛ کیونکہ حکومت صرف اخلاقی طور پر وعظ ونصیحت سے اپنا کام نہیں چلا سکتی وہ حاکم جس کے پاس طاقت اور قدرت نہ ہو اور فقط وعظ ونصیحت اور تذکر پر اکتفاء کرے وہ اخلاقی معلم تو ہوسکتا ہے حاکم نہیں ہو سکتا!!
پس جس قوت اسلامی حکومت اور قانونی حکومت تشکیل ہوجائے اور عوام الناس اس حکومت کو قبول کرلیں اور اس کی بیعت کرلیں، نیزحکومت بھی اسلامی قوانین اور احکام کو جاری کرنے اورملکی مسائل میں رسیدگی کرنے میںمشغول ہوجائے، تو اگر کوئی گروہ فتنہ وفساد اور آشوب برپا کرے تو اس سے مقابلہ ضروری ہے جیسا کہ ہماری اسلامی فقہی کتابوں میں وارد ہواہے کہ فتنہ وفساد اور آشوب برپا کرنے والوں (جن کو اصطلاحاً ”اہل بغی“ (بغاوت کرنے والے) کہا جاتا ہے) سے جہاد واجب ہے جس طرح حضرت علی علیہ السلام نے فتنہ وفساد پھیلانے والوں سے مقابلہ کیا ہے اور ان کو اپنی جگہ بٹھا دیا ہے۔
حضرت رسول اکرم (ص) کی وفات غم ناک کے بعد عوام الناس حضرت علی علیہ السلام کی بیعت پر آمادہ نہیں ہوئی جس کے نتیجہ میں حکومت دوسروں کے ہاتھوں میں چلی گئی، (اس وقت بھی) حضرت علی علیہ السلام نے لوگوں کی ہدایت فرمائی اور ان کی راہنمائی کی ہے ، اور حضرت نے 25/ سال سے اپنے اس وظیفہ کو انجام دیا اور حکومت (وقت) سے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کنارہ کشی اختیار کرلی لیکن جس وقت اسلامی ممالک مثل مصر، عراق اور مدینہ منورہ کے ایک بڑے مجمع نے آپ کی خدمت میں حاضری دی اور آپ کی بیعت کی ، اور آپ کو اپنا امام اور مقتدا تسلیم کرلیا، اس وقت حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اوپر حجت تمام دیکھی اور عوام الناس پر حکومت کرنے کا اپنا فریضہ سمجھا کیونکہ اس عظیم مجمع کی بیعت کے پیش نظر جس کا وجود تاریخ میں بے نظیر ھے ؛ حکومت سے دور رھنے کی کوئی دلیل باقی نہیں رھی ، لہٰذا آپ حکومت قبول کرنے پر مجبور ھوگئے؛ حالانکہ آپ کو حکومت سے ذرا بھی دلچسپی نہ تھی ، اور صرف عوا م الناس کی بیعت کے ذریعہ الٰھی وظیفہ کا احساس کرتے ھوئے حکومت کی باگ ڈور اپنے ھاتھوں میں سنبھالی، جیسا کہ آپ نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ھیں:

”اَمَا وَ الَّذِی فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَأَ النَّسَمَةِ لَولا حُضُورُ الْحَاضِرِ وَ قَیَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُوْدِ النَّاصِرِ، وَمَا اَخَذَ اللّٰہُ عَلَی الْعُلَمَاءُ اَنْ لا یُقَارُّوْا عَلٰی کَظَّةِ ظَالِمٍ وَلاٰ سَغَبِ مَظْلُوْمٍ لَاَلْقَیْتُ حَبْلَھا عَلَی غَارِبِھا وَلَسَقَیْتُ آخِرَھا بِکَاْسِ اَوَّلِھا وَلَاَلْفَیْتُمْ دُنْیَاکُمْ ھٰذِہِ اَزْھَدَ عِنْدِیْ مِنْ عَفَطَةِ عَنْزٍ “ (8)

دیکھو! اس ذات کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور ذی روح چیزیں پیدا کیں ،اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی اور مدد کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ھو گئی ھوتی ، اور خدا وندعالم نے علماء سے یہ عھد و پیمان نہ لیتا کہ وہ ظالم کی شکم پری اورمظلوم کی گرسنگی پر سکون وقرار سے نہ بیٹھیں تو میں خلافت کی باگ ڈور اسی کے کندھے پر ڈال دیتا اور اس کے آخر کو پھلے والے کے کاسہ سے سیراب کرتا اور میری نظر میںتمھاری دنیا کی قیمت بکری کی ناک سے بھتے پانی کی طرح ھے۔

لیکن ابھی حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کو صرف چند ھی دن گذرے تھے کہ دنیا پرست اور تبعیض اور بے عدالتی چاھنے والوں نیز اپنے کو دوسروں سے بھتر جاننے والے حضرت علی علیہ السلام کی عدالت کو برداشت نہ کرسکے اسی طرح وہ لوگ جو حضرت علی علیہ السلام کی حکومت میں اپنی شیطانی تمناؤں اور غاصب اور غیر قانونی حکومت کو خطرہ میں دیکہ رھے تھے ، اسی طرح وہ سادہ لوح مسلمان جو صحیح اسلامی نظریہ کو سمجھنے سے قاصر تھے نیز ان کی فکر پست اور ھٹ دھرمی کی وجہ سے حضرت علی علیہ السلام کی عظیم حکمت عملی کو نہیں سمجھ رھے تھے، یہ تمام لوگ ایک کے بعد ایک فتنہ وفساد اور آشوب برپا کرنے لگے ، چنانچہ جنگ جمل، جنگ صفین اور آخر کار جنگ نھروان رونما ھوئیں اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام ایک اسلامی حاکم کے عنوان سے ؛ جب آپ نے الٰھی اور اسلامی قوانین و احکام کو خطرہ میں دیکھا تو آپ کا کیا وظیفہ تھا؟ کیا آپ ھاتہ پر ھاتہ رکھے تماشا دیکھتے رھتے!! اور فتنہ وفساد اور آشوب کی روک تھام نہ کرتے؟! کیونکہ تشدد اور شدت پسندی محکوم اور مذموم ھے؟!!

لیکن حضرت علی علیہ السلام نے اس وقت اسلامی حکومت اور اس کے ارکان کی حفاظت کے خاطر تلوار اٹھالی اور باغی اور سرکش لوگوں کے ساتھ جنگ کی ، جنگ جمل میں بھت سے صحابی رسول یھاں تک کہ طلحہ و زبیر جو مدتوں تک رسول اکرم (ص) کے ساتھ مل جھاد کرتے تھے؛ کو قتل کیا حالانکہ زبیر آپ کا پھوپھی زاد بھائی تھا اور اس کی جانفشانی اور آنحضرت (ص) کے بزم میں اپنے صلاحیت کی وجہ سے آنحضرت (ص) نے اس کے لئے دعا فرمائی ھے، لیکن حضرت علی علیہ السلام نے نھیں فرمایا: کہ اے زبیر ! تو میرا پھوپھی زاد بھائی ھے اور دونوں دوستی کرلیں، اور میں تجھ سے نرم رویہ اختیار کروں گا اور تیری چاھتوں کو پورا کردو ں گا بلکہ آپ نے اس عقیدہ کے ساتھ کہ چونکہ میری حکومت حق ھے لہٰذا جو لوگ اس کے مقابلہ میں سرکشی کریں گے ان کو پسپا کردیا جائے لہٰذا آپ نے پھلے ان کو وعظ اور نصیحت فرمائی لیکن جب انھوں نے نہ مانا تو پھر تلوار کا سھارا لیا اور ان کو پسپا کردیا اور بھت سے لوگوں کو قتل کر ڈالا کیونکہ آپ کی نظر میں خدا اور مسلمانوں کا حق ذاتی مفاد سے کھیں بالاتر تھا اور اسلامی نظام کو باقی رکھنے کے لئے تشدد اور شدت پسندی کو ضروری سمجھا؛ کیونکہ اسلامی نظام کی حفاظت کے لئے تشدد اور شدت عمل کو واجب سمجھتے تھے۔

9۔ سازش کرنے والوناور زر خرید غلاموں کے مقابلہ میں عوام الناس کی ھوشیاری

قارئین کرام ! اسلامی انقلاب سے پھلے جب اسلامی حکومت تشکیل نہیں ھوئی تھی حضرت امام خمینی رحمة اللہ علیہ اپنی تقاریر اور مکاتبات کے ذریعہ عوام الناس کی ھدایت اورراھنمائی کرتے تھے اور حکومت کو نصیحت فرمایا کرتے تھے؛ لیکن جس وقت لوگوں نے امام خمینی (رہ) کی بیعت کی اور اسلام پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ھوگئے اور اسلام دشمن طاقتوں کو ملک سے باھر نکالنا چاھتے تھے اور اس ملک میں اسلامی و الٰھی حکومت کے خوھاں تھے، اس وقت حضرت امام خمینی (رہ) نے حکومت کی ذمہ داری قبول کی اور فرمایا:

”میں اس ولایت کی مشروعیت کی بنا پر جس کو خداوندعالم نے مجھے عطا فرمائی ھے نیز آپ حضرات کی مدد اور کمک

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کے ذریعہ اس حکومت کا جنازہ نکال دونگا اور خود حکومت بناؤں گا۔“
یعنی امام خمینی (رہ)ولی فقیہ کے عنوان سے عوام الناس پر حکومت کا حق رکھتے تھے اور آپ کی ولایت الٰھی مشروعیت اور قانونیت رکھتی تھی، لیکن جب تک عوام الناس میدان میں نہ آئی اور آپ کی بیعت نہ کی ، اس وقت تک اس ولایت نے عینی تحقق پیدا نہ کیا؛ لیکن عوام الناس کے میدان میں آنے اور انقلابی صحنوں کم نظیر حاضر ھونے اور راہ اسلام و رھبری کی اتباع کرنے میں وفاداری اور جانفشانی کے اعلان کے بعد ، وہ الٰھی ولایت عینی تحقق موجود ھوگئی اور اسلامی حکومت تشکیل ھوگئی۔
بے شک کہ اس اسلامی حکومت کو لاکھوں شھیدوں کا خون دینا پڑا ھے جس کی وجہ سے آج بھی باقی ھے اور بھت عظیم فدارکار اور انقلاب کے فداکاروں کے ذریعہ اس ملک کی سر حد اور انقلابی اقدار کی حفاظت میں مشغول ھیں لھٰذا چند زر خرید غلاموں کے ذریعہ اس کو کوئی نقصان نھیں پھونچنا چاھئے ھمارے عوام الناس اس چیز کی کبھی اجازت نھیں دیں گے کہ چند خود فروش مزدوروں کے ذریعہ ؛ اسلامی مصالح، لوگوں کی جان ومال اور ناموس خطرہ میں پڑ جائیں جو لوگ اس مرحلہ میں (18 تیر ماہ 1378ھجری شمسی کے بعد سے(9) کچھ آشوب بپا کرنے والے مزدوروں اور دوسروں کی روٹیوں پر پلنے والے سڑکوں پر نکل کر آشوب بپا کرنے لگے اور لوگوں کے گھروں، دکانوں وغیرہ کو آگ لگائیں اور بھت زیادہ لوٹ مار کریں، لوگوں کی ناموس اور عزت کو پامال کریں ، تو کیا ان تمام لوگوں کا سختی کے ساتھ مقابلہ نہ کیا جائے؟!! اور کیا اسلام تشدد کی اجازت نھیں دیتا؟! یا یہ کہ ان لوگوں نے اسلام کو نھیں پھچانا ، یا پھر وہ مسلمانوں کے ساتھ خیانت کرنا چاھتے ھیں!!
ھنسی اور لوریاں دے کر تو آشوب گری سے روک تھام نھیں کی جاسکتی، ان کے مقابلہ میں پولیس، تشدد اور شدت عمل کے ذریعہ برتاؤ کیا جائے اور طاقت کے بل بوتے پر ان کی روک تھام ھوسکتی ھے، جس کے بعد پھر کبھی ملک میں اس طرح کے درد ناک حوادث رونما نہ ھونے پائیں کیونکہ ھمارے برادران ان لوگوں کے فریب میں نھیں آئیں گے جو کھتے ھیں کہ تشدد اور شدت پسندی ھمیشہ اور مطلقاً ممنوع ھے، ان کی باتوں کو نھیں مانیں گے اور اگر آج تک صبر کیا اور خون جگر پیا ھے تو وہ مقام معظم رھبری حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای مد ظلہ کی طاعت اور فرمانبر داری کی وجہ سے ھے، ورنہ تو جب ھمارے فداکار لوگوں کو یہ احساس ھوجائے کہ مقام معظم رھبری فلاں کام پر دل سے راضی نھیں ھیں تو پھر ان کی مرضی کے لئے اپنی جان کی بازی بھی لگاسکتے ھیں چنانچہ پوری دنیا نے دیکھا کہ جب مقام معظم رھبری نے ساکت رھنے اور آرام سے رھنے کے لئے کھا تو سبھی لوگ آپ کی اطاعت اور عمومی مصالح کی بنا پر سب بیٹھے دیکھتے رھے اور خون جگر پیتے رھے اور جب تک آپ کا اشارہ نہ ھوا سڑکوں پر نہ آئے اور مظاھرے نہ کئے، لیکن جیسے ھی انقلاب سے وفاداری کے اعلان کا وقت آپھنچا تو دشمنونکو دکھادیا کہ ھم ھمیشہ اسلام اور انقلاب سے دفاع کرنے کے لئے حاضر ھیں، پورے ملک میں وہ عظیم مظاھرے ھوئے جن پردنیا بھر کے لوگوں اور خود دشمنوں نے تعجب کیا۔

حوالے

(1)سورہ شعراء آیت 3 تا 4
(2) سورہ توبہ آیت 12
(3)سورہ آل عمران آیت 159
(۴) سورہ توبہ آیت 73
(5) سورہ بقرہ آیت 1950 تا 191
(6) سورہ فتح آیت 29
(7)سورہ احقاف آیت 35
(8) نھج البلاغہ خطبہ نمبر 3
(9)یہ تھران یونیورسٹی میں ھونے والے حادثہ کی طرف اشارہ ھے جس کی آگ وھاں سے شروع ھوکر شھر کے مختلف مقامات تک پھنچی اور جس میں امریکہ غلاموں نے قتل وغارت اور بربریت کا وہ کھیل کھیلا جس سے انسانیت لرز اٹھی یھاں تک کہ عبادت گاھوں اور مساجد میں آگ لگادی گئی (مترجم(

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

سیتیسواں جلسہ

تشدد کے سلسلہ میں ایک تحقیق

1- گذشتہ مطالب پر ایک نظر
ہم نے عرض کیا کہ اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ معاشرہ میں اسلامی قوانین نافذ کرے اور امن وامان برقرار رکھے نیز ملک کو اندرونی اور بیرونی خطرات سے محفوظ رکھے ظاہر سی بات ہے کہ اس سلسلہ میں پولیس ، طاقت اور تشدد سے کام لیا جائے گا اور جو لوگ اسلامی ملک سے دشمنی اور عناد کی بنا پر جنگ وجدال کرتے ہیں؛ ان سے پیار ومحبت اور نرمی کے ساتھ مقابلہ نہیں کیا جاسکتا، یا وہ لوگ جو اندرون ملک شیطانی حرکتوں کے تحت فساد کرتے ہیں ؛ ان سے پیار ومحبت کے ذریعہ ان سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔
ہم نے یہ بھی عرض کیا کہ جس طرح سے اسلامی قوانین رحمت ومحبت اور مہربانی پر مبنی ہوتے ہیں اور اسلام پیام دوستی ومحبت دیتا ہے؛ اسی طرح خاص مواقع پر طاقت، سخت رویّےاور خشونت (شدت پسندی)سے بھی کام لیا جاتا ہے، اور اسلام مجرموں اورفساد کرنے والوں کے ساتھ مقابلہ کرنے اور سزا دینے کا بھی حکم دیتا ہے لیکن چونکہ یہ بحث ایک فرعی تھی اور اس بحث کا شمار ہماری اصلی بحث میں نہیں ہوتا، لہٰذا مختصر طور پر اس سلسلہ میں گفتگو ہوئی لیکن حق مطلب ادا نہیں ہوسکا لیکن اس سلسلہ میں اخباروں اور جرائد میں ہونے والے عکس العمل (ری ایکشن) سے اندازہ ہوتا ہے کہ محبت اور تشدد کے سلسلہ میں مزید تفصیلی بحث کی ضرورت ہے، لہٰذا اس جلسہ کے لحاظ سے اس موضوع پربعض چیزیں بیان کرتے ہیں۔

2- دشمنوں کی طرف اسلام کے خلاف پروپیگنڈا اور کارکردگی
ایک زمانہ سے اسلام کے دشمنوں نے دین اسلام کو تشدد اور شدت پسندی کا دین قرار دے رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، کیونکہ اسلام نے دشمنوں سے جہاد اور مقابلہ کو قابل ستائش قرار دیا ہے، چنانچہ قرآنی بہت سی آیات جہاد کے بارے میں موجود ہیں، اور جہاد کو فروع دین قرار دیا گیا ہے۔
چنانچہ بعض لوگ اس مسئلہ سے نا جائز فائدہ اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلام، تشدد اور شدت پسندی کا دین ہے ، اور اسلام پھیلانے کے لئے طاقت اور تلوار کا استعمال کیا گیا ہے، یعنی لوگوں نے ڈر کر اسلام کوقبول کیا ہے ان کے مقابلہ میں بعض لوگوں نے اس نظریہ سے متاثر ہوتے ہوئے دفاعی لہجہ اختیار رکرتے ہوئے کہا کہ اسلام میں تشدد نہیں ہے، اسلام ہمیشہ پیار ومحبت کی دعوت دیتا ہے، اور جہاد یا شدت پسندی کے مسائل ایک خاص زمانہ اور خاص مقام سے مخصوص تھے ، عصر حاضر میں ان مسائل سے کوئی سروکار نہیں ہے، اور ان کو (آج کل) بیان بھی نہیں کرنا چاہئے، آج کل صرف پیار محبت اور جھک کر باتیں کرنا چاہئے!
ہماری ملت جانتی ہے کہ دشمن کن اغراض ومقاصد کے تحت اسلام کے خلاف پروپیگنڈاکررہا ہے لہٰذا ہماری ملت دشمن کے پروپیگنڈے سے متاثر نہیں ہوتی لیکن توجہ رہے کہ مسئلہ یہی پر ختم نہیں ہوتا بلکہ اس سے آگے قدم رکھا جاتا ہے ، اور جیسا کہ آپ حضرات جانتے ہیں کہ آج اسلامی دشمن طاقتیں نئے نئے طریقوں سے اسلام کے خلاف پروپیگنڈاکررہی ہیں اور ہر روز مختلف طریقوں؛ جیسے ادبی، ہنری اور دیگر طریقوں سے اسلامی معارف میں شبہات و اعتراضات وارد کررہی ہیں، تاکہ ہماری ثقافت میں خطرناک برے آثار پھیلادیں تاکہ عوام الناس دینی سلسلہ میں کمزور ہوجائیں یہ وہ چیز ہے جس کے بارے میں نفسیاتی اور ذاتی تجربات شہادت دیتے ہیں۔
ہم نے اپنی آنکھوں سے اپنے اسلامی معاشرہ اور دوسرے اسلامی ملکوں کو دیکھا ہے کہ جس وقت اسلام دشمن طاقتیں اپنے مختلف طریقوں سے مسلسل پروپیگنڈاکرتی ہیں اور کسی ایک معاشرہ کو تحت تاثیر قرار دیتی ہیں ، یہاں تک کہ آنے والی نسل (جودشمن کے مد نظر ہوتی ہے) دشمن کی تبلیغ سے متاثر ہوجاتی ہے، اور جوان طبقہ دشمن کے پروپیگنڈے کی زد میں آکر اپنی دینی اور قومی حیثیت بھول جاتا ہے اور جیسا کہ دشمن چاہتا ہے اپنی اصلی حیثیت کو بھول کر دشمن کی پیش کردہ صورت اپنالیتا ہے۔
اگر ہم عصرِ حاضر کی ثقافت خصوصاً روشن خیال رکھنے والوں کے یہاں رائج ثقافت کو دیکھیں تو دشمن کے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

پروپیگنڈے کے آثار واضح طور پر دکھائی دیں گے، اور ان چیزوں کا بھی مشاہدہ کرلیں گے جو دشمن نے ہماری یہاں رائج کی ہیں ہماری ثقافت میں دشمن کی رائج کردہ چیزوں میں سے آزادی اور ڈیموکریسی ہینجس کو مطلق اقدار کی صورت میں ہمارے معاشرہ میں رائج کردیا گیا ہے، اور ان چیزوں کے بارے میں اس قدر پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ گویا ایک بت ہے کہ کوئی اس ڈیموکریسی کے خلاف بولنے کی جرائت نہیں کرتا اور نہ ھی اس کے نقائص کو بیان کرسکتا ہے حالانکہ خود مغربی دانشور وں نے ڈیموکریسی کے سلسلہ بھت زیادہ اور سخت تنقید کی ہے، اور آج بھی بھت سے سیاسی فلاسفہ اور سماج ماھرین مختلف مواقع پر ڈیموکریسی کے برخلاف گفتگو کیا کرتے ہیں نیز اس سلسلہ میں کتابیں بھی لکھی جاتی رھی ہیں، اور یھی نہیں بلکہ ان میں سے بعض (بھترین) کتابوں کا دنیا کی مختلف مشھور زبانوں میں ترجمہ ھوتا ہے منجملہ فارسی (و اردو) ، ان کو عوام الناس پڑھتے ہیں؛ لیکن اس زمانہ میں دشمنوں کی طرف سے ڈیموکریسی کے اس طرح مقدس جلوہ دکھائے جاتے ہیں کہ جھان سوم میں کوئی اس کے خلاف بولنے کی جرائت نہیں کرتا اور اس سلسلہ میں تنقید نہیں کرسکتا، اگر کوئی مغربی ممالک میں رائج ڈیموکریسی اور آزادی کے بارے میں زبان کھولے تو اس کو بیک ورڈ اور ظلم واستبداد جیسی تھمتوں سے نوازا جاتا ہے۔

3۔ مغربی ممالک میں حقوق بشر کا جھوٹا دعویٰ
بے شک مغربی باشندے اپنے پروپیگنڈوں کے پیچھے ایک خاص مقصد چھپائے ھوئے ہیں، اور اپنے منافع کے خاطر نیز انقلابی ممالک کو اپنے تحت لانے کے لئے ھمیشہ ڈیموکریسی، آزادی اور حقوق بشر کا دم بھرتے ہیں، اور اگر کوئی ان کی مخالفت کرتا ہے تو اس پر ڈیموکریسی کی مخالفت اور حقوق بشر کی پامالی کی تھمت لگاتے ہیں حالانکہ ھم دیکھتے ہیں کہ ظالم ترین اور ڈکٹیٹر"Dictaor" حکومتونکے ظلم وستم کے مقابلہ میں کوئی عکس العمل (ری ایکشن) نہیں دکھایا جاتا، کیونکہ اس حکومت کے ذریعہ ان کے مقاصد پورے ھوتے ہیں بلکہ خود وہ حکومتیں انھیں کی پٹھو ھوتی ہیں۔
قارئین کرام ! ان کے جھوٹے دعوں کا پول تو اس وقت کھلتا ہے جب کسی ملک میں ڈیموکریسی اصول وضوابط کے تحت انتخابات ھوتے ہینلیکن اسلام پسند پارٹی اکثریت میں آجاتی ہے اور وہ پارٹی کامیاب ھوجاتی ہے تو اس وقت ان انتخابات کو باطل قرار دیدیا جاتا ہے؛ اور فوجی بغاوت کے ذریعہ فوجی حکومت قائم کردی جاتی ہے اور ھر روز ھزاروں بے گناہ لوگوں کا خون بھایا جاتا ہے، اور آزادی خواہ مسلمانوں کو سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا جاتا ہے اور حقوق بشر کے یہ جھوٹے نعرے لگانے والے نہ صرف یہ کہ اس حکومت کو حقوق بشر پامال کرنے اور آزادی کی رعایت نہ کرنے کا الزام نہیں لگاتے بلکہ جلد ھی اس حکومت کو تسلیم بھی کرلیتے ہیں اور ان کے کارناموں کی تائید کرتے ہیں اور بھت ھی وسیع پیمانے پر ان کی حمایت کرتے ہیں۔
یا جس وقت صھیونیزم ”سر زمین فلسطین“ پر قبضہ کرتے ہیں اور لوگوں کو اپنے گھروں سے باھر نکال دیتے ہیں اور ھزاروں بے گناہ لوگوں کا خون بھاتے ہیں اور لاکھوں لوگوں کو اپنے ملک سے باھر نکال دیتے ہیں،اس وقت کوئی نہیں کھتا کہ ان کا یہ کام حقوق بشر کے خلاف ہے بلکہ طاقتور ممالک اور سوپر پاور ممالک اس غاصب اور قابض حکومت کو تسلیم کرلیتے ہیں، جبکہ یہ ظالم اور غاصب حکومت اس سر زمین کے اصلی مالکوں کا قتل عام کرتی ہے اور ان کے گھروں کو مسمار کر رھی ہے، لیکن ان سب کو دیکھ حقوق بشر کا نعرہ لگانے والے کوئی اعتراض نہیں کرتے صرف کبھی کبھار اقوام متحدہ اپنی سیاست کے تحت کوئی بے معنی اور غیر موثر حکم صادر کرتی ہے اور عملی طور پر اس غاصب وظالم حکومت کو گرین لائٹ دکھاتی ہے کہ اگر اس حکم نامہ پر عمل نہ بھی کیا تو کوئی بات نہیں کوئی مشکل پیش آنے والی نہیں ہے اور کسی طرح کا کوئی ایکشن نہیں لیا جائے گا۔
جب کہ ھم دیکھتے ہیں کہ دسیوں حکم نامہ اسرائیل غاصب کے خلاف دئے جاچکے ہیں لیکن اس نے کسی پر بھی عمل نہیں کیا ہے اورھمیشہ ان کی مخالفت کرتا رھا ہے ، لیکن نہ یہ کہ کبھی اس کو سزا دی گئی بلکہ انعام کے طور پر اس کو کروڑوں ڈالر کی (بلا عوض) امداد کی جاتی ہے اور بڑے بڑے اسلحے، مھلک ھتھیار (آئیٹم بم) بنانے کی ٹکنالوجی دی جاتی ہے توکیا کوئی حکومت اور حقوق بشر کا دفاع کرنے والوں نے اس غاصب اسرائیل کے بارے میں جو انسانوں کے روز مرہ کے حقوق بھی پامال کر رھا ہے اور اقوام متحدہ کے حکم ناموں کو بھی نہیں مانتا او رھمیشہ ان کی مخالفت کرتا ہے، کیا اس کو کبھی کسی نے ڈیموکریسی اور حقوق بشر کا مخالف قرار دیا؟!!

4۔ اسلامی نظام پر تشدد طلب ھونے کا الزام اور اس کے خلاف سازشیں
ھمارے ملک میناسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد (اسلام دشمن طاقتوں نے) تشدد کے سلسلہ میں بھت زیادہ پروپیگنڈا کیا ہے، سب سے پھلے یہ کھا کہ شاہ پھلوی کی قانونی حکومت کے سامنے قیام کرنا تشدد ہے اور انقلاب کی کامیابی کے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

بعد، جب منافقین گروھوں نے عوام الناس کو اپنے غیر اسلامی اھداف سے ھم آھنگ نہ پایا تو انھوں نے انقلاب اور عوام الناس سے مقابلہ شروع کردیا اور دینی اور سیاسی مہم شخصیتوں کو قتل کرنے لگے یھاں تک کہ بے گناہ لوگوں پر بھی رحم نہ کیا، جس کے بعد عوام الناس نے بھی ان سے مقابلہ شروع کردیا اور ان کو ملک سے بھگادیا؛ اس روز سے آج سے مغربی ممالک ھمارے خلاف پروپیگنڈا کرتے ھیں اور کھتے ھیں کہ منافقین سے ایسا برتاؤ کرنا تشدد ھے! کوئی یہ نھیں دیکھتا کہ ان منافقین کے گروھوں نے کس قدر ھمارے ملک کو نقصانات پھونچائے ھیں کوئی مہم شخصیتوں کے قتل کی مذمت نھینکرتا ھے، لیکن جس وقت ایک ملت اپنے دین اور ملک سے دفاع کرنے کے لئے قیام کرتی ھے اور ٹرورسٹوں "Terroristes"کو پسپاکرتی ھے اور ان میں سے بعض لوگوں کو سزائے اعمال تک پھنچاتی ھے اور بعض کو ملک بدر کرتی ھے تو اس وقت شور و غل مچاتے ھیں کہ یہ سب کچھ حقوق بشر کے خلاف ھے!!

اسی طرح جب 18 تیر ماہ 1378ئہ شمسی کے بعد بعض فتہ وفساد برپا کرنے والے بیت المال، عوامی مال دولت، بینک، ذاتی اور سرکاری گاڑیوں یھاں تک کہ مسجدوں میں بھی آگ لگادیتے ھیں اور عورتوں کو بے آبرو کرتے ھیں عورتوں کے سروں سے چادر چھین لیتے ھیں؛ اس وقت کوئی نھیں کھتا کہ یہ کام حقوق بشر کے خلاف ھے ، بلکہ ان لوگوں کو اصلاح طلب اورڈیموکریسی و آزادی کا طرف دار کھا جاتا ھے! لیکن اگر اسلامی جمھوری ایران اور فدا کار بسیجی (عوامی رضاکار فوج) بے خوف وخطر ان سے مقابلہ کرتی ھے اور دین و شرف اور اپنے محبوب نظام سے دفاع کے لئے اٹھ کھڑی ھوتی ھے اور فتنہ وفساد پھیلانے والوں کا قلع وقمع کرتی ھے تو اس موقع پر یہ لوگ فلک شگاف نعرے لگاتے ھیں کہ ایران میں آزادی نھیں ھے، اور ایرانی نظام حکومت ڈکٹیٹر شپ"Dictaorship" ھے!!

مغربی ممالک اپنے دعوی کے باطل ھونے کو جانتے ھیں لہٰذا انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد سے اسلامی نظام کو درھم و برھم کرنے کے لئے اس طرح کے پروپیگنڈے کیا کرتے ھیں اگرچہ ھم ان کے نحس مقاصد اور ارادوں سے بے خبر نھیں ھیں، لیکن وہ اپنے تجربات کی بنا پر اچھی طرح جانتے ھیں کہ کس طرح ایک نظام کو سرنگوں کیا جاتا ھے چاھے پچاس سال کے بعد ھی کیوں نہ ھو، (اگرچہ ان کا یہ خیال باطل اور بے ھودہ ھے) لہٰذا وہ ابھی سے اس سلسلہ میں مختلف طریقوں سے بھت زیادہ کارکردگی کر رھے ھیں ان کا مقصد یہ ھے کہ انقلاب کی ایک دو نسل گذرنے کے بعد جنھوں نے انقلاب کو نھیں سمجھا ھے اور انقلاب سے پھلے مفاسد اور شاہ پھلوی کے ظلم و جور کو نھیں دیکھا ھے اور اسلامی نتائج سے آگاھی نھیں رکھتے نیز حضرت امام خمینی (رہ) اور ان کے ساتھیوں کے تربیت یافتہ نھیں ھے، یہ سبب ان کے پروپیگنڈونسے متاثر ھوجائیں گے؛ تاکہ اسلامی حکومت کو سرنگون کرکے اپنی مرضی کی حکومت تشکیل دیں جس کو آج کی اصطلاح میں ڈیموکراٹک "Democratic"کھا جاتا ھے۔

5۔ لوگوں میں انتخابات سے بائیکاٹ کا راستہ ھموار کرنا

یہ لوگ اپنے نحس مقاصد تک پھنچنے کے لئے حساب شدہ منصوبہ بندی کرتے ھیں اور ثقافتی بنیادی فعالیت انجام دیتے ھیں اور موثر و کارگر وسائل کو بروئے کار لاتے ھیں انقلاب کی کامیابی کے بعد سے (خصوصاً آخری چند سالوں سے) جن الفاظ سے استفادہ کرتے ھیں ، ان میں سے تساھل (سستی) تسامح (لاپرواھی) اور مدارا(تال میل) ھیں جن کو مطلق اقدار کے عنوان سے پیش کرتے ھیں، اور اس کے مقابلہ مینقاطعیت اور تشدد کی مطلق طور پر مذمت کرتے ھیں۔

اس نظریہ کی دلیل یہ ھے کہ انھوں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا ھے کہ جو چیز نظام اسلامی کے بقاء کی ضامن ھے وہ ھے عوام الناس خصوصاً جوانوں اور بسیجیوں کا اسلام اور رھبری سے لگاؤ اور محبت ھے ؛ یھاں تک کہ ان اقدار کی حفاظت (جو کہ لاکھوں شھیدوں کے خون کی برکت سے حاصل ھوا ھے) ؛ کے لئے اپنی جان سے کھیلنے کے لئے حاضر ھیں یہ لوگ علم و ادب اور ثقافتی پروپیگنڈوں سے عوام الناس کی شجاعت، ایثار، بھادری، معنوی طاقت اور دینی غیرت کو چھین لینا چاھتے ھیں اسی وجہ سے منفی ، غیر انسانی اور ظالمانہ تشدد جو دنیا بھر میں ھوتی رھتی ھے، اور جس کے تباہ کن نتائج ھر روز دیکھنے میں آتے رھتے ھیں؛ اس کو ھمارے سامنے بیان کرتے ھیں تاکہ یہ سمجھائیں کہ تشدد کے یہ برے نتائج ھوتے ھیں؛ لہٰذا کسی بھی طرح کی کوئی تشدد صحیح نھیں ھے بلکہ مذموم ھے یھاں تک کہ اگر کوئی غیظ وغضب مینکچھ کھے، یا" امریکہ مردہ باد" کے نعرہ لگائے یا فساد پھیلانے والوں سے مقابلہ کرے اوران کو کچل دے ، تو ان کا یہ کام تشدد ، شدت پسندی اور محکوم و مذموم ھے۔

ان لوگوں مقصد یہ ھے کہ اس طرح انقلابی اقدار کا دفاع کرنے والوں کو شدت پسندی کانام دے کر عوام الناس کو سست کردیں تاکہ کوئی ان کی خطرناک سازشوں سے مقابلہ کے لئے کھڑا نہ ھو ، اور اپنے خیال ناقص میں 28 مرداد 1332ھجری شمسی کی بغاوت کی طرح ایک دوسری بغاوت کرادیں اور جیسا کہ ان لوگوں کا کام ھے 28 مرداد میں مٹھی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

بھربد معاش، لچّے لفنگے لوگوں کے ذریعہ بغاوت کرادی اور انھوں نے لوگوں کی جان ومال اور ناموس پر حملہ کیا اور دشمن کے نقشہ کو عملی جامہ پھنادیا؛ اسی طرح 18 تیر ماہ 1378ئہ شمسی کو بھی اپنے ناپاک منصوبہ کے لئے مناسب پایا اور ملک میں بغاوت پھیلادی چنانچہ ان لوگوں نے اس سلسلہ میں بھت زیادہ مطالعہ اور تحقیق ، بھت زیادہ خرچ کرکے سادہ لوح افراد کو فریب دینے کے لئے اس کام کے مقدمات پھلے سے تیار کررکھے تھے جیسا کہ اس حادثہ میں ملوث افراد نے خود اپنے انٹر یو میں اس بات کا اقرار کیا کہ انھوں نے امریکہ سے پیسہ اور فکری امداد حاصل کی تھی ، یہ سب اسی حقیقت کی عکاسی ھے تاکہ جب موقع پائیں تو بد معاش اور لچّے لفنگے لوگوں کو میدان میں اتار دیں تاکہ یہ لوگ اندرونی اور بیرونی میڈیا کی امداد اور مختلف طریقوں سے کمک کے ذریعہ بدامنی پھیلائیں اور دکانوں ، گھروں اور دفتروں کو آگ لگائیں خلاصہ بغاوت کے نقشہ کو عملی جامہ پھنادیں۔

جی ھاں، یہ لوگ شدت پسندی کو برا اور مذموم کھہ کھہ کر عوام الناس میں مقابلہ کے حوصلوں کمزور کرنا چاھتے تھے نیز انقلاب سے دفاع کے سلسلہ میں ان کے حوصلے پست کرنا مقصود ھے،تاکہ جب ضد انسانی اور ضد انقلابی کارناموں کا نظارہ کریں اور عوام الناس کے مال و دولت کو غارت ھوتے دیکھیں نیز سرکاری ملکیت کو نابود ھوتا ملاحظہ کریں اور خود فروش لوگوں کے ذریعہ بلوا ھوتے دیکھیں تو سب کے سب خاموش بیٹھے تماشا دیکھتے رھیں اور فتنہ و فساد پھیلانے والوں کو کچلنے کی فکر نہ کریں بلکہ صرف تباھی پھیلانے والوں سے آرام کے ساتھ گفتگو کرنے کی دعوت دیں اور ان کے مطالبات کو سنیں اور ان سے کھیں کہ ھاں تمھیں اعتراض کرنے کا حق ھے، تم واقعاً پریشان ھو، لھٰذا تم اپنی طرف سے کسی کو نمائندہ بنا کر بھیجو تاکہ آپس میں بیٹھ کر آرام کے ساتھ گفتگو کریں، تمھارے مطالبات کو پورا کیا جائے گا، آؤ اور آپس میں سمجھوتہ کرلیں کچھ تم لوگ اپنے مطالبات کم کرو اور کچھ ھم اپنی سیاست سے پیچھے ھٹیں۔

جب کہ یہ بات ظاھر ھے کہ ان کے مطالبات قوانین اسلامی کو ختم کرنے، اسلامی شعارکو حذف کرنے ، اور اسلام کا دفاع نہ کرنے کے علاوہ کچھ نھیں ھوں گے، اور ان سب مطالبات کو مان لینے کے بعدملکی پیمانہ پر ایک بھت بڑی بغاوت رونما ھوجائے گا جس کے نتیجہ میں اسلامی اقدار کا خاتمہ ھوجائے گا، اور اگر دوسرے ممالک کی امداد کی ضرورت ھوگی (جیسا کہ پھلے سے طے ھوچکا تھا) مشرقی اور مغربی سرحدپار سے ملک پر حملہ کرکے اس نظام کا خاتمہ کر دیا جائے گا اور پھر اپنی مرضی کے مطابق کسی کو حاکم بنادیا جائے گا۔

6۔ اسلامی مقدسات کی توھین کرنے والوں اور ثقافتی سازشوں سے مقابلہ کی ضرورت

المختصر : ان آخری چند سال سے تشدد اور شدت پسندی کے مسئلہ کو مطلق طور پر اقدار کے مخالف قرار دیتے ھیں اور اس کے مقابلہ میں سستی، لاپرواھی اور تال میل کو مطلق اقدر کے عنوان سے بیان کرتے ھیں،اور مختلف میڈیا کے ذریعہ یہ پروپیگنڈے اس قدر وسیع پیمانے پر حساب شدہ ھوتے ھینکہ بعض اوقات تو بعض خواص (خاص الخاص افراد) بھی دھوکہ کھاجاتے ھیں، اور دشمن کے جال میں پھنس جاتے ھیں جب کہ ان لوگوں کا ھدف مسلمانوں سے دینی غیرت کو چھین لینے کے علاوہ اور کچھ نھیں ھے، تاکہ ضرورت کے وقت اسلام کے دفاع کے لئے کھڑے نہ ھونے پائیں اس بات پر گواہ ابھی کے تازہ ھونے والے واقعات ھیں اور بھت سی سازشیں تو ابھی تک فاش نھیں ھوئی ھیں اور(انشاء اللہ) آھستہ آھستہ معلوم ھوجائیں گی۔

اسی وجہ سے حقیر نے اپنی تشخیص کے مطابق یہ احساس کیا کہ نظام اسلامی کو درھم وبرھم کرنے کے لئے ایک بھت بڑی سازش ثقافتی خطرہ در پیش ھے،لھٰذا یہ طے کیا کہ دشمنوں کی طرف سے ھوئے اعتراضات اور شبھات کا جواب دے اور ان کی ثقافتی سازشوں کو فاش کیا جائے، اور اپنے برادران کو ھوشیار کروں نیز جو لوگ دشمن کے پروپیگنڈوں کی زد میں آکر خواب غفلت میں سوئے ھوئے ھیں ان کو بیدار کروں، اور کم سے کم دشمن کی طرف سے ھوئے پروپیگنڈوں کی وجہ سے پیدا ھونے والے جھوٹے عقائد اور نظریات میں شک وتردید پیدا کریں، اوردینی اور ثقافتی عھدہ داروں کو در پیش عظیم خطرات سے آگاہ کروںاور اپنے سوالات کو پیش کرکے معاشرہ کو متوجہ کروں تاکہ دشمن کے غلط پروپیگنڈوں کا اثر کم سے کم ھو۔

حقیر نے اپنا وظیفہ سمجھتے ھوئے یہ طے کیا کہ "مطلق تشدد کے نفی" کے بت کو توڑ ڈالوں، اور ھر تشدد کو برا نیز ھر نرمی اور پیار محبت کو اچھا کھنے والے تصور کی نفی کروں اسی وجہ سے ھم نے اس سے پھلے بھی جلسہ میں عرض کیا تھا کہ ھر مطلق تشدد او رشدت پسندی محکوم او رمذموم نھیں ھے اور ھر نرمی اور پیار و محبت اچھا نھیں ھے، بلکہ ھر ایک کے لئے مخصوص موقع و محل ھوتا ھے جیسا کہ یھی گفتگو آزادی کے سلسلہ میں بھی کی اور عرض کیا کہ مطلق آزادی اچھی نھیں ھے بلکہ مطلق آزادی باطل اور مردود ھے ، ھم اس آزادی کی قدر کرتے ھیں جو قوانین اسلامی اور دینی اقدار کے تحت ھو حالانکہ ھماری یہ باتیں سن کر بعض لوگ غضب ناک ھوگئے کہ فلاں صاحب آزادی کے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

خلاف گفتگو کررھے ھیں لیکن جب ان کو آزادی کے نعرے لگانے والوں کی سازشوں کا پتہ چل گیا تو ان پر یہ بات واضح ھوگئی کہ بعض لوگ اس آزادی کا پرچم بلند کرکے دین اور اسلامی اقدار اور مقدسات کی نابودی چاھتے ھیں؛ یہاں تک ھماری حکومت کے ایک بڑے عھدہ دار جو کہ ایک سیاسی شخصیت مانی جاتی ھے اپنی ایک تقریر میں کھتے ھیں:
”ھماری عوام الناس آزاد ھے یہاں تک خدا کے خلاف بھی مظاھرہ کرسکتے ھیں“ !!
چنانچہ (بعض) دوستوں نے واضح طور پر کھا کہ وہ آزادی مطلوب اور مقصود ھے جو اسلامی قوانین اور دینی اقدار کے تحت ھو اور اگر اس طرح کی باتیں بیان نہ کی جاتی تو معاشرہ کو وہ جھٹکا نہ لگتااور شایدحکومتی عھداران بھی یہ احساس نہ کرتے کہ ھم ”اسلامی قوانین اور دینی اقدار کے تحت آزادی“ کی طرف داری کریں نہ کہ مطلق آزادی کی۔
اور آج اگر ھم یہ کھتے ھیں کہ تشدد مطلقاً مذموم نھیں ھے اس کی وجہ یہ ھے کہ بعض لوگ مطلق تشدد کے نفی کے پرچم کے نیچے اسلام اور اسلامی اقدار کے دفاع میں ھر اٹھنے والے قدم کو تشدد کا نام دےتے ھوئے اس کی مذمت کرتے ھیں اور یہ ایک حقیقت ھے نہ صرف یہ کہ ھمارے ذھن کی ایک پیداوار ، تاکہ بعض لوگ یہ کھیں کہ فلاں کی باتیں تو خیال خام اور ھوائی گولیاں ھوتی ھیں اتفاق سے ھمارے پاس اس بات پر بھت سے شواھد بھی ھیں ، اگرچہ سب کو بیان کرنے کی فرصت نھیں ھے، صرف ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ھیں: ایک موقع پر بعض لوگوں نے جھاد کے سلسلہ میں اعتراض کیا اور اس کو تشدد اور شدت پسندی کا نام دیدیا ، جن میں سے ایک صاحب نے تھران یونیورسٹی میں محرم کے پھلے عشرہ میں اپنے تقریر کے دوران کھا: حضرت امام حسین علیہ السلام کا میدان کربلا میں قتل ھونا ؛جنگ بدر میں رسول اکرم (ص) کی تشدد کا ایک عکس العمل تھا!
یعنی یہ شخص حضرت رسول اکرم (ص) کی اسلامی جنگوں اور غزوات کو بھی محکوم کرتا ھے اور کھتا ھے کہ جب پیغمبراکرم (ص) نے مشرکین کو قتل کیا تو ان کی آل و اولاد پیغمبر کی آل و اولاد کو قتل کرتی، اور اگر پیغمبر ان کو قتل نہ کرتے تو ان کی اولاد بھی قتل نہ کی جاتی!! درحقیقت وہ یزیدوں کو بری الذمہ اور اسلام وپیامبر اسلام (ص) کو محکوم کرتا ھے اور افسوس کا مقام یہ ھے کہ ان باتوں کو سن کرجو کہ پیغمبر اکرم (ص) کی توھین ھے اور امام حسین علیہ السلام کی شخصیت نیز واقعہ کربلا میں تحریف ھے اور ضروریات دین کا انکار ھے، نہ صرف یہ کہ کوئی کچھ نھیں کھتا بلکہ بعض اخباروں اور جرائد میں اس شخص کی پوری تقریر چھپتی ھے اور وہ بھی صفحہ اول پر!! افسوس کہ ھمارے حکومتی عھدہ داران اس سلسلہ میں کوئی حساسیت نھیں دکھاتے حضرت امام حسین علیہ السلام کے نام پر انقلاب برپا ھونے والے اور امام حسین (ع) کے نام سے باقی رھنے والے اسی ملک میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے قیام کو تحریف کرکے پیش کیا جاتا ھے اور یہ نتیجہ لیا جاتا ھے کہ اگر ھم چاھتے ھیں کہ اس طرح کے واقعات دوبارہ پیش نہ آئیں اور ھمارے زمانہ کے حسین قتل نہ ھوں تو ھمیں بھی تشدد آمیز برتاؤ اور شدت پسندی کو ترک کرنا ھوگا!!
اور اب ھم اس مقالہ نگار سے مخاطب ھے جس کا مقالہ ایک کثیر الانتشار اخبار میں چھپ چکا ھے ، چنانچہ وہ لکھتا ھے کہ فلاں صاحب موضوع سے الگ اورھوا میں باتیں کرتے ھیں اور ھم سے خطاب کیا ھے کہ اپنی گفتگو پر تجدید نظر کریں کیا ھم ھوا میں باتیں کرتے ھیں یا عصرِ حاضر کے اپنے معاشرہ وسماج کی؟ کیا ھماری باتیں اسی موضوع سے متعلق نھیں ھیں جو ھمارے ملک میں رائج ھے، اور کیا ھماری باتیں اسی حقیقت سے متعلق نھیں ھے جو ھر روز ھمارے ملک میں رونما ھوتی جارھی ھے؟ آیا ھم اپنی باتوں میں تجدید نظر کریں یا آپ کہ ایک وقت آپ ”بین الاقوامی اسلامی“ پارٹی کے عضو تھے اور فدائیان اسلام کی حمایت کو ایک افتخار سمجھتے تھے؟
قارئین کرام! یہاں پر ھم ضروری سمجھتے ھیں کہ حضرت امام خمینی علیہ الرحمۃکا نورانی اور مشکل کشا کلام کی طرف اشارہ کریں جس میں موصوف نے آزادی کے پرچم کے نیچے پوشید ہ کن کن ثقافتی خطرات کو بیان کیا ھے:
” اب میری وصیت ھے حال حاضر اور آئندہ کی مجلس شورای اسلامی (پارلیمنٹ) اور اس وقت کے رئیس جمھور(صدر مملکت) اور ان کے بعد والے صدر، شورای نگھبان، شورای قضائی اور ھر زمانہ کی حکومت؛ سب کو چاھئے کہ میڈیا، جرائد اور مجلات کو اسلام اور ملکی مصالح سے منحرف نہ ھونے دیں، اور سب کو یہ معلوم ھونا چاھئے کہ مغربی ممالک کی طرح کی آزادی جوانوں، لڑکوں اور لڑکیوں کو تباہ و برباد کردے گی اسلام ، ملکی مصالح اور عمومی عفت کے بر خلاف تبلیغات، مقالات، تقاریر، کتابیں اور جرائد کا وجودحرام ھے ھم سب پر اور تمام مسلمانوں پر ان کی روک تھام کرنا واجب ھے اور فساد برپا کرنے والی آزادی کی روک تھام کرنا ضروری ھے، اور جو چیزیں شرعی طور پر حرام ھیں یا وہ چیزیں جو ملت و اسلامی ملک کے برخلاف ھیں، یا جمھوری اسلامی کی حیثیت کے مخالف ھے، لھٰذا اگر ان کے خلاف سخت کاروائی نہ کی جائے تو تمام کے تمام لوگ ذمہ دار ھیں اور ھمارے عوام الناس اور حزب اللّٰھی جوان اگر ان چیزوں کو دیکھیں تو متعلق اداروں کو مطلع کردیں، اور اگر وہ اس سلسلہ میں کوتاھی کریں تو وہ خود روک تھام کی ذمہ

داری پر عمل کریں۔“(1)

7۔ خداوندعالم کی رحمت اور غضب کے بارے میں اسلامی تصویر کشی

اسلام اور قرآن کے سلسلہ میں مغربی افراد کے شبہات اور اعتراض میں سے ایک یہ بھی ھے کہ مسلمانوں کا خدا جیسا کہ قرآن میں بیان ھوا ھے ،بد خُلق، غصہ والا، اھل غضب اور انتقام لینے والا ھے، جبکہ خدائے انجیل بخشنے والا، مھربان، سعہ صدر(کشادہ دل) والا، تحمل کرنے والا اور بھت زیادہ مھربان اورلوگوں سے اس قدر دلسوزی کرنے والا ھے کہ نعوذ باللہ اس نے اپنے بیٹے (عیسیٰ) کو قربانی کے لئے بھیج دیا تاکہ تمام لوگوں کی بخشش ھوسکے اور اس کا خون تمام لوگوں کے گناھوں کا کفارہ بن جائے!! تو کیا قرآن مجید میں بیان شدہ خدا غصہ ور اور بد خلق ھے یا رحیم اور رؤف ھے؟

قارئین کرام! گذشتہ اعتراض کا جواب یہ ھے کہ ھمارا خدا صفت رحمت بھی رکھتا ھے اور صفت غضب بھی، وہ ”ارحم الراحمین“ (بھت زیادہ رحم کرنے والا) بھی ھے اور ”اشد المعاقبین (سخت عذاب دینے والا)بھی، قرآن مجید کے 114 سوروں میں سے 113 سورے (بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) سے شروع ھوتے ھیں جس میں خداوندعالم کی دو صفات یعنی ”رحمن“ اور ”رحیم“ کا ذکر ھوتا ھے اور صرف ایک سورہ کی شروعات ”بسم اللھ“ سے نھیں ھوئی ھے، جبکہ سورہ نمل مینشروع کے علاوہ خود سورہ کے اندر بھی (بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) تکرار ھوئی ھے؛ جب ملکہ سبا (بلقیس) حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کو اپنی قوم کے سامنے پڑھتی ھے تو اس کا آغاز (بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ)سے ھوتا ھے، بھر حال پورے قرآن مجید میں 114 بار (بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) کی تکرار ھوئی ھے جس میں خداوندعالم کی دو رحمتی صفات کا ذکر ھے لیکن قرآن مجید میں خداوندعالم کی اسی رحمت واسعہ کے ذکر کے ساتھ ساتھ خدا کے خشم (غصھ) اور غضب بھی ذکر ھوا ھے؛ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ھوتا ھے:

) وَاللّٰہُ عَزِیزٌ ذُو انْتِقَامٍ)(2)

” اور خدا سخت انتقام لینے والا ھے “

(إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِینَ مُنتَقِمُونَ)(3)

”ھم یقینا مجرمین سے انتقام لینے والے ھیں “

(فَبَاءُ وْا بِغَضَبٍ عَلَی غَضَبٍ وَلِلْکَافِرِینَ عَذَابٌ مُھینٌ) (4)

” ا ب یہ غضب بالائے غضب کے حقدار ھیں اور ان کے لئے رسوا کن عذاب بھی ھے “

اگر یورپی لوگ (اپنے الفاظ میں) اپنے خدا کو صرف مھربان اور رحیم بتاتے ھیں اور کھتے ھیں کہ ھمارا خدا غصہ وغضب والانھیں ھے، لیکن حقیقت یہ ھے کہ جس طرح قرآن نے خدا کی توصیف کی ھے ، ان لوگوں نے اس کو صحیح طریقہ سے بیان نھیں کیا ھے؛ کیونکہ جس خدا پر ھم اعتقاد رکھتے ھیں وہ صرف اھل غضب ھی نھیں ھے بلکہ صاحب رحمت اور مھربان بھی ھے اور صاحب قھر و غضب بھی، لیکن اس کی رحمت اس کے غضب پر چھائی ھوئی ھے، اسی وجہ سے ارشاد ھوتا ھے:

"کَتَبَ عَلَی نَفْسِہِ الرَّحْمَةَ " (5)

” اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم قرار دے لیا ھے “

اور یہ معنی سنی شیعہ متواتر روایات میں بیان ھوئے ھیں، جیسا کہ ھماری دعاؤں میں وارد ھوا ھےیا مَنْ سَبَقَتْ رَحْمَتُہ غَضَبَہ اے وہ جس کی رحمت اس کے غضب پر مقدم ھے۔

یعنی خدا کی رحمت اس کے غضب کی نفی نھیں کرتی بلکہ اس کی رحمت اس کے غضب پر مقدم ھے اور جھاں تک اس کا لطف وکرم اور اس کی حکمت تقاضا کرے وھاں تک بندوں پر اپنے لطف وکرم اور رحمت کی بارش کرتا ھے اور اپنے غضب کا مظاھرہ نھیں کرتا؛ مگر یہ کہ اس کی ضرورت ھو اور خداوندعالم کچھ لوگوں کو قھر وغضب میں گرفتار کرے اسی وجہ سے ھم دیکھتے ھیں خداوندعالم نے بعض گذشتہ اقوام جیسے قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود پر اپنا غضب نازل کیا ھے اور اپنا عذاب بھیج کر ان کو نیست و نابود کردیا ھے (جیسا کہ ان اقوام کے مفصل واقعات قرآن مجید میں بیان ھوئے ھیں) لیکن اس کی وجہ یہ ھے کہ ان کی قوم میں بھیجے گئے انبیاء (ع) ھمیشہ ان کو راہ ھدایت کی دعوت دیتے تھے اور راہ ھدایت کو واضح اور روشن کرنے کے لئے معجزات اور الٰھی نشانیاںدکھاتے رھتے تھے ؛ لیکن ان لوگوں نے ان تمام چیزوں کے باوجود بھی کفر وضلالت کا راستہ اختیار کیا اور ان کی رفتار و گفتار میں ذرا بھی تبدیلی واقع نہ ھوئی، اور یھی نھیں بلکہ پھلے سے زیادہ فتنہ و فساد، گناہ عصیان اور احکام الٰھی کی مخالفت میں جری ھوتے چلے گئے تو اس موقع پر خداوندعالم کی حکمت او راس کی مشیت کا تقاضا تھا کہ ان کو اپنے غیظ و غضب اور عذاب میں گرفتار کرے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

تاکہ فتنہ و فساد پھیلانے والوں، لجاجت کرنے والوں، خدا سے دشمنی کرنے والوں، اور متکبرین کے لئے بہترین عبرت حاصل ھوجائے۔
لہٰذا معلوم یہ ھوا کہ قرآن کریم میں ذکر شدہ خدا غیظ وغضب والا نھیں ھے بلکہ خدائے رحمت و لطف وکرم ھے، اور صرف بعض مقامات پر جب اس کی حکمت اور مشیت کا تقاضا ھوتا ھے،اپنے غیظ وغضب کا اظھار کرتا ھے۔
لہٰذااس سوال(کہ کیا اسلام میں رحمت ومھربانی پائی جاتی ھے یا غیظ وغضب اور شدت پسندی؟)؛ کے جواب میں ھم عرض کرتے ھیں: اسلام میں رحمت اصل چیز ھے اوراس کی بنا یھی ھے کہ معاشرہ میں رحمت ومحبت کا رواج ھو، لیکن خاص موارد میں (جیسا کہ قرآن مجید نے بھی اشارہ کیا ھے) پیار محبت اور مھربانی سے کام نھیں لینا چاھئے بلکہ وھاں پر غیظ وغضب ، تشدد اور شدت پسندی کا مظاھرہ ھونا چاھئے خداوندعالم صفت رحمت بھی رکھتا ھے، اور صفت غیظ وغضب اور انتقام بھی۔

8۔ ھدایت کے موانع کو بر طرف کرنے ،دشمنوں اور منافقین سے مقابلہ کی ضرورت
اسلام ، اس کی نشر واشاعت اور اس کے دفاع سے متعلق عرض کرتے ھیں کہ اسلام پھلے مرحلہ میں انسانوں کو ھدایت کی دعوت دیتا ھے، لیکن اگر کوئی دعوت انبیاء (ع) کی نشر واشاعت میں رخنہ ڈالنا چاھے تو پھر قرآن حکم دیتا ھے کہ ان سے جنگ کی جائے، اور ھدایت کے راستے میں بچھے کانٹوں کو ھٹا پھینک دیا جائے اسی وجہ سے خود پیغمبر اکرم (ص) اور معصومین علیھم السلام کے زمانہ میں "جھاد ابتدائی" (یعنی اپنی طرف سے جھاد کی شروعات کرنا)واجب تھا، تاکہ لوگوں کی ھدایت کے موانع بر طرف کئے جاسکیں اسی بنیاد پر جب پیغمبر اکرم (ص) مبعوث برسالت ھوئے ، بات یہ نھیں کہ آنحضرت (ص) روم اور ایران جیسے ملکوں کے داخلی امور میں دخالت کر نے کا حق رکھتے ھیں یا نھیں؛ بلکہ حقیقت یہ ھے کہ پیغمبر اکرم (ص) روئے زمین کے تمام انسانوں کی ھدایت کے لئے مبعوث ھوئے ھیں، لہٰذا اگر کوئی یھاں تک کہ بادشاہ ایران اور قیصر روم بھی پیغمبر اکرم (ص) کی دعوت اسلام کی مخالفت کریں تو اس صورت میں پیغمبر اکرم (ص) کا وظیفہ بنتا ھے کہ وہ ان سے جنگ کریں اسی وجہ سے آنحضرت (ع) نے (مختلف) ملکوں کے بادشاھوں کو خطوط لکھے اور ان کو اسلام کی دعوت دی اور ان سے یہ چاھا کہ اپنے اپنے ملکوں کی عوام الناس کے لئے رسول خدا اور ان کے نمائندوں کے ذریعہ ھدایت کا راستہ ھموار کریں؛ ورنہ جنگ کے لئے تیار ھوجائیں۔
اور چونکہ جھاد ؛ اسلام کے مسلم اصول میں سے ھے اور تمام شیعہ سنی فرقے اس سلسلہ مینمتفق ھیں اور کسی نے کوئی مخالفت نھیں کی ھے، (اور کفر وشرک کے سرداروں سے جھاد اس وجہ سے واجب تھا کہ وہ اپنے تحت لوگوں کی ھدایت وارشاد اور پیغمبروں کی دعوت کی تبلیغ مینمانع ھوتے تھے، اسی وجہ سے رسول خدا (ص) کا یہ وظیفہ تھا کہ ان لوگوں کو ھدایت کے راستہ سے ھٹانے اور عوام الناس کی ھدایت کے راستہ صاف کرنے کے لئے ان سے جنگ کریں) ان تمام چیزوں کے پیش نظر یہ بات کیسے کھی جاسکتی ھے کہ اسلام مطلقاً جھاد اور جنگ کو لازم اور جائز نھیں جانتا ھے؟ کیا ھم ان آیات قرآن جو کفار ومشرکین اور منافقین نیز دشمنان اسلام سے جھاد کے بارے میںنازل ھوئی ھیں ان کو نظر انداز کردیں اور ان کو چھپادیں؟
قارئین کرام ! ھم (یہ بات علی الاعلان) کھتے ھینکہ دشمنان خدا سے مقابلہ کرنا اسلامی اصول کے تحت ھے او ر اسلام نے احکام جھاد کے سلسلہ میں انسانی بہترین اصول کو مد نظر رکھا ھے، اور ان کی رعایت کرنے پر زور دیا ھے، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی زور دیا ھے کہ جب دشمنان (اسلام) اور وہ لوگ جو دانستہ طور پر حق و حقیقت کے خلاف کھڑے ھوجائے اور دین خدا سے مقابلہ کرنے لگے اور اپنے عھد و پیمان کو توڑ ڈالیں؛ تو ان سے جنگ کرو:
(وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهم مِنْ بَعْدِ عَهدِهمْ وَطَعَنُوا فِی دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهمْ لاَأَيْمَانَ لَهمْ لَعَلَّهمْ يَنتَهونَ) (6)
" اگر یہ عھد کے بعد بھی اپنی قسموں کو توڑدیں اور دین میں طعنہ زنی کریں، تو کفر کے سربراھوں سے کُھل کو جھاد کرو کہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نھیں ھے شاید اسی طرح اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔"
اسی طرح خداوند عالم سورہ تحریم اور سورہ توبہ میں فرمان دیتا ھے کہ پیغمبر اور مسلمان؛ کفار ومنافقین سے جنگ کریں اور ان کے ساتھ غیظ و غضب اور شدت پسندی کا برتاؤ کرو:
(يَاأَيُّها النَّبِيُّ جَاهدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهمْ وَمَأْوَاهمْ جَهنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ) (7)
" اے پیغمبر ! کفار اور منافقین سے جھاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے کہ ان کا انجام جھنم ھے جو بد ترین ٹھکانہ ھے۔"
(وہ مذکورہ مقالہ نگار جس نے لکھا تھا کہ جھاد سے متعلق قرآنی آیات کفار سے مخصوص ھیں ، اس نے اس آیت پر غور فکر نھیں کیا کہ اس آیۂ مبارکہ میں خداوندعالم نے کفار سے جھاد کے علاوہ داخلی منافقوں سے بھی جھاد او رمقابلہ کا حکم دیا ھے۔)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اسی طرح سورہ توبہ میں ایک دوسری جگہ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:
(يَاأَيُّها الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ) (8)
" اے ایمان لانے والو ! اپنے آس پاس کفار سے جہاد کرو تاکہ وہ تم میں سختی اور طاقت کا احساس کریں اور یاد رکھو کہ اللہ صرف پرہیز گار افراد کے ساتھ ہے۔
مذکورہ آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کفار جو تمہارے نزدیک زندگی گذار تے ہیں ؛ ان سے جنگ کرو اور ان سے غافل نہ ہو جانا اور اپنے غیظ وغضب کا مزہ اپنے پڑوسی کفار کو چکھا دو تاکہ وہ (مسلمانوں سے) ڈریں اور ان کے خلاف کوئی خیانت اور سازش نہ کریں۔
اسی طرح خداوندعالم فرماتا ہے:
(وَأَعِدُّوا لَهمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِہ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لاَتَعْلَمُونَهمْ اللهُ يَعْلَمُهمْ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ
وَأَنْتُمْ لاَتُظْلَمُونَ) (9)
" اور تم سب ان کے مقابلہ کے لئے امکانی قوت اور گھوڑوں کی صف بندی کا انتظام کرو جس سے اللہ کے دشمن، اپنے دشمن اور ان کے علاوہ جن کو تم نہیں جانتے ہو اور اللہ جانتا ہے سب کو خوفزدہ کردو ، اور جو کچھ بھی راہ خدا میں خرچ کرو گے سب پورا پورا ملے گا اور تم پر کسی طرح کا ظلم نہیں کیا جائے گا۔"
(وہ حضرات جو عربی ادبیات (زبان) جانتے ہیں ؛ ہم ان کو اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ وہ لفظ "ارھاب" کے ہم معنی لفظ دوسری زبانوں میں تلاش کریں؛ اور اگر ہم عرض کردیں تو کل ھی اخباروں کی سرخی بن جائے گی کہ فلاں صاحب تو ٹروریزم "Terrorisme"کے طرفدار ہیں۔)
بھر حال قرآن مجید نے حکم دیا ہے کہ جن لوگوں سے منطق اور اصول کے ساتھ گفتگو نہیں کی جاسکتی اور انھوں نے جرأت او ردلیری کے ساتھ راہ ہدایت کو بند کردیا ہے اور بغض و عناد اور دشمنی کی بنا پر اسلام اورمسلمانوں کے ساتھ جنگ کرتے ہیں، ان کے ساتھ تو تشدد اور غیظ وغضب سے مقابلہ کرنا چاہئے اور مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کے درمیان رعب و دھشت ایجاد کردیں تاکہ ان کے اندر مسلمانوں کے ساتھ خیانت کرنے اور اسلام کو نقصان پھونچانے کا تصور بھی پیدا نہ ہو ان سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ : "تم اپنے دین پر ہم اپنے دین پر، آؤ مل جل کر ایک ساتھ اطمینان کی زندگی بسر کریں۔"

9۔ اسلامی سزا کے احکام کی مخالفت
بعض مقالہ نگاروں نے اپنے مقالات میں ہم پر یہ اعتراض کیا کہ اسلام نے کفار و مشرکین کے سلسلہ میں تشدد اور شدت پسندی کے برتاؤ کا حکم دیا ہے ، اور ان کواپنا ھمشھری ماننے سے انکار کیا ہے، حالانکہ یہ لوگ اس بات سے غافل ہیں کہ اسلام نے بعض جرائم پر خود مسلمانوںکے لئے سخت سے سخت سزا معین کی ہے، اور اپنے قوانین میں ایسے لوگوں کے لئے کڑی سزا مقرر کی ہے مثال کے طور پر چوری کے مسئلہ میں اسلام کا حکم ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹ دئے جائیں یا زنا، عفت اور عزت کے دوسرے مسائل میں مجرموں کے لئے حد اور سزا معین کی ہے مثلاً زنا کرنے والے کو سو تازیانے لگانے کی سزا معین کی گئی ہے، اور بعض عفت کے منافی جرائم کے سلسلہ میں سزائے موت بھی رکھی گئی ہے در حقیقت اس طرح کے مجرموں کے لئے اسلامی سزا بہت سخت اور ناقابل برداشت ہیں لیکن اس چیز پر توجہ رکھی جائے کہ اسلام نے بعض عفت کے منافی جرائم جیسے زنا؛کوثابت کرنے کے لئے سخت شرائط معین کئے ہیں جس کی بنا پر بہت ھی کم یہ جرم ثابت ہوپاتے ہیں تاکہ ان پر حد جاری ہوسکے۔
بعض شرعی اور اسلامی حدود اور سزا کی بنا پر اسلام دشمن افراد کو اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کا ایک بھانہ مل گیا ہے جس کی بنا پر یہ لوگ کھہ دیتے ہیں کہ اسلام میں حقوق بشر کی رعایت نہیں کی جاتی، اور اسلام کی سزا میں تشدد پائی جاتی ہے نیز انسانی شرافت کو نظر انداز کیا جاتا ہے جی ہاں! دشمن اور حقوق بشر کے جھوٹے مدعی کھتے ہیں: "ایک مسلمان چور کے ہاتھوں کو کاٹنا غیر انسانی عمل اور تشدد آمیز ہے اور انسانی شرافت کے مخالف ہے؛ کیونکہ جس شخص کے ہاتہ کاٹے جاتے ہیں تو وہ انسان پوری زندگی کے لئے اس مفید عضو سے محروم ہوجاتا ہے اور ھمیشہ معاشرہ میں ایک چور کے عنوان سے پہچانا جاتا ہے" ۔
جبکہ اس کے مقابلہ میں بعض اسلام کا دعویٰ کرنے والوں نے اسلام کا دفاع کرتے ہوئے اس طرح کا نظریہ پیش کرتے ہیں: اسلام کے یہ سزا کے احکام گذشتہ زمانہ سے متعلق تھے اور ایک خاص زمانہ سے مخصوص تھے ، آج کل تو امنیت کے تحفظ اور چوری سے روک تھام کے لئے نئے نئے طریقے موجود ہیں لھٰذا کسی چور کے ہاتہ کاٹنے کی ضرورت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

نهیں ھے اگر امنیت کے تحفظ اور دوسرے جرائم سے روک تھام کے لئے بھتر طریقے موجود ھوں تو پھر امریکہ ؛ جس میں جرائم سے روک تھام کے لئے نئے نئے طریقے نافذ کئے جاتے ھیں، لیکن پھر بھی روزانہ ھزاروں جرائم ھوتے ھیں، اور وھاں کے کالجوں میں مسلح پولیس کا رھنا ضروری ھے۔

جولوگ جو نھایت بے شرمی کے ساتھ کھتے ھیں کہ یہ اسلامی سزائیں نا قابل قبول ھیں اور ان کو تشدد اور شدت پسندی کا عنوان دیتے ھوئے یہ کھتے ھیں کہ یہ سزائیںچودہ سو سال پھلے سے متعلق تھیں عصر حاضر میں کوئی ان کو قبول نھیں کرسکتا، کیا وہ لوگ یہ بھول گئے کہ جن لوگوں نے قصاص (بدلا) کے قوانین کو غیر انسانی کھہ کر اس کے خلاف مظاھرے شروع کردئے تھے، اس موقع پر حضرت امام خمینی (رہ) نے ان کو مرتد قرار دیتے ھوئے فرمایا تھا کہ ان کا خون مباح اور ان کی بیویاں ان لوگوں پر حرام ھیں اور ان کا مال ان کے مسلمان ورثہ میں تقسیم کر دیا جائے۔

جی ھاں امریکن حقوق بشر کے طرفداروں نے اسلامی سزاؤں کو غیر انسانی اور تشدد آمیز کا عنوان دے کر ان کو محکوم و مذموم قرار دیا ھے لیکن ھم ان سے یہ کھتے ھیں کہ اگر اسلامی سزائیں تشدد آمیز ھیں، مان لیتے ھیں کہ بعض مواقع پر اسلامی حدود اور سزائیں تشدد آمیز ھیں، لیکن ھم اسلامی قوانین کا دفاع کرنے والے ھیں اور اس کے خلاف ھر طرح کی سازش کا مقابلہ کرنے کے لئے دل و جان سے آمادہ ھیں، ھم یہ نھیں مانتے کہ احکام منسوخ ھوگئے ھیں، بلکہ ھمارا تو عقیدہ یہ ھے کہ:

”حَلاَلُ مُحَمَّدٍ حَلاَلٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَحَرَامُ مُحَمَّدٍ حَرَامٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ “

) آنحضرت (ص) کی حلال کردہ چیزیں قیامت تک حلال اور آپ کی حرام کردہ چیزیں قیامت تک حرام ھیں۔)

ھم نے انقلاب اسی وجہ سے برپا کیا ھے کہ ھمارے معاشرہ میں اسلامی احکام نافذ ھوں، ورنہ تو شاہ پھلوی بھی کھتا تھا: ”جو کچھ میں کھتا ھوں وہ اسلام کے مطابق ھے،اور علماء غلطی پر ھیں، اور یہ لوگ بیک ورڈ ھیں“!

ھمارے معاشرہ میں قرآن مجید کے اندر بیان شدہ اسلامی مسائل اور احکام کو نافذ ھونا چاھئیں یہ وھی اسلام ھے جس کی سرفرازی اور بلندی نیزاسلامی حکومت کے لئے ھم نے اپنے رشتہ داروں کی قربانی پیش کی ھے اور اب بھی جانفشانی کرنے کے لئے تیار ھیں ، اسی اسلام کی پھچان مقام معظم رھبری (حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مد ظلہ العالی)نے فرماتے ھوئے کھا ھے : ” اسلام ناب وھی اسلام ھے جو قرآن اور سنت میں بیان ھوا ھے ، جس کے احکام اور قوانین مناسب اور اجتھادی طریقہ سے انھیں دو عظیم الٰھی منبع و مرکز (قرآن و سنت) سے استنباط (حاصل) کئے جاتے ھیں اور جو لوگ اس اسلام کو نھیں مانتے، انھوں نے گویابنیادی طور پر اسلام کو قبول ھی نھیں کیا ھے، کیونکہ اسلام (صرف ایک ھی ھے) دو نھیں ھیں۔“

10- تشدد ، اسلامی سزائی قوانین میں محدود نھیں ھے

ایک مقالہ نگار نے اپنے مقالہ مینیہ بیان کیا کہ ” اسلام نے جن قوانین میں تشدد کو جائز قرار دیاھے وہ جزائی اور سزائی قوانین ھیں اور ھم بھی اس بات کو مانتے ھیں کہ اسلام نے فتنہ گروں اور تباہ کارو ں کے لئے جو سزائیں معین کی ھیں ان میں کم و بیش تشدد پائی جاتی ھے لیکن جس تشدد کے بارے میں ھماری بحث ھے اور ھم جس کو محکوم کرتے ھیں، وہ اسلام کے سزائی قوانین سے متعلق نھیں ھے اور اصولی طور پر سزائی قوانین ھماری تشدد کی بحث سے متعلق نھیں ھیں۔“

اور یہ لکھا کہ میں موضوع سے ھٹ کر گفتگو کرتا ھوں اور اسی بات کو کئی اخباروں نے سرخی بنایا کہ کیوں فلاں صاحب موضوع سے ھٹ کر گفتگو کرتے ھیں! لھٰذا ھم عرض کرتے ھیں کہ ھمارا موضوع معاشرہ میں ھونے والے ثقافتی کج روی ھے ، جیسا کہ اخباروں نے لکھا تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا قتل ھونا ؛ آپ کے جد (رسول اللہ (ص)) کی جنگ بدر میں تشدد کا عکس العمل تھا!!

ھم اس مقالہ نگار کی خدمت میں عرض کرتے ھیں کہ اے قاضی اور حقوقدان آپ ھمارے بارے میں لکھتے ھیں کہ فلاں صاحب موضوع سے ھٹ کر گفتگو کرتے ھیں ، لیکن کیا آپ کو معلوم ھے کہ جو بات حضرت امام حسین علیہ السلام کی شھادت کے بارے میں کھی گئی ھے اس میں کس تشدد کی بات ھے اور کس طرح کی تشدد کی نفی کی گئی ھے؟ ھم تو معاشرہ میں پیدا ھونے والی انھیں چیزوں کے بارے میں گفتگو کرتے ھیں ھم تشدد، آزادی اور میل جول جیسے الفاظ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے بارے میں گفتگو کرتے ھیں، یھاں تک یہ بھی کھہ دیا گیا کہ ”جنگ بدر ایک تشدد تھی“ لھٰذا اسلام تشدد کادین ھے! لھٰذا ھم اپنے موضوع سے خارج نھیں ھوئے ھیں۔

ھوسکتا ھے کوئی شخص یہ کھے: ”ھم اس طرح کے ناجائز فائدہ اٹھانے والی فکر کو ردّ کرتے ھیں اور اسلام کو تشدد کا دین نھیں مانتے۔“ ھمارا اس سے کھنا یہ ھے کہ حکومتی قوانین ، سزائی قوانین اور وہ عدالت جس میں سزائی احکام بنائے

جاتے هیں ان تمام چیزوں سے صرف نظر کرتے هوئے ؛کیا عوام الناس بھی تشدد کا برتاؤ کرسکتے هیں، اور وارد میدان هوسکتے هیں اور کیا حکومتی اداروں سے هٹ کر خود عوام الناس تشدد سے کام لے سکتی هے؟ هم یہ سوال کرتے هیں کہ تم لوگ اسلامی انقلاب کو تشدد سمجھتے هو یا نهیں؟ جن لوگوں کو 17/ شهریور 1357ئہ شمسی اور اس کے بعد کے حادثات یاد هیں وہ جانتے هیں کہ همارے غیرت مند جوانوں اور بهارد قوم نے شاہ پهلوی کے خلاف کیا کیا اقدامات کئے تو کیا شاہ پهلوی کے خلاف مظاهرے اور اقدامات تشدد تھا، یا نهیں؟ کیا یہ کام صحیح تھے یا نهیں؟ اور کیا اسلام اس طرح کے اقدامات پر راضی هے یا نهیں؟ اگر اسلام نے اس طرح کے اقدامات کو جائز قرار نهیں دیا هے تو آپ کا یہ انقلاب غیر قانونی هے، کیونکہ (آپ کے نظریہ کے مطابق تو) اسلام میں تشدد نهیںپائی جاتی اور اسلام تشدد آمیز اقدامات کو جائز هی نهیں مانتا! اسی طرح وہ مقدس کارنامے جو مرحوم نواب صفوی اور فدائیان اسلام نے شاہ کی حکومت کے خلاف کئے ،(جن کے مهم کارناموں کی بنا پر ان کا نام همیشہ همارے ملک میں زندہ رهے گا، اور هم ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے هیں، اور آج کل تهران اور دوسرے شهروں کی بهت سی سڑکوں کا نام انهیں حضرات کے ناموں پر هے)تو کیا ان کے یہ اقدامات صحیح تھے یا نهیں؟ اسی طرح ”هیئت مؤتلفہ اسلامی“ کے اعضاء ؛ یعنی شهید محمد بخارایی اور ان کے ساتھی جنھوں نے شاہ پهلوی کے جلاّد وزیر اعظم کو واصل جهنم کیا۔

هوسکتا هے کہ کوئی شخص یہ کهے کہ واقعاً اس طرح کے تشدد والے اقدامات نهیں کرنا چاهئے تھے ، بلکہ قانونی طور پر صلح و صفائی کی ایک پارٹی بنانا چاهئے تھی جس کے ذریعہ شاہ پهلوی کے سامنے اپنے مطالبات کو رکھا جاتا اور اس سے گفتگو کی جاتی“ لیکن کیا ان کی باتوں کو سنا جاتا اور وہ حساب شدہ باتوں کو سنتے تویہ لوگ اس طرح کے غیظ وغضب کے ساتھ قدم نہ اٹھاتے، جب انهوں نے دیکھ لیا کہ ان کی جائز باتیں اس طرح گفتگو کے ذریعہ نهیں سنی جاتی تب جاکے انهوں نے اس طرح کے اقدامات شروع کئے۔

ممکن هے وہ قاضی صاحب فرمائیں: هماری نظر میں وہ اقدامات محکوم او رمذموم هیں ، ان کو چاهئے تھا کہ آرام و سکون اور مکمل حوصلہ کے ساتھ برتاؤ کرتے، اور اپنی مشکلات کو حل کرنے نیز اپنے مطالبات کوپورا کرانے کے سلسلہ میں کوشش کرتے!

هم ان کی خدمت میں عرض کرتے هیں کہ :

جب 18 تیر ماہ 1378ئہ شمسی اور اس کے بعد بعض فسادی اور بد معاش لوگوں نے بیت المال، عمومی اموال ، بینک، ذاتی اور سرکاری گاڑیوں یهاں تک کہ مسجدوں میں بھی آگ لگادی اور عورتوں کو بے آبرو کےا عورتوں کے سروں سے چادر چھین لیں اور اسلام کے خلاف نعرہ لگائے، تو کیا آپ نے ان لوگوں کے ساتھ پیار ومحبت اور هنسی خوشی سے اپنی آغوش میں بٹھاکر ان کو خاموش کردیا ، یا یہ کام همارے ان بسیجیوں نے انجام دیا جو اپنے جان کو هتھیلی پر رکہ کر آگے بڑھے اور تمام تر خطرات سے نپٹنے کے لئے میدان عمل میں وارد هوئے اور ان کو کچل دیا،(بهت افسوس کے ساتھ یہ عرض کرتے هیں کہ ان مظلوم بسیجیوں کے حق کو آج تک نهیں پهنچانا گیا اور اس کا شکریہ ادا نهیں کیا جاتا؛ جبکہ یہ جوان انقلاب اور اسلام کے دفاع کے لئے قربة الی الله حاضر هوئے تھے اور خدا هی ان کو بهترین اجر و ثواب عنایت کرے گا۔)

ممکن هے وہ جناب کهیں: کہ هم فتنہ وفساد پھیلانے والوں کے سلسلہ میں بسیجیوں کے اقدامات کو محکوم کرتے هیں ، اور ان کو اس طرح کا اقدام نهیں کرنا چاهئے تھا، کیونکہ ان کو لوگوں کو بھی یہ حق تھا کہ وہ اپنی بات کهیں اور اعتراض کریں وہ بھی آزاد هیں جیسا کہ امریکائیوں کا کهنا هے: جن لوگوں نے قیام کیا اور مظاهرے کئے اور مساجد میں آگ لگائی یہ آزادی خواہ تھے لهٰذا ان لوگوں کو یہ کهنے کاحق تھا کہ هم آزادی چاهتے هیں، اور دین نهیں چاهتے! (جیسا کہ ایک صاحب اپنی تقریر مینکهتے هیں کہ لوگوں کو خدا کے خلاف مظاهرے کرنے کا بھی حق هے۔ (

لیکن اگر وہ یہ کهیں : جب ان لوگوں نے دیکھ لیا کہ اگر خوش رفتاری سے اپنی بات کو علی الاعلان کهتے هیں کہ همیں دین و اسلام نهیں چاهئے تو حکومت ان کی بات کو نہ مانتی؛ اسی وجہ سے یہ لوگ مجبور هوگئے کہ ذاتی اور سرکاری عمارتوں اور مساجد میں آگ لگادیں اور اسلام کے خلاف نعرے لگائیں، تاکہ وہ کسی نتیجہ پر پهنچ پائیں؛ اوریہ لوگ ایسا کرنے میں حق بجانب تھے، نہ کہ ان لوگوں کو کچلنے والے ۔

هم اس کے جواب میں صرف اتنا عرض کرتے هیں: آخر کار تم لوگ بھی تشدد اور شدت پسند ی کو مانتے هو کیونکہ اس حادثہ کے سلسلہ میں دو باتوں میں سے کسی ایک کو تو ضرور قبول کروگے، یا فتنہ فساد برپا کرنے والوں اور مساجد میں آگ لگانے والوں کا اقدام صحیح تھا ؛ اس صورت میں تم خود تشدد کی تائید کر رهے هو، چونکہ ان کا اقدام تشدد پر مبنی تھا، یا تم یہ کهوکہ بسیجی، عوام الناس اور پولیس کا رویہ صحیح تھا؛ تو اس صورت میں بھی تم نے تشدد کی تائید کی ، لهٰذا آپ بتائیں کہ کس تشدد کو جائز قرار دیتے هو؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

هم اس طرح کے لوگوں کی باتوں کو نہیںمانتے بلکہ ہمارے لئے معیار بانی انقلاب حضرت امام خمینی رحمة اللہ علیہ کا کلام ہے ہم انہیں کے تابع ہیں ہم نے حکومتی اور ولایتی احکام انہیں سے سیکھے ہیں چنانچہ موصوف نے فرمایا:
” اگر ہمارے جوان اور حزب اللّٰهی عوام الناس نے اس چیز کا مشاہدہ کیا کہ بعض تبلیغات، مقالات ، تقاریر، کتابوں اور جرائد میں اسلام اور حکومتی مصالح کے خلاف قدم اٹھایا جارہا ہے، تو ان کا وظیفہ ہے کہ وہ اس سلسلہ میں متعلقہ اداروں کو رپورٹ دیں اور ان اداروں کی ذمہ داری ہے کہ اس سلسلہ میں قدم اٹھائیں لیکن اگر متعلقہ اداروں نے کوتاہی کی اور قانونی طریقہ سے اس طرح کے انحرافات اور فاسد تبلیغات کا سد باب نہ کیا تو اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے کہ ہمارے دیندار جوان میدان عمل میں کود پڑیں اور ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس سلسلہ میں اپنا قدم آگے بڑھائے۔“(10)
تمام لوگ اس بات کے گواہ ہیں کہ جس مرتد سلمان رشدی نے ”شیطانی آیات“ نامی کتاب لکھی جس میں قرآن کریم اور پیغمبر اکرم (ص) کی توہین کی گئی، توحضرت امام خمینی (رہ) نے اس کے قتل کا فتویٰ صادر کردیا،” اور ہر مسلمان پر واجب قرار دیدیا کہ اگر کوئی سلمان رشدی کو قتل کرسکتا ہے تو اس پر قتل کرنا واجب ہے“ اور یہ فتویٰ صرف امام خمینی (رہ) ہی کا نہیں تھا بلکہ تمام اسلامی فقہاء نے اسی طرح کا فتویٰ دیا اور تمام اسلامی ملکوں نے اس فتویٰ کی تائید کی اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا امام خمینی (رہ) کا یہ فتویٰ تشدد پر مبنی نہیں تھا؟ (کیوں نہیں) لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ حضرت امام خمینی (رہ) نے بھی اس شخص کے بارے میں تشدد کا رویہ اختیار کیا جس نے ضروریات دین اور اسلامی مسلم اصول کی توہین کی اور اسلامی مقدسات کو حرمت کو پامال کرنا چاہا ، امام خمینی (رہ) نے اس طرح کی تشدد کو جائز قرار دیا بلکہ ضروری سمجھا اور ایسے شخص کو مرتد اور واجب القتل قرار دیا۔

11۔ ہر موقع پر علمی شبہات اور اعتراضات کا جواب دیا جائے (اسلامی نظر یہ)
لیکن اگر کوئی شخص سازش یا کسی نقصان پہنچانے کا قصد نہ رکھتا ہو اور دین، ضروریات دین اوراحکام اسلام کے بارے میں کوئی شبہ یا اعتراض اس کے ذہن میں ہو تو وہ اس کو بیان کرسکتا ہے، بھر پور ادب و احترام کے ساتھ اس کی باتوں کو سنا جائے گا اور منطق و استدلال کے ساتھ اس کو جواب دیا جائے گا، کیونکہ دین اسلام دین منطق ہے ، اس کی بنیاد استدلال اور برہان پر قائم ہے، اور جب مسلمانوں اور علماء اسلام سے جب بھی کسی نے کسی اعتراض کا جواب طلب کیا ہے تو انھوں صبر و بردباری اورکشادہ دلی کے ساتھ بہترین دلائل پر مبنی عقلی اور شرعی جوابات پیش کئے ہیں اور اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا ہے اسی وجہ سے قرآن مجید کا حکم ہے کہ اگر کوئی شخص اگرچہ میدان جنگ میں دشمن کا سپاہی کیوں نہ ہو؛ سفید پرچم کو اٹھائے ہوئے اسلام کی حقانیت کے بارے میں تحقیق وجستجو کرنے کے لئےمسلمانوں کے پاس آئے اور اپنے سوالات کا جواب تلاش کرے، تواس وقت مسلمانوں کو چاہئے کی اس کو تحفظ دیں حفاظت کریں اور اس کو کسی طرح کا کوئی نقصان نہ پہنچائیں، آرام وسکون اور پیار محبت سے اس کی باتوں کو سنیں،اور اسلام کی حقانیت اور بر حق ہونے کو دلیل اور برہان کے ذریعہ ثابت کریں؛ اس کے بعد اس کو تمام تر حفاظت کے ساتھ دشمن کے لشکر میں واپس کردیں۔
خداوندعالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:
(وَاِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِکِینَ اسْتَجَارَکَ فَأَجِرْہ حَتَّی یَسْمَعَ کَلاَمَ اللهِ ثُمَّ أَبْلِغْہ مَأْمَنَہ ذَلِکَ بِأَنَّهمْ قَوْمٌ لاَیَعْلَمُونَ) (11)
” اور اگر مشرکین میں کوئی تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو تاکہ وہ کتاب خدا سنے اس کے بعد اسے آزاد کرکے جہاں اس کی پناہ گاہ ہو وہاں تک پہونچا دو اور یہ مراعات اس لئے ہے کہ یہ جاہل قوم حقائق سے آشنا نہیں ہے۔ “
قرآن کا حکم ہے کہ اگر کوئی شخص اسلام کی حقانیت کے بارے میں سوال اور تحقیق کے لئے آتا ہے، لیکن تحقیق کے بعد بھی مسلمان نہ ہو تو اس کو مکمل حفاظت کے ساتھ اس امن کی جگہ پھونچادو اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اس کو کسی طرح کا کوئی گزند پھونچائے؛ کیونکہ وہ اپنے سوالات کا جواب لینے کے لئے آیا تھا لہٰذا اس کی حفاظت ضروری ہے، اس کے سوالات کا جواب دیدیا گیا ہے۔
قارئین کرام! اب ہم سوال کرتے ہیں کہ دنیا کے کس گوشہ اور کس مذہب میں اسلام کی طرح اس بلندترین برتاؤ پر زور دیا گیا ہے؟
لیکن اگر کوئی شخص عناد و دشمنی اور سازش کے تحت ، نظام اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے کوئی شبہ یا اعتراض کرتا ہے اور مسلمانوں کے عقائد، اصول اور اسلامی اقدار میں شک و تردید ایجاد کرنا چاھتا ہے تو پھر اس کا مقابلہ کرنا ضروری ہے ، اور اس شخص کا مسئلہ اس مسئلہ سے الگ ہے جو اپنے سوالات کا جواب چاھتاھو اور اس کے دل میں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اسلام کو نقصان پھنچانے کا کوئی ارادہ نھیں ھو۔

12- دشمن کی سازشوں سے مقابلہ کی ضرورت

ھمیں ثقافتی امور میں وسیع پیمانے پراسلامی اصول اور عقائد کے خلاف سازشیں کرنے والوں کے مقابلہ میں خاموش نھیں رھنا چاھئے ، اوراسیی طرح ان لوگوں کے سامنے جو اندرون ملک زر خرید قلم کے ذریعہ اسلام کو نقصان پھنچانے کے درپے ھیں؛ خاموش بیٹھے تماشا نھیں دیکھنا چاھئے واقعاً ان لوگوں نے سازش کا پروگرام بنا رکھا ھے جبکہ بعض لوگ اس کو ثقافتی ردّ وبدل کا عنوان دیتے ھیں،اور اخباروں میں لکھتے ھیں کہ کسی طرح کی کوئی سازش نھیں ھے ، اور سازشوں کے دعویٰ کو خیال خام قرار دیتے ھیں ، لیکن کچھ مدت پھلے ھوئے حادثہ نے ان سازشوں سے پردہ اٹھادیا ۔

وہ سب اسلامی نظام کے خلاف مظاھرے اور عمومی اور سرکاری اموال پر حملہ اور فتنہ وفساد؛ یہ سب اسی بات کی عکاسی کرتے ھیں کہ واقعاً اسلامی نظام کے خلاف ایک بھت بڑی سازش تھی، جیسا کہ مقام معظم رھبری (حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مد ظلہ العالی)نے بھی بیان فرمایا کہ اسلام دشمن طاقتوں کی طرف سے اسلامی نظام کے خلاف سازش تھی اور اسی حقیقت کے پیش نظر جب فتنہ گروں کو اپنے جگہ بٹھادیا گیا اور فتنہ کی لگائی ھوئی اس آگ کو فدا کار بسیجیوننے بجھادیا تو اس وقت ان کی حمایت اور اسلامی نظام کی محکومیت میں دنیا میں شور ھونے لگا یھاں تک کہ خود امریکہ کے ممبر آف پارلیمنٹ نے یہ نعرہ لگایا کہ اسلامی جمھوری ایران کو محکوم ھونا چاھئے اور اس کے خلاف قوانین بنائیں جائیں؛ کیونکہ اسلامی حکومت نے بیرونی زر خرید نوکروں کو فتنہ وفساد پھیلانے کی اجازت نھیں دی!!

دنیا بھر میں ھر روز ھڑتال ، مظاھرے اور توڑ پھوڑ ھوتی رھتی ھے اور بھت سے لوگ قتل اور زخمی ھوتے رھتے ھیں ھم ھر روز یہ دیکھتے ھیں کہ صھیونیزم بے گناہ فلسطینی مسلمانوں کا خون بھاتے ھیں جو صرف اپنے پامال شدہ حقوق کا مطالبہ کر رھے ھیں، یھاں تک کہ امریکہ سے وابستہ حکومتوں کے ذریعہ سینکڑوں لوگوں کا قتل ھوتا ھے لیکن کوئی کچھ نھیں کھتا ، کھیں سے یہ آواز نھیں اٹھتی کہ یہ حقوق بشر کی پامالی ھے، یا ان لوگوں کا کچلنا آزادی کے خلاف ھے بلکہ اس حکومت کی حمایت کی جاتی ھے اور کھتے ھیں کہ یہ قانونی حکومت کے خلاف قیام تھا اور حکومت کو بھی اپنے دفاع کا حق ھے لیکن جب ایران کی کسی یونیورسٹی میں مشکوک طریقہ سے کسی کا قتل ھوجاتا ھے جس کا قاتل بھی ابھی تک پتہ نہ چل سکا (اگر چہ یہ بھی دشمن کے زر خرید نوکروں اور فساد پھیلانے والوں کا کام ھے) یا کسی شخص کی کسی حادثہ میں موت ھوجاتی ھے ، اسی طرح جب فتنہ وفساد پھیلانے والوں کے ذریعہ مساجد میں آگ لگائی جاتی ھے، ناموس پر حملہ کیا جاتا ھے ، اور بسیجی ان کا مقابلہ کرتے ھیں ؛ تو اس وقت مغربی ممالک خصوصاً امریکہ میں ھمارے ملک کے خلاف ھنگامہ ھوتا ھے، اور ھماری حکومت کو محکوم کیا جاتا ھے، اور ھمارے ملک کو آزادی اور ڈیموکریسی کا مخالف قرار دیا جاتا ھے دعویٰ یہ کیا جاتا ھے کہ مظاھرہ کرنے والے اپنے حقوق اور آزادی کے خواھاں تھے، لیکن ایرانی حکومت نے ان کو کچل دیا ، جس کے نتیجے میں ایرانی حکومت کو محکوم کرنے کے علاوہ کوشش یہ ھوتی ھے کہ اسلامی جمھوری ایران سے مقابلہ کے لئے قوانین بنائے جائیں!

13- دشمنان اسلام سے مقابلہ اور اعلان برائت ضروری ھے (قرآن کریم)

قارئین کرام ! نتیجہ یہ ھوا کہ جس خدا کی پھچان قرآن کریم نے فرمائی ھے وہ خدا صاحب رحمت بھی ھے اور صاحب غضب بھی، اگرچہ اس کی رحمت اس کے غضب سے کھیں زیادہ ھے، اور اس کے غضب سے آگے آگے رھتی ھے ، اور یہ کہ خدا کی رحمت اس کے غضب کی نفی نھیں کرتی، جیسا کہ خداوندعالم نے گناھوں پر اصرار کرنے والی بعض گذشتہ اقوام پر اپنا غیظ وغضب کا مظاھر ہ کیا، اور ان پر اپنا عذاب نازل کیا ھے۔

دوسرے یہ کہ اسلام نے ؛ اپنے سے دشمنی اور عداوت رکھنے والوں کے لئے سخت سے سخت قوانین مرتب کئے ھیں اور مسلمانوں کو حکم دیا ھے کہ اسلام دشمن افراد سے واضح طور پر برائت اور نفرت کا اعلان کریں۔

اس سلسلہ میں آپ حضرات سورہ ممتحنہ کی تلاوت کریں جس میں کفار اور مشرکین سے مسلمانوں کے طور طریقہ کو بیان کیا گیا ھے اور جو لوگ دشمنان خدا سے دوستی کا نقشہ پیش کرتے ھیں ان کی سخت مذمت کی گئی ھے ، نیز خداوندعالم دشمنان اسلام سے مخفی طور پر دوستی کرنے سے ڈراتا ھے۔ اس سورہ مبارکہ میں خداوندعالم مسلمانوں کو حکم دیتاھے کہ ابراھیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب سے پند حاصل کریں اور دشمنان خدا کے مقابلہ میں ان کے رویہ کو اپنے لئے نمونہ عمل قرار دیں، نہ یہ کہ جو لوگ اسلام اور مسلمین کی نابودی کے لئے ظاھری اور مخفی طریقہ سے فعالیت کرتے ھیں؛ ان کے سامنے بیٹھے مسکراتے رھیں!

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

چنانچہ ارشاد رب العزت ھوتا ھے:
(يَاأَيُّها الَّذِينَ آمَنُوا لاَتَتَّخِذُوا عَدُوِّی وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَائَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهادًا فِی سَبِيلِی وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِی تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْه مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ) (12)
" ایمان والوں خبر دار ! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بنانا کہ تم ان کی طرف دوستی کی پیش کش کرو جب کہ انھوں نے اس حق کا انکار کردیا ھے جو تمھارے پاس آچکا ھے اور وہ رسول کو او رتم کو صرف اس بات پر نکال رھے ھیں کہ تم اپنے پروردگار (اللھ) پر ایمان رکھتے ھو، اگر واقعاً ھماری راہ میں جھاد اور ھماری مرضی کی تلاش میں گھر سے نکلے ھو تو ان سے خفیہ دوستی کس طرح کر رھے ھو؟ جب کہ میں تمھارے ظاھر و باطن سب کو جانتا ھوں، اور جو بھی تم میں سے ایسا اقدام کرے گا وہ یقینا سیدھے راستہ سے بھک گیا ھے۔"
(قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِی إِبْرَاهيمَ وَالَّذِينَ مَعَه إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِكَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّی تُؤْمِنُوا بِاللهِ وَحْدَه)(13)
" تمھارے لئے بھترین نمونہٴ عمل ابراھیم (علیہ السلام) اور ان کے ساتھی ھے جب انھوں نے اپنے قوم سے کھہ دیا کہ ھم تم سے اور تمھارے معبودوں سے بےزار ھیں ھم نے تمھارا انکار کردیا ھے اور ھمارے تمھارے درمیان بغض اور عداوت بالکل واضح ھے یھاں تک کہ تم خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان لے آؤ "
ھم سے کھا جاتا ھے کہ زندگی کی باتیں کیجئے اور "امریکہ مردہ باد" کے نعروں کو چھوڑئیے، جی نھیں، "امریکہ مردہ باد" کے نعرے پورے زور وشور سے لگائے جائیں گے ، اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کی طرح ان سے یہ بات واضح طور پر کھہ دی جائے کہ جب تک حق کے سامنے سر تسلیم نہ کروگے، خدا کے سامنے اپنا سر نہ جھکائیں اور دوسروں پر اپنی حکومت جتانا نھیں چھوڑتے اور استکبارکی حالت سے اپنے کو نھیں نکالتے اور اپنے اپنائے ھوئے راستہ کو نھیں بدلتے،دنیا بھر کے لوگوں کے منافع کو پامال کرنا نھینچھوڑتے اور آزاد ملتونپر ستم کرنا ترک نھیں کرتے، ھم تمھارے دشمن ھیں۔
حالانکہ ان لوگوں نے ھمارے اور دوسرے اسلامی ملکوں کے منافع کو غارت کیا اور بھت زیادہ نقصانات پھنچائے، ھماری عزت و آبرو کو پامال کیااور ھمارے بھت سے رشتہ داروں کا خون بھایا، ھم بھلا کس طرح ان سے دوستی اور محبت کا مظاھرہ کریں؟ کیا دنیا بھر میں سیکڑوں بار کا تجربہ ھمارے لئے کافی نھیں ھے کہ ھم یہ سمجھ لیں کہ ان کے اندر مفاد پرستی اور استکبار کے علاوہ کچھ نھیں ھے، ھم پھر ان کے مکر وفریب کے جال میں پھنس جائیں؟!
قارئین کرام! قرآن مجید نے ھمیں یہ حکم دیا ھے کہ خدا ورسول اور اسلام کے دشمنونکے سامنے واضح طور پر برائت اور دشمنی کا اظھار کریں اور اگر ھم اسی اسلام اور قرآن کے ماننے والے ھیں جو کروڑوں کی تعداد میں ھر مسلمان کے پاس موجود ھے اور دشمنان خدا سے برائت پر زور دیتا ھے، اور یہ برائت اور دشمنی کا اعلان صرف جزائی (سزائی) قوانین کے تحت نھیں ھے بلکہ اس سے بھی آگے ھے؛ تو پھر یہ کس طرح کھا جاسکتا ھے کہ سب کے سامنے بیٹھے مسکراتے رھیں اور سب کے ساتھ مھربان رھیں؟

حوالے

(1)وصیت نامہ سیاسی الٰھی امام خمینی (رہ) ، بند دوم
(2)سورہ آل عمران آیت4
(3)سورہ سجدہ آیت22
(4) سورہ بقرہ آیت90
(5) سورہ انعام آیت 12
(6(سورہ توبہ آیت12
(7(سورہ توبہ آیت73،سورہ تحریم آیت نمبر 9
(8)سورہ توبہ آیت123
(9) سورہ انفال آیت60
(10(وصیت نامہ حضرت امام خمینی (رہ)، بند دوم
(11)سورہ توبہ آیت6
(12) سورہ ممتحنہ آیت نمبر 1
(13) سورہ ممتحنہ آیت نمبر 4

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اڑتیسواں جلسہ

اسلامی قوانین کے ساتھ مغربی نظریات کا ٹکراؤ

۱۔ تحریک مشروطیت اور مغربی کلچر کا رواج

قارئین کرام! ہم نے ”اسلامی سیاسی نظریات“ کی بحث کے دوران بعض ان مشکلات کی طرف اشارہ کیا جو مغربی ثقافت کے نفوذ کی وجہ سے ہمارے ملک میں پیدا ہوگئی ہیں، اور ہم نے ان اسباب کی طرف بھی اشارہ کیا جن کی وجہ سے یہ مشکلات پیدا ہوئی ہیں تاکہ ہمارے برادران خصوصاً جوانانِ عزیز اور آئندہ انقلاب کے وارث ان مشکلات میں گرفتار نہ ہوں منجملہ ان مشکلات کے جس کو گذشتہ بحث میں بیان کیا آزادی اور ڈیموکریسی کی بحث تھی۔

”تحریک مشروطیت“(۱) کے آغاز سے اس وقت تک ہمارے رابطہ مغربی کلچر سے زیادہ ہوتا گیا ہے، فرامانسون "Francmaconne" (۲) اور مغرب پرست (مغربی کلچر سے متاثر افراد) نے مغربی ممالک میں رائج مختلف کلچر کو اپناتے ہوئے ان کو اسلامی معاشرہ میں رائج کرنا شروع کردیا اگرچہ مختلف وجوھات کی بنا پر بعض چیزوں (جیسے آزادی اور ڈیموکریسی) کے رائج ہونے کا راستہ فراہم تھا، کیونکہ شاہ کے ظلم وستم سے ہمارا معاشرہ پریشان ہوچکا تھا، لہٰذا آزادی کی آواز پر فوراً لبیک کہا اور جب بھی کسی نے آزادی کا نعرہ لگایا اس کا بہت زیادہ استقبال ہوا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس طرح کے نعرے سب کی زبان پر آنے لگے، اور آزادی اور آزادی خواھی کے بہت زیادہ طرفدار بن گئے البتہ اسلامی اقدار کے مخالف ان قید و بند اور ظلم و ستم سے عوام الناس آزادی چاھتے تھے لیکن مغربی تمدن سے متاثر حضرات نے آزدای کا دوسرا رخ پیش کیا یعنی اسلام سے آزادی در حقیقت وہ اس نعرے کے ذریعہ عوام الناس کو اسلام سے دور کرنا چاھتے تھے تاکہ وہ اسلامی قوانین اور اسلامی اقدار کی پابندی نہ کرپائیں۔

اسی طرح وہ عوام الناس جو خان، راجہ اور فئوڈل(اشرافی حکومت، یا جاگیر داری)کی ظالم حکومت سے پریشان تھے، لہٰذا ان کو ڈیموکریسی کا نعرہ اچھا لگا اور ڈیموکریسی حکومت بنانے کی کوشش کرنے لگے، نہ یہ کہ اس طرح کے ظالم و جابر افراد ان کی سر نوشت اور زندگی کے بارے میں منصوبہ بندی بنائیں اسی وجہ سے یہ نظریہ عوام الناس میں قابل قبول تھا لیکن جن لوگوں نے اس معنی کو عام طور پر رواج دیا اور اس مغربی تحفہ کی عبادت وپرستش کرتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کی پرستش کی دعوت دی، تو ان کا مقصد ڈیموکریسی کے اس نعرہ سے اسلامی اقدار کو بالائے طاق رکھ دینا تھااور دین کو معاشرہ کی سیاسی زندگی سے ہٹانا تھا، نیز عوام الناس کے نظریات اور ان کی مرضی کو اسلامی اور مذھبی اقدار کی جگہ قرار دینا ان کا مقصد تھا لیکن جو لوگ مغرب پرستوں کے ان ناجائز اھداف سے واقف نہ تھے وہ اس طرح کے مطلق شعار کو قبول کرلیتے تھے؛ لیکن جو لوگ دور اندیش اور ھوشیار تھے انھوں نے اس کے خلاف عکس العمل دکھایا، اور عوام الناس پر اس حقیقت کو واضح کرنے اور دشمن کی سازش کو برملا کرنے کے لئے انھوں نے اپنی جان تک کی بازی لگادی، اور اپنے تمام تر وجود کے ساتھ یہ اعلان کردیا کہ وہ مطلق آزادی اور ڈیموکریسی جو اسلام اور اسلامی قوانین کے مخالف ہو؛ وہ اسلامی لحاظ سے قابل قبول نہیں ہے۔

شھید بزرگوار شیخ فضل اللہ نوری رحمة اللہ علیہ کا جرم یہ تھا کہ انھوں نے ڈیموکریسی اور مشروطۂ غربی کی مخالفت کی جو کہ اسلامی اور الٰھی اقدار کے مخالف تھی، اور موصوف نے ”مشروطۂ مطلقھ“ کے مقابلہ میں ”مشروطہ مشروعہ“ (۱) پیش کی چنانچہ موصوف فرماتے تھے: ہم مشروطۂ کو مطلق طور پر قبول نہیں کرتے، بلکہ ہم اس مشروطہ کو قبول کریں گے جو اسلام اور قوانین اسلامی کے موافق ہو ، لیکن دوسرے لوگ مشروطہ مطلقہ کا نعرہ لگاتے تھے، کیونکہ ان کی نظر میں اس کا موافق شریعت ہونا یا نہ ہونا کوئی اھمیت نہیں رکھتا تھا؛ لہٰذا اپنے ناپاک اھداف کے تحت اس عالی قدر عالم روحانی کو ظلم و استبداد کی طرف داری اور مشروطہ مطلقہ کی مخالفت کے جرم میں پھانسی پر لٹکا دیا اور ان کو شھید کردیا اگرچہ ایک طرف سے ”اصول گرایان“ اور ”اسلام خواھان“کے درمیان اور دوسری طرف دگر اندیشان اور مغرب پرستوں میں یہ جنگ و جدال اور کشمش ابھی تک جاری و ساری ہے۔

۲۔ اسلام میں مطلوب اور مقصود آزادی کے نقشہ پر بعض مؤلفین کی نا رضا مندی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قارئین کرام ! ہم نے گذشتہ سال آزادی اور ڈیموکریسی کے سلسلہ میں بحث وگفتگو کی جس میں ہم نے بیان کیا کہ ہمارے معاشرہ میں مطلق آزادی قابل قبول نہیں ہے، اور جیسا کہ اسلامی تمدن اور بنیادی قوانین میں مشروط آزادی مقبول ہے بنیادی قوانین کی اصل نمبر ۴ کی بنا پر : بنیادی قوانین کے اصول، قوانین موضوعہ، پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین،یا دوسرے اداروں کے ذریعہ بنائے جانے والے قوانین اس وقت معتبر ہیں جب وہ دلیل شرعی کے عموم اور اطلاق سے کسی طرح کی کوئی مخالفت اور مغایرت نہ رکھتے ہوں لہٰذا اگر بنیادی قوانین کی ایک اصل بھی آیات و روایات کے عموم اور اطلاق سے مخالفت رکھتے ہوں تو وہ غیر معتبر ہے! ہماری ملت نے اسی بنیادی قوانین کو ووٹ دیا ہے جو اس قدر اسلامی مضبوط پشت پناہی رکھتا ہے لہٰذا اسلام کے احیاء اور زندگی کے لئے انقلاب برپا کرنے والے ہماری ملتبنیادی قوانین میں اسلامی احکام اور اسلامی منزلت کے تحفظ کے طلب گار ہیں، تو پھر وہ غیر اسلامی تمدن کو کیسے قبول کرسکتی ہے؛ لہٰذا ہماری ملت کے نزدیک (جو اسلامی

....

()یعنی وہ مشروطیت جس میں شرعی قوانین کے تحت کام کیا جائے (مترجم)

نظریہ ہے)؛وہ آزادی قابل قبول ہے جو اسلامی احکام اور اقدار کے تحت ہو۔
لیکن ہماری اس بحث کے بعد بہت سے اخبار وں کے مالکان نے ہماری مخالفت شروع کردی، اور بہت سے مقالات ہماری مخالفت میں چھپنے لگے، اور ہم کو آزادی اور ڈیموکریسی کا مخالف اور ظلم وستم کا طرف دار بتایا جانے لگا، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے تو یہ بھی کہہ ڈالا کہ فلاں صاحب تو ایران کو پیچھے کی طرف لے جارہے ہیں! اور آخر کار ایک مسلمان اور انصاف پسند مقالہ نگار نے ہماری باتوں کا اعتراف کیا اور کہا: ہمارا معاشرہ اس آزادی کا دفاع کرسکتا ہے جو اسلامی احکام اور قوانین شریعت کے دائرہ میں ہو؛ جبکہ ہمارے حکومتی عہدہ داران نے بھی بارہا اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے اور کرتے رہتے ہیں۔

۳۔ مفسد فی الارض کے بارے میں اسلامی حکم
ہم نے گذشتہ بحث میں بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ عدلیہ کو طاقتور ہونا ضروری ہے تاکہ خلاف ورزی کرنے والوں کو ان کی سزائے اعمال تک پہنچایا جاسکے، اور مجرموں کو سزا مل سکے، اور اس کام کے لئے پولیس اور قدرت کا استعمال کرنا ضروری ہے اور اگر اس طرح کی طاقت اسلامی حکومت میں نہ ہو تو پھر وہ معاشرہ میں اسلامی قوانین کو نافذ کرنے کی ضامن نہیں ہوسکتی اس چیز کو دنیا بھر کی حکومتوں میں قبول کیا جاتا ہے سوائے ”آنارشیسٹوں“"Anarchistes" (فساد طلب) اور حکومت کا انکار کرنے والوں کے، اور سبھی افراد حکومتوں کے لئے طاقت اور پولیس کو لازمی اور ضروری جانتے ہیں لہٰذا اسلامی حکومت کے لئے امن وامان قائم کرنے، معاشرہ میں نظم وضبط برقرار رکھنے ،الٰہی احکام اور حدود نیز اسلام کے سزائی قوانین کو نافذ کرنے کے لئے قدرت اور طاقت کا استعمال ضروری ہے اسی طرح اگر کچھ لوگ اسلامی نظام کے خلاف مظاہرہ کرنے لگیں اور معاشرہ میں بد امنی پھیلانے لگیں تو اس وقت اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی قدرت اور پولیس کے ذریعہ ان کو اپنی جگہ بٹھادے۔
قارئین کرام ! ہم نے عرض کیا کہ بغیر کسی حد اور قید کے مطلق آزادی کو ایک ناقابل انکار ارزش اور اقدار کے عنوان سے بیان کرنے والے اور اس کے مقابلہ میں تشدد اور شدت پسندی کو مطلق طور پر ضدّ اقدار قلمبند کرنے والے افراد کہتے ہیں : ”یہاں تک کہ نظام اسلامی کے مقابلہ میں قیام کرنے والوناور تشدد اور شدت پسندوں کے مقابلہ میں ؛ تشدد اور شدت پسندی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے، بلکہ پیار و محبت اور الٰہی و اسلامی رحمت کے ساتھ برتاؤ کیا جانا چاہئے۔“
بے شک ان لوگوں کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر مجرموں اور خلاف ورزی کرنے والوں کے مقابلہ میں سخت رویہ نہ اپنایا جائے اور ضروری مواقع پر تشدد اور پولیس کا سہارا نہ لیا جائے تو اس طرح کے فتنہ وفساد دوبارہ بھی ہوسکتا ہے یہاں تک کہ ممکن ہے اس طرح کے برتاؤ سے دوسرے بھی ناجائز فائدہ اٹھائیں، کیونکہ اگر اس طرح کا فتنہ وفساد بپا کرنے والوں، مساجد میں آگ لگانے والوں، عورتوں کے سروں سے چادر چھیننے والوں اور مختلف مقامات پر آگ لگانے والوں نیزدھشت گردی پھلانے والوں کے مقابلہ میں اگر بیٹھے مسکراتے رہیں اور نرمی کے ساتھ برتاؤ کرتے رہیں تو گویا یہ فتنہ وفساد پھلانے والوں کے لئے ایک سبز چراغ ہوگا اور وہ یہ سوچ سکتے ہیں کہ اس طرح کا کام دوبارہ بھی کیا جاسکتا ہے!! لہٰذا یہ نظریہ بالکل نا درست اور اسلام کے مخالف ہے کیونکہ اسلام کا حکم یہ ہے کہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

محارب (لڑائی جھگڑا کرنے والا) اور مفسدفی الارض کے لئے سخت سے سخت سزائیں دی جائیں۔
عام طور پر حکومتی قوانین کی خلاف ورزی کرنا اور تشدد کا استعمال کرنا دو طریقہ پر ھوسکتا ھے: کبھی تو انفرادی طور پر ھوتا ھے اور کبھی اجتماعی طور پر اس طرح سے کہ ایک گروہ منصوبہ بندی کے ساتھ حکومت کے خلاف مسلحانہ حملہ کرتا ھے اسلامی فقہ میں اس گروہ کو "بُغاۃ" اور "اھل بَغی" (بغاوت کرنے والا) کھا جاتا ھے اسلامی جھاد کی ایک قسم اسی طرح کے لوگوں سے جھاد کرنا ھے اگر کچھ لوگ کسی گروہ کے تحت اسلامی حکومت کے خلاف مسلحانہ قیام کریں توان سے جنگ کرنا ضروری ھے، یھاں تک کہ اسلامی حکومت کے سامنے تسلیم ھوجائیں اور ان سے کسی طرح کی کوئی سازش نھینکرنا چاھئے لیکن کبھی حکومت کے خلاف اس طرح کا قیام کسی خاص گروہ کے تحت نھیں ھوتا بلکہ ایک یا دو آدمی مسلحانہ حملوں کے ذریعہ معاشرہ میں بد امنی پھیلاتے ھیں اور عوام الناس کی جان ومال او رناموس پر حملہ ور ھوتے ھیں اور دھشت گردی پھیلاتے ھیں شریعت اسلام میں ایسے افراد کو "محارب" کھا گیا ھے ایسے افراد کے مقابلہ میں لشکر کشی کی ضرورت نھیں ھوتی، بلکہ ان لوگوں کو اسلامی عدالت کے حوالہ کیا جاتا ھے تاکہ قاضی شرع ان کے بارے میں فیصلہ کرے۔
اور قاضی شرع بھی محارب اور مفسد فی الارض کے سلسلہ میں چار احکام میں سے کوئی ایک حکم لگا سکتا ھے، اور وہ چار حکم درج ذیل ھیں:

۱۔ پھانسی دینا۔
۲۔ تلوار یا بندوق کے ذریعہ موت کے گھاٹ اتار دینا۔
۳۔ مختلف سمت سے ھاتہ پیر کاٹ دینا ،(یعنی داھنا ھاتہ اور بایاں پیر ،یا بایاں ھاتہ اور داھنا پیر)۔
۴۔ اسلامی ملک سے نکال دینا۔
چنانچہ اس سلسلہ میں قرآن مجید میں ارشاد ھوتا ھے:
(إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللهَ وَرَسُولَہ وَيَسْعَوْنَ فِی الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلاَفٍ أَوْ يُنفَوْا مِنْ الْأَرْضِ ذَلِکَ لَهمْ خِزْیٌ فِی الدُّنيَا وَلَهمْ فِی الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۳)
"بس خدا و رسول سے جنگ کرنے والے اور زمین میں فساد کرنے والوں کی سزا یھی ھے کہ انھیں قتل کردیا جائے یا سولی پر چڑھا دیا جائے یا ان کے ھاتہ پیر مختلف سمت سے قطع کردئے جائیں یا انھیں ارض وطن سے نکال باھر کیا جائے، یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ھے اور ان کے لئے آخرت میں عذاب عظیم ھے۔"
لہٰذا معلوم یہ ھوا کہ جو لوگ اسلامی حکومت اور نظام اسلام کے خلاف فتنہ وفساد برپا کریں وہ محارب اور مفسد فی الارض ھیں اور ان کو اسلام کے مطابق سزا دی جائے، کسی بھی صورت میں اسلامی سزا اٹھائی نھیں گئی ھیں اسلامی تمدن کے مخالف افراد کھا کرتے ھیں کہ اسلامی سزائیں اور اسلام کے احکام تشدد آمیز ھیں اور عام طور پر کسی بھی طرح کی تشدد مذموم ھے اور جیسا کہ ھم نے تشدد کی بحث میں بیان کیا کہ جس طرح مطلق آزادی صحیح نھیں ھے اسی طرح مطلق تشدد بھی محکوم اور مذموم نھیں ھے بلکہ بعض موقع پر تشدد اور غیظ وغضب کا مظاھرہ کرنا جائز اور لازم ھے، اور جو لوگ تشدد اور غیظ وغضب کے ساتھ آگے بڑھتے ھیں ان کے ساتھ میں ویسے ھی تشدد اور قھر و غضب کے ساتھ جواب دیا جائے، ورنہ اگر ان کے ساتھ پیار و محبت کا برتاؤ کیا جائے تو واقعاً یہ ان کے لئے ایک سبز چراغ دکھانے کی طرح ھوگا اور وہ پھر دوبارہ بھی اس طرح کا آشوب برپا کرسکتے ھیں، اور اس طرح دوبارہ فساد پھیلانے کا راستہ ھموار ھوجائے گا۔

۴۔ سخت رویہ نہ اپنانے کا نتیجہ
گذشتہ سال ملک کے بعض مقامات پر مختصر طور پر بدامنی پھیلی ، اور بعض دلائل کی بنا پر حکومتی عھدہ داروں نے یہ مصلحت دیکھی کہ بد امنی پھیلانے والوں کے ساتھ تھوڑی نرمی کے ساتھ برتاؤ کیا جائے، اور سخت رویہ نہ اپنایا جائے؛ چنانچہ آپ حضرات نے دیکھا کہ اسی نرم رویہ اپنانے کا نتیجہ تھا کہ ایک بار پھر بد امنی پھیل گئی، جس کے درد ناک نتائج ناقابل برداشت تھے لہٰذا اگر بد امنی پھیلانے والوں اور مفسد فی الارض کے ساتھ سخت برتاؤ نہ کیا جائے اور اسلامی سزائیں ان کے حق میں جاری نہ کی جائیں تو پھر دوبارہ بدامنی نہ پھیلنے کی کوئی ضمانت نھیں ھے اور یہ بھی ضمانت نھیں ھے کہ ایک بار پھر یونیورسٹی کے ماحول سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جائے گا بے شک ھمارے یونیورسٹی کے طلباء مسلمان، ھوشیار اور موقع شناس ھیں اور بدامنی اور آشوب پھیلانے سے بری ھیں لیکن بعض افراد ایسے بھی موجود ھیں جو انھیں طلباء کے پاکیزہ احساسات سے ناجائز فائدہ اٹھاکر پھر دوبارہ بد امنی پھیلانا چاھتے ھیں۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لہٰذا گر بد امنی پھیلانے والوں کے ساتھ سخت رویہ نہ اپنایا جائے اور بعض لوگوں کے مطابق؛ ان کے ساتھ تشدد اور شدت پسندی کا برتاؤ نہ کیا جائے تو پھر دوبارہ اس طرح کی بد امنی نہ پھیلانے کی کیا ضمانت ھے؟ لہٰذا توجہ رھے کہ اگر اسلامی سزائیں سخت ھیں جیسا کہ چور کے ھاتھ کاٹنے کا حکم ھے یا دوسرے جرائم؛ خصوصاً محارب اور مفسد فی الارض کے لئے سخت سے سخت سزائیں معین کی ھیں، تو وہ اس وجہ سے ھیں تاکہ پھر کوئی بد امنی پھیلانے کی جرائت نہ کرسکے ، اور اس طرح کے مجرم سخت سزا سے خوف زدہ رھیں کیونکہ دشمن اور مجرم کو ڈرانے کا مسئلہ اسلام کی ایک بہت بڑی حکمت ھے جس کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ھے، مسلمانوں اور سیاسی مسلمانونکو اس آیت پر توجہ کرنا چاھئے، ارشاد رب العزت ھوتا ھے:

(وَأَعِدُّوا لَهمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهبُونَ بِہ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهمْ لاَتَعْلَمُونَهمْ اللهُ يَعْلَمُهمْ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِی سَبِيلِ اللهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لاَتُظْلَمُونَ) (۴)

” اور تم سب ان کے مقابلہ کے لئے امکانی قوت اور گھوڑوں کی صف بندی کا انتظام کرو جس سے اللہ کے دشمن، اپنے دشمن اور ان کے علاوہ جن کو تم نہیں جانتے ھو اور اللہ جانتا ھے سب کو خوفزدہ کردو، اور جو کچھ بھی راہ خدا میں خرچ کرو گے سب پورا پورا ملے گا اور تم پر کسی طرح کا ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

جن مواقع پر عوام الناس کی طرف سے تشدد جائز ھے وہ اس وقت ھے جب عوام الناس کو یہ احساس ھوجائے کہ اسلامی عھدہ داران خطرہ میں ھیں ، اور اسلامی نظام کے خلاف سازش ھورھی ھے ، اور صرف اسلامی حکومت اسلامی نظام کا دفاع کرنے پر قادر نہیں ھے کیونکہ جب اسلامی حکومت کو نظام کے سلسلہ میں کسی سازش کا پتہ چل جاتا ھے تو وہ خود اپنی ذمہ داری پر عمل کرتی ھے، لیکن اگر اسلامی حکومت تنھا کافی نہ ھو تو عوام الناس کا وظیفہ بنتا ھے کہ اسلامی حکومت کی مدد کریں اور اسلامی حکومت کے عھدہ داروں کا دفاع کریں جیسا کہ آپ حضرات نے دیکھا کہ اس سال (تیر ماہ ۱۳۷۸ئہ شمسی) کے درد ناک حادثہ میں کس طرح کا ماحول پیدا ھوگیا، اس وقت واقعاً اسلامی نظام خطرہ میں تھا، اس وقت حکومتی قدرت اس فساد کی آگ کو بجھانے کے لئے کافی نہ تھی، لہٰذا عوام الناس اور بسیجی (عوامی رضاکار فوج) اس آگ کو بجھانے کے لئے آگے بڑھے اور اس کو خاموش کردیا؛ جیسا کہ بعض حکومتی بڑے عھدہ داروں نے بھی اس بات کی وضاحت کی کہ اس شعلہ ور آگ کو ھمارے بسیجیوں نے بجھایا ھے۔

لہٰذا اگر اسلامی نظام کے خلاف کوئی سازش ھو (جبکہ بعض لوگ اس سازش سے بے خبر رھتے ھیں) اور ھم واضح اور قطعی طور پر اس سازش کا احساس کرلیں اور اس سازش کو ختم کرنے کے لئے تشدد کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ ھو،تو اس صورت میں تشدد او رشدت پسندی کا اظھار کرنا واجب اور ضروری ھے جیسا کہ حضرت امام خمینی (رہ) نے فرمایا کہ ”اس موقع پر تقیہ کرنا حرام ھے، اور قیام کرنا چاھئے، ھرچہ بادا باد “(چاھے کچھ بھی ھو) جس وقت خود اسلام خطرہ میں ھو اس موقع پر کسی طرح کا کوئی تقیہ جائز نہیں ھے، اور اسلام کے دفاع کے لئے اٹھ کھڑا ھونا چاھئے، یہاں تک کہ اگر ھزاروں لوگ بھی قتل ھوجائیں، اگرچہ دوسرے افراد کسی وجہ سے اس خطرہ کی طرف متوجہ نہ ھوں یا وہ اس کام میں مصلحت نہ سمجھتے ھوں، لیکن جب یقینی دلائل کے ساتھ واضح ھوجائے کہ واقعاً اسلامی نظام اور اسلامی عھدہ داروں کے لئے خطرہ ھے تو پھر عوام الناس کو ان کا دفاع کرنا واجب ھے؛ لہٰذا یہاں پر تشدد اور غیظ وغضب کا ظاھر کرنا واجب ھے۔

ھماری باتوں کا مطلب یہ نہیں ھے کہ ھر موقع پر تشدد سے کام لیا جائے ، ھم تشدد کے طرفدار نہیں ھیں بلکہ ھمارا اعتقاد تو یہ ھے کہ پیار و محبت اور مھربانی اصل ھے ، اور صرف ضروری مواقع پر تشدد سے کام لیا جائے ھماری عرض تو اتنی ھے کہ جب اسلامی حکومت موجود ھو تو پھر حکومتی متعلق اداروں اور عدلیہ کے فیصلہ کے مطابق کام ھو؛ لیکن اگر کوئی مسئلہ حکومت کے ھاتھوں سے نکل جائے اور اسلام اور اسلامی نظام کی حفاظت کے لئے تشدد کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ بچے تو اس وقت تشدد کا مظاھرہ کرنا واجب ھے۔

۵۔ تشدد کی بحث کے مقابلہ میں غیر ذمہ دارانہ رویہ

گذشتہ جلسہ میں تشدد کے سلسلہ میں مطالب بیان کرنے کے بعد بعض مغرب پرست اخباروں نے ھمارے اوپر اعتراضات کئے اور بہت سے مقالات اخباروں میں چھپے حقیر اس سلسلہ میں ان تمام افراد کا شکر گذار ھے جنھوں نے ھماری موافقت یا مخالفت میں گفتگو کی یا مقالہ لکھا کیونکہ ھمارا تو یہ نظریہ ھے کہ اخباروں میں اس طرح کی باتوں پر نقد وتنقید کوئی نقصان دہ نہیں ھوتی؛ بلکہ اس طرح سے بات بالکل صاف ھوجاتی ھے تاکہ عوام الناس اپنے عقائد کو راسخ تر کرلیں، اور اپنے وظیفہ کو بھتر طور پر سمجھ لیں لیکن شرط یہ ھے کہ ایک طرف کی بات سن کر فیصلہ نہ کیا جائے اور دونوں طرف کی مکمل باتوں کو پیش کیا جائے لیکن افسوس کے ساتھ عرض کیا جاتا ھے کہ بعض لوگوں نے ھماری

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

باتونکو کاٹ چھانٹ کر بعض عھدہ داروں تک پھنچائی جن کی وجہ سے وہ پریشان ھوگئے اور جلد بازی مینھمارے خلاف فیصلہ کرنے لگے۔
ھمیں ددسروں سے یہ امید نھیں ھے کہ وہ ھماری باتوں کی تائید کریں اسی طرح ان سے کسی طرح کا کوئی خوف بھی نھیں ھے ھم اپنی شرعی اور الٰھی ذمہ داری پر عمل کرتے ھیں، اگر کسی کو اچھا لگے تو بھتر، ورنہ ھم نے اپنی ذمہ داری پر عمل کردیا ھے اور خدا پر بھروسہ کیا ھے، ھمیں کسی کی توھین یا دھمکی کا کوئی خوف نھیں ھے لیکن جو لوگ دعویٰ کرتے ھیں کہ سب کی باتوں کوکشادہ دلی کے ساتھ سننا چاھئے؛ ان سے یہ امید تھی کہ ھماری باتوں کو سنتے اور شاید ھماری پوری بات کو سننے کے بعد ان کو مان بھی لیتے اور اگر ھماری بات کو قبول بھی نہ کرتے تو اس کا جواب دلیل و منطق اور اصول کے تحت دیتے، نہ یہ کہ نامناسب الفاظ سے ھمیں نوازا جاتا۔
افسوس کہ ھمارے پاس اتنا وقت نھیں ھے کہ ھم ان تمام لوگوں کو تحریری جواب دیں جنھوں نے تقریروں، اخباروں اور مقالوں میں اظھار محبت کی اور ھمارے نفع یا ھمارے نقصان میں کچھ بیان کیا اوران دو ھفتوں میں سیکڑوں مقالے لکھے، اسی طرح ان سب کو الگ الگ زبانی جواب دینے کی بھی فرصت نھیں ھے لھٰذا ان کو جواب نھیں دیتے ، ھمیں امید ھے کہ ان سب کا یہ کام خوشنودی خدا کے لئے ھوگا۔
ھم اپنی ذمہ داری سمجھتے ھیں کہ اسلامی معاشرہ کے لئے ضروری چیزوں کو دلائل اور برھان کے ساتھ بیان کریں ، لیکن اگر کسی کو اچھا نہ لگے تووہ منطق اور دلیل کے ساتھ اس کا جواب دے۔

۶۔ قرآن مجید میں لفظ ” تشدد“ کے ھم معنی لفظ کی تحقیق

قارئین کرام ! ھم یھاں پر ضروری سمجھتے ھیں کہ تشدد کے سلسلہ بیان شدہ باتوں کا خلاصہ کریں: ”تشدد“ عربی لفظ ھے اور فارسی زبان میں بھی استعمال ھوتا ھے، جس کے معنی سختی سے پیش آنے کے ھیں، اس کے مقابلہ میں لفظ ”لیّن“ ھے جس کے معنی ”نرمی “ کے ھیں قرآن مجید میں لفظ ”لیّن“کے مقابلہ میں لفظ ”تشدد“ کا استعمال نھیں ھوا ھے، بلکہ لفظ ”غلظت“ استعمال ھوا ھے؛ جب کہ حقیقت یہ ھے کہ یہ دونوں (تشدد اور غلظت) مترادف (ھم معنی) الفاظ ھیں جیسا کہ فارسی (یا کسی دوسری زبان) میں مترادف الفاظ ھوتے ھیں، اسی طرح عربی زبان میں بھی بھت سے مترادف الفاظ ھوتے ھیں، قرآن مجید میں کبھی ان دو مترادف الفاظ میں سے ایک لفظ استعمال ھوا ھے اور کبھی کبھی دونوں الفاظ استعمال ھوئے ھیں، اور کبھی دو الفاظ میں سے ایک خاص معنی میں استعمال ھوا ھے، مثال کے طور پر لفظ ”قلب“ سے ایک معنی مراد ھوتے ھیں اور لفظ ”فؤاد“ سے دوسرے معنی، (جبکہ دونوں کے معنی ”دل“ کے ھیں) اور کبھی کبھی ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ استعمال ھوا ھے قرآن مجید میں لفظ ”لیّن“ (نرمی) کے مقابلہ میں لفظ ”غلظت“ استعمال ھوا ھے، جیسا کہ خداوندعالم نے پیغمبر اکرم سے خطاب فرماتا ھے:
(فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِکَ) (۵)
” پیغمبر یہ اللہ کی مھربانی ھے کہ تم ان لوگوں کے لئے نرم رھو ورنہ اگر تم بد مزاج اور سخت دل ھوتے تو یہ لوگ تمھارے پاس سے بھاگ کھڑے ھوتے “
فارسی میں لفظ” غلظت “ سختی کے معنی میناستعمال نھیں ھوتا، بلکہ ھماری زبان میں اس لفظ کو ”بھنے والی “ چیزوں میں استعمال کیا جاتا ھے، مثلاً کھا جاتا ھے کہ خرمے کا رس ”غلیظ“ ھے ، یعنی سخت ھے، اور لفظ ”غلظت“ جس کے مقابلہ میں لفظ ” لیّن“ ھے؛ اس کے ھم معنی لفظ ”تشدد“ ھے جس کے سلسلہ میں ھم نے بحث کی ھے،اور کھاکہ تشدد مطلق طور پر مذموم نھیں ھے، بلکہ بعض مواقع پر نہ صرف یہ کہ مذموم نھیں ھے بلکہ ضروری اور واجب بھی ھے۔

۷مغربی اور اسلامی نظر میں تحمل اور ٹولرانس کے معنی

قارئین کرام ! ھم نے آزادی کے سلسلہ میں عرض کیا کہ ھمارے سیاسی اور ادبی معاشرہ مینکئے جانے والے آزدای کے معنی لفظ لبرلیزم " Liberalism" کا ترجمہ ھے جس کا رواج مغربی ممالک میں بھت زیادہ ھے اسی طرح لفظ ”تحمل“ (کسی کی بات کو برداشت کرنا) جو لفظ ”تشدد“ کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ھے یہ انگلش لفظ ٹولرانس "Toleranec" کے ھم معنی ھیں جس کے معنی تحمل اور برادشت کرنا ھیں بھر حال چونکہ یہ دونوں الفاظ مغربی ممالک میں بھت زیادہ رائج ھیں البتہ اس چیز میں کوئی ممانعت بھی نھیں ھے کہ اگر کسی دوسری زبان کا لفظ واضح اور شفاف معنی رکھتا ھو تو اس کو ”ھو بھو“ یا اس کے ھم معنی کوئی دوسرا لفظ اپنی ادبیات میں شامل کرلیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں البتہ اس نکتہ پر توجہ رھے کہ کبھی کبھی دوسری زبان کے یہ الفاظ بھت سی حد و قید رکھتے ھیں اور خاص الخاص معنی رکھتے ھیننیز اسی زبان کے ماحول سے اس کے معنی کئے جاتے ھیں یعنی جب کسی زبان میں کوئی لفظ استعمال ھوتا ھے تو اس

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کے مثبت یا منفی معنی ہوتے ہیں لیکن اگر اسی کو کسی دوسری زبان میں لے جاکر معنی کئے جائیں تو اس کے معنی بدل جاتے ہیں یا اس کے معنی بالکل برعکس ہوجاتے ہیں، مثال کے طور پر:
یہی لفظ " آزادی"جو مغربی تمدن سے ہماری زبان میں وارد ہوا ہے ؛ مغربی ممالک میں اس کے بہت زیادہ وسیع معنی ہیناور جنسی مسئلہ میں کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہونے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جب کہ ہمارے معاشرہ میں ایسا نہیں ہے، ا ور یہ معنی ہمارے معاشرہ بلکہ دوسرے اسلامی معاشرہ میں بھی قابل قبول نہیں ہیں، لہٰذا ہم اسلامی اور قومی اقدار کی بنا پر مجبور تھے کہ اس آزادی میں کچھ قید وشرط کا اضافہ کریں اور جائز آزادی نیز اسلامی قوانین کے مطابق آزادی کو قبول کرلیں، لہٰذا واضح طور پر یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم "مطلق آزادی" کو نہیںمانتے اسی طرح "تشدد" کے وہ معنی جو ہماری زبان میں وارد ہوگئے ہیں اور مغربی ممالک میں اس کو مطلقاً قابل مذمت گردانتے ہیں؛ جب کہ ہم اس کو بطور مطلق ضدّ اقدار نہیں سمجھتے، جس طرح سے مطلق آزادی کو نہیں مانتے بلکہ ہم منطق اور اصول سے خالی تشدد جوانسانی اخلاق کے مخالف ہو؛اس کو مذموم مانتے ہیں ، اور ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ بعض مواقع پر تشدد ؛ عقل کا تقاضا اور معاشرہ کے منافع کو پورا کرنے والی ہے، لہٰذا اس وقت اس میں کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔
لہٰذا جب لفظ ٹولرانس "Toleranec" انگلش سے نکل کر ہماری زبان میں داخل ہوا ، تواس کو مطلق طور پر قبول کرنے سے پہلے اس کے صحیح معنی پر توجہ کریں اور یہ دیکھیں کہ مغربی ممالک میں اس کے کیا کیا مثبت یا منفی پہلو ہیں، اور اس کے پشت پردہ کیا راز پوشیدہ ہے اور کس مقصد کے تحت ہماری سیاسی ادبیات میں داخل ہوا ہے؟ نیز یہ دیکھیں کہ اس کے منتقل ہونے کے بعد اس کے معنی میں کیا کچھ تبدیلی پیدا ہوئی ہے یا نہیں؟
لفظ ٹولرانس کا مفہوم مغربی ماڈرن تمدن کا ایک تحفہ ہے جو " رنسانس"کے زمانہ بعد سے آہستہ آہستہ رائج ہوتا چلا گیا ہے اور آج کل مغربی ممالک میں بے دینی تمدن کی ایک واضح پہچان ہے (توجہ رہے کہ ہم نے اس سے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ جب ہم مغربی تمدن کا نام لیتے ہیں تو اس سے مراد ان ممالک میں رہنے والے تمام لوگوں کا تمدن نہیں ہے؛ کیونکہ وہاں پر بہت سے دیندار مسلمان بھی موجود ہیں، بلکہ ہماری مراد مغربی ممالک میں حکمراں تمدن ہے جس کے مخالف بھی خودانہیں ممالک میں بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔)
اس لفظ ٹولرانس "Toleranec" کی تحقیق کے سلسلہ میں مزید عرض کرتے ہیں:
اولاً: مغربی ممالک میں حکمراں تمدن میں تمام اقدار (چاہے وہ اخلاقی اقدار ہوں یا اجتماعی اقدار یا حقوقی اور سیاسی) اعتباری امور ہیں اور ان کی کوئی عقلائی اور واقعی حققت نہیں ہے دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیجئے کہ اقدار کا تعلق عوام الناس کی مرضی اور ان کے سلیقہ پر ہوتا ہے کیونکہ کسی چیز پر اعتقاد رکھنا سب کے لئے اور سب جگہ پر اقدار نہیں کہلاتا بلکہ مغربی ممالک کی نظر میں اقدار اس وقت اقدار ہے جب معاشرہ اس کو قبول کرے، لیکن اگر ایک زمانہ میں عوام الناس کا سلیقہ بدل جائے تو یہی اقدار ضد اقدار میں بدل جائے گا۔
ثانیاً : یہ لوگ اسلامی اعتقاد کو اسی اعتباری اقدار کے ہم پلہ قرار دیتے ہیں، اورانسان کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ چاہے وہ ان کو قبول کرے یا ترک کردے، گویا دینی عقائد کو بھی ایک سلیقہ کی طرح قرار دیتے ہیں:
جس طرح انسان اپنے سلیقہ کی بنا پر اپنے لباس کا رنگ اختیار کرتا ہے مثلاً کوئی نیلا رنگ پہننا چاہتا ہے اور کوئی کالا رنگ ، جبکہ کسی کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تم اس رنگ کو کیوں انتخاب کرتے ہو؟! اور نہ ہی اس کے اس کام پر مذمت کی جاسکتی ہے کیونکہ ہر شخص اپنے سلیقہ میں مختار اور آزاد ہے، اسی طرح یہ لوگ دین کوبھی اپنے سلیقہ کی بنا پر اختیار کرتے ہیں، اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تو نے اس دین کو کیوں انتخاب کیا اور اس دین کو کیوں انتخاب نہیں کیا، اور کیوں فلاں دینی عقیدہ کی توہین کرتے ہواور اس کو نفی کرنے کی کوشش کرتے ہو اور اس سے بھی بالاتر اگر کسی نے اپنے دینی اعتقادات کوبالائے طاق رکھ دیا اور کسی دوسرے مذہب میں داخل ہوگیا تو اس کی بھی مذمت نہیں کی جاسکتی ، کیونکہ عقیدہ بدلنا بھی ایک سلیقہ کی طرح ہے جو کسی بھی وقت بدلا جاسکتا ہے!
لیکن اسلامی نقطہ نظر سے دینی مقدسات اور اسلامی اقدار ؛جان ومال اور ناموس سے بھی زیادہ مہم ہے وہ اسلام جو ہمیں اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ مال کی حفاظت کے لئے جان کی حد تک دفاع کرسکتے ہیں (یعنی جب تک جان جانے کا خطرہ نہ ہو اس وقت تک اس کی حفاظت ضروری ہے، لیکن اگر مال کی خاطر جان جانے کا خطرہ ہو تو اس وقت اس مال کو جان پر قربان کردیا جائے) کیا وہ اسلام دینی مقدسات کے دفاع کی اجازت نہ دے گا؟ (اگر چہ شورائ شہر تہران کے ایک نمائندہ نے اس بات کی بھی اجازت دیدی ہے کہ خدا کے خلاف بھی مظاہرہ کیا جاسکتا ہے) لیکن تمام مراجع تقلید کے فتوائ کی بنا پر اور شیعہ و سنی اجماع کی بنا پرتمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک جنگل اور بیابان میں کہ جہاں پر کوئی موجود نہ ہو ؛خدا، رسول ، مقدسات اسلامی اور دین اسلام کی ضروریات کی توہین کرے ، اوراس کو پولیس یا عدلیہ کے حوالہ کرنے کا کوئی امکان نہ ہو تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس کو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اسلامی مقدسات کی توھین کی بنا پر قتل کردے اور اسی اسلامی نظریہ کی بنا پر حضرت امام خمینی (رہ) نے مرتد سلمان رشدی کے قتل کا فتویٰ صادر فرمایاجس کی تمام شیعہ سنی علماء نے تائید کی مغربی تمدن سے ھمارا نقطہ اختلاف یھی ھے جس کو اسلام قبول کرتا ھے لیکن مغربی کلچر نھیں مانتا۔
ھمارا دینی وظیفہ اور دینی غیرت اس بات کی اجازت نھیں دیتی کہ ھم اسلامی مقدسات کی توھین ھوتے ھوئے خاموش بیٹھے دیکھتے رھیں، اسلام نے دینی مقدسات کی توھین کے مقابلہ کے لئے تشدد کو جائز قرار دیا ھے جب اسلام ھمارے نزدیک اپنی جان و مال اور اولاد سے بھی زیادہ عزیز ھے تو ھم اس کی حفاظت اور دفاع کے لئے اپنی جان کو بھی خطرہ میں ڈال سکتے ھیں لہٰذا اگر کوئی اسلامی مقدسات کی توھین کرے تو ھر انسان اس کو سزا دے سکتا ھے یھاں تک کہ اگر اس کو یہ بھی احتمال ھو کہ کل اسے (اسی قتل کی بنا پر) گرفتار بھی کیا جاسکتا ھے اور اس کے خلاف کاروائی کی جاسکتی ھے کہ تجھے اس قتل کا کوئی حق نھیں تھا ، اور وہ مقتول کے "مھدور الدم" (یعنی قتل جائز)ھونے کو ثابت نہ کرسکتا ھو جس کے نتیجہ میں اس پر قصاص یا سزائے موت کا فیصلہ دیا جائے، تو اس صورت میں بھی وہ اپنے دینی وظیفہ پر عمل کرسکتا ھے اور اسلام کی توھین کرنے والے کو سزائے اعمال تک پھنچا سکتا ھے ، مگر یہ کہ اس کے قتل کرنے سے مزید فساد پھیلنے کا خطرہ ھو۔

حوالے:

(۱) مشروطیت اس شاھی حکومت کو کھتے ھیں جس میں قوانین کے تحت کام کیا جائے (مترجم)
(۲) طرفداران انسانیت، تھذیب ، اخلاق اور انسانی فکری رشداور مذھبی اختلافات کو دور کرنے والوں کو فرامانسون کھا جاتا ھے (مترجم)
(۳(سورہ مائدہ آیت۳۳
(۴) سورہ انفال آیت۶۰
(۵)سورہ آل عمران آیت ۱۵۹

اسلام اور سیاست جلد(2)

انتالیسواں جلسہ

دینی عقائد و اقدار کے نسبی ھونے کے نظریہ کی تحقیق و بررسی

۱۔ دینی مسائل کو مطلق یا نسبی قرار دینا
قارئین کرام! ھم نے گذشتہ دو سال میں "اسلامی سیاسی نظریات" کے بارے میں گفتگو کی گذشتہ سال اسلامی نقطہ نظر سے "قانون اور قانون گذاری" کے سلسلہ میں بحث کی اور اس سال میں "کشور داری" (حکومت او راس کی ذمہ داریوں کے بارے میں بحث کررھے ھیں اور ھم نے اپنی بحث کو آگے بڑھاتے ھوئے کھا کہ بعض چیزوں کے لئے عقلی دلائل کا ھونا ضروری ھیں اور اکثر چیزیں آیات وروایات کی طرف مستند ھونا چاھئیں اسی وجہ سے ھماری بحث ایک "تلفیقی" بحث ھیں یعنی ھماری بحث میں نہ صرف عقلی دلائل ھیں اور نہ صرف شرعی اور تعبدی، بلکہ قارئین کرام کے لحاظ سے جو طریقہ بھی مناسب ھوتا ھے جس سے بات کو آسان طریقہ سے سمجھایا جاسکتا ھے؛ اسی لحاظ سے بیان کرتے ھیں، چاھے وہ عقلی دلائل ھوں یا شرعی۔
چاھے ھم عقلی دلائل کے ذریعہ کسی چیز کو ثابت کریں اور چاھے شرعی دلائل کے ذریعہ کسی چیز کے بارے میں بحث کریں، دونوں میں یہ سوال پیدا ھوتا ھے کہ جن چیزوں کو ھم اپنی بحث میں ثابت کرتے ھیں کیا وہ سب کے نزدیک معتبر اور حجت ھیں؟ یعنی مطلق طور پر اعتبار رکھتے ھیں، یا مطالب اور اقدار نسبی ھوتے ھیں اور صرف کھنے والے کے نظریہ کو بیان کرتے ھیں، اور ممکن ھے کہ اس سلسلہ میں دوسروں کا ایک الگ نظریہ ھو جو اس کے مطابق نہ ھو؟
دوسرے الفاظ میں یوں عرض کیا جائے کہ ایک مسلمان ، یا شیعہ اور مکتب اھل بیت علیھم السلام کا تابع شخص ھمارے دلائل کے ساتھ بیان پیش کردہ مطالب کو قبول کرتے ھیں اور ان کو مطلق طور پرمانتے ھیں یا نھیں؟ کیونکہ یہ صرف ایک خاص نظریہ کو بیان کرنے والے ھیں جس کے مقابلہ میں دوسرے بھی نظریات پائے جاتے ھیں جو اعتبار کے لحاظ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

سے ان کے برابر یا اس سے بالاتر ہوسکتے ہیں؟
بعض اخباروں اور تقریروں میں کہا جاتا ہے کہ ان مطالب اور نتائج کو مطلق طور پر بیان نہیں کرنا چاہئے اور یہاں تک بھی کہہ دیتے ہیں کہ ان مطالب کی نسبت اسلام کی طرف نہیں دینا چاہئے؛ اور صرف کہنے والے کا نظریہ ماننا چاہئے یعنی کہنے والا کہتا ہے کہ اسلام سے میرا حاصل کردہ نتیجہ یہ ہے ، نہ یہ کہ اپنے حاصل کردہ نظریہ کو اسلامی نظریہ کے عنوان سے بیان کریں اس طرح کی گفتگو خصوصاً گذشتہ ہفتہ میں آپ حضرات نے بہت سنی ہوگی کہ: کسی بھی شخص کو اپنی سمجھ کو مطلق قرار نہیں دینا چاہئے، کیونکہ بعض افراد ایسے بھی ہیں جو اس کے علاوہ بھی فہم اور نتیجہ رکھتے ہیں اور ان کا ایک الگ اعتبار اور اہمیت ہے۔

2۔ معرفت کے نسبی ہونے کے سلسلہ میں تین نظریات
یہاں پر چند مہم سوال پیدا ہوتے ہیں کہ ”مطلق“ اور ”نسبی“ الفاظ کے معنی کیا ہیں؟ مثلاً ”فلانمطلب اعتبارِ مطلق نہیں رکھتا“ یعنی چہ؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی معرفت اعتبارِ مطلق نہیں رکھتی؟ اور اس صورت میں مطلق اور نسبی معرفت میں کیا فرق ہے؟ اور کیا معرفت کا نسبی ہونا یا اعتبار معرفت کا نسبی ہونا صرف دینی مسائل سے متعلق ہے؟ یا کسی بھی علم کا کوئی بھی مطلب اور واقعہ نسبی ہوتا ہے؟

الف: معرفت کے نسبی ہونے پر پہلا نظریہ
معرفت کے مطلق یا نسبی ہونے کی تحقیق ایک فلسفی مسئلہ ہے جس کو اپیسٹمولوجی "Epistemology"(معرفت شناسی) کہا جاتا ہے قدیم زمانہ سے تقریباً ۲۵ صدی پہلے دانشوروں کے درمیان یہ اختلاف تھا کہ انسانی معرفت، اس کے اعتقادات اور اس کی قضاوت (فیصلے) کیا ”اعتبار ِ مطلق“ رکھتے ہیں یا ”اعتبار ِ مطلق“ نہیںر کہتے یہ سوفسطائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے یونان میں زندگی بسر کرتے تھے اور لفظ ”سفسطہ“ (یعنی مغالطہ) انہیں کے نام سے لیا گیا ہے، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان کو کسی بھی بات پر کوئی جزم ویقین حاصل ہو ہی نہیں سکتا، اور ہر چیز قابل شک وتردید ہے لہٰذا ان کے بعد سے تمام شکّاک فرقے اور آگنوسٹیسٹ "Agnostist" ، نسبی گرایان اور رلٹویسٹس "Relatists" اس طرح کا نظریہ رکھتے ہیں المتخصر: معرفت کے نسبی ہونے کا نظریہ کوئی نیا نظریہ نہیں ہے ، بلکہ قدیم زمانہ سے فلسفہ کی تاریخ میں موجود ہے اگرچہ آج کل جہان اسلام میں بہت ہی کم شکّاک افراد ہوں گے، لیکن امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک میں شکّاک اور نسبت گرا لوگوں کی بھر مار ہے بلکہ وہاں پر شکاک ہونا انسانی افتخار میں سمجھا جاتا ہے!
اور اگر ہم معرفت کے نسبی ہونے (یعنی انسان کو کسی بھی چیز کے بارے میں یقین حاصل نہیں ہوسکتا) اور شکّاکیت کے بارے میں اکیڈمیک طریقہ پر تحقیق کریں تو اس وسیع بحث کی تحقیق کے لئے ایک طولانی زمانہ درکار ہے لیکن ہم یہاں پر مختصر طور پر ایک اشارہ کرتے ہیں۔
جو لوگ ہم سے کہتے ہیں کہ آپ اپنی سمجھ اور نظریہ کو مطلق تصور نہ کریں، تو کیا ان کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی چیز کے بارے میں یقینی طور پر اعتقاد پیدا نہیں ہوسکتا، اور حقیقت میں انسان کے لئے معرفت حاصل کرنے کا دروازہ بند ہے ، اور ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ منطقی اور اصولی طور پر اس پر یقین حاصل ہوسکے، یا ان کا مطلب یہ ہے کہ بعض عقائد اور بعض چیزوں کی یقینی طور پر معرفت حاصل کرسکتے ہیں؟ ”منطقی“ کی قید لگانے کی وجہ یہ ہے کہ کبھی انسان کسی چیز کے بارے میں یقین رکھتا ہے اور کسی طرح کا کوئی شک ا س کے ذہن میں نہیں ہوتا، لیکن ایک مدت کے بعد متوجہ ہوتا ہے کہ اس نے غلطی کی ہے؛ ایسا یقین جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی ”نفسیاتی یقین “ کہا جاتا ہے یعنی انسان یونہی کسی چیز پر یقین کرلیتا ہے اور اس میں کسی طرح کا کوئی شک نہیں ہوتا، اگرچہ اس کا یقین غلط ہو اور جہل مرکب (نہ جاننے کے بارے میں نہ جاننا) کا شکار ہو ، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس طرح کا اعتقاد و یقین باطل ختم ہوجاتا ہے مثال کے طور پر دو اور دو کا چار ہونا ایک صحیح منطق ہے کیونکہ دنیا کے کسی بھی گوشہ میں دو اور دو پانچ یا چہ نہیں ہوتے پس اس حساب کا اعتبار مطلق ہے اور منطقی طور پر صحیح ہے، یہ ایک ذاتی نظریہ نہیں ہے، بلکہ سبھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔
اگر ان لوگوں کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو کسی بھی چیز اور واقعہ میں یقینی اعتقاد حاصل نہیں ہوسکتا، اگرچہ اس فلسفی بحث میں بہت زیادہ نظریات پائے جاتے ہیں اور اس جلسہ کی وسعت سے باہر ہیں، بس مختصر طور پر عرض کرتے ہیں کہ ان کا نظریہ نہ صرف یہ کہ انسانی فطرت سے ہم آہنگ نہیں ہے اور نہ ہی دنیا کے کسی بھی مذہب میں اس کو قبول کیا جاتا ہے اصولی طور پر یہ بات قابل یقین نہیں ہے کہ دنیا بھر میں کوئی عاقل انسان کہے: میں نہیں جانتا کہ کرہٴ

زمین موجود ھے یا نہیں؟ شاید اس کے بارے میں صرف خیال کے علاوہ کچھ نہ ہو! یا کہے کہ میں نہیں جانتا کہ کرہ زمین پر کوئی انسان زندگی بسر کرتا ھے یا نہیں؟ یا مجھے شک ھے کہ یورپ مینکوئی ملک فرانس بھی ھے یا نہیں، اور آیا میرا بھی کوئی وجود ھے یا نہیں، اور یہ تمام چیزیں کسی بھی طریقہ سے قابل اثبات نہیں ھیں! اور اگر ھماری ملاقات اس طرح کے آدمی سے ہو تو ھم اس کے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے؟ یقینا اس سے کہیں گے کہ کسی نفسیاتی ڈاکٹر کے پاس جاؤ ، کیونکہ ایسا شخص عقلی لحاظ سے صحیح و سالم دکھائی نہیں دیتا پس اگر ان لوگوں کا مطلب یہ ھے (جو کہتے ھیں: اپنی سمجھ اور اپنے نظریہ کو مطلق نہ سمجھیں) کہ کسی بھی عقیدہ اور یقین کو مطلق نہیں سمجھنا چاھئے اور کسی بھی واقعہ کے بارے میں دقیق قضاوت اور مطلق نظریہ قائم نہیں کیا جاسکتا تو ان کا مختصر جواب یہ ھے کہ ان کا اس طرح کا دعویٰ کرنا عقل اور تمام ادیان کے بالکل خلاف ھے اور ھمارے گمان کے مطابق ھمارے قارئین میں اندرون ملک یا بیرون ملک کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جو اس طرح کا احتمال دے؛ لہٰذا اس سلسلہ میں بحث وگفتگو کرنا بے کار اوربے فائدہ ھے۔

ب۔معرفت کے نسبی ہونے پر دوسرا نظریہ

البتہ معرفت کے نسبی ہونے کے سلسلہ میں دوسرے نظریات بھی پائے جاتے ھیں جو مذکورہ بالا نظریہ کی طرح مضحکہ خیز نہیں ھے، انھی نظریات میں سے ایک نظریہ یہ ھے : جو افراد اس طرح کا نظریہ رکھتے ھیں وہ یہ نہیں کہتے کہ کسی بھی علم میں یقینی اور مطلق چیزیں موجود نہیں ھیں؛ بلکہ ان کے عقیدہ کے لحاظ سے علوم تجربی، علوم عقلی اور ریاضیات میں ایک حد تک یقینی ، قطعی اور مطلق چیزیں موجود ھیں ، اور صرف علوم عملی (یعنی اقداری علوم، احکامات اور وظائف) نسبی ھیں یعنی جھاں پر خوب و بد اور "باید ھا ونباید ھا" (کرنا چاھئے اور نہ کرنا چاھئے)بیان ہوتے ھیں، تو یہ چیزیں نسبی ہوتی ھیں چنانچہ اقدار اور وظائف کو نسبی قرار دینے والوں نے اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے دل فریب اور گمراہ کن چیزیں بیان کیں ھیں مثال کے طور پر کہتے ھیں: ھم دیکھتے ھیں کہ کسی ایک ملک میں کسی کام کو اچھا سمجھا جاتا ھے جبکہ دوسرے ملک میں اسی کام کو ناپسند اور برا سمجھا جاتا ھے دنیا بھر کے ممالک میں کسی ایک ملک کے آداب و رسوم کو اسی ملک میں اچھا سمجھا جاتا ھے اور ھوسکتا ھے دوسرے ملک میں انھیں ناپسند اور برا سمجھا جائے، اور ان سے عوام الناس نفرت کرتے ہوں۔

کسی کے احترام واکرام کے بارے میں (جیسا کہ ھم نے سنا ھے کہ) مشرقی ایشیاء کے بعض ممالک میں جب کسی کا بہت زیادہ احترام واکرام کرتے ھیں تو ایک دوسرے کو بُو کرتے ھیں، جبکہ یھی کام دوسرے ملکوں میں ناپسند اور برا سمجھا جاتا ھے، اسی طرح مغربی ممالک خصوصاً امریکہ میں جب کسی کی تقریر یا باتیں سننے کے بعد اس کا احترام کرتے ھیں تو اس کے چھرے کے بوسے لئے جاتے ھیں اوراس میں فرق نہیں ھے کہ چاھے وہ عورت ہو یا مرد جبکہ ھمارے اسلامی معاشرہ میں کسی نامحرم عورت کے بوسے لینا بہت بُرا سمجھا جاتا ھے پس ممکن ھے کہ بعض معاشرہ میں کسی ایک کام کو اچھا سمجھاجاتا ہو لیکن دوسرے معاشرہ میں اسی کام کو ناپسند اور بُرا سمجھا جاتا ہو، یھاں سے معلوم ہوجاتا ھے کہ خوب وبد اور بایدھا و نبایدھانسبی ھیں ، اوران کے بارے میں مختلف ممالک اور معاشروں میں الگ الگ حکم لگایا جاتا ھے، یھاں تک کہ یہ بھی ممکن ھے کہ ایک ھی معاشرہ میں بعض چیزیں ایک زمانہ میں اچھی مانی جاتی ہو ں اور ایک زمانہ میں ناپسند اور بُری سمجھی جاتی ہوں۔

بعض مغربی ممالک میں ثقافتی اور اخلاقی برائیاں روز بروز بڑھتی جارھی ھیں ، حالانکہ تقریباً تیس یا چالیس سال پھلے اگر کوئی شخص ٹی شرٹ میں باھر نکلتا تھا تو پولیس اس کو روکتی تھی ھم سے ایک صاحب نے نقل کیا کہ کناڈا کے ایک شھر میں تقریباً ۴۰ سال پھلے ایک شخص گرمی کی وجہ سے اپنا کوٹ اتاکر ٹی شرٹ میں چھل قدمی کرنے لگا ، تو فوراً گھوڑ سوار پولیس نے اس پر اعتراض کیا کہ تم اپنا کوٹ اتار کر کیوں گھوم رھے ہو، عام مقامات پر ٹی شرٹ میں آنا " شرم وحیا" کے خلاف ھے! لیکن آج اسی کناڈا میں اگر عورت مرد نیم عریاں بھی سڑکوں پر دکھائی دینے لگیں تو کوئی کچھ نہیں کہتا اور اس کام کو برا نہیں سمجھا جاتا لہٰذا خوب و بد اور اچھائی برائی؛ زمانہ کے لحاظ سے بھی مختلف اور نسبی ھیں لہٰذا نتیجہ یہ نکلتا ھے کہ وہ علوم جن میں خوب وبد اور بایدھا اور نبایدھا کو بیان کیا جاتا ھے؛ جیسے علم اخلاق، علم حقوق یا اجتماعی اور انفرادی زندگی سے متعلق دوسرے علوم سب نسبی ھیں اور ان کے درمیان کوئی مطلق معیار موجود نہیں ھے، اور یہ نہیں کھا جا سکتا کہ فلاں چیز ھر جگہ مطلقاً اچھی ھے یا فلاں چیز ھر موقع پر مطلقاً بُری ھے۔

قارئین کرام! ان لوگوں کی پیش کی جانی والی دلیل یھی ھے جس کو ھم نے بیان کیا، البتہ بعض دوسری دلیلیں بھی بیان

کرتے هیں جن کو یهاں پر بیان کرنے کی فرصت نهیں هے۔

۳۔ بعض اقدار کا مطلق اور ثابت هونا
مطلب کی وضاحت کے لئے عرض کرتے هیں کہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ هر اقداری مفهوم ، حلال و حرام اور بدی اور خوبی مطلق هے، تو اس کے دعویٰ کو باطل کرنے کے لئے یہ کهنا کافی هے کہ یہ کیسے هوسکتا هے کہ ایک چیز ایک معاشرہ میں اچھی هو اور وهی چیز دوسرے معاشرہ میں بری هو ایک جگہ اس کواقدار میں شمار کیا جاتا هو اور دوسری جگہ ضد اقدار حساب کیا جاتا هے دوسرے الفاظ میں یوں کها جائے کہ وہ گذشتہ دعویٰ جس کو ”موجبہ کلیہ“ کے عنوان سے بیان کیا جاتا هے یعنی تمام اچھائیاں اور برائیاں ؛ مطلق اور کلی هیں، اسی چیز کو ”سالبہ جزئیہ“ کے عنوان سے بھی پیش کیا جاسکتا هے، جس کی بنا پر وہ دعویٰ اور ”حکم کلی“ نقض هوجاتا هے یعنی جب هم نے ان اقداری چیزوں کو دیکھ لیا جو مطلق نہ تھے، اور بعض معاشرہ میں وہ اچھی اور بعض دوسرے معاشرہ میں ناپسند اور بری سمجھی جاتی هوں، تو هم کهہ سکتے هیں کہ ایسا نهیں هے تمام اقدار اور قضایا مطلق هوں، بلکہ بعض اقداری قضایا نسبی هیں بے شک یہ فیصلہ صحیح اور درست هے، اور هم بھی یہ نهیں کهتے کہ تمام اقداری مسائل اور تمام بایدها اور نبایدها مطلق اور کلی هیں اور هر معاشرہ کے لئے همیشہ ثابت اور غیر قابل تبدیلی هیں هم بھی اس بات کومانتے هیں کہ بعض احکام متغیر اور موقع و محل کے لحاظ سے هیں؛ لیکن اس کے معنی یہ نهیں هیں کہ کوئی بھی اقدار مطلق نهیں هے یعنی اقداری نسبیت کا اثبات ”سالبہ جزئیہ“ هے نہ کہ ”سالبہ کلیہ“ لهٰذا اس بنیاد کی بنا پر هم کم هی اقداری مسائل کے بارے میں مطلق یا نسبی هونے کو ثابت کرسکتے هیں۔
همارا دعویٰ یہ هے کہ همارے پاس مطلق اقداری چیزیں موجود هیں اوربهت سے اقداری مسائل پر مطلق اعتقاد رکھ سکتے هیں اور اگر یہ نظریہ ثابت هوجائے، تو پھر هم اس کی سیکڑوں مثال پیش کرسکتے هیں، چونکہ عقلی بحث اورعقلی نظریات کا دار و مدار عدد اور اگنتی پر نهیں هوتا کیا آپ حضرات کو کوئی ایسا شخص مل سکتا هے جو یہ کهے کہ عدالت ایک معاشرہ میں پسندیدہ اور دوسرے معاشرہ میں ناپسند اور بری هے؟ اور کیا کوئی ایسا عاقل انسان مل سکتا هے جو کهے کہ ظلم بعض مقامات پر صحیح اور پسندیدہ هے ؟ هاں یہ هوسکتا هے کہ ظلم اور عدل کے مصداق میں غلطی هوجائے اور الفاظ کا غلط استعمال کریں مثال کے طور پر کوئی یہ هے کہ کسی بھی شخص کو مارنا ظلم هے، جبکہ بعض لوگوں کو سزا کے عنوان سے مارا جاتا هے اور اس کو قصاص کی بنا پر مارنا بُرا نهیں هوتا، بلکہ حق و عدل کے عین مطابق هے نکتہ یہ هے کہ اگر واقعاً کوئی کام ظلم هو ، تو پھر وہ دوسرے مقام پر اچھا نهیں کهلایا جاسکتا، یا اگر کوئی کام واقعاً عدل کے مطابق هو تو وہ بعض مقامات پر بُرا نهیں هوسکتا اور بعض مقامات پر عدل کو برا نهیں سمجھا جاسکتا اور یہ مسئلہ اس قدر واضح اور سبھی کو معلوم هے کیونکہ جب قرآن مجید عوام الناس کو شرک سے پرهیز کرنے کے لئے کهتا هے تو آوزا دیتا هے:
(إِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ) (۱)
”بے شک کہ شرک بهت بڑا ظلم هے۔“
یعنی اس کبریٰ (کہ ”هر وہ چیز جو ظلم هے اس سے دوری اور اجتناب کیا جائے“) ؛ میں کوئی شک وتردید نهیں هے، اور یہ قضیہ؛ مطلق، کلی، ثابت اور غیر قابل تبدیلی هے، کیونکہ شرک ظلم کا ایک مصداق هے، جو همیشہ برا هے اور اس سے پرهیز کیا جائے۔
همارا دعویٰ یہ نهیں هے کہ تمام اقداری مسائل بطور مطلق هیں بلکہ هم تو یہ کهتے هیں کہ بعض اقدار مطلق هیں اسی طرح معرفت کے باب میں؛ هم هر معرفت کو مطلق نهیں مانتے، اور یہ بھی نهیں مانتے کہ هر شخص کو حاصل هونے والی معرفت اور شناخت صحیح اور مطلق هے کیونکہ بعض لوگوں کو حاصل هونے والی شناخت اور معرفت نادرست هے پس معلوم یہ هوا کہ بعض معرفت اور شناخت نسبی هیں اور بعض چیزوں میں نسبیت پائی جاتی هے: مثال کے طور پر آپ سے یہ سوال کیا جائے کہ تهران یونیورسٹی بڑی هے یا چھوٹی؟ تو چونکہ اگر آپ اس کواپنے گھر سے مقابلہ کریں گے تو آپ کا جواب ”بڑی“ هوگا اور کهیں گے کہ تهران یونیورسٹی بهت بڑی هے لیکن اگر اسی یونیورسٹی کو کرہ زمین سے مقابلہ کریں گے تو اس وقت آپ کا جواب یہ هوگا کہ تهران یونیورسٹی بهت چھوٹی هے؛ یهاں تک کہ دریا کے ایک قطرہ کی مانند شمار کی جائے گی۔
پس معلوم یہ هوا کہ چھوٹا یا بڑا هونا نسبی چیزوں میں سے هے اور اسی طرح کے معنی ومفاهیم پر نسبی اطلاق کیا جائے گا لیکن کسی چیز کے چھوٹے یا بڑے هونے سے یہ نتیجہ نهیں لیا جاسکتا هے کہ تمام چیزیں نسبی هیں، یهاں تک کہ خدا بھی نسبی هے انسانی وجود، کرہ زمین اور عالم هستی بھی نسبی هیں چھوٹائی اور بڑائی؛ نسبی اور اضافی هوتی هیں اور

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

”مقولہ اضافہ“ سے تعلق رکھتی ھیں؛ لیکن بعض ایسے معنی اور مفاھیم ھیں جو نسبی نھیں ھیں اور ان کے ذریعہ تشکیل پانے والے قضایا مطلق ھوسکتے ھیں۔
اس بنا پر ھمارا کھنا یہ نھیں ھے کہ ھر اقدار چاھے کسی بھی جگہ ھو یا کسی بھی زمانہ میں ھو اس پر اعتقاد رکھنا مطلق ھے بلکہ ھمارا کھنا تو یہ ھے کہ ”موجبہ جزئیہ“ کے حد تک ھمارے پاس ”مطلق اقدار“ موجود ھیں، یعنی ھمارے پاس ایسے چیزیں موجود ھیں جو مطلق اقدار کھی جاسکتی ھیں اور موقع ومحل اور زمان و مکان کے لحاظ سے تبدیل نھیں ھوتی ، اور نہ ھی ان چیزوں میں کسی استثناء کا قائل ھوا جاسکتا بے شک ھمارے سامنے دو طرح کے اقدار موجود ھیں ایک مطلق ھوتے ھیں اور دوسرے وہ جو مطلق نھیں ھوتے ھمارے عقیدہ کے لحاظ سے ظلم ھمیشہ اور ھر جگہ اور ھر ایک کے لئے بُرا ھے اور عدل ھمیشہ اور ھر جگہ اور ایک کے لئے حَسن، اچھا اور پسندیدہ ھے ھمارے پاس واقعی قضایا اور علوم توصیفی سے متعلق قضایا مطلق اور یقینی ھیں مثال کے طور پر ھم یقین اور جزم کے ساتھ یہ کھہ سکتے ھیں کہ آسمان و زمین اور انسان موجود ھیں، خداوندعالم موجود ھے، وحی اور قیامت کا وجود ھے؛ بے شک یہ تمام چیزیں مطلق ھیں، نسبی نھیں ۔

بعض اقدار کے مطلق ھونے کا معیار
قارئین کرام! یھاں پر ایک سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ ھمیں یہ کیسے معلوم ھو کہ یہ چیز مطلق ھے یا نسبی؟ تو اس کا مختصر جواب یہ ھے کہ ھر وہ واضح اور روشن قضیہ یا وہ قضیہ جو صحیح طور پر واضح چیزوں سے حاصل ھو وہ مطلق ھے لیکن وہ قضایا جو واضح نھیں ھیں یا صحیح طریقہ پر واضح و روشن چیزونسے حاصل نہ ھو وہ نسبی ھے، جس کا نتیجہ بھی واضح اورروشن نھیں ھوگا اور بالکل یھی تقسیم اقدار کے سلسلہ میں بھی ھے: احساسات، محبت، خیالات اور عادات کی بنیاد پر حاصل شدہ اقدار، نسبی ھیں؛ لیکن جن اقدار کی بنیاد عقل پر ھوتی ھے اور جن پر عقلی دلائل قائم کئے جاسکتے ھیں اور ان کے اقداری ھونے پر دلیل پیش کی جاسکتی ھے؛ وہ مطلق ھیں مثال کے طور پر ھم عبادت خدا کوایک اقدار کے عنوان سے مانتے ھیں جو ھمیشہ بطور مطلق مقصود اور پسندیدہ ھے، اور کبھی بھی اس میں استثناء نھیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس کی بنیاد یہ ھے کہ انسان کے لئے واقعی اور حقیقی راہ تکامل (ترقی) عبادت خدا ھے اسی طرح اجتماعی اقدار میں عدالت ھمیشہ اچھی ھے ، جس کے بارے میں کبھی بھی کوئی استثناء نھیں کیا جاسکتا، اس کے مقابلہ میں ظلم ھمیشہ اور ھر جگہ ناپسند اور بُرا ھے لھٰذا معلوم یہ ھوا کہ مطلق اقدار بھی موجود ھیں۔

۴۔ مغربی تمدن میں تمام دینی عقائد نسبی ھیں
آج کل مغربی ممالک میں بھت سے فلسفی مکاتب پیدا ھوگئے ھیں جن میں کھا جاتا ھے کہ اقدار کے سلسلہ میں عقلی اور واقعی پشت پناھی نھیں ھے، ان کا عقیدہ ھے کہ تمام اقداری مسائل نسبی اور قرار دادی(باھمی مفاھمت) ھیں ، یعنی جس کو عوام الناس اچھا کھیں وہ اچھا ھے اور جس کو بُرا طے کرلیں وہ برا ھے انھیں فلسفی مکاتب میں سے ایک مھم اخلاقی مکتب بنام ”پوزیٹیزم“ "Positivism" ھے، جس میں معاشرہ کی پسند کو اقدار کا ملاک قرار دیا جاتا ھے اسی بنا پر اس مکتب کے ماننے والے کھتے ھیں کہ خوب و بد اور اقدار و ضد اقدار طے کئے جانے والے معاملات میں سے ھیں اگر آج عوام الناس کسی چیز کو اقدار اور اچھی مانتے ھیں تو وہ اچھی اور قابل قدر دانی ھے، لیکن اگر لوگوں کا نظریہ بدل جائے تو پھر وھی چیز جس کو اچھا سمجھا جارھا ھے اس کو بُرا کھا جانے لگے گا،اور وہ ضد اقدار شمار ھونے لگی گی۔
لیکن ھمارا عقیدہ یہ ھے کہ تمام اقداری مسائل نسبی نھیں ھے اور تمام اقداری مسائل قرار داد کے تحت نھیں ھیں ٹھیک ھے کہ کسی بھی معاشرہ کے آداب و رسوم قرار دادی اور موقع ومحل کے لحاظ سے قابل تبدیلی ھوتے ھیں، لیکن بھت سے ایسے اقدار ھیں جو انسان کی فطرت میں پائے جاتے ھیں، وہ فطرت جو ثابت اور غیر قابل تبدیلی ھے:
جیسا کہ قرآن مجید میں خداوندعالم کا ارشاد ھوتا ھے:
(فَأَقِمْ وَجْھکَ لِلدِّینِ حَنِیفًا فِطْرَةَ اللهِ الَّتِی فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھا لاَتَبْدِیلَ لِخَلْقِ اللهِ) (2)
”آپ اپنے رخ کو دین کی طرف رکھیں اور باطل سے کنارہ کش رھیں کہ یہ دین وہ فطرت الٰھی ھے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ھے، اور خلقت الٰھی میں کوئی تبدیلی نھیں ھوسکتی “
چونکہ فطرت الٰھی میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نھیں ھو سکتی، لھٰذا وہ اقدار جو فطرت پر مبنی ھوں گے وہ بھی غیر قابل تبدیلی ھوں گے لھٰذا ھمارے پاس مطلق اقدار ھوسکتے ھیں جو لوگ ھم سے کھتے ھیں کہ آپ اپنے نظریہ کو مطلق نہ سمجھے، اگر ان کا مطلب یہ ھے کہ اپنے اقداری افکار کو مطلق نہ کھیں کیونکہ ھم ایسے عقائد اور اقدار پر یقین رکھتے ھیں جن پر دوسرے لوگ اعتقاد نھیں رکھتے، اور ھمارے مقابلہ میں دوسری چیزوں کا اعتقاد رکھتے ھیں؛ لھٰذا ھمیں اپنے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

عقائد ان لوگوں پرتحمیل نہیں کرنا چاھئے، کیونکہ ھمارا اقداری نظریہ ھمارے سلیقہ کے تحت ھے اور دوسروں کی اقداری نظر ان کے اپنے سلیقوں کے تحت ھے، اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں ھے کہ وہ دوسروں کے سلیقے کو غلط کھے بے شک اگر کوئی شخص اس طرح کا نتیجہ پیش کرتا ھے تو یہ اسی اخلاقی مکتب " پوزیٹیزم "Positivism" "کی بنیاد پر ھے جس کی بنیاد عوام الناس کا سلیقہ اور ان کی مرضی ھے، جبکہ یہ نظریہ فاسد اور باطل ھے، اور اسلام اور فلسفہ اخلاق کے صحیح مکتب سے ھم آھنگ نہیں ھے۔

اسی پوزیٹیزم اخلاقی مکتب کے طرفدار ھم سے کھتے ھیں کہ "اپنے نظریات کو مطلق قرار نہ دیں"؛ وہ لوگ واقعاً بھت بڑے دھوکے میں ھیں ھم مطلق اقدار کی حفاظت کی خاطر اپنی جگہ پر اٹل ھیں اور کوشش کرتے رھیں گے تا کہ اسلامی ثابت اقدار معاشرہ میں زندہ رھیں اور ان کی تبلیغ ھوتی رھے ، اور ان کے بارے میں کسی طرح کا کوئی اشکال اور اعتراض باقی نہ رھے۔

مغربی افراد "رنسانس" کے زمانہ کے بعد سے دینی معنی و مفاھیم کو اقدار کے دائرہ میں قرار دیتے ھیں خصوصاً وہ دینی مسائل جو دینی مناسک اور احکام سے متعلق ھیں اور چونکہ دوسری طرف سے یہ لوگ اقدار کو نسبی قرار دیتے ھیں، اسی وجہ سے دینی اقدار کو بھی نسبی شمار کرتے ھیں،اور ان کے لئے مطلق اقدار کے قائل نہیں ھیں چنانچہ اسی بنیاد پر کھتے ھیں کہ تمام ادیان اور مذاھب اچھے اور برحق ھوسکتے ھیں: اور یہ دین اپنے ماننے والوں کے لئے اچھا اور برحق ، اور وہ دین اس کے ماننے والوں کے لئے اچھا اور برحق ھے، اور کسی شخص کو بھی یہ حق حاصل نہیں ھے کہ وہ اپنے دینی نظریہ کو مطلق قرار دے ، اسی طرح یہ بھی کھنے کا حق نہیں ھے کہ صرف اور صرف دین اسلام صحیح اور برحق ھے اور دوسرے ادیان عالم باطل اور بے بنیاد ھیں چاھے دین اسلام ایک طرح کے اقداری احکام سے تشکیل ھوا ھے مثلاً دینی حلال و حرام چیزیں جیسے نماز پڑھیں، روزہ رکھیں، یا جھوٹ نہ بولیں، یا نامحرم کو نہ دیکھیں اور لوگوں کے مال اور ناموس پر تجاوز نہ کریں جب کہ یہ بات ظاھر ھے کہ اگر اقدار مسائل نسبی اور قرار دادی (باھمی مفاھمت) ھوں تو دینی مسائل بھی نسبی ھوں گے ، جس کا نتیجہ یہ ھوگا کہ دین اسلام اعتبارات اور قرارداد کادین بن جائے گا۔

اس پوزیٹیزم نظریہ اور دینی مسائل کواقدار کے دائرہ میں قرار دینے کی بنا پر بعض لوگ ھم سے کھتے ھیں کہ آپ کو یہ حق حاصل نہیں ھے کہ اپنے دین کو دوسروں پر تحمیل کریں،اور ان کو مسلمان کرنا چاھیں دین اسلام تمام مسلمان کے لئے محبوب اور پسندیدہ ھے، اسی طرح دین یھودیت یھودیوں کے لئے پسندیدہ ھے، چونکہ یہ ادیان نسبی ھیں اور ان میں سے کوئی بھی مطلق نہیں ھے اور چونکہ یہ ادیان اور اقدار نسبی اور قراردی ھیں اسی لحاظ سے مختلف معاشروں مینان کا حکم بھی مختلف ھے: چودہ سو سال پھلے اسلام؛ سعودی عرب کے لئے مناسب اور اچھا تھا لیکن عصر حاضر میں ماڈرن دنیاکے لئے ایک دوسرا دین مناسب اور مطلوب ھے! لھٰذا اسلام کو مطلق قرار نہیں دینا چاھئے اور مسلمانوں کو بھی اپنے دینی نظریات کو دوسروں پر نہیں تھونپنا چاھئے اسلام ان لوگوں کے اچھا ھے جن کے سلیقے ان سے میل کھاتے ھینلیکن دوسروں کے لئے یہ دین اچھا نہیں ھے کیونکہ وہ اس دین کو پسند نہیں کرتے اور اپنے سلیقہ کے لحاظ سے دوسرا دین اختیار کئے ھوئے ھیں لھٰذا ھمیں اپنے اسلامی سلیقہ کو دوسروں پر تحمیل نہیں کرنا چاھئے اور دوسرونکے سلیقوں کونظر انداز نہیں کرنا چاھئے۔

قارئین کرام! گذشتہ نظریہ کا جواب یہ ھے کہ ھم مان لیتے ھیں کہ اسلام کے بعض احکام (جیسے احکام ثانوی) نسبی اور متغیر ھیں اور بعض احکام موقع و محل کے لحاظ سے ھوتے ھیں، لیکن اسلامی تمام احکام متغیر نہیں ھیں؛ بلکہ بھت سے اسلامی احکام ثابت، مطلق اور غیر قابل تبدیلی ھیں اس کے علاوہ یہ بھی عرض کردیا جائے کہ اسلام کا کوئی بھی حکم عوام الناس کے سلیقہ کے تابع نہیں ھے ، اور متغیر احکام کے لئے بھی خاص دلائل ھوتے ھیں پس اولاً: ھم اس نظریہ کو نہیں مانتے کہ تمام اقدار عوام الناس کے سلیقہ اور ان کی پسند کے تابع ھیں بلکہ ھم اعتقاد رکھتے ھیں کہ بعض اقدار اور بعض ضد اقدار مطلق چیزیں؛ مصالح ومفاسد کے تابع اور نفس الامری ھیں، لھٰذا وہ ثابت اور غیر قابل تبدیلی ھیں دوسرے: اسلام کے ثابت اقدار اسی قسم کے ھیں (یعنی مصالح و مفاسد کے تابع اور نفس الامری ھیں) لھٰذا وہ مطلق ھیں اور ھم ان کو ھمیشہ اور ھر جگہ کے لئے معتبر جانتے ھیں اور اس بات پر زور دیتے ھیں کہ ھمارے اسلامی نظریات مطلق ھیں ، اور صرف یھی اسلامی نظریات مطلق ، صحیح اور بر حق ھیں پس نتیجہ یہ نکلا کہ مغربی ممالک میں نسبی گرایی نظریہ اسلامی نظریات کے مطابق نہیں ھے۔

ج۔ معرفت کے نسبی ھونے پر تیسرا نظریہ(معرفت دینی میں نسبیت کا وجود)

نسبی نظریات میں سے "معرفت دینی میں نسبیت"کا نظریہ بھی ھے، چنانچہ اسی نظریہ کے تحت بعض لوگ کھتے ھیں کہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ہم بھی یہ مانتے ہیں کہ دین ثابت اور مطلق ہے، اور دینی اقدار بھی مصالح ومفاسد کے تابع، واقعی اور نفس الامری ہیں، ہم بھی حقیقت دین کو مطلق اور ثابت مانتے ہیں لیکن ہمارے پاس کوئی واقعی اور مطلق دین نہیں ہے، جس سے ہم رابطہ برقرار کریں صرف ہمارے اختیار میں دین کی معرفت اور اس کی شناخت ہے اور جو کچھ بھی ہم دوسروں کو دین کے عنوان سے بتاتے ہیں، درحقیقت وہ دین سے حاصل کردہ ہمارا ایک نتیجہ اور شناخت ہوتی ہے جبکہ دوسرے افراد دین سے ایک دوسرا نتیجہ حاصل کرتے ہیں اگرچہ ہم اصلِ دین کو ثابت اور مطلق مانتے ہیں لیکن دینی معرفت اور دینی شناخت کو قابل تغیر اور نسبی مانتے ہیں ، ہمارے نظریہ کے مطابق کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے نتیجہ اور شناخت کو مطلق مانے، اور اپنے اس نظریہ کو دوسروں پر تھونپے۔
یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ ہماری بعض دینی شناخت مطلق ہو، اور سبھی لوگ دین سے یہی نتیجہ اخذ کریں اور سبھی اسی کو قبول کریں یا نہ ، دینی کوئی بھی معرفت مطلق نہیں ہے بلکہ دینی ہر موضوع کی ہر شناخت نسبی ہے؟ جس کے نتیجہ میں دو دینی شناختوں میں سو فی صد اختلاف ہوسکتا ہے کہ ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہو؛ یعنی کوئی شخص کسی چیز کو دینی مسائل میں شمار کرے جبکہ کوئی دوسرا شخص اس کا انکار کرے، حالانکہ دین سے حاصل کردہ دونوں شناخت مقبول اور معتبر ہوں ؟!
قارئین کرام! نسبت کے سلسلہ میں یہ تیسرا نظریہ جو ”معرفت دینی میں نسبیت“ کے نام سے شہرت پیدا کرتا جارہا ہے اور اس نظریہ کے طرفدار اس کو ”قبض وبسط شریعت“ (شرعی مسائل میں کمی وزیادتی) کے عنوان مانتے ہیں، اور یہ نظریہ تقریباً بیس سال سے رائج ہوتا جارہا ہے اور ہر روز مزید پھیلتا جارہا ہے نیز اخباروں اور جرائد میں بیان ہوتا ہے،اس کی بنا پر ایسا ظاہر کیا جاتا ہے کہ دین کے متعلق تمام لوگوں کی شناخت برابر نہیں ہے: ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے اعتقاد کی بنا پر کہے کہ نماز صبح دو رکعت ہے، لیکن کوئی اپنے نظریہ کی بنا پر یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ نماز صبح تین رکعت ہے؛ حالانکہ دونوں نظریات معتبر او رمقبول ہیں! اور اگر ہم اپنے عقیدہ کی بنا پر نماز صبح کو دو رکعت سمجھیں تو ہمیں یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے افراد کو بھی نماز صبح دو رکعت پڑھنے کے لئے کہیں اس بنیاد پر ہمارے عقیدہ کی بنا پر نماز صبح دو رکعت ہے، ہوسکتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص دین سے یہ نتیجہ حاصل کرے کہ نماز صبح تین رکعت ہے اور وہ بھی دین کی شناخت اور ایک قرائت کہلائے گی، اور اقداری لحاظ سے دو قرائت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور ہر شخص کا حاصل کردہ نتیجہ اس کے لئے محترم ہے، نیز کسی کویہ حق نہیں ہے کہ دین سے حاصل کردہ اپنے نتیجہ کو مطلق قرار دے،چونکہ شناخت اور معرفت قبض وبسط رکھتی ہینیعنی ان میں کمی یا زیادتی ہوسکتی ہے، یہاں تک کہ ایک شناخت اور قرائت ایک طرف ہو او ردوسری شناخت اور قرائت اس کے بالکل مخالف ہو،اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ایک دینی عقیدہ کو آج ثابت کریں اور کل اسی عقیدہ کی ردّ کریں اس کی وجہ یہ ہے کہ واقعی دین ہمارے پاس نہیں ہے، بلکہ صرف دینی معرفت ہمارے پاس ہے، جبکہ یہ دینی معرفت قابل تبدیلی ہے اور بعض افراد کے لحاظ سے مختلف ہو جاتی ہے۔

۵۔ قرائت نسبی اور قرائت مطلق دونوں جدا جدا ہیں

بے شک ”معرفت دینی میں نسبیت“ کے نظریہ (جو کافی مدت سے ہمارے ملک میں جاری ہے اور اس کے بارے میں بہت سی کتابیں اور مقالات بھی چھپ چکے ہیں)؛ کی تحقیق و بررسی کے لئے کافی مدت درکار ہے ، لیکن ہم اس وقت مختصر طور پر عرض کرتے ہیں: ہم یہاں پر سب سے پہلے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا ”قبض وبسط شریعت“ کے ماننے والوں کے نزدیک ہر دینی مسائل کی چند تفسیر اور چند قرائت ہوسکتی ہیں؟ یا صرف بعض دینی مسائل کی مختلف تفسیر اور معنی ہوسکتے ہیں؟ اس سلسلہ میں ان کی پیش کردہ دلائل کے پیش نظر صرف بعض دینی مسائل میں مختلف تفسیر اور قرائت کا ہونا ثابت ہوتا ہے؛ لیکن وہ لوگ اس دلیل کو عام قرار دیتے ہوئے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ تمام دینی مسائل میں مختلف تفسیر اور نتائج ہوسکتے ہیں منجملہ ان کے بعض مجتهدین اور فقہاء کے اختلافی مسائل ہیں۔
ان کا دعویٰ یہ ہے کہ اسلامی فقہ میں (بعض) مجتهدوں کا فتویٰ مختلف ہے چنانچہ ایک کہتا ہے کہ نماز جمعہ واجب ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ نماز جمعہ واجب نہیں ہے، ایک کہتا ہے کہ ”شطرنج“ کھیلنا حرام ہے لیکن دوسرا اس کو حلال قرار دیتا ہے پس معلوم یہ ہوا مجتهدین کا فتویٰ اور اسلام سے ان کا حاصل کردہ نظریہ نسبی اور متغیر ہے، ثابت نہیں، یہاں تک کہ بعض مجتهدین میں خود ان کا فتویٰ مختلف ہے ، جیسا کہ بعض مجتهدین کا ایک زمانہ میں کچھ فتویٰ تھا لیکن بعد میں اپنا فتویٰ بدل دیا اور ایک نیا فتویٰ صادر کردیا لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ یہ فتاویٰ اور نتائج کا اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ دینی معرفت اور قرائت نسبی اور قابل تغیر ہے، اور ممکن نہیں ہے کہ دینی معرفت اور شناخت ثابت اورمطلق ہو۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قارئین کرام ! مذکورہ مسئلہ کے جواب میں ھم عرض کرتے ھیں کہ اس بات کو تو ایک دور دراز کے علاقے میں رھنے والا جاھل انسان بھی جانتا ھے کہ فروع دین کے بعض مسائل میں مجتھدین کا فتویٰ مختلف ھے لیکن فتووں کا یہ اختلاف دلیل نھیں ھے کہ آپ لوگ یہ دعویٰ کرنے لگیں کہ وحی کے ذریعہ پیغمبر اسلام (ص) کی معرفت تک مطلق نھیں ھے؛ چونکہ پیغمبر اکرم (ص) کی معرفت بھی انسانی معرفت کی طرح ھے جس میں خطا کا امکان پایا جاتا ھے! یعنی جس وقت خداوندعالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ھے:(قُلْ هوَ اللهُ اَحَدٌ) (۳) یا (وَإِلَهكُمْ إِلَه وَاحِدٌ لاَإِلَه إِلاَّ هوَ الرَّحْمَانُ الرَّحِيمُ) (۴)کھتا ھے تو ھمیں یہ نہ معلوم ھو کہ خدا کی وحی کیا ھے ھم پیغمبر اکرم کے فرمان کے مطابق جس میں آپ نے فرمایا کہ خداوندعالم مجھ پر وحی نازل کرتا ھے؛ آگاہ ھوجاتے ھیں کہ پیغمبر اکرم (ص) پر وحی نازل ھوتی ھے، لیکن وحی الٰھی کی حقیقت کے بارے میں نھیں جانتے اور پیغمبر اکرم (ص) نے وحی کے سلسلہ میں جو کچھ چیزینھمیں بتائی ھیں وہ وحی خدا نھیں ھے بلکہ وحی سے اپنی معرفت اور فھم کو پیش کیا ھے؛ اور چونکہ آپ کی فھم و سمجھ بھی انسانی اور قابل خطا ھے،تو ھوسکتا ھے کہ انھوں نے وحی حاصل کرنے میں غلطی کی ھو خداوندعالم بیان کچھ کرنا چاھتا تھا لیکن آپ نے اس کے سمجھنے میں غلطی کردی اور اپنی معرفت اور سمجھ کو وحی خدا کے عنوان سے بیان کردیا چنانچہ اس نظریہ کا نتیجہ یہ ھوا کہ قرآن مجید کی کسی بھی آیت کے بارے میں کسی کی فھم اور سمجھ معتبر نھیں ھے اور ان سب میں خطا اور غلطی کا احتمال پایا جاتا ھے!

قارئین کرام! کیا یہ بھی دین اسلام کی ایک نئی قرائت ھے؟ کیا قرائت کا میدان اس قدر لا محدود اور وسیع ھے؟ ھم یہ مانتے ھیں کہ مجتھدین کے فتووں میں اختلاف پایا جاتا ھے لیکن کیا خداوندعالم کے وجود میں بھی شک و تردیدپیدا ھوسکتا ھے ؟ اور کیا اس بات کو قبول کیا جاسکتا ھے کہ اسلامی نقطہ نظر اور قرآنی آیات کے تحت کوئی شخص خدا کے وجود کو ثابت کرے اور دوسرا (انھیں قرآنی آیات کے ذریعھ) وجود خدا کی نفی کرے، اور دونوں کو دو دینی معرفت کے نام سے معتبر سمجھا جائے؟ اور کیا ۱۴۰۰ سال سے تمام شیعہ سنی اسلامی فرقوں کے علماء کے بیان کے مقابلہ مینکوئی یہ دعویٰ کرسکتا ھے کہ ان سبھی نے غلطی کی ھے اور غلط سمجھا ھے ، انھوں نے اپنے نتائج کو بیان کیا ھے اور ھم بھی اپنا نتیجہ بیان کرتے ھیں؟

دین میں کس حد تک مختلف قرائت ھوسکتی ھیں؛اس سوال کا جواب یہ ھے کہ مختلف قرائت کا وجود صرف فروع دین میں قابل تصور ھیں، نہ کہ اصول دین میں اور وہ بھی ان ظنی مسائل میں جن میں اختلاف کا امکان موجود ھے، نہ کہ قطعی، اجماعی اور اتفاقی مسائل میں اس کے علاوہ فروع دین میں صرف دینی صاحب نظر اور متخصص (ماھرین علماء) کی نظر معتبر ھیں، نہ یہ کہ ھر کس و ناکس کے نظریہ کا کوئی اعتبار ھے ان لوگوں کی نظر معتبر ھے جنھوں نے تقریباً پچاس سال تک بڑے بڑے اساتیذ جیسے مرحوم آیت اللہ بروجردی، مرحوم آیت اللہ امام خمینی اور علامہ طباطبائی (رحمۃ اللہ علیھم)سے درس پڑھا ھے اور اس راستہ میں آنے والی تمام تر سختیوں کو برداشت کیا ھے نیز اپنی رفتار، فھم، تحقیق اور استنباط میں تقویٰ الٰھی سے مزین ھوں، نیز ھوا پرستی کا شکار نہ ھوں دینی معاملات میں مغربی تمدن سے متاثر چند بول پڑھنے والے (خود کو دینی ماھر کھلانے والے)؛ کی نظر معتبر نھیں ھے۔

نتیجہ یہ ھوا کہ اختلاف نظر اور مختلف قرائت صرف دین کے ظنّی اور متشابہ مسائل میں قابل قبول ھے، اور اسلام کے قعطی مسائل، محکمات، ضروریات اور بینات میں صرف ایک ھی قرائت موجود ھے اور وہ بھی خدا وپیغمبر کی قرائت ھے، لھٰذا اس سلسلہ میں کسی طرح کے اختلاف نظر، شک وتردید اور مختلف قرائت کی کوئی گنجائش نھیں ھے، جیسا کہ اسلام کو ۱۴۰۰ سال گذر چکے ھیں ان کے بارے میں کسی طرح کا کوئی اختلاف نھیں ھوا ھے ھم نے دیکھا کہ حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے مرتد سلمان رشدی کے قتل کا فتویٰ صادر کیا تو اس وقت تمام علماء اسلام نے تائید کی اوراس حکم کے بارے میں کسی طرح کی کوئی مخالفت سنائی نہ دی، اور سب نے یہ اتفاقی طور پر کھا کہ حضرت امام خمینی (رہ) کا بیان کردہ فتویٰ حکم اسلام ھے اگرچہ بعض مغرب پرست نو وارد جنھوں نے اسلام کی بو بھی نھیں سونگھی ھے اس فتویٰ کی مخالفت کی اور کھا: اسلام سے ھماری قرائت یہ نھیں ھے لیکن یہ بات روز روشن کی طرح واضح ھے کہ دنیا بھر کے صاحب عقل صرف اسی شخص کے نظریہ کو اھمیت دیتے ھیں اور صرف اسی کے نظریہ کو معتبر جانتے ھیں جو متعلق علم میں صاحب نظر اور محقق ھو اور صحیح طریقہ اور اس علم سے مناسب تحقیق کے بعد اپنی رائے کا اظھار کرے۔

حوالے

(۱) سورہ لقمان آیت۱۳

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(2) سورہ روم آیت ۳۰
(3) سورہ اخلاص (توحید) آیت ۱، ترجمہ :" اے رسول کھہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ھے "
(4) سورہ بقرہ آیت ۱۶۳ ترجمھ: "اور تمھارا خدا بس ایک ھے ، اس کے علاوہ کوئی خدا نھیں ھے وھی رحمن بھی ھے اور وھی رحیم بھی ھے "

اسلام اور سیاست جلد(2)

چالیسواں جلسہ

دینی معارف افسانہ ھیں یا حقیقت نما آئینہ

۱۔ گذشتہ مطالب پر ایک نظر
"اسلامی سیاسی نظریات کی وضاحت" کے سلسلہ میں ھماری بحث یھاں تک پھنچی تھی کہ اگر اسلامی منابع کے لحاظ سے قوانین اور ضوابط بنانا چاھیں اور ان کو اسلامی اقدار کے مطابق نافذ کرنا چاھیں، تو اس کے لئے ھمارے پاس قرآن وسنت(جو ھمارے اصلی منابع ھیں)؛ کی گھری شناخت اور قابل اعتماد پھچان ھونا ضروری ھے، تاکہ قانون گذاری کے وقت اسلامی نظریہ کو مدّ نظر رکھیں، اور وہ قوانین وضوابط اسلام کے کلی قوانین کے تحت قرار پائیں، اور اسی طرح قرآن وسنت سے الھام لیتے ھوئے ان کو نافذ کرنے کا طریقہ اپنائیں اس سلسلہ میں کبھی کبھی آیات و روایات سے ھونے والا نتیجہ مختلف ھوجاتا ھے اور بعض آیات و روایات کی مختلف تفسیر و معنی کئے جاتے ھیننیز بعض روایات سے مختلف استنباط ھوتے ھیں لیکن اس سلسلہ میں بعض لوگ اس قدر آگے بڑہ گئے ھیں کہ انھیں اختلاف کے پیش نظر یہ کھتے ھیں کہ تمام دینی مسائل میں اختلاف جائز ھے، اور کھتے ھیں کہ ھر شخص اسلام سے مخصوص قرائت اور مخصوص نتیجہ حاصل کرسکتا ھے، اور کسی شخص کو یہ حق نھیں ھے کہ وہ اپنے نظریہ کو دوسروں پر تحمیل کرے جیسا کہ اخباروں اور جرائد میں مکرر یہ شعار دیا جاتا ھے کہ کسی کو بھی یہ حق نھیں ھے کہ وہ دین سے اپنے حاصل کردہ نتیجہ کو مطلق گردانے، بلکہ توجہ رھے کہ دوسرے افراد بھی آراء اور نظریات رکھتے ھیں ، اور یہ کہ اسلام کی صرف ایک قرائت نھیں ھے، نیز اسلام کے بارے میں مختلف قرائت کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ دین کی ھر ایک قرائت معتبر اور محترم ھے۔

۲۔ واقع نما اور غیر واقع نما زبانوں کی اھمیت
قارئین کرام ! ھم نے گذشتہ جلسہ میں دینی سلسلہ میں مختلف نظریات کے مطلق نہ ھونے نیز دین کی مختلف قرائت نہ ھونے کے بارے میں بحث کی، اور نظریات کے نسبی ھونے نیز مختلف قرائت کا سر چشمہ تلاش کرتے ھوئے "نسبیت معرفت" کے مسئلہ کو بیان کیا اور عرض کیا کہ "نسبیت معرفت" کے سلسلہ میں تین نظریات پائے جاتے ھیں اس جلسہ میں دینی نظریات کے مطلق نہ ھونے کے شعار اور دین کی مختلف ھونے کے بارے میں دوسرے دو نظریات کی طرف اشارہ کرتے ھیں، اور وہ دو نظریہ یہ ھیں: "دین کی زبان" اور "ھرمنوٹیک" "Hermeneutics" کی بحث اور علم تفسیر متون (تحریر کی شرح وتفسیر کرنا) جو کہ عصرِ حاضر میں معرفت کا ایک مھم باب کھلاتا ھے، اور دنیا کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں مخصوص ڈیپارٹمینٹ اور مخصوص علمی گروہ اس میں مشغول ھیں لھٰذا ھم اس جلسہ میں انھیں دو چیزوں کے بارے میں گفتگو کرتے ھیں۔
دین کی زبان کے سلسلہ میں بحث، اور دینی معرفت مطلق نہ ھونے والے مسئلہ کا سرچشمہ یہ ھے کہ ان آخری چند صدیوں کے دوران یورپی ممالک میں "فلسفہ دین اور کلام جدید" کے سلسلہ میں ایک نئی بحث یہ کی گئی ھے کہ کیا دین کی زبان واقع نما ھے یا دین کی زبان سمبلیک "Symbilec" (رمزی)اور قصہ کھانی اورافسانہ کی زبان ھے اس سلسلہ وضاحت کے طور پر یوں عرض کیا جائے کہ انسان اپنی بات کو سمجھانے کے لئے زبانی اور عرفی محاورات یا علمی اور فلسفی اصطلاحات ، نیز الفاظ اور ان کی ترکیبات کا استعمال کرتا ھے تاکہ دوسروں کو خارجی یا عینی چیزوں کی واقعیت کی طرف متوجہ کرسکے اور کبھی انسان ان الفاظ کے ذریعہ خارجی اور عینی واقعیات کے طرف متوجہ کرتا ھے اور کبھی ان الفاظ کے ذریعہ منطق اور فلسفہ جیسے علم میں ذھنی اور تصوری حقائق کی طرف متوجہ کرتا ھے، مثال

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کے طور پر کوئی شخص یہ کہے کہ ’’فضا روشن ہے‘‘ اس جملہ سے کہنے والے کی مراد یہ ہوتی ہے کہ سننے والے کو اس بات کی خبر دے کہ فضا روشن ہے، اورچراغ کے ذریعہ روشنی کرنے کی ضرورت نہیں ہے بے شک یہ زبان واقع نما ہے اور ایک بیرونی حقیقت کی عکاسی کرتی ہے اور اسی طرح کی زبان ریاضیات ، منطق اور فلسفہ میں بھی استعمال کی جاتی ہے، البتہ یہ زبان علوم دقیقہ (منطق وفلسفه) اور تجربی علوم میں تھوڑے دخل وتصرف کے ساتھ استعمال کی جاتی ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ زبان علم اور زبان فلسفہ واقع نما ہوتے ہیں اور بیرونی حقیقت یا ذہنی حقیقت کی عکاسی کرتی ہے۔

لیکن کبھی کبھی کسی بھی زبان کے الفاظ بیرونی یا ذہنی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے استعمال نہیں کئے جاتے اگرچہ الفاظ کی ترتیب وہی ہوتی ہے جس کو علوم میں حقیقت نما طریقہ پر استعمال کیا جاتا ہے ، لیکن کہنے والے یا لکھنے والے کا مقصد حقیقت سے باخبر کرنا نہیں ہوتا، مثال کے طور پر افسانہ اور قصہ کی زبان، جس میں کسی بھی طرح کی کوئی واقعیت کا پتہ نہیں دیا جاتا ، لہٰذا اس طرح کی زبان واقع نما نہیں ہے جس وقت قصہ اور کہانیوں کی کتابوں میں ’’کلیلہ ودمنھ‘‘ کی داستان بیان کی جاتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان قصوں میں استعمال ہونے والے الفاظ کسی طرح کی حقیقت کی حکایت نہیں کرتے اگر ان میں جنگلی حیوانات مثلاً شیر، بھیڑیا اور لومڑی وغیرہ کا کے بارے میں باتیں بتائی جاتی ہیں تو مؤلف کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ جنگلی حیوانات میں اس طرح کی گفتگو ہوتی ہے؛ بلکہ مؤلف اس داستان کے ذریعہ حیوانات کی زبان میں غیر مستقیم طور پر بعض مہم باتوں کی طرف متوجہ کرنا چاھتا ہے لہٰذا افسانہ اور قصہ کی زبان غیر واقع نما زبانوں کا ایک حصہ ہے۔

انھی غیر واقع نما زبانوں میں سے: زبان سمبلیک "Symbilec" (رمزی) ہے جو بہت سے علوم میں استعمال کی جاتی ہے ، اسی طرح انسانی معارف کی بہت سی قسموں میں حکایت اور حقائق کے بیان کرنے کے لئے اس زبان سے استفادہ کیا جاتا ہے، جس کا واضح نمونھ؛ علم ھندسہ اور ریاضی کی مثالیں اور فارمولے نیز اختصار کی علامتیں ہوتی ہیں جیسے "x" , "y" ،کیونکہ یہ مثالیں اور فارمولے کسی حقیقت کی حکایت نہیں کرتے، بلکہ بعض علمی حقائق کے لئے صرف ایک علامت ہوتی ہیں، اسی طرح شاعروں کی زبان بھی غیر واقع نما ہوتی ہیں جب شاعر؛ مئے، ساغر اور ساقی جیسے الفاظ کو اپنے شعر میں استعمال کرتا ہے توحقیقت میں اس کی مراد واقعی ساقی اورشراب نہیں ہوتی بلکہ ان الفاظ کو کنایۃً استعمال کرتا ہے جب کہ اس کے ذہن مینحقیقی مطلب کچھ اور ہوتا ہے۔

۳۔ دین کی زبان کو غیر واقع نما قرار دینے کا سبب

چنانچہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دین بھی اپنی خاص زبان رکھتا ہے، اور دین کی زبان غیر واقع نما زبانوں میں سے ہے پہلے تو دین کی زبان کا مسئلہ یورپ میں یہودیت اور عیسائیت کے عقائد کے بارے میں بیان ہوا، اسی وجہ سے دانشوروں اور متفکروں نے اپنے نظریہ کی تائید میں یہودیوں اور عیسائیوں کی کتاب مقدس سے مثالیں پیش کیں، اور یہ کہا کہ جب ہم کتاب مقدس کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس کے اندر بعض چیزوں کے بارے میں دیکھتے ہیں ، تو ہمارا تصور یہ نہیں ہونا چاھئے کہ یہ مقدس کتاب ہم کو علمی (اور سائنسی) کتابوں کی طرح بیرونی حقائق سے آشنا کر رہی ہے، بلکہ دین نے جو زبان استعمال کی ہے وہ ایک افسانہ کی زبان اور سمبلیک "Symbilec" زبان ہے، (واقع نما نہیں ۔)

عام طور پر زبان کی دو قسم بیان کی جاتی ہے: ایک واقع نما زبان اور دوسری غیر واقع نمازبان،اور بعض لوگ دین کی زبان کو غیر واقع نما زبانوں میں قرار دیتے ہیں، یعنی دین کی زبان حقائق اور واقعیت پر مشتمل نہیں ہوتی بلکہ افسانہ ، قصہ وکھانیوں کی طرح ہوتی ہے لیکن یھاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دین کی زبان کو زبان افسانہ قرار دینے کی علت اور وجہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب یورپ میں سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کے پیش نظر ہر روز نئی نئی چیزیں کشف ہوئی، اور زمین ، سورج اور دیگر ستاروں کے بارے میں مغربی دانشورونجیسے ’’کلپر‘‘، ’’کپرنیک‘‘، ’’گالیلہ‘‘ ؛ نے نئے نئے فرضیہ قائم کئے جو یہودیوں اور عیسائیوں کی مقدس کتاب (توریت اور انجیل) سے ہم آہنگ نہ تھے، جس کی وجہ سے انھوں نے یہ اندازہ لگالیا کہ عصرِ حاضر میں سائنس کی نئی تھیوری اور نظریات؛ کتاب مقدس میں بیان شدہ بعض عقائد کو جھوٹاثابت کرتے ہیں، جس کی بنا پر یہودیت اور عیسائیت کا چراغ گُل ہوجائے گا،کیونکہ جب توریت اور انجیل میں بیان شدہ چیزیں نادرست، بے بنیاد اور جھوٹی ثابت ہوجائیں گی تو پھر یہ دین کیسے باقی رہ سکتا ہے خصوصاً عیسائیت جس کے پیروکاروں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

خصوصاً ’’رنسانس‘‘ کے زمانہ کے بعد سے ؛ کتاب مقدس کی اہمیت کو بچانے اور یہودیت و عیسائیت کی دیواریں ہلنے سے روکنے کے لئے راہ حل تلاش کرنے کی فکر ہوئی ، (اور کافی مدت کے بعد اس نتیجہ پر پھونچے کھ) توریت اور انجیل میں بیان شدہ عقائد اور دوسری چیزیں؛ سائنس کے جدید نظریات اور ٹکنالوجی سے اس وقت ہم آہنگ نہ ہوں گی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

جب ھم دین کی زبان کو واقع نما اور حقائق کی عکاسی کرنے والی زبان کھیں لیکن اگر دین کی زبان کو غیر واقع نما زبان قرار دیدیں اور یہ کھیں کہ دین کی زبان؛ شعراور افسانہ کی زبان ھے جو حقائق اور واقعیت کی عکاسی نھیں کرتی اور توریت و انجیل میں بیان شدہ چیزیں گویا افسانہ اور قصہ کھانیوں کی طرح ھیں اور خاص اغراض ومقاصد کے تحت تنظیم ھوئی ھیں ، تو اس صورت میں سائنس اور دینی باتوں میں کسی طرح کا کوئی اختلاف پیش نھیں آئے گا؛ کیونکہ بنیادی طور پر دونوں زبانوں کا مقصد مختلف ھے اس نظریہ کا خلاصہ یہ ھے کہ توریت اور انجیل میں خدا، وحی، قیامت اور جنت وجھنم کے بارے میںذکر شدہ مطالب صرف عوام الناس کو اچھائیوں اور برائیونکے سمجھنے کے لئے بیان ھوئے ھیں، تاکہ دیندار افراد نیک کام کرنے اور برے کاموں سے پرھیز کرنے کی کوشش کریں جھوٹ نہ بولیں، غیبت نہ کریں اور دوسرے پر ظلم وستم کو جائز نہ مانیں مثلاً اگر ان میں کھا جاتا ھے کہ جو شخص کسی پر ظلم کرے گا تو آخرت میں اس پر عذاب ھوگا ، تو در حقیقت اس قول سے ظلم کی بُرائی کو مزید مجسم کیا گیاھے ، ایسا نھیں ھے کہ واقعاً آخرت میں کوئی جنت و جھنم موجود ھے، لہٰذا ھمیں دینی مسائل سے اس طرح کا کوئی تصور اور نتیجہ حاصل نھیں کرنا چاھئے۔
کتاب مقدس (توریت اور انجیل) سے عام فھم عوام الناس یھی نتیجہ حاصل کرتے ھیں کہ ان کتابوں میں ذکر شدہ دینی مسائل حقائق پر مبنی ھیں اور بیرونی حقائق کی عکاسی کرتی ھیں، لیکن روشن خیال رکھنے والوں اور دانشوروں کے نزدیک توریت و انجیل میں بیان شدہ مطالب صرف عوام الناس کے لئے تربیتی پھلو رکھتے ھیں یعنی ان کے پیش نظر عوام الناس میں نیک کام کرنے اور بُرے کاموں سے پرھیز کا جذبہ پیدا ھوتا ھے، اس کے علاوہ ان مقدس کتابوں میں بیان شدہ مطالب میں کوئی پیغام نھیں ھے یھاں تک کہ دین کی افسانوی زبان میں خدا کا کوئی وجود ھی نھیں ھے، چنانچہ اگر توریت اور انجیل میں خدا کا ذکر ھے یا انبیاء (علیھم السلام) اور وحی کے بارے میں بیان ھوا ھے، تو اس افسانوی زبان میں یہ صرف خدا کا ایک عکس ھے ورنہ (نعوذ باللھ) نہ تو خدا ھے اور نہ جنت وجھنم اور وحی اور اس عکس کو اس افسانوی زبان میں اس قدر بھترین سلیقہ سے بیان کیا گیا ھے تاکہ عوام الناس میںنیک کام کرنے اور بُرے کام سے پرھیز کرنے کا شوق پیدا ھو،اور انسانی اقدار کا پاس و لحاظ رکھا جائے ان کی یہ کوشش رھے کہ اسی دنیا میں بھترین زندگی گذاریں اور دوسرے کو آزار و اذیت نہ دیں؛ ورنہ تو توریت و انجیل کی "کلیلہ ودمنھ" داستان سے زیادہ اھمیت نھیں ھے جس طرح سے یونانی قدیم تمدن اور دوسرے قدیمی معاشروں میں افسانوی خدا ھوتے تھے، یھاں تک کہ ان کی بعض داستانوں میں یھاں تک بیان ھوا ھے کہ وہ خدا ایک دوسرے سے شادی کیا کرتے ھیں، اور کبھی تال میل کرتے ھیں اور کبھی ایک دوسرے سے ناراض ھوجاتے ھیں، اسی طرح دوسرے ادیان کی کتابوں منجملہ توریت اور انجیل میں بھی صرف خیالی اور افسانوی عکس ھوتا ھے جس میں کسی بھی طرح کی کوئی حقیقت نھیں ھوتی۔
قارئین کرام! جیسا کہ ھم نے عرض کیا کہ یھودیت اور عیسائیت کو نابودی سے بچانے کے لئے توریت اور انجیل میں بیان شدہ دینی مسائل کے بارے میں یہ تھیوری اور نظریہ پیش کیا گیا ھے اور یہ نظریہ آھستہ آھستہ مغربی ممالک کے دیندار لوگوں میں بھی رائج ھوتا چلا گیا، اورکتاب مقدس کی توجیہ (اور دلیل) کے عنوان سے اس نظریہ کو بھترین راہ حل مانا جانے لگا لیکن "رنسانس" کے زمانہ سے پھلے یھودی اور عیسائی متدین لوگ دینی عقائد اور مسائل کو صادق، حق اور واقع کے مطابق مانتے تھے،اور انھوں نے جب نئی نئی کشفیات اور سائنس کے نظریات کو اپنی کتاب مقدس کے بر خلاف پایا تو کتاب مقدس کے دفاع کرتے ھوئے بعض دانشوروں کی سخت مخالفت کی یھاں تک کہ بعض دینی مسائل کے مخالف دانشوروں کو پھانسی دے دی گئی اور بعض کو زندہ آگ میں جلادیا گیا اسی طرح بعض بھت سے دانشوروں کو منجملہ "گلیلھ" کو توبہ پر مجبور کیا جس کی بنا پر اس نے اپنے نظریات واپس لے لئے۔

۴مغربی نسبی گرائی نظریہ کی ترویج (وتبلیغ)کرنے والے مغرب پرست روشن خیال

قارئین کرام ! مغربی ممالک میں پھلے یہ نظریہ پیش کیا کہ دین کی زبان؛ سائنس کی زبان سے مختلف ھے اور دین کی زبان کسی بھی طرح کے حقائق پر مبنی نھیں ھے، بلکہ دین کی زبان قصہ کھانی اور افسانہ کی زبان ھے، لیکن مشرقی ممالک سے مغربی ممالک کے تعلقات اور علمی تبادلہ خیالات اور مغربی ممالک میں اسٹوڈینٹ کا تعلیم حاصل کرنے وغیرہ جیسے امور کی وجہ سے یہ نظریہ مشرقی ممالک میں بھی آگیا مغرب پرست اور مغربی کلچر کے عاشق اور دلدادہ نیز مغربی ممالک میں تعلیم یافتہ اسٹوڈینٹ وغیرہ مغربی تمدن کے شیدائی بن گئے ، اور وھاں کی تعلیم اور وھاں کی زبان سے آشنائی کو اپنے مھم افتخارات میں شمار کرنے لگے، اور اس الحادی تھیوری اور نظریہ کے حصول کو اپنے لئے باعث سرفرازی سمجھنے لگے، نیز اس نظریہ کو کار گر اور بھترین تحفہ کے عنوان سے عالم اسلام میں داخل کردیا، اور کھا کہ جس طرح مغربی ممالک میں توریت اور انجیل کے ماننے والے اپنے دین کی زبان کو غیر واقع نما زبان قرار دیتے ھیں اور اس کو صرف قصہ کھانی کی زبان مانتے ھیں جو کسی بھی طرح کے حقائق کو بیان نھیں کرتی، اسی طرح قرآن

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کریم کی زبان بھی قصہ کھانی اور افسانہ کی زبان ھے جس میں حقائق سے کوئی سرو کار نھیں ھے۔!!
عالم اسلام میں بعض عربی ممالک جو اھل بیت علیھم السلام کی تعلیم سے آشنائی نھیں رکھتے تھے لھٰذا انھوں نے اس تھیوری اور نظریہ کو قبول کرلیا اور بعض عربی اھل قلم نے اس سلسلہ میں کتابیں بھی لکہ ڈالیں اور اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے شواھد یا ”مستندات قرآن“ کا بھی ذکر کیا اور جب انھوں نے قرآن مجید کی متشابہ آیات کو دیکھا جن کو سمجھنے سے قاصر رھے اور ان کے حقیقی معنی کو درک نہ کرسکے، اور ان کے ظاھری معنی کو علم اور سائنس سے ھم آھنگ نہ پایا تو توریت و انجیل کے ماننے والوں کی طرح اپنے دینی عقائد کی افسانوی تفسیر و توضیح کرنے لگے، اور قرآن مجید کی بھی افسانوی اور سمبلیک "Symbilec" (رمزی) تفسیر کرنا شروع کردی تاکہ اپنے خیال ناقص میں سائنس کے نظریات کے، دینی عقائد اور دینی مسائل سے ٹکراؤ کا راہ حل پیش کرسکیں تقریباً تیس سال سے خصوصاً ان آخری چند سالوں میں یورپ اور امریکہ میں تعلیم یافتہ لوگوں نے اس سلسلہ میں بھت زیادہ فعالیت اور کار کردگی کی تاکہ مغربی تمدن کے اس نظریہ کو ھمارے معاشرہ میں رواج دیں اور قرآن کی زبان کو قصہ کھانی اور افسانوی زبان کھہ ڈالا، اور اپنے مقصد میں کامیاب ھونے کے لئے قرآن مجید کی بعض رمزی اور سمبلیک تفسیر کے چند نمونہ پیش کئے:

۵۔ ھابیل اور قابیل کے واقعہ سے انحرافی نتیجہ
تیس سال پھلے انحرافی اور مارکسسٹ "Marxist" نظریہ رکھنے والے ایک صاحب نے اپنی ایک تقریر میں ھابیل و قابیل کے واقعہ سے سمبلیک "Symbilec" تفسیر کی۔
جب کہ قرآن مجید میں اصل واقعہ اس طرح بیان ھوا ھے:
(وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنْ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللهُ مِنْ الْمُتَّقِينَ (۱)
” اور اے پیغمبر ! آپ ان کو آدم کے دونوں فرزندوں کا سچا قصہ پڑھ کر سنائیے کہ جب دونوں نے قربانی دی اور ایک کی قربانی قبول ھوگئی اور دوسرے کی نہ ھوئی تو اس نے کھا کہ میں تجھے قتل کردوں گا تو دوسرے نے جواب دیا کہ میرا کیا قصور ھے خدا صرف صاحبان تقویٰ کے اعمال قبول کرتا ھے “
اسلامی کتب میں وارده شده روایات سے استفادہ ھوتا ھے کہ جناب آدم علیہ السلام کے دو بیٹے ھابیل و قابیل کو خدا کی بارگاہ میں قربانی کرنا تھی چنانچہ قابیل نے ایک گوسفند کی قربانی کی، اور جناب ھابیل نے ایک مقدار گیھوں راہ خدا میں ھدیہ دئے، جناب ھابیل کی قربانی بارگاہ رب العزت میں قبول ھوگئی لیکن قابیل کی قربانی قبول نہ ھوئی، جس کے بنا پر قابیل کو جناب ھابیل سے حسد ھونے لگا یھاں تک کہ جناب ھابیل کو قتل کردیا؛ لیکن اپنے کئے پر پشیمان ھوا اس کے بعد اپنے بھائی کے جنازہ کے بارے میں فکر ھوئی کہ اس کو کیا کرے تو خداوندعالم نے ایک کوّے کو بھیجا جس نے قابیل کو دفن کرنے کا طریقہ سکھادیا۔
(فَبَعَثَ اللهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهِ كَيْفَ يُوَارِي سَوْأَةَ أَخِيهِ قَالَ يَاوَيْلَتَا أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْأَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنْ النَّادِمِينَ) (۲)
” پھر خدا نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کو کھود رھا تھا کہ اسے دکھلائے کہ بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے گا تو اس نے کھا کہ افسوس میں اس کوّے کے جیسا بھی نہ ھوسکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو زمین میں چھپا دیتا اور اس طرح وہ نادمین اور پشیمان لوگوں میں شامل ھوگیا ۔“
کوّے نے اپنی غذا کو چھپانے کے لئے زمین میں ایک گڑھا گھودا اور اپنی غذا وھاں چھپادی؛ جب خداوندعالم کے حکم سے کوّے نے زمین میں اپنی غذا کو دفن کیا تو کیونکہ قابیل کو نھیں معلوم تھا کہ زمین میں مردہ کس طرح دفن کیا جاتا ھے، لیکن کوّے کے کام سے اپنے مردہ بھائی کے دفن کا طریقہ سیکھ لیا۔
وہ مقرر اور مؤلف اس واقعہ کے بارے میں اپنی سمبلک تفسیر میں کھتا ھے:
اس واقعہ مینجناب ھابیل زحمت کش اورکاشتکاری کا ایک نمونہ ھے جو بھت زیادہ زحمت کے بعد بھت کم نتیجہ حاصل کرتا ھے اور چونکہ خداوندعالم اس طبقہ کا طرفدار ھے لھٰذا خداوندعالم نے اس کا نا چیز ھدیہ قبول کرلیا اور قابیل مالداری کا نمونہ ھے اور جب ایک مالدار نے گوسفند کی قربانی کی تو خدا نے اس کو قبول نھیں کیا ؛ کیونکہ خداوندعالم مالداری کا دشمن ھے چنانچہ اس مقرر نے اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا کہ ھابیل وقابیل اور گندم اور گوسفند کی قربانی کوئی حقیقت نھیں رکھتااور صرف سمبلیک "Symbilec" (رمزی) پھلو رکھتا ھے، اور یہ واقعہ مزدور اور مالدار طبقوں کے درمیان اختلاف اور جنگ و کشمکش کی حکایت کرتا ھے (لیکن یھاں پر یہ سوال پیدا ھوتا ھے کہ اس زمانہ میں جناب آدم و حوا اور ان کے دونوں فرزند ھابیل و قابیل کے علاوہ کوئی تھا ھی نھیں کس طرح غریب، مزدور اور مالدار طبقہ کا تصور کیا جاسکتا ھے، اور اس طرح کی طبقاتی تقسیم اس زمانہ کے لئے معنی نھیں رکھتی بھر حال مارکسسٹ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"Marxist" نظریہ کے رواج اور اس الحادی نظریہ کے طرفداروں کی وجہ سے یہ سمبلیک تفسیر قابل قبول قرار پائی)
قارئین کرام ! مذکورہ مقرر نے ھابیل وقابیل کے بارے میں تو یہ سمبلیک تفسیر بیان کردی لیکن یہ نہیں بتایا کہ کوّا کس چیز کا نمونہ تھا؛ یہاں تک کہ اس کے ایک شاگرد نے اس کے بارے میں ایک نظریہ پیش کیا کہ وہ کالا کوّا مولویوں کا نمونہ تھا جو مجلس پڑھتے ھیں اور عزاداری کرتے ھیں جو منبر پر جاکر روزی کے سیاہ وسفید کے بارے میں بیان کرتے ھیں اور مالداروں اور سرمایہ داروں کی حمایت کرتے ھیں اور مزہ کی بات یہ ھے کہ اس سلسلہ میں خداوندعالم ارشاد فرماتا ھے : (وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا)یعنی(اے رسول) اس واقعہ کی حقیت لوگوں کے لئے بیان کریں، گویا خداوندعالم یہ خبر دے رھاھے کہ ایک روز ایسا بھی آئے گا جب اس واقعہ کے سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لیا جائے گا، لہٰذا آپ پہلے ھی اس واقعہ کی حقیقت کو بیان فرمادیں۔
جی ھاں، ان چند سالوں میں بعض مغربی ممالک کے کلچر سے متاثر افراد قرآن مجید سے اس طرح کی تفسیر بیان کرتے ھیں اور آج کل دین اور قرآن کے بارے میں اس طرح کی باتیں اپنے زوروں پر ھے اور ان کی تبلیغ و ترویج ھو رھی ھے، یہاں تک کہ بعض علماء بھی اس نظریہ سے متاثر ھوچکے ھیں اور یہ کہتے ھوئے نظر آتے ھیں کہ (نعوذ باللله) قرآن کی زبان واقع نما نہیں ھے اور ایسا نہیں کہ قرآن مجید کی آیات کے ذریعہ ھمیں کسی حقیقت کے بارے میں پتہ چلتا ھو ، ھمارے پاس قرآنی آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں قطعی، برھانی اور مسلم معیار نہیں ھیں تاکہ ان کی بنا پر ھم یہ دعویٰ کریں کہ قرآن مجید کی فلاں آیت سے یہ نتیجہ ھے اور دوسری تفسیریں باطل اور نادرست ھیں بلکہ ھر شخص اپنے ذھن اور علم کی بنا پر قرآن کے بارے میں سمبلیک تفسیر بیان کرسکتا ھے، چاھے اس کی تفسیر دوسری تفاسیر سے بالکل مخالف اور متضاد ھو۔!!

۶۔ دین کی زبان واقع نما نہ ھونا یا دین کی ایک مبہم تصویر
دینی مسائل اور قرآن کریم کی زبان کو غیر واقع نما قرار دینے کے سلسلہ میں وضاحت کے لئے عرض کرتے ھیں کہ ماڈرن ھنری میوزیم "Museum" میں بہت سی مختلف ھندسی اور مبہم چیزوں کی تصویر ھوتی ھیں جس کو دیکھ کر واضح طور پر معلوم نہیں ھوپاتا کہ یہ کس چیز کی تصویر ھے جس کی بنا پر مختلف احتمالات دئے جاتے ھیں اور ھر شخص اپنے ذوق کے لحاظ سے ان کی توضیح و تفسیر کرتا ھے اور ان کو کسی خاص چیز کا سمبل (اشارہ) بتایا جاتا ھے شاید ان کا مصور دوسروں کے مختلف نظریات کی طرف متوجہ بھی نہ ھو اسی طرح بعض نفسیاتی لیباریٹری"Laboratory"میں ایک کاغذ پر تھوڑی روشنائی ڈال دی جاتی ھے اور اس کو پھیلاکر بعض لوگوں سے سوال کیا جاتا ھے کہ یہ کس چیز کی شکل ھے؟ تو وہ تھوڑی دیر غور وفکر کے بعداپنے ذھن کے لحاظ سے کوئی شکل کھہ دیتے ھیں ، مثلاً کھتے ھیں کہ یہ ایک عورت کے بال ھیناور یہ اس کا ھاتھ ھے اور اپنے ذھنی خیالات کی بنا پر اس کو ایک عورت کی تصویر کھہ ڈالتے ھیں جبکہ اس کام کے کرنے والے نے کسی خاص تصویر کے لئے یہ کام نہیں کیا ھوتا اور ناھی اس کام کو منظم طریقہ سے کیا جاتا ھے بلکہ یونھی روشنائی ڈال دی جاتی ھے کہ ھر شخص اپنے ذھن کے لحاظ سے اس کے بارے میں فیصلہ کرے۔
چنانچہ یہ لوگ کہتے ھیں کہ قرآن کی زبان واقع نما نہیں ھے، بلکہ قرآن مجید میں بیان شدہ مسائل کا مقصد یہ ھوتا ھے کہ ھر شخص اپنے لحاظ سے اس کو سمجھے، اور کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ھے کہ قرآن مجید سے اپنے حاصل کردہ نظریہ کو مطلق قرار دے، اور یہ کھے کہ میری بیان کردہ ھی تفسیر قرآن ھی درست اور صحیح ھے اور دوسروں کی بیان کردہ تفسیریں غلط ھیں جس طرح ایک مبہم تصویر کودیکھ کر کوئی یہ فیصلہ کرے کہ صرف میرا ھی نظریہ صحیح ھے اور دوسروں کا نظریہ غلط ھے؛ یہ کھنا اس کے لئے صحیح نہیں ھے، کیونکہ جس طرح وہ اپنے ذاتی خیالات اور تصورات کے ذریعہ کوئی خاص تفسیر کرنے کا حق رکھتا ھے اسی طرح دوسرے بھی اپنے ذھن اور موقع محل کے لحاظ سے تفسیر کرسکتے ھیں، جن میں سے کسی ایک کو صحیح اور دوسری کو غلط قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس طرح کی چیزوں میں صحیح اور غلط ھونا ثابت نہیں ھے، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں صاحب کا حاصل کردہ نتیجہ صحیح ھے اور فلاں صاحب کا نتیجہ غلط ھے!
قارئین کرام! کیا قرآن مجید بھی (نعوذ باللله) ایک ماڈرن میوزیم کی تصویروں کی طرح ھے کہ ھر شخص کو اس کی تفسیر کرنے کا حق ھے؟ لیکن حقیقت یہ ھے کہ جو لوگ آسمانی کتابوں کے بارے میں اس طرح کا نظریہ رکھتے ھیں غالباً وہ لوگ خدا اور وحی پر عقیدہ نہیں رکھتے، اور اگر زبان سے مسلمان ھونے کا دعویٰ بھی کرتے ھیں، تو ان کا یہ مسلمان ھونے کا دعویٰ صرف دکھاوے کے لئے ھوتا ھے اس وقت اختلاف قرائت کا نظریہ رکھنے والے کتاب مقدس کی تفسیر کے بارے میں کھتے ھیں: بالفرض اگر خدا بھی ھو، وحی بھی نازل ھوئی ھو اور انبیاء نے وحی کو صحیح سمجھا ھو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(اگرچہ ان باتوں میں بھی شک ہے)، تو چونکہ انبیاء بھی انسان ہیں اور انسانی درک و فہم رکھتے ہیں اور انسانی درک وفہم؛ غلطی سے خالی نہینهے،لہٰذا بہت ممکن ہے کہ نبی نے خدا کی باتوں کو صحیح نہ سمجھا ہو اور اگر یہ بھی مان لیں کہ پیغمبر نے وحی کو حاصل کرنے میں غلطی نہیں کی ہے، تو بھی قرآن مجید کی یقینی تفسیر بیان کرنے کے لئے کوئی راستہ نہیں ہے، تاکہ اسی معیار کی بنا پر کسی ایک تفسیر کو یقینی قرار دیں ا ور دوسری تفاسیر کو غلط سمجھیں لہٰذا قرآن مجید سے کوئی بھی شخص اپنے لحاظ سے نتیجہ نکال سکتا ہے اور اپنے نظریہ اور نتیجہ کو صحیح و معتبر قرار دے سکتا ہے اور کسی دوسرے کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کے حاصل کردہ نظریہ کو ردّ کرے ہم کتاب مقدس کی تفسیر کے بارے میں بالکل انہیں افراد کی طرح ہیں جن کے سامنے نفسیاتی لیباریٹری "Laboratory" میں ایک مبہم تصویر پیش کی جاتی ہے جس کے بارے میں ہر شخص کو اپنا اپنا نظریہ دینا پڑتا ہے مثلاً کوئی شخص کہتا ہے کہ یہ شکل تو میری معشوقہ کے بالوں کی طرح ہے اور کوئی کہتا ہے کہ یہ رستم کی شکل ہے، اور اس سلسلہ میں ہر ایک شخص کی نظر محترم ہے اور کسی دوسرے کو اعتراض کا حق نہیں ہے، اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس مبہم تصویر کو سمجھنے میں سب نے غلطی کی ہو اور کسی نے بھی صحیح نہ بتایا ہو بلکہ اس طرح سے کاغذ پر روشنائی ڈالنے والے کا ہدف بھی صرف یہی ہو کہ ہر شخص اپنے لحاظ سے اس کے بارے میں اپنا تصور بیان کرے!

۷۔ قرآن مجید کا شعراء کی زبان سے مقابلہ کرنا؛ بہت سے نتائج ہونے پر دلیل ہے!!

دین کی زبان کے سلسلہ میں معرفت کو نسبی قرار دینے والوں کے نظریہ کو بیان کرنے کے لئے ایک دوسری مثال یہ بھی پیش کی جاسکتی ہے: جیسا کہ عرفانی اور عشقی اشعار سے مختلف نتائج نکالے جاسکتے ہیں خصوصاً حافظ کی غزلیات، جیسا کہ اکثر ایرانیوں کے گھر میں ''دیوان حافظ'' ہوتا ہے اور ایک قدیم زمانہ سے دیوان حافظ سے فال بھی نکالی جاتی ہے مثلاً جب کسی شخص کا رشتہ دار سفر میں ہوتا ہے اور وہ اس کے بارے میں باخبر ہونا چاھتا ہے تو وہ دیوان حافظ کے ذریعہ فال نکالتا ہے اور سامنے نکلنے والے صفحہ پر موجود غزل کو پڑھ کر یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس کا رشتہ دار خیریت سے ہے اور جلد ھی پلٹنے والا ہے اور اگر کوئی شخص مریض ہو اور دیوان حافظ سے فال نکالتا ہے تو وہ بھی اسی غزل سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ جلد ھی اس کو بیماری سے شفا ملنے والی ہے؛ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اسی غزل سے ایک شخص پریشان کن نتیجہ نکالے جبکہ حافظ کی عارفانہ اور عاشقانہ غزلیں اس طرح فال نکالنے کے لئے نہیں ہیں، اور حافظ کا ان غزلیات سے بالکل یہ مقصد نہیں ہے کہ فلاں مریض شفایاب ہوجائے گا یا فلاں مسافر سفر سے جلد لوٹ آئے گا، یا فلاں شخص کی یہ آرزو پوری ہوجائے گی یا فلاں صاحب کی یہ حاجت پوری نہیں ہوگی کیونکہ حافظ نے عرفانی اور شاعری ماحول میں شعر کہیں ہیں جبکہ فال نکالنے والا اپنے ذہن کے لحاظ سے مختلف نتیجے نکال رہا ہے جب کہ شاعر اور دوسروں کے نتیجہ سے میلوں فاصلہ موجود ہے مولانا (شاعر) نے کیا خوب کہا:

هر کس از ظن خود شد یار من
از درون من نجست اسرار من

(اپنے خیال میں ہر شخص ہمارا دوست بن گیا ہے لیکن کسی نے ہمارے اندر کے اسرار کا پتہ نہ لگایا)

کہتے ہیں کہ قرآن کریم بھی حافظ کی غزلوں کی طرح ہے جس سے ہر شخص مختلف نتیجہ نکال سکتا ہے بلکہ ایک دوسرے کے بالکل مخالف بھی، اور ہر کوئی شخص اپنے ذہن اور سابقہ علم کی بنا پر قرآن کریم کی آیات سے نتیجہ نکال سکتا ہے، اور کسی شخص کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے حاصل کردہ نتیجہ اور قرائت کو مطلق قرار دے۔

یہاں پر پھونچنے کے بعد یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے یا کم سے کم یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ اس نعرہ (کہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دین سے حاصل کردہ اپنے نظریہ کو مطلق قرار دے)؛ کی اصلی بنیاد یہی دین کی زبان کا مسئلہ ہے کیونکہ اس نظریہ کی بنا پر دین کی زبان قصہ کہانی اور افسانہ کی زبان ہے، اور یہ زبان سمبلیک "Symbilec" (رمزی) اور غیر واقع نما ہے، لہٰذا ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ذہنیت کے لحاظ سے دینی مسائل کے معنی و تفسیر کرے، نیز کسی شخص کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ صرف اپنی قرائت اور تفسیر کو صحیح قرار دے اور دوسروں کے حاصل کردہ نتائج کو باطل و بے بنیاد!

تو کیا واقعاً اس بے بنیاد اور الحادی نظریہ کی نشر و اشاعت کے بعد جس میں قرآن کریم کو دیوان حافظ کی طرح قرار دیا جاتا ہے اور جس سے ہر کس وناکس اپنے ذہن کے لحاظ سے معنی وتفسیر کرنے کا حق رکھتا ہے تو کیا اس صورت میں یہ قرآن کریم ؛ کتاب ہدایت باقی رہے گی؟ ! اور کیا قرآن کریم سے اس طرح کے پیش کردہ نتائج کے بعد وھی کتاب

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

باقی رهے گی جس کے لئے پیغمبر اکرم (ص)، ائمہ معصومین علیهم السلام نے اپنی جان خطرات میں ڈالی اوراس راہ میں کس قدر شهید فدا هوگئے؟ اگر هر کس و ناکس قرآن مجید کی تفسیر کرسکتا هو اور اپنے حاصل کردہ نتیجہ کو حجت قرار دے سکتا هو تو پهر آیات قرآن کی صحیح تفسیر پر قرآن مجید کیوں زور دیتا هے اور تفسیر بالرائے کرنے سے کیوں ڈراتا هے، نیز دین میں بدعت گذاری کی کس قدر مذمت کی گئی هے؟ اگر قرآن مجید کی تفسیر من پسند هونے لگے اور دو بول پڑھنے والا هر شخص قرآن مجید سے نتیجہ حاصل کرنے لگے، تو پهر همارے انقلاب کا کیا فائدہ ؟کیوں هم نے شاہ کی حکومت کو سرنگون کیا؟ کیونکہ شاہ بهی اپنے کاموں اور اپنی سمجھ کو قرآن اور دین کے مطابق سمجهتا تها، یهاں تک کہ وہ تو یہ بهی کهتا تها کہ جو کچھ میں کهتا هوں وہ ملاؤں کی بیان کردہ باتوں سے زیادہ مناسب هے!! اور یہ دعویٰ کرتا تهاکہ میں ملاؤں سے زیادہ قرآن کو سمجهتا هوں، میرے خلاف بے وجہ تقریریں کی جاتی هیںبلا وجہ عوام الناس کو میرے غلاف ورغلایا جاتا هے!! دین کے سلسلہ میں شاہ کی بهی ایک قرائت تهی کیوں اس کی قرائت کو باطل قرار دیا گیا!
اگر کوئی شخص اسی نظریہ کی بنا پر یہ دعویٰ کرے کہ دین سے حاصل کردہ میرا نتیجہ یہ هے کہ خداوندعالم وجود عینی اور واقعی نهیں رکهتا اور مسلمان هونا خدا کو ماننے میں منحصر نهیں هے، تو کسی کو اعتراض کا حق نهیں هے؛ چونکہ اس نے اپنے درک و فهم کو بیان کیا هے اور دین سے اس طرح کا نتیجہ حاصل کیا جاسکتا هے، جیسا کہ حافظ کے اشعار میں بهی مختلف معنی اور تفسیر کرنے کی گنجائش پائی جاتی هے مثلاً حافظ کهتے هیں:

اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقان ریزد
من و ساقی بہ هم سازیم وبنیادش بر اندازیم

(اگر لشکر میں طلاطم پیدا هوجائے تو عاشقوں کا خون بهی بهادیا جاتا هے، هم اور ساقی آپس میں پیار و محبت سے رهیں تو پهر اس کی بنیاد کو گراسکتے هیں۔)
چنانچہ اس شعر کو پڑہ کر هر شخص اپنی ذهنیت کے لحاظ سے نتیجہ نکال سکتا هے کہ اس کی بیماری کو شفا هوجائے گی، یا اس کی حاجت پوری هوجائے گی، اور اپنے حاصل شدہ نتیجہ کے لئے مثال کے طور پر یہ کها جاتا هے کہ " مئے اور ساقی" سے مراد ؛ مریض اور ڈاکٹر هے، اور "بنیادش بر اندازیم" سے مراد یہ هے کہ یعنی مرض کو جڑ سے ختم کردیا جائے گا لیکن کوئی دوسرا شخص اسی دیوان حافظ سے فال نکالے اور یهی شعر نکلے تو وہ اس سے بالکل مخالف نتیجہ نکال سکتا هے۔
اگر قرآن مجید میں ایسے نتائج کی گنجائش پائی جاتی هو کہ مثلاً خدا کا کوئی وجود هی نهیں هے، اور خداوندعالم کے اثبات کرنے کے لئے کوئی دلیل بهی نہ هو، تو پهر اسلام میں کیا باقی بچے گا؟ اگر هر کس و ناکس قرآن مجید سے مستقل طور پر ایک نتیجہ نکالنے کا حقدار هو اور تمام لوگوں کے حاصل کئے هوئے نتائج کا احترام کیا جائے تو پهر دین اسلام سے دفاع، اور دین کے سلسلہ میں غیرت مندی کامظاهرہ اور اسلامی اقدار کے مقابلہ میں حساسیت دکهانا؛ بے معنی اور بے هودہ هوگا سب کو ٹولرانس "Toleranec"کی رعایت کرتے هوئے دوسروں کی باتوں کو برداشت کرنا چاهئے اور دوسروں کے نظریات پر اعتراض نهیں کرنا چاهئے هر شخص اپنے لحاظ سے دینی مسائل پر عمل کرے ، اور اگر اس کا یہ نظریہ هے کہ واقعاً خداوندعالم واحد او ریکتا هے تو اس کو اپنے وظیفہ کے مطابق عمل کرنا چاهئے، لیکن اگر کسی نے یہ نتیجہ نکالا هے کہ هزاروں خدا موجود هیں تو اس کا وظیفہ اسی لحاظ سے هوگا؛ اور جب هر شخص کی اپنی سمجھ حجت هے تو کسی طرح کا کوئی اختلاف نهیں هونا چاهئے اور سب پیار ومحبت کے ساتھ بهترین زندگی بسر کریں، اور کوئی بهی ایک دوسرے کے نظریات کے مقابلہ منفی اعتراض نہ کرے۔
بهر حال، یہ نظریہ جس میں دین کی زبان کو سمبلیک "Symbilec" زبان قرار دیا گیا هے، جس میں هر شخص کو یہ اختیار هے کہ وہ اپنے ذهن کے لحاظ سے دینی راز اور مخفی باتوں کے من پسند معنی کرے ، اسی بنیاد پر کهنے والے کهتے هیں کہ دینی معرفت اور شناخت نسبی اور سیال (رواں دواں) هے اور کسی کو اپنے نظریہ کو مطلق قرار دینے کا حق نهیں هے بے شک اس طرح کا فاسد نظریہ دین اور قرآن کی نظر میں باطل اور بے بنیاد هے اور اس طرح کا نظریہ دین سے کسی بهی هم آهنگ نهیں هے هم عقلی دلائل سے یہ بات ثابت کرتے هیں کہ خداوندعالم کی حکمت اور اس کا لطف اس بات کا تقاضا کرتا هے کہ وہ اپنے بندوں کو ایک مقصد اور ایک راہ حق و مطلق کی طرف هدایت کرے، جس کے لئے خداوندعالم نے قرآن مجید نازل کیا جس مینهر انسان کے لئے حجت اور موعظہ هے اور جو نوع بشریت کی روحی و نفسیاتی بیماریوں کا علاج کرتا هے جب کہ پیامبر اکرم (ص) اور ائمہ علیهم السلام کے مکتب سے تعلیم حاصل کرنے والوں کے نزدیک قرآن مجید کی ایک هی قرائت اور تفسیر هے اور وہ بهی پیغمبر اور اهل بیت علیهم السلام کی تفسیر هے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اور صرف انهیں حضرات کی رائے اور نظریہ صحیح اور بر حق هے جو معرفت کے آب زلال کا سر چشمہ هیں، دین کی یہ قرائت دوسری مختلف قرائتوں سے سازگار نهیں هے، اور ان کو باطل قرار دیتی هے اگر چہ عالم اسلام میں ”مارٹن“ اور ”لوٹری“ پیدا هوجائیں اور ایک نیا دین ایجاد کرلیں جس کی بنا پر مختلف اور مخالف قرائتیں پیدا هونے لگیںاور معرفت کے نسبی قرار دینے کی وجہ سے تمام قرائتوں کو صحیح قرار دیا جانے لگے، لیکن ائمہ علیهم السلام سے نقل شدہ بے شمار روایات کے ذریعہ قرآن مجید کی صحیح قرائت هم تک پهونچی هے اور لوگوں کو تفسیر بالرائے سے سخت منع کیا گیا هے۔
اولیاء الله نے اس بات پر زور دیا هے کہ عوام الناس کو یہ حق نهیں هے کہ وہ اپنے طرف سے دین میں کچھ چیزوں کو شامل کردیں اور اگر کسی مقام پر غیر واضح متشابہ بیان هو ،تو اس موقع پر توقف کیا جائے اور اهل بیت علیهم السلام کی موجیں مارتے هوئے دریائے معرفت سے اس کی تفسیر حاصل کریں، اور خدا اور اسلام کی طرف اسی چیز کی نسبت دیں جو خود خداوندعالم، قرآنی آیات اور پیغمبر اکرم و ائمہ معصومین علیهم السلام کے فرمان میں موجود هو۔

۸۔ هر منو ٹک فلسفہ میں قرائت کی کثرت اور معرفت کا سیلاب
تعدد قرائت اور اپنی نظریہ کو مطلق قرار نہ دینے کے نعرہ کی ایک دلیل ؛ علم هر منوٹیک "Hermeneutics" (تحریر کے معنی اور تفسیر کرنا) هے؛یہ علم آج کل معرفت اور شناخت کے بارے میں ایک عظیم شعبہ هے جس کی تحقیق کے سلسلہ میں دنیا بھر میں بهت سے افراد مشغول هیں اس علم کی پیدائش بهی مغربی ممالک میں هوئی هے، پهلے یہ هر منوٹیک"Hermeneutics" عیسائیت کے علم کلام اور حکمت (فلسفه) کے کام میں آتا تھا جس کا موضوع کتاب مقدس (عهد عتیق اور عهد جدید)کی حقائق کی معنی وتفسیر کرنا تھا لیکن اس کے بعد اس میں وسعت دیدی گئی اور اس کوانسانی کردار، رفتار و گفتار و آثارکی اهمیت کے معنی و تفسیر کے سلسلہ میں ایک فن اورمهارت سمجھا جانے لگا اور اس آخری معنی کی وجہ سے علم هرمنوٹیک کو خدا شناسی (الهیات) سے نکال کر فلسفہ سے مخصوص کردیا گیا، اور یہ انسانی علوم کے مطالعات یا علوم انسانی کے لئے خاص روشوں میں استعمال هونے لگا۔
اس علم میں بیان هونے والی تهیوری اور نظریات میں سے ایک یہ بهی هے کہ همارے استعمال کردہ الفاظ دوسروں تک مافی الضمیر منتقل کرنے سے قاصر هیں، همارے یہ الفاظ کسی بهی صورت میں اس معنی اور حقائق کی طرف منتقل نهیں کرتے جن کو مؤلف نے بیان کئے هیں پس جس وقت کوئی شخص دوسروں سے گفتگو کرتے وقت الفاظ کا استعمال کرتا هے تو سننے والا؛ کهنے والے کے اصلی مقصد تک نهیں پهنچ سکتا مثال کے طور پر هر انسان کی باطنی احساسات هوتے هیں جیسے محبت، عشق، غصہ، نفرت اور تعجب تو اگر کوئی شخص کوئی تعجب آور چیز دیکھتا هے اگر وہ اپنے تعجب کے احساس کو دوسرے سے بیان کرنا چاهے، تو سننے والا صرف یہ بات سمجھتا هے کہ اس کو تعجب هوا هے ، لیکن کسی بهی صورت میں استعمال هونے والے الفاظ کے اندر حقیقت تعجب کاپتہ نهیں چلتا، در حقیقت الفاظ کے ذریعہ صرف ایک احساس کی خبر دی جاتی هے لیکن اس احساس کی ماهیت اور کیفیت منتقل نهیں هوتی مثال کے طور پر اگر آپ کسی سے کهیں کہ میں فلاں چیز کا عاشق هو، تو آپ کا مخاطب آپ کے اندر احساس کو نهیں سمجھ سکتا وہ آپ کے بعض حالات سے ایک طرح کا اندازہ لگاسکتا هے لیکن تفصیلی طور پر اس کی شناخت اور اندرونی احساس کو نهیں سمجھ پاتا۔

۹۔ الفاظ کے ذریعہ مختلف حقائق کو سمجھا جاسکتا هے
جیسا کہ اس بات کی طرف اشارہ هوچکا هے کہ ان لوگوں کے دعووں میں ایک دعویٰ یہ هے کہ کسی مؤلف یا مقرر کے الفاظ مقصد کو بیان کرنے اور ما فی الضمیر کو منتقل کرنے سے قاصر هیں ، اور الفاظ کامافی الضمیر کے منتقل کرنے میں نا کافی هونا هرمنوٹیک کی بحث کا ایک حصہ هے نیز دینی تحریروں میں بهی اس سے کام لیا جاتا هے گذشتہ اعتراض کا جواب یہ هے کہ اگر هم گذشتہ چند هزار سال پهلے کی مختلف اقوام و مذاهب کا تاریخی مطالعہ کریں اور هر دین و مذهب اور مسلک کے ماننے والوں کی ادبیات پر سرسری نظر دوڑائیں تو همیں معلوم هوجائے گا کہ تمام هی اقوام اور مذاهب کی رونق بخش تعلیمات ”عشق“ کی بنیاد پر هے اور اس نکتہ سے پتہ یہ چلتا هے کہ عشق ایک ایسی حالت هے جس کا احساس تمام انسانوں کے یهاں پایا جاتا هے، جو سب کے لئے قابل فهم هے اب اگر کوئی جاپانی، چینی، ایرانی یا عرب باشندہ اپنے عشق کے بارے میں خبر دے تو پهر یہ دعویٰ کیسے کیا جاسکتا هے کہ هم اس کے احساس کو درک نهیں کرسکتے؟ کیونکر یہ دعویٰ کیا جاسکتاهے کہ لیلا مجنون یا شیرین اور فرهاد کی داستانِ عشق همارے لئے قابل فهم نهیں هے اور هم ان داستانوں میں عشق کو صحیح طریقہ سے سمجھ نهیں سکتے؛ اور یہ بهانہ کریں کہ الفاظ کے ذریعہ احساسات منتقل نهیں هوتے هیں، اگر عشق جیسی حالت اور احساس تمام کهنے والوں یا سننے والوں کے لئے قابل فهم نہ هو

تو پھر ہر قوم و ملت میں عشق کے سلسلے میں اس قدر نظم ونثر کیوں موجود ہے، اور عشق کے بارے میں اس زبان کی ادبیات کیوں بھری ہوئی ہے؟

ہم بھی اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ انسان اپنی اندرونی احساسات کو کما حقہ (ہو بہو) دوسروں کی طرف منتقل نہیں کرسکتا، لیکن قرائن و شواھد اور دوسری چیز کو دیکہ کر دوسروں کے احساسات کو سمجھا جاسکتا ہے (مثلاً) ہم اپنے اندر موجود احساس خوف کو دوسرے کی طرف منتقل نہیں کرسکتے جس سے ہمارے احساس کو سمجھ سکے؛ لیکن چونکہ خوف اور ڈر کا احساس ایک ایسی چیز ہے جو تقریباً کم و بیش سبھی کے اندر پایا جاتا ہے، لہٰذا دوسرے افراد بھی ہمارے اندر موجود خوف کا احساس کرسکتے ہیں لیکن اگر کسی کے یہاں ہماری طرح کا احساس نہ پایا جاتا ہو تو وہ قرائن اور شواھد کے ذریعہ بھی ہمارے احساس کا پتہ نہیں چلا سکتا مثال کے طور پر اگر کسی کے اندر عشق و محبت کا احساس نہ پایا جاتا ہو ، تو پھر وہ عشقی داستان سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا، لیکن یہ بات بھی ماننا پڑے گی کہ ایسے شخص کو انسان بھی مشکل سے کہا جائے گا کیونکہ ہر شخص میں تھوڑا بہت محبت کا احساس پایا جانا ضروری ہے، اب اگر کوئی شخص اپنے اس اندرونی احساس کے بارے میں خبر دے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس حالت میں شدت اور زیادتی کا امکان پایا جاتا ہے، تو اس کو یہ معلوم ہوجائے گا کہ جب یہ حالت اپنی سر حدّ کمال اور بہت زیادہ شدت تک پہنچتی ہے تو اسی کو ”عشق“ کہا جاتا ہے پس ایسا نہیں ہے کہ ہم اپنے اندرونی احساسات کو دوسروں تک منتقل نہیں کرسکتے، جس کے نتیجہ میں ہمارے استعمال کردہ الفاظ اپنی دلی حالت کی ترجمانی کرنے کے ناکافی اور قاصر ہوں۔

۱۰۔ قرآن کریم سے مطلق اور واقعی معرفت کا حاصل کرنا ممکن ہے

جی ہاں، ہم بھی یہ بات مانتے ہیں کہ عام طریقوں اور معمولی شناخت کے ذریعہ کُنہ حقائق (جوہر حقائق) اور ماورای طبیعت مثلاً فرشتہ کے ماہیت اور حقیقت کے بارے میں آگاہی حاصل نہیں کی جاسکتی، اور ان کے بارے میں مکمل طور پر شناخت حاصل نہیں ہوسکتی، ان کے بارے میں ہونے والی گفتگو متشابہ اور ذو معنی ہیں، اسی وجہ سے بعض آیات قرآن میں اس طرح کی موجودات کے بارے میں بیان شدہ مطالب متشابہ ہیں ان حقائق کی پہچان کے لئے مخصوص راستے موجود ہیں جو عام انسان کو معلوم نہیں ہیں اور صرف وہی حضرات ان طریقوں کو جانتے ہیں جنھوں نے مدتوں تہذیب نفس اور اخلاقی و عرفانی سیر و سلوک کا راستہ طے کیا ہے،جس کی بنا پر ان بعض موجودات کو درک کیا ہے لیکن قرآن مجید کی بعض باتوں کو نہ سمجھنا دلیل نہیں ہے کہ ہم یہ کہہ دیں کہ جو کچھ بھی قرآن مجید میں بیان ہوا ہے وہ سب اسی طرح ہے، ہم اس کو نہیں سمجھ سکتے، اور ہمارے لئے قابل فہم نہیں ہے، نیز الفاظ کے ذریعہ ہمیں حقائق کا پتہ نہیں چلتا، اور ہر انسان اپنے ذہن کے لحاظ سے ان الفاظ کے معنی و تفسیر کرسکتا ہے اگرچہ یہی ماوراء طبیعت حقائق(جیسے ملک و فرشتہ)؛ کے بارے میں مکمل معرفت حاصل نہیں ہوسکتی، اور ایک عام انسان ان کی شناخت اور اور حقیقت سے باخبر نہیں ہوسکتا، لیکن ان کے بارے میں جن صفات اور خصوصیات کا ذکر قرآن مجید میں ہوا ہے ہم ان کے ذریعہ کافی حد تک ان کی معرفت حاصل کرسکتے ہیں۔

دین اور قرآن کی زبان کو افسانوی زبان قرار دینے والوں کی ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید اور دیگر آسمانی کتابوں میں استعارات، کنایات، تشبیہات اور تمثیلات ذکر ہوئی ہے، منجملہ یہ مثال قرآن مجید میںذکر ہوئی ہے:

(وَلاَتَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا)(۳)

” اور خبر دار ! اس عورت کے مانند نہ ہوجاؤ جس نے اپنے دھاگہ کو مضبوط کاتنے کے بعد بعد اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا “

اگرچہ قرآن مجید میں یہ مثال بیان ہوئی ہے اور شاید اس طرح کی کوئی بُڑھیا کا وجود ہی نہ ہو۔

اسی طرح گدھے کے بارے میں ایک مثال قرآن مجید میں یہ ذکر ہوئی ہے:

(مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوها كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا) (۴)

” ان لوگوں کی مثال جن پر توریت کا بار رکھا گیا اور وہ اسے اٹھا نہ سکے اس گدھے کی مثال ہے جو کتابوں کا بوجہ اٹھائے ہوئے ہو “

کہنے والے کہتے ہیں کہ جب اس طرح کی افسانوی مثالیں قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں تو پھر قرآن مجید میں بیان شدہ دوسری باتیں منجملہ خدا، قیامت، وحی اور جنت و دوزخ کس طرح افسانوی نہ ہوں گی!

قارئین کرام ! اس طرح بے بنیاد اور بے ہودہ نیز الحادی باتیں مقالات کی صورت میں پورے ملک کی یونیورسٹیوں کے اسٹوڈینٹس تک پہنچائی جارہی ہیں، تاکہ ان کو یہ بات تلقین کی جائے کہ پورے کا پورا قرآن افسانہ اور کہانی ہے یہاں تک یہ گستاخی اس قدر بڑھتی جارہی ہے کہ ایک اسٹوڈینٹ نے اپنے مقالہ میںقرآن مجید میں بیان شدہ حضرت یوسف علیہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

السلام کے واقعہ سے رومانٹیک "Romantique" نتیجہ حاصل کیا اور ایک خیالی داستان کے عنوان سے لکھا، اور اس کے بعد اس پر ادبی تنقید کی اور اس پر بہت سے اعتراض و اشکال کئے، اور جب حضرت یوسف کی اس رومانٹیک داستان کو استاد کی موجودگی میں سب کے سامنے پڑھا، تو اس داستان کو سننے کے بعد استاد نے بھی بہت سے اعتراضات کئے، جس کے بعد یہ نتیجہ نکالا گیا کہ داستان یوسف کا لکھنے والا کوئی ماہر ادیب نہیں تھا جس کی بنا پر یہ داستان صحیح طریقہ پر نہیں لکھی گئی ہے!!

۱۱۔ قرآن کی زبان کو واقع نما نہ ہونے پر نسبی نظریہ رکھنے والوں کی بے بنیاد دلیل
افسوس کہ جرائد کی ”آزادئ بیان“ کے زیر سایہ اور یونیورسٹیوں و دیگر مراکز میں آزاد سیاسی ماحول، اسی طرح ہمارے ملک کے سرکاری و غیر سرکاری تعلیمی نظام کی کمزوری، نیز انقلاب کے بعد سے تعلیم و تربیت کے عھدہ داروں کی بے توجھی خصوصاً یونیورسٹی کا موجودہ ماحول میں ؛ اسلامی اقدار کے خلاف وسیع پیمانہ پر زھریلی تبلیغات اور پروپیگنڈے ہورہے ہیں، اور نوبت یھاں تک پھنچ گئی ہے کہ عصرِ حاضر مینبعض یونیورسٹی طلباء کا سوال یہ ہے کہ جب قرآن مجید میں داستان، افسانہ اور استعارات و کنایات بیان ہوئے ہیں اور ان کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں اور ان کی جگہ مجازی معنی مراد لئے جاتے ہیں، تو پھر قرآن مجید کے دوسرے مطالب بھی اسی طرح کے ہونے چاھئیں؟ شاید خدا، وحی اور قیامت جیسے الفاظ سے بھی مجازی اور غیر حقیقی معنی مراد ہوں؟
جی ھاں، یہ سب معرفت کے نسبی ہونے، زبان دین کے سمبلک ہونے اور ھر منوٹیک "Hermeneutics" کے ذریعہ دینی تحریر کے معنی و تفسیر کرنے کا نتیجہ ہے جس کے ذریعہ ہمارے عظیم الشان اعتقادت اور اصول کو نقصان پھنچایاجارھاہے جو ھمیشہ ہماری ثقافت اور معاشرہ کے لئے باعث عزت ہے اور ہمارے گذشتہ اور حال کے افتخارات انھیں اسلامی اعتقادات کی وجہ سے ہیناور تمام انبیاء اور اولیاء اللہ کی امانت کی حفاظت کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔
یہ نسبیت گرائی اور شکاکیت کا نتیجہ ہے کہ کھنے والے کھتے ہیں کہ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اپنے نظریہ کو مطلق قرار دے، اور دین سے حاصل شدہ مختلف نتائج کو قابل احترام سمجھا جائے کیونکہ قرآن کی زبان واقع نما اور حقیقی نہیں ہے بلکہ سمبلک ہے، ھر شخص قرآنی آیات سے مستقل طور پر نتیجہ نکال سکتا ہے ہمارا کھنا تو یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن مجید میں مثالوں، استعاروں اور داستانوں کو بھانہ بنا کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن کریم اصولی طور پر حقائق اور واقعیت کو بیان کرنا نہیں چاھتا بلکہ صرف داستانوں ، افسانوں اور کنایات و استعارات کی گفتگو کو بیان کرنا چاھتا ہے ہم یھاں پر یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر کسی کتاب یا مقالہ یا نظم میں کوئی مثال ذکر ہوئی ہو تو کیا اس کو شعر اور مَثَل کی کتاب کا نام دیا جائے گا؟ اگر کوئی مقرر اپنی تقریر کے دوران کوئی لطیفہ یا کوئی طنز بیان کرے تو کیا اس کی تمام باتوں کو مسخرہ اور طنز آمیز کھا جاسکتا ہے ؟ اگر کوئی شخص کسی موقع پر اپنی گفتگو میں مثال، شعر، استعارہ، تشبیہ، کنایہ اور مجاز جیسی چیزوں کا استعمال کرتا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہے کہ اس کی تمام گفتگو شعر اور افسانہ ہے جس میں کچھ استعارات، کنایات ، تشبیھات اور مثالیں بیان ہوئی ہیں اس صورت میں پھر کسی بھی قلمکار کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں مثال ، شعر یا طنز کا استعمال کرے، ورنہ تو اس کی کتاب شعر اور طنز کی کتاب کھلائے گی اگر خداوندعالم نے قرآن مجید میں مَثَل ذکر کی ہے تو کیا خداوندعالم کے اس قول (وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ) (۵) کو ایک افسانہ اور مَثَل قرار دیا جاسکتا ہے؟ اورکیا خداوندعالم کے اس فرمان (وَبِالْحَقِّ أَنزَلْنَاه وَبِالْحَقِّ نَزَلَ) (۶)کو شعر اور افسانہ قرار دیں سکتے ہیں؟!۔
یہ لوگ ھر منوٹیک "Hermeneutics" نظریہ اور عبارت و تحریر کی تفسیر کے اعتبار پر ایک دلیل یہ ذکر کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے یھاں ھمیشہ تفسیر اور تاویلات ہوتی رھی ہیں اور علماء و عرفاء نے تاویل اور تفسیر کے بارے میں بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں؛ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی مختلف تفاسیر اور مختلف تاویلات ہوسکتی ہیں جس طرح عرفاء اور علماء نے قرآن مجید کی تاویلات اور تفاسیر ذکر کی ہیں اسی طرح ہمیں بھی قرآن مجید کی جدید تفسیر کرنے کا حق حاصل ہے، اگرچہ ہماری بیان کردہ تفسیر علماء کی تفسیر سے بالکل مخالف ہو جیسا کہ بعض روایات میں قرآن مجید کی تفسیر؛ قرآن کے ظاھری الفاظ سے بالکل مختلف ہے، لھٰذا قرآن مجید میں مختلف تفاسیر کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید کی مختلف تفاسیر اور تاویلات کی جاسکتی ہیں؛ لھٰذا ہم بھی یہ کام کرسکتے ہیں اور چونکہ ان کے درمیان فرق نھیںکیا جاسکتا کہ ان میں سے کون سے تفسیر صحیح ہے اور کون سی غلط؛ لھٰذا ان سب کو معتبر ماننا چاھئے!
قارئین کرام ! یہ بات صحیح ہے کہ قرآن مجید میں متشابہ آیات پائی جاتی ہیں جس کی تفسیر آیات محکمات کے لحاظ سے ہونا چاھئے، اور روایات میں بھی بیان ہوا ہے کہ قرآن مجید میں بہت سارے باطن اور مختلف پردہ ہیں، لیکن قرآن مجید

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کی کسی بھی آیت میں یہ بیان نہیں ہوا کہ ظاہر آیات اور کلمات و الفاظ حجیت نہیں ھیں، اور ھم پر حقائق کو آشکار نہیں ہوتے۔

قارئین کرام ! آیات کے ظاھری اعتبار کے علاوہ قرآن مجید میں اور بھی مزید دقیق اور گھرے مطالب موجود ھیں جن کو بطون اور تاویل آیات کھا جاتا ھے، اور اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اصلاً قرآنی ظواھر معتبر نہیں ھیں، اور صرف ان سے حاصل کردہ ھمارا نتیجہ معتبر ھے اور وہ بھی وہ تاویلات جو تاویل کرنے والے کے ذھن کے مطابق اور اس کے ذھن کی پیداوار ھوں اس طرح دینی سلسلہ میں مختلف اور متضاد قرائت پیش کی ھو رھی ھیں اور ھم سے یہ کھا جاتا ھے کہ ان سب کو قابل احترام مانیں!!

۱۲۔ تحریف دین کے سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام کا اظھار افسوس

قارئین کرام ! ھم اپنی گفتگو کے آخر میں لازم اور ضروری سمجھتے ھینکہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے ان نورانی کلمات کی طرف اشارہ کریں جس میں آپ نے رسول اکرم (ص) کی وفات کے بعد پیدا ھونے والے دینی انحرافات اور شبھات کو بیان کیا ھے اورجن کی بنا پر افسوس ناک اور بُرے نتائج بر آمد ھوئے ھیں جیسا کہ ھم سب جانتے ھیں کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی حکومت رسول اکرم (ص) کی وفات کے ۲۵/ سال کے بعد قائم ھوئی ھے، اس وقت تک وہ اصحاب رسول موجود تھے جنھوں نے خود رسول اکرم (ص) کی زبان مبارک سے آیات قرآن کی تفسیر اور شان نزول کو سنا تھا اور پیغمبر اکرم (ص) پر نازل ھونے والی آیات کے موقع کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؛ کیونکہ اس وقت قرآن کے نزول کو زیادہ وقت نہیں گذرا تھا لیکن وہ منافقین اور دشمنان اسلام موجود تھے جو اھل بیت علیھم السلام کے بے انتھا دریائے معرفت سے بے بھرہ تھے، اور جاہ وحشم کے دلدادہ اور ھوا پرست دین میں شبھات اور تحریفات ایجاد کررھے تھے جس کی وجہ سے اسلام میں انحرافات پیدا ھوگئے، جس کا نتیجہ یہ ھوا کہ مسلمانوں کے درمیان برادر کُشی ھونے لگی چنانچہ اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام فرماتے ھیں:

” وَ لٰکِنَّا اِنَّمَا اَصْبَحْنَا نُقَاتِلُ اِخْوَانَنَا فِی الإِسْلاٰمِ عَلٰی مَا دَخَلَ فِیْہِ مِنَ الزَّیْغِ وَ الْإِعْوِجَاجِ وَالشُّبْھَةِ وَالتَّاوِیْلِ “ (۷)

(مگر اب ھم کو ان لوگوں سے جو اسلام کی رُو سے ھمارے بھائی کھلاتے ھیں ان سے جنگ کرناپڑ گئی ھے، چونکہ (ان کی وجہ سے) اس میں گمراھی، کجی، شبھات اور غلط سلط تاویلات داخل ھوگئے ھیں)

یھی وہ شبھات اور اعتراضات ھیں جو عصر حاضر میں علمی طریقہ سے بیان کئے جاتے ھیں اور منظم طور پر بیان ھوتے ھیں، حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ میں انھیں اعتراضات کی وجہ سے مسلمانوں میں مقابلہ بازی شروع ھوگئی ، اور اسی طرح کے شبھات اور اعتراضات کو قبول کرتے ھوئے جنگ جمل اور جنگ نھروان میں حقیقی مفسر قرآن حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ میں آگئے جس کی بنا پر بھت سے لوگ قتل کردئے گئے۔

حضرت علی علیہ السلام خداوندعالم کی بارگاہ میں عوام الناس کی جھالت کی شکایت کرتے ھوئے فرماتے ھیں:

” اِلَی اللّٰہِ اَشکُوا مِنْ مَعْشَرٍ یُعِیْشُوْنَ جُھالًا وَ یَمُوْتُوْنَ ضَلاّلًا، لَیْسَ فِیْھِمْ سِلْعَةٌ أَبْوَرُ مِنِ الْکِتَابِ اِذَا تُلِیَ حَقَّ تِلاٰوَتِہِ، وَلاٰ سُلْعَةٌ أَنْفَقُ بَیْعاً وَلاٰ أَغْلیٰ ثَمَناً مِنَ الْکِتَابِ اِذَا حُرِّفَ عَنْ مَوَاضِعِہِ وَ لٰا عِنْدَھمْ أَنْکَرُ مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَلاٰ أَعْرَفُ مِنَ الْمُنْکَرِ “ (۸)

(اللہ ھی سے شکوہ ھے ان لوگونکا جو جھالت میں جیتے ھیں اور گمراھی میں مرجاتے ھیں، ان میں قرآن سے زیادہ کو ئی بے قیمت چیز نہیں ھے، جب کہ اسے اس طرح پیش کیا جائے جیسا پیش کرنے کا حق ھے، اور اس قرآن سے زیادہ کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہیں، اس وقت جب کہ اس کی آیتوں کا بے محل استعمال کیا جائے، ان کے نزدیک نیکی سے بڑھ کر کوئی برائی نہیں اور بُرائی سے زیادہ کوئی نیکی نہیں۔)

قارئین کرام ! توجہ فرمائیں حضرت امیر علیہ السلام کا یہ شکوہ و شکایت اس وقت کا ھے جب رحلت پیغمبر اکرم (ص) کو ۲۵/ سال کا عرصہ بھی نہ گذرا تھا، لیکن انحرفات ، شبھات اور بدعت دین کے لئے اس قدر نقصان دہ ثابت ھورھے تھے کہ حضرت نے تنھائی کے عالم میں لوگوں کی ھدایت کے مسئلہ کو ان کے حال پر چھوڑتے ھوئے بارگاہ رب العزت میں اپنے ھاتہ آسمان کی طرف بلند کردئے اور اپنے درد و غم کو بیان کرنا شروع کردیا۔

مذکورہ بالا کلام کی طرح خطبہ نمبر ۱۴۵/ میں بھی حضرت فرماتے ھیں:

” وَ اِنَّہ سَیَاتِی عَلَیْکُمْ مِنْ بَعْدِیْ زَمَانٌ لَیْسَ فِیْہِ شَیْءٌ اَخْفٰی مِنَ الْحَقِّ، وَ لَا أَظْھرُ مِنَ الْبَاطِلِ، وَ لاٰ أَکْثَرُمِنَ الْکِذْبِ عَلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہِ، وَ لَیْسَ عِنْدَ أَھلِ ذٰلِکَ الزَّمَانُ سِلْعَةٌ أَبْوَرَ مِنِ الْکِتَابِ اِذَا تُلِیَ حَقَّ تِلاٰوَتِہِ، وَلاٰ أَنْفَق اِذَاحُرِّفَ عَنْ مَوَاضِعِہِ وَ لا فِی الْبِلاٰدِ شَیْءٌ أَنْکَرَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَلاٰ أَعْرَفَ مِنَ الْمُنْکَرِ “

(میرے بعد تم پر ایک ایسا دور آنے والا ھے جس میں حق بھت پوشیدہ اور باطل بھت نمایاں ھوگا، اور اللہ اور اس کے رسول پر افتراء پردازی کا زور ھوگا، اس زمانہ والوں کے نزدیک قرآن سے زیادہ کوئی بے قیمت چیز نہ ھوگی جبکہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اسے اس طرح پیش کیا جائے جیسے پیش کرنے کاحق ھے، اور اس قرآن سے زیادہ ان میں کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہیں ھوگی جب کہ اس کی آیتوں کا بے محل استعمال کیا جائے، اور (ان کے) شھروں میں نیکی سے زیادہ کوئی برائی اور برائی سے زیادہ کوئی نیکی نہ ھوگی۔)

اس کے بعد مزید فرماتے ھیں:

”چنانچہ حاملان قرآن کو چھوڑ دیا جائے گا اور حافظین قرآن کو بھلادیا جائے گا، قرآن اور قرآن والے (اھل بیت) بے گھر اور بے در ھوں گے، اور ایک ھی راہ میں ایک دوسرے ساتھی ھوں گے، انھیں کوئی پناہ دینے والا نہ ھوگا وہ (بظاھر) لوگوں میں ھوں گے مگر ان سے الگ تھلگ ، ان کے ساتھ ھوں گے مگر بے تعلق، اس لئے کہ گمراھی ھدایت سے سازگار نہیں ھوسکتی، اگرچہ وہ یک جا ھوں لوگوں نے تفرقہ پردازی پر تو اتفاق کرلیا ھے اور جماعت سے کٹ گئے ھیں گویا کہ وہ کتاب کے پیشوا ھیں کتاب ان کی پیشوا نہیں ، ان کے پاس تو صرف قرآن کا نام رہ گیا ھے اور صرف اس کے خطوط او رنقوش کو پھچان سکتے ھیں، اس آنے والے دور سے پھلے وہ نیک بندوں کو طرح طرح کی اذیتیں پھنچا چکے ھوں گے، اور اللہ کے متعلق ان کی سچی باتوں کا نام بھی بھتان رکہ دیا ھوگا اور نیکیوں کے بدلہ میں انھیں بُری سزائیں دی ھوں گی۔“

نیز فرماتے ھیں:

” وَ اْعلَمُوْا اَنَّکُمْ لَنْ تَعْرِفُوْا الرُّشْدَ حَتّٰی تَعْرِفُوْا الَّذِیْ تَرَکَہ وَ لَنْ تَاخُذُوْا بِمِیْثَاقِ الْکِتَابِ حَتّٰی تَعْرِفُوْا الَّذِیْ نَقَضَہ وَ لَنْ تَمَسَّکُوْا بِہِ حَتّٰی تَعْرِفُوْا الَّذِیْ نَبَذَہ “

(جان لو کہ تم ھدایت کو اس وقت تک نہ پھچان سکو گے جب تک اس کے چھوڑنے والوں کو نہ پھچان لو اور قرآن کے عھد و پیمان کے پابند نہ رہ سکو گے جب تک کہ اس کے توڑنے والے کو نہ جان لو اور اس سے وابستہ نہیں رہ سکتے جب تک کہ اسے دور پھینکنے والوں کی شناخت نہ کرلو)

اور خطبہ کے آخر میں ارشاد فرماتے ھیں:

” پس انھیں سے ھدایت حاصل کرو، وھی علم کی زندگی اور جھالت کی موت ھیں وہ ایسے لوگ ھیں کہ ان کا (دیا ھوا) ھر حکم ان کے علم اوران کی خاموشی ان کی گویائی کا پتہ دے گی، اور ان کا ظاھر ان کے باطن کا آئینہ دار ھے، وہ نہ دین کی مخالفت کرتے ھیں نہ اس کے بارے میں باھم اختلاف رکھتے ھیں، دین ان کے سامنے ایک سچا گواہ ھے اور ایک ایسا بے زبان ھے جو بول رھا ھے۔“(۹)

قارئین کرام ! آپ حضرات نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام لوگوں کو متوجہ کرنے کے بعد ان سے چاھتے یہ ھیں کہ دین کو صرف اھل بیت (علیھم السلام) کے ذریعہ حاصل کریں کیونکہ دین اور قرآن سے انھیں کا حاصل کردہ نتیجہ صحیح اور بر حق ھے، اور دین سے دوسرے حاصل کردہ نتائج باطل اور بے بنیاد اور راہ خدا کو حاصل کرنے والوں اور حق و حقیقت کے تلاش کرنے والوں کے چور ھیں، جس کا نتیجہ گمراھی اور ذلت کے علاوہ کچھ نہیں ھوگا۔

توجہ فرمائیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے نظریہ کے مطابق یہ بات قابل قبول نہیں ھے کہ ھر کس و ناکس دین سے ایک الگ نتیجہ حاصل کرلے اور اس طرح کے تمام حاصل شدہ نتائج صحیح اور درست ھوں، کیونکہ یہ اپنے سلیقہ اور ذوق کے مطابق ھے کیا دین کے سلسلہ میں ذوق کا بھی کوئی دخل ھے؟ کیا دینی مسائل میں بھی ذوق دکھایا جاسکتا ھے؟ (ھرگز نہیں)

تو پھر دین کی صحیح تفسیر اھل بیت علیھم السلام سے حاصل کرنا چاھئے ، نہ یہ کہ اپنے سلیقہ اور ذوق کی بنا پر خود بھی گمراہ ھورھے ھوناور دوسروں کو دین سے گمراہ کردیں۔

۱۳۔ دینی سلسلہ میں ذاتی سلیقہ کو ردّ کیا جائے

بعض لوگ ھم سے کھتے ھیں کہ اپنے سلیقہ اور ذوق کو دوسروں پر نہ تھونپئے، تو کیا دین ذوق اور سلیقہ کا نام ھے، اور اس کی حد و حدود اور اس کے معنی و تفسیر انسان کے سلیقہ سے معین ھوتے ھیں؟ سلیقہ اور ذوق انسان کی عام زندگی سے متعلق ھوتا ھے؛ مثال کے طور پر کوئی شخص کوئی کپڑا یا دوسری چیز خریدنا چاھتا ھے تو اس موقع پر کسی دوسرے شخص پر اپنا سلیقہ تحمیل کرنا صحیح نہیں ھے لیکن اعتقادات میں سلیقہ اور ذوق کا کوئی سرو کار نہیں ھے، مثلاً کوئی شخص یہ کھے کہ میرا سلیقہ یہ کھتا ھے کہ خدا ایک ھے، اور(نعوذ باللہ) دوسرا شخص کھے کہ میرا سلیقہ یہ ھے کہ کئی خدا ھیں، کیونکہ شریعت اور احکام الٰھی عوام الناس کے ذوق کے تحت نہیں ھیں تاکہ کھنے والے کھیں کہ دوسروں کے سلیقوں کو بھی برداشت کریں ، نیز دوسروں کے سلیقوں کو ردّ نہ کریں پس اعتقادی مسائل، ضروریات اسلام، احکام اسلام، عقائد اور الٰھی اقدار کسی کے سلیقہ کے تحت نہیں ھیں، او ران کے سامنے ذوق و سلیقہ کو بالائے طاق رکہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

دیا جائے۔
خلاصہ یہ ھے اپنے نظریہ کو مطلق نہ قرار دینے کے شعار فقط دین کے فرعی اور ظنی مسائل میں صحیح ھے اور ان میں بھی ان حضرات کا نظریہ قابل قبول ھے جو دینی و فقھی مسائل میں اپنے عظیم الشان علم اور صحیح طریقہ سے مکمل طور پر اجتھاد کریں اور قرآن و سنت کے ذریعہ اپنے نظریہ کو استنباط کریں اور اسی کے مطابق فتویٰ دیں اور جو شخص اس طرح کی صلاحیت کا مالک ھوتا ھے اس کو اصطلاحاً ”فقیہ“ کھا جاتا ھے ، چنانچہ اسی موقع پر کھا جاتا ھے کہ ایک فقیہ اپنی رائے کو دوسرے فقیہ پر تحمیل کرنے کا حق نھیں رکھتا یہ مسلم ھے کہ دو فقھاء کے درمیان فتووں میں اختلاف ھوتا ھے لیکن ان میں سے کوئی بھی فقیہ یہ نھیں چاھتا کہ اپنے نظریہ کو دوسرے فقیہ پر تحمیل کرے لیکن عقائد، اصول اور اسلام کے قطعیات میں انسان کا کوئی سلیقہ اور ذوق قابل قبول نھیں ھے کیونکہ دینی عقائد میں صرف وھی چیز صحیح ھے جس کو چودہ سو سال پھلے پیغمبر اکرم (ص) اور آپ کے بعد ائمہ معصومین علیھم السلام نے بیان فرمایا ھے، اور تمام علماء اور فقھاء کا اس بات پر اتفاق ھے، کیونکہ اسلامی مسلمات کے سلسلہ میں پیغمبر اکرم (ص) اور ائمہ معصومین علیھم السلام کی قرائت کے علاوہ دوسری تمام قرائت باطل اور بے بنیاد ھیں، اور کسی بھی صورت میں قابل قبول نھیں ھے کہ کوئی آگے بڑہ کر یہ کھے میں بھی دین سے ایک نئی قرائت پیش کرتا ھو ں، در حقیقت اس طرح کا نظریہ دین میں بدعت گذاری کا واضح مصداق ھے جس سے مقابلہ کرنا حقیقی علماء اسلام کا فریضہ ھے، تاکہ وہ خداوندعالم ، اس کے فرشتوں اور نیک بندوں کی لعنت و نفرین کے مستحق قرار نہ پائیں۔
والسلام علیکم و رحمة اللہ و برکاتہ۔

والحمد للہ رب العالمین

تمت بالخیر
۱۲۰۰۱۵

حوالے:

(۱)سورہ مائدہ آیت۲۷
(۲) سورہ مائدہ آیت۳۱
(۳) سورہ نحل آیت ۹۲
(۴) سورہ جمعہ آیت ۵
)۵(سورہ مائدہ آیت ۲۷ ترجمہ : ” اور اے پیغمبر ! آپ ان کو آدم کے دونوں فرزندوں کا سچا قصہ پڑہ کر سنائیے “
(۶) سورہ اسراء (بنی اسرائیل) آیت ۱۰۵ ترجمہ : ھم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ھے اور یہ حق ھی کے ساتھ نازل ھوا ھے “
(۷) نھج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۲۲
(۸) نھج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۷
(۹)نھج البلاغہ ترجمہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ، خطبہ نمبر۱۴۵

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com